فغانِ رومی



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

فغانِ رومی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب : فُغانِ رُومی
مؤلف : عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مرتب : یکے از خدام حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ
اشاعتِ اوّل : جمادی الاوّل ۱۴۲۱ھ اگست ۲۰۰۰ء
اشاعتِ ثانی : ۴/ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۴ مارچ ۲۰۱۶ء بروز پیر
زیرِ اہتمام : شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی
پوسٹ بکس: 11182 رابطہ: 92.21.34972080+، 92.316.7771051
ای میل: khanqah.ashrafia@gmail.com
ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

دروسِ مناجاتِ رُومی

از مناجات خاتمِ مثنوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مرتب

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی، اَمَّا بَعۡدُ

سات سو سال پہلے حضرت شمس الدین تبریزی کے سینے کی آگ جو حضرت جلال الدین رومی کے سینے میں منتقل ہوئی اور آتش فشاں بن کر مثنوی کی صورت میں زبانِ رومی سے بر آمد ہوئی، اس کی شرح سات سو برس بعد اس زبان مبارک سے ہوئی جس کو عصرِ حاضر کے بڑے بڑے علماء حتیٰ کہ ایران کے صاحبِ زبان اہلِ حق علماء نے بھی رُومی ثانی کا لقب دیا ہے اور جن کی آتشِ درد اور آہِ دل عصرِ حاضر کے شمس تبریزی حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی روشن کردہ و پروردہ ہے، جیسا کہ شارحِ مثنوی حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے خود فرمایا ہے کہ ؎

آہِ من پروردۂ آہِ شما
دردِ من پروردۂ دردِ شما

ترجمہ: اے شاہ عبد الغنی! میری آہ آپ کی آہوں کی تربیت یافتہ اور میرا درد آپ کے درد کا پروردہ ہے۔

پیش نظر کتاب ''فُغانِ رُومی'' مولانا جلال الدین رُومی کے مناجاتیہ اشعار کی درد بھری شرح ہے جو مُرشدی و مولائی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی ہے۔ یہ خالی لفظی شرح نہیں ہے بلکہ حضرت والا کی وہ آتشِ دردِ دل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو خاص فرمایا اور جو اُمت میں خال خال ہی کو عطا ہوئی بلکہ بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اس دردِ دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو منفرد فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مناجاتِ رُومی کی ایسی شرح آج تک نظر سے نہیں گزری اور شاید ہی کسی زبان میں موجود ہو، کیوں کہ جب ایسے قلوب ہی نایاب ہیں تو زبان کہاں سے آئے گی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ[۱]

کسی کے دو شعر کیا خوب ہیں جو حضرت والا کے مقامِ عشق اور دردِ محبت کی انفرادی شان کے ترجمان ہیں۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

راقم الحروف عرض رسا ہے کہ الحمد للہ تعالیٰ! حضرت والا سراپا محبت ہیں، عشق کا سمندر ہیں، نہ جانے کتنے دریائے محبت حضرتِ اقدس کے سینۂ مبارک میں موجزن ہیں، لیکن ہم جیسے کور باطن اس کا کیا ادراک کرسکتے ہیں۔ در حقیقت حضرت والا دامت برکاتہم مولانا رُومی کے اس شعر کے مصداق ہیں۔

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
واندرونِ من نہ جست اسرارِ من

ترجمہ: ہر شخص اپنے گمان کے مطابق میرا دوست بنا ہوا ہے، لیکن میرے دل کے رازِ محبت سے کوئی واقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو وہ نظر عطا فرمائے جو حضرت والا کو پہچان سکے۔

ترے صدقہ میں اسے چشمِ بصیرت ہو عطا
آہ عشرت نے بھی اب تک تجھے پہچانا نہیں

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت والا کی صحیح معنوں میں قدر کی توفیق عطا فرمائے اور صحیح معنوں میں استفادہ کی توفیق دے اور حضرت کا سایۂ عاطفت ایک سو بیس سال تک مع صحت و عافیت و دین کی عظیم الشان و بے مثال خدمت اور شرفِ قبولیت کے ہمارے سروں پر قائم رکھے، آمین ثم آمین۔

---

[۱] سنن ابن ماجۃ: ۲/۴۰۵، باب فضل الحامدین، المکتبۃ الرحمانیۃ

اس کتاب کے مطالعے سے ان شاء اللہ تعالیٰ صرف دُعا مانگنے کا طریقہ ہی نہیں آئے گا بلکہ دل میں اللہ کی محبت کی آگ بھی لگ جائے گی۔

مناجاتِ رُومی کے اس درس کا اکثر حصہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں ری یونین سے تشریف لانے والے حضرت والا سے منسلک بعض علماء اور دیگر حضرات کی درخواست پر دیا گیا۔ یہ حضرات تقریباً آٹھ ماہ تک خانقاہ میں مقیم رہے، اس لیے وقتاً فوقتاً درس ہوتا رہا۔ اس کے بعد بقیہ حصہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں مکمل ہوا جب یہ حضرات ری یونین سے دوبارہ تشریف لائے اور اب ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں الحمد للہ تعالیٰ! اس کی اشاعت ہورہی ہے۔ حضرت والا کے بعض مضامینِ جدیدہ وعلومِ نافعہ اور اشعار وغیرہ مضمون کی مناسبت کی وجہ سے بعض مقامات پر شامل کردیے گئے ہیں جو دورانِ درس بیان نہ ہوئے تھے۔ بعض جگہ تو اس کی نشان دہی کردی گئی کہ یہ مضمون بعد کا ہے لیکن بعض مقامات پر اس کا اظہار نہیں کیا جاسکا، کیوں کہ مقصود نفع رسانی ہے نہ کہ تاریخی ریکارڈ کی درستگی۔

الحمد للہ! آج مؤرخہ ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۸/ جولائی ۲۰۰۰ء بروز جمعہ ’’فغانِ رومی‘‘ کی کمپوزنگ مکمل ہوئی اور طباعت کے لیے دی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور قیامت تک اُمتِ مسلمہ کے لیے نافع بنائیں، آمین۔

جامع ومرتب

یکے از خدّام

عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب

دامر ظلالھم علینا وعلیٰ سائر المسلمین

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فُغانِ رُومی

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۴؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۱؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خدائے باعطا و باوفا
رحم کن بر عمرِ رفتہ بر جفا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ باعطا بھی ہیں اور باوفا بھی ہیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ عطا کو وفا سے کیا نسبت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہر عطا کا سبب وفا اور محبت ہے۔ حق تعالیٰ کے جو بے پایاں عطا و انعامات ہیں ان کا سبب اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ محبت ہے۔ اور دنیا کے جتنے باعطا لوگ ہیں کسی مرحلے پر وہ وفا سے مجبور اور عطا سے معذور ہو جاتے ہیں، مثلاً: کسی کا گہرا دوست مقروض ہو گیا اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے دوست کی مدد کرے لیکن اس کے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ اس کا قرض ادا کر سکے یا دوست کی دشمن پٹائی کر رہے ہیں اور یہ دوست کی مدد کو آیا لیکن چار دشمنوں نے اسے بھی پکڑ لیا، یہ شخص باوفا ہونے کے باوجود باعطا ہونے پر قادر نہیں، وفا سے مجبور اور عطا سے معذور ہو گیا۔ لیکن اے اللہ! صرف آپ کی ذات ہے کہ کوئی چیز آپ کی عطا میں مانع نہیں ہو سکتی کیوں کہ آپ عَزِیْز ہیں،

زبردست طاقت والے ہیں، اور عَزِیْز کے معنیٰ ہیں اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَلَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ فِی اسْتِعْمَالِ قُدْرَتِہٖ [۲] یعنی جو ہر چیز پر قادر ہو اور اپنی قدرت کے استعمال میں کوئی چیز اس کو عاجز نہ کرسکے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ [۳]

یہ لَا نفی جنس کا ہے کہ اے اللہ! جنس کی کوئی نوع یعنی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ آپ عطا فرمانا چاہیں اور وہ اس میں مانع ہو جائے اور جس کو آپ اپنی عطا سے محروم کریں تو کوئی عطا کرنے والا اس کو عطا نہیں کرسکتا۔ جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو وہ تین اندھیروں میں تھے: رات کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا اور دریا کی تہہ کا اندھیرا اور فَھُوَ کَظِیْمٌ [۴] وہ گھٹ رہے تھے۔ وہاں کون تھا جو آپ کے پیغمبر کو اس امتحان سے نجات دیتا، لیکن آپ کی عطا میں کوئی چیز مانع نہ ہوئی اور دریا کی تہہ میں آپ نے سنگ ریزوں سے پڑھوا دیا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ ۖ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ [۵]

اور اشارہ دے دیا کہ یہ پڑھ لو تو نجات پا جاؤ گے۔ اور سُبْحٰنَکَ میں یہ علم پوشیدہ ہے کہ اس وقت بھی جبکہ مچھلی نے نگل لیا ہے آپ اس وقت بھی پاک ہیں ہر ظلم سے، آپ ظالم نہیں ہیں، میں ہی ظالم ہوں۔ تو آپ ایسے باعطا ہیں۔ اور باوفا کیسے کہ اپنے پیاروں اور وفاداروں کی سات پشت بلکہ دس پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَۃِ وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا [۶]

اور وہ دیوار جس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا، گر رہی تھی، آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے اس کو بنوا دیا تاکہ ظالم بادشاہ اس خزانے کو نہ چھین سکے اور اس عطا

---

۲ مرقاۃ المفاتیح: ۴۶۳/۵، باب قصۃ حجۃ الوداع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۳ صحیح البخاری: ۱۱۷/۱ (۸۴۸)، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، المکتبۃ المظہریۃ
۴ یوسف: ۸۴
۵ الانبیاء: ۸۷
۶ الکہف: ۸۲

اور کرم کی وجہ آپ نے قرآنِ پاک میں بیان فرمائی وَ کَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا کہ ان دونوں بچوں کا باپ ہمارا وفادار اور پیارا تھا۔ اور یہ باپ کون تھا؟ روایت میں ہے کہ کَانَ الۡاَبَ السَّابِعَ وَفِیۡ رِوَایَۃٍ اَلۡاَبَ الۡعَاشِرَ[۷] یہ ساتواں باپ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ دسواں باپ تھا۔ آہ! آپ کیسے باوفا ہیں کہ جو آپ کا ہو جاتا ہے آپ اس کی دس پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں۔ دنیا میں بھی ہمارے ساتھ ہیں، قبر میں بھی ہمارے ساتھ ہوں گے، میدانِ محشر میں بھی اور پلِ صراط پر بھی اللہ ہی ساتھ دے گا۔ ہمارا مالک دونوں جہاں کا مالک ہے اور دونوں جہاں میں صرف وہی باوفا ہے۔

اور دنیا کے باعطا بادشاہ اگر مجرموں کو معاف بھی کرتے ہیں تو عدالتِ عالیہ میں اس کا سابقہ ریکارڈ محفوظ رکھتے ہیں تاکہ اگر آیندہ کبھی وہ پھر بے وفائی کرے تو اس کا سابقہ ریکارڈ فردِ جرم عائد کرنے میں ثبوت فراہم کرے، لیکن اے اللہ! آپ ایسے باعطا ہیں کہ جس کو معاف کرتے ہیں اس کا سارا ریکارڈ ضایع کر دیتے ہیں، تاکہ میرا بندہ قیامت کے دن رُسوا نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَا تَابَ الۡعَبۡدُ اَنۡسَی اللّٰہُ الۡحَفَظَۃَ ذُنُوۡبَہٗ وَاَنۡسٰی ذٰلِکَ جَوَارِحَہٗ وَمَعَالِمَہٗ مِنَ الۡاَرۡضِ حَتّٰی یَلۡقَی اللّٰہَ وَلَیۡسَ عَلَیۡہِ شَاھِدٌ مِّنَ اللّٰہِ بِذَنۡبٍ[۸]

جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اس کے گناہوں کو بھلا دیتے ہیں اور اس کے جوارح یعنی اعضائے جسم جو اس کے خلاف گواہی دیتے ان کو بھی بھلا دیتے ہیں اور جس زمین پر اس نے گناہ کیا تھا (اور وہ زمین اس کے خلاف گواہ ہوتی) اس زمین سے بھی اس کے گناہوں کے نشانات کو مٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے گناہوں پر کوئی شہادت دینے والا نہ ہو گا۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ تو ایسے باعطا اور باوفا ہیں اور ہم اتنے ہی بے وفا اور پُر جفا ہیں۔

۷؎ روح المعانی: ۱۶/۱۳،الکھف (۸۲)، دار احیاء التراث، بیروت

۸؎ کنز العمال: ۴/۲۰۹ (۱۰۱۷۹)، باب فضل التوبۃ والترغیب فیھا، مؤسسۃ الرسالۃ

مجھ سے طغیانی و فسق و سرکشی
تجھ سے بندہ پروری ہوتی رہی

لٰہذا اے اللہ! ہماری جفاؤں پر اور ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرمائیے کہ آپ کریم ہیں، آپ ہماری اس عمر پر جو گناہوں میں گزر گئی رحم فرما دیجیے۔

دادۂ عمرے کہ ہر روزے ازاں
کس نداند قیمتِ آں در جہاں

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ نے ہمیں ایسی زندگی بخشی ہے کہ جس کے ایک روز کی قیمت دنیا میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ زندگی کتنی قیمتی ہے۔ اس کی ایک سانس میں انسان کافر سے مومن، فاسق سے ولی، جہنمی سے جنتی بن سکتا ہے اور اگر اس کی قیمت نہ پہچانی اور زندگی کو ضایع کر دیا تو موت کے وقت حسرت ہوگی کہ آہ! جس سانس میں ہم اللہ کو راضی کر کے دائمی جنت حاصل کرسکتے تھے اس کو ہم نے دنیا کی عارضی لذتوں میں ضایع کر دیا اور موت کے وقت وہ مہلت ختم ہوگئی۔

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا[۹]

اور اللہ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جبکہ اس کی میعاد (عمر) ختم ہونے پر آجاتی ہے۔ اس وقت اس زندگی کی ایک سانس کی قیمت معلوم ہوگی کہ اگر بادشاہ اپنی ساری سلطنت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دے کہ مجھے ایک لمحے کی مہلت دے دو تاکہ میں توبہ کر کے اللہ کو راضی کرلوں تو مہلت نہ ملے گی۔ یہ ایسی قیمتی زندگی ہے۔ پس اے اللہ! ہمیں توفیق دے دیجیے کہ ہم آپ کو یاد کر کے اور آپ کو راضی کر کے اور مہلتِ حیات سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر ابدی کامیابی حاصل کرلیں۔

خرچ کردم عمرِ خود را دمبدم
در دمیدم جملہ را در زیر و بم

اے خدا! ایسی قیمتی زندگی کو میں نے زیر و بم یعنی لہو و لعب میں پھونک ڈالا۔

۹؎ المنافقون:۱۱

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۵؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۲؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خدا فریاد ازیں فریاد خواہ
داد خواہم نے زکس زیں داد خواہ

ارشاد فرمایا کہ یہاں فریاد سے پہلے بشنوید محذوف ہے یعنی اے خدا! اس شخص کی فریاد کو سن لیجیے جو اس وقت فریاد کر رہا ہے۔ میں کسی سے انصاف نہیں چاہتا مگر اس ذات سے جو انصاف عطا فرمانے والی ہے، یعنی اے داد خواہی کرنے والے! اپنے نفس ہی کے ظلم کی آپ سے داد خواہی کرتا ہوں اور آپ سے انصاف چاہتا ہوں۔ اور دوسرے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ میں بخشش چاہتا ہوں اس ذات سے جس کو بخشش کرنا محبوب ہے۔

مولانا کی مراد یہ ہے کہ اے فریادیوں کی فریاد سننے والے! آپ سے فریاد ہے کہ آپ نے آیت **فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰىهَا**[1] نازل فرما کر ہمیں دو قسم کا اختیار دیا ہے: تقویٰ کا بھی اور فسق و فجور کا بھی، جس سے ہم بہت بڑی آزمایش میں ہیں۔ فرشتے تو مجبورِ اطاعت ہیں، وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے، لیکن ہمارے اختیار کے درخت میں دو شاخیں ہیں: ایک شاخ اطاعت کی ہے اور دوسری شاخ نافرمانی کی ہے کہ اگر چاہو تو تقویٰ کا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا میٹھا پھل حاصل کر لو اور اگر چاہو تو گناہ کر کے اللہ کے غضب کا کڑوا پھل لے لو، یعنی ہمیں اختیار ہے کہ چاہو تو اللہ کے فرماں بردار بن کر ولی اللہ اور رشک بایزید بن جاؤ اور چاہو تو نافرمانی کر کے ننگِ ابلیس اور ننگِ یزید بن جاؤ۔

اے خدا! فریاد ہے کہ اختیارِ خیر و شر کی کشمکش سے ہم سخت آزمایش میں ہیں کیوں کہ ہمارا نفس بہت نالائق ہے جس سے ہمیں سخت خطرہ ہے کہ آپ کے دیے ہوئے

[1] الشمس:۸

اختیار کو غلط استعمال کرجائے گا یعنی اطاعت وفرماں برداری کی شاخ پر بیٹھنے کے بجائے فسق ونافرمانی کی شاخ پر بیٹھ جائے گا کیوں کہ اس کی فطرت آپ نے بیان فرمادی کہ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ[۱۱] ہے، لہٰذا اندیشہ ہے کہ نیکی اور بدی کے اختیار میں اپنی فطرت کے سبب یہ بدی کو ہی اختیار کرے گا، لہٰذا اپنے اس ظالم نفس کے خلاف آپ کی عدالتِ عالیہ میں فریاد داخل کررہا ہوں کہ اس نفس نالائق کو آپ مجھ پر اختیار نہ دیجیے، اس کے اختیار سے مجھ کو خرید لیجیے اور اپنے خاص کرم اور خاص توفیق سے مجھے نیک کاموں پر مضطر کردیجیے۔

دراصل مولانا کا یہ شعر مشکوٰۃِ نبوت سے مستنیر ہے اور اس حدیثِ پاک کی شرح ہے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ، اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ، وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ[۱۲]

جب دشمن ستاتا ہے تو مظلوم سرکار کی عدالتِ عالیہ میں استغاثہ دائر کرتا ہے اور وہ مُدعی کہلاتا ہے اور جس کے خلاف استغاثہ دائر ہوتا ہے اس کو مدعیٰ علیہ کہتے ہیں اور فریاد کے مضمون کو استغاثہ کہتے ہیں۔

اس دُعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سکھادیا کہ جب تمہیں کوئی ستائے خواہ وہ تمہارا داخلی دشمن نفس ہو یا خارجی دشمن شیطان یا انسان ہو تو تم حیّ و قیّوم کی سرکارِ عالیہ میں اپنا استغاثہ وفریاد داخل کردو، کیوں کہ یہ وہ سرکارِ عالیہ ہے جس کی کائنات میں کوئی مثال نہیں، حق تعالیٰ کی ذات حَیّ ہے: اَیْ اَزَلًا اَبَدًا وَحَيَاةُ كُلِّ شَيْءٍ بِهٖ مُؤَبَّدًا یعنی اللہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسی سے ہر شے کی حیات قائم ہے اور اللہ قَيُّوْمٌ بھی ہے یعنی قَائِمٌ بِذَاتِهٖ وَيُقَوِّمُ غَيْرَهٗ بِقُدْرَتِهِ الْقَاهِرَةِ یعنی جو اپنی ذات سے قائم ہے اور دوسروں کو اپنی صفتِ قیومیت سے سنبھالے ہوئے ہے، یہ معنیٰ ہیں حَيٌّ وَقَيُّوْمٌ کے۔

اور جس عدالت میں یہ استغاثہ دائر کیا جارہا ہے وہ حق تعالیٰ کی رحمت کی

---

۱۱ یوسف:۵۳

۱۲ كنز العمال:۱۳۹/۲،(۳۴۹۸)،الباب الثامن :الدعاء،الفصل الخامس :أدعية المؤقتة،الفرع الثالث:أدعية الصباح والمساء،مؤسسة الرسالة

عدالت ہے بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کی رحمت کی عدالت میں اپنی فریاد داخل کرتا ہوں۔ اور مضمونِ استغاثہ ہے:

اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ

جس میں فریاد کا ایک مثبت اور ایک منفی مضمون ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ہر حالت کی اصلاح کی مثبت فریاد ہے اور نفس کے حوالے نہ کرنے کی منفی فریاد ہے، اور دنیوی عدالتوں میں جب مظلوم فریاد کرتا ہے تو مضمونِ استغاثہ طویل ہو جاتا ہے اور پھر بھی کثرتِ الفاظ میں مفہوم قلیل ہوتا ہے لیکن کلامِ نبوت کا اعجاز ہے کہ دو مختصر جملوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جہاں کی حاجتیں پیش فرمادیں، کیوں کہ آپ جَوَامِعُ الْكَلِمْ یعنی کلماتِ جامعہ سے نوازے گئے تھے۔ جَوَامِعُ الْكَلِمْ کے معنیٰ ہیں کہ قلیل الفاظ میں کثیر معانی پنہاں ہوتے ہیں۔

فریاد کا مثبت مضمون اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ ہے، یعنی میری ہر حالت کو درست فرمادیجیے، خواہ وہ حالت دنیا کی ہو یا آخرت کی۔ مثلاً: اگر کوئی دشمن ستارہا ہے تو اس کی ایذا رسانیوں سے نجات دے دیجیے، کوئی جسمانی خطرناک مرض پیدا ہورہا ہے تو اس کو شفا عطا فرمادیجیے۔ اسی طرح آخرت کے کاموں میں غفلت ہورہی ہو، نماز روزہ میں سستی ہورہی ہو تو اس کو دور فرمادیجیے، کسی گناہ کی عادت ہو تو اس سے توبہ کی توفیق دیجیے اور تقویٰ کی دولت عطا فرمادیجیے۔ یعنی جسمانی صحت بھی عطا فرمایئے اور رُوحانی صحت بھی عطا فرمایئے اور بگڑی کو بنادیجیے اور اپنے نام کی لذت اور عبادت کی مٹھاس اور ایمان کی حلاوت نصیب فرمادیجیے اور كُلَّهٗ تاکید ہے یعنی ہماری کوئی حالت ایسی نہ رہنے پائے جس پر آپ اپنی نگاہِ کرم نہ ڈالیں اور ہماری بگڑی کو نہ بنادیں۔ بس دنیا کی ہر حالت کی درستگی کی اور آخرت کی ہر حالت کی درستگی کی فریاد اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ کے اس مختصر سے جملے میں ہے۔ کلامِ نبوت کی جامعیّت کا یہ اعجاز ہے۔

اور استغاثہ کا منفی مضمون وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ ہے، اور جس

کے خلاف یہ استغاثہ دائر کیا جارہا ہے وہ مدعیٰ علیہ کون ہے؟یعنی وہ کون دشمن ہے جس کے خلاف رحمتِ الٰہیہ کی عدالت میں یہ فریاد داخل کی جارہی ہے؟ وہ نفس ہے جس کا ذکر استغاثہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ سب سے بڑا دشمن میرا نفس ہے اور یہ اتنا بڑا دشمن ہے کہ پلک جھپکنے میں وار کرکے آدمی کو تباہ کرسکتا ہے۔ دیکھیے کتنا ہی بڑا دشمن ہو، حملے کے لیے پہلے کچھ اسلحہ سنبھالے گا، کچھ خود سنبھلے گا، وار کے لیے کچھ نشانہ لگائے گا، پلک جھپکتے ہی وار نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ صرف نفس دشمن ہے جو پلک جھپکنے میں انسان کو ہلاک کرسکتا ہے، پلک جھپکی اور قصداً کفر کا عقیدہ دل میں ڈال دیا اور اسی وقت کافر بنادیا یا پلک جھپکنے میں کسی گناہ کا ارادہ دل میں ڈال دیا اور گناہ میں مبتلا کرکے فاسق بنادیا۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو سکھارہے ہیں کہ اے اللہ! پلک جھپکنے بھر کو مجھے میرے نفس دشمن کے حوالے نہ کیجیے کیوں کہ میرا سب سے بڑا دشمن میرا نفس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ اَعۡدٰی عَدُوِّکَ فِیۡ جَنۡبَیۡکَ[۱۳]

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے اور اس سے مراد نفس ہے جو پہلو میں چھپا بیٹھا ہے اور گھر کا دشمن باہر کے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، شیطان تو باہر کا دشمن ہے، وہ تو ایک بار وسوسہ ڈال کر چلا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ایک ہی آدمی کے پیچھے لگا رہے، لیکن نفس تو ہر وقت پہلو میں ہے لٰہذا بار بار گناہ کا تقاضا کرتا ہے۔ حضرت حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ شیطانی وسوسہ اور نفسانی وسوسہ میں یہی فرق ہے کہ اگر ایک بار گناہ کا تقاضا ہوا تو یہ شیطان کی طرف سے ہے اور جب بار بار گناہ کا تقاضا ہو تو ہوشیار ہوجاؤ کہ یہ نفس کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کی حقیقت بتادی کہ

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ

---

۱۳ روح المعانی:۱/۵۷، البقرۃ (۱۲۳)، ذکرہ فی باب الاشارات، دار احیاء التراث، بیروت/ مرقاۃ المفاتیح:۳/۲، ۳۷، باب التطوع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

یعنی كَثِيْرُ الْأَمْرِ بِالسُّوْءِ ہے، بہت زیادہ بُرائی پر اُکسانے والا ہے لہٰذا نفس کے شر سے کون بچ سکتا ہے؟ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ جس پر حق تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہو۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ ما ظرفیہ زمانیہ مصدریہ ہے جس کا ترجمہ ہوگا أَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَةِ رَبِّیْ[۱۴] کہ جس وقت میرے رب کی رحمت کا سایہ ہوگا تب نفس کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

پس اسی حدیثِ پاک کی روشنی میں مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں کہ اے فریادیوں کے فریاد رس! میری فریاد کو سن لیجیے کہ میں اپنے نفس کی بیداد کی آپ ہی سے داد رسی چاہتا ہوں کہ مجھے میرے اس نفسِ امّارہ کے اختیار کے حوالے نہ کیجیے ورنہ یہ نفس مجھ کو بدی کی راہ پر لے جائے گا، لہٰذا نفس کے ہاتھوں سے مجھے خرید کر اپنی رحمت کے سائے میں رکھیے۔ اگر آپ کی رحمت کا سایہ اس نفس پر پڑ گیا تو یہ کرگس بھی پھر بازِ شاہی اور بازِ سلطانی کا کردار ادا کر سکتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں سجدہ ریز و اشکبار ہو سکتا ہے، اور میرے قلب و جاں آپ سے اس درجہ چپک سکتے ہیں کہ ساری کائنات مجھے آپ سے ایک بال کے برابر جدا نہیں کرسکتی، لہٰذا آپ ہمیشہ اور ہر لحہ مجھے اپنی رحمت کے سائے میں رکھیے، ایک لمحے کے لیے مجھ کو میرے نفس کے سپرد نہ کیجیے، ورنہ خوف ہے کہ یہ راہِ طاعت وسعادت کو چھوڑ کر راہِ شقاوت اختیار کرلے، کیوں کہ معصیت شقاوت کی راہ ہے اور ترکِ معصیت نزولِ رحمت کی دلیل ہے، اسی لیے ہمیں حدیثِ پاک میں یہ دُعا بھی سکھائی گئی:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِكَ[۱۵]

اے اللہ! ہم پر وہ رحمت نازل فرمادے جس سے ہمیں گناہ چھوڑنے کی توفیق ہو اور اپنی نافرمانی سے ہمیں شقی اور بدبخت نہ ہونے دیجیے وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ اور ہمیں ایک پل کے لیے ہمارے نفس کے حوالے نہ کیجیے۔ اس شعر میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ یہی فریاد کررہے ہیں جس کی تعلیم مذکورہ حدیثِ پاک میں دی گئی ہے۔

---

۱۴ روح المعانی: ۲/۱۳، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

۱۵ کنز العمال: ۱۷۶/۲ (۳۶۱۷)، باب جوامع الادعیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

داد خود چو من ندادم در جہاں
عمر شد ہفتاد سال از من جہاں

میں نے دنیا میں خود اپنے ساتھ انصاف نہیں کیا یعنی گناہ کر لیے اور اپنے اُوپر ظلم کیا یہاں تک کہ عمر کے ستر سال گزر گئے اور میں تن پروری و تن پرستی میں مشغول رہا۔ جسم کا جو گھوڑا مجھے اس لیے دیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے میں آخرت کا سفر طے کروں یعنی اپنے اعضاء سے نیک اعمال کر کے آخرت کی کامیابی حاصل کروں، لیکن میں جسم کی سواری کو مقصود سمجھ بیٹھا اور اس کی آرایش وزیب وزینت میں مشغول ہو کر سفر سے غافل ہو گیا حالاں کہ یہ سواری مقصود نہ تھی، ذریعۂ مقصود تھی، منزلِ مقصود رضائے حق اور فلاحِ آخرت تھی، لیکن آہ! میں نے ظلم کیا کہ اپنے مقصود سے غافل ہو گیا اور آخرت کا سفر طے کرنے کے بجائے اس جسم کو حرام لذتیں دیتا رہا، یہاں تک کہ اب میں عمر کے آخری حصے میں پہنچ گیا اب سوائے رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا[۱۶] کے کوئی چارہ نہیں۔ پس آپ میری نالائقیوں کو معاف فرما دیجیے اور توبہ سے میرے ماضی کو معاف اور حال کو اصلاحِ اعمال سے درست اور مستقبل کو عزم علی التقویٰ سے روشن فرما دیجیے۔

دادِ خود از کس نیابم جز مگر
زانکہ ہست از من بمن نزدیک تر

میں کسی سے بخشش و رحم و انصاف نہیں پا سکتا حتّٰی کہ اپنے نفس اور اپنی جان سے بھی نہیں پا سکتا، بلکہ صرف اس ذات سے پا سکتا ہوں جو میری رُوح اور نفس سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہے، یعنی اے اللہ! بخشش و انصاف میں صرف آپ سے پا سکتا ہوں، کیوں کہ آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[۱۷]

۱۶؎ الاعراف:۲۳
۱۷؎ قٓ:۱۶

ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ احقر کا ایک قطعہ اس مقام کے مناسب ہے اس لیے نقل کرتا ہوں۔

ایسا محبوب کوئی دکھلائے
ہو جو ہر دم دلِ حزیں کا حبیب

جو ہو موجود دل کی دھڑکن میں
رگِ جاں سے بھی ہو زیادہ قریب

پس جب میرا نفس اور میری رُوح آپ کے مقابلے میں مجھ سے دور ہیں اور آپ میرے نفس ورُوح سے بھی نزدیک تر ہیں، لہٰذا آپ ہی بخشش وعطا کے اہل ہیں، اس لیے میں آپ ہی سے فریاد رسی وداد خواہی کروں گا، فَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کیوں کہ آپ ہی اس قابل ہیں جس سے مدد طلب کی جائے اور ہماری مدد کو پہنچنا آپ پر احساناً وتفضّلاً واجب ہے، اور ہم میں گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں ہے مگر آپ کی حفاظت سے اور نیکیوں کی قوت نہیں ہے مگر آپ کی مدد سے۔

ایں چہ غل است اے خدا بر گردنم
ورنہ غل باشد کہ گوید من منم

اے خدا! یہ کیسا طوق ہے جو مثل قیدیوں کے میری گردن میں پڑا ہوا ہے۔ دراصل یہ عُجب وکِبر کا طوق ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ طوق میری گردن میں نہ ہوتا یعنی عُجب وکِبر میں ابتلاء نہ ہوتا تو کون کہتا کہ میں میں ہوں۔ یہ میں میں کرنا دلیل ہے کہ یہ شخص عجب وکبر میں گرفتار ہے۔ عُجب نام ہے خود بینی وخود ستائی کا یعنی اپنے کو اچھا سمجھنا اور کسی خوبی اور صفت مثلاً اپنے علم وعمل یا حسن وجمال یا دولت ومال وغیرہ کو اپنا ذاتی کمال سمجھنا، عطاءِ حق نہ سمجھنا اور کبر یہ ہے کہ اپنے کو اچھا بھی سمجھنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا اور حق بات کو قبول نہ کرنا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں کبر کی علامت بیان فرمائی

گئی کہ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ[۱۸]۔ اور عُجب و کِبر دونوں حرام ہیں اور اللہ کے قُرب سے محروم کرنے والے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عُجب و کبر کا یہ طوق اتنا خبیث ہے جو نفس کا قیدی بنا دیتا ہے اور ایسا شخص اپنی ہی صفات پر نظر رکھتا ہے کہ میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں اور یہ احمق نہیں جانتا کہ یہ تمام خوبیاں اللہ کی طرف سے چند روز کے لیے امتحاناً مستعار عطا ہوئی ہیں جس وقت چاہے اللہ ان کو چھین سکتا ہے اور موت کے وقت تو یقیناً چھین لی جائیں گی، اسی لیے معجب (عُجب والا) اپنی ذات سے وابستہ اور حق تعالیٰ کی رحمت سے دور اُفتادہ ہوتا ہے۔ حکیم الاُمت مجدّد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ جس وقت اپنی نظر میں اچھا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں بُرا ہوتا ہے اور جس وقت اپنی نظر میں بُرا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں اچھا ہوتا ہے، اسی لیے مستحقِ رحمت ہوتا ہے۔ اور اپنے کو اچھا سمجھنے والا مستحقِ لعنت ہوتا ہے۔ اور خود بینی کی ایک مثال میرے دل کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ جیسے کوئی عشق کا دعویٰ کرنے والا محبوب کے سامنے ہو اور بجائے محبوب کو دیکھنے کے آئینے میں اپنے ہی خدوخال دیکھ رہا ہو تو بتائیے ایسے عاشق کو محبوب پسند کرے گا؟ یا جوتے مار کر بھگا دے گا؟ اسی طرح خود ستائی و خود بینی والا حق تعالیٰ کی نظر میں سخت مبغوض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قُرب سے محروم فرما دیتے ہیں۔ یہی مضمون احقر نے اپنی فارسی مثنوی میں بیان کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں۔

ہمچنیں عاشق کہ معشوقے بدید
پیشِ آں معشوق روئے خود بدید

پس چرا غیرت نیاید دلبراں
ہمچنیں عشاق را چو خر براں

جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کے سامنے ہو، لیکن محبوب کو دیکھنے کے بجائے آئینے میں

[۱۸] صحیح مسلم: ۱/۶۵، باب تحریم الکبر و بیانہ، ایچ ایم سعید

اپنے چہرے کو دیکھ رہا ہو، تو کیا محبوب کو غیرت نہ آئے گی اور ایسے عاشق کو گدھے کی طرح ہانک کر اپنے پاس سے بھگا نہ دے گا؟

اور کِبر عُجب سے اشدّ ہے کہ متکبّر خود کو اچھا ہی نہیں سمجھتا دوسروں کو حقیر بھی سمجھتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو گرادیتے ہیں اور مخلوق کی نظر میں بھی ذلیل کردیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَّفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِّنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ [۱۹]

جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اس کو خدا گرادیتا ہے پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا اور حقیر ہوتا ہے مگر اپنے دل میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوجاتا ہے۔

مولانا کا مقصد اس شعر سے یہ ہے کہ اے اللہ! عجب و کبر کا طوق ہماری گردن میں ہے اور ہم اس سے پاکی اور براءت کا اعلان کیسے کرسکتے ہیں جب کہ اس کی علامات واضح طور پر ہمارے اندر موجود ہیں کہ ہم خود بینی و خود ستائی میں مبتلا ہیں، پس آپ اس طوق کو ہماری گردن سے نکال دیجیے اور اپنی محبت کا طوق ہماری گردن میں ڈال دیجیے تا کہ ہم آپ کے نور میں غرق ہوجائیں، جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
بر سر و بر گردنم مانندِ طوق

آپ کا نور میرے دائیں بائیں اُوپر نیچے ہو اور میرے سر اور گردن میں مانند طوق آجائے، یعنی آپ کے ذکر و طاعت کے نور میں ہم غرق ہوجائیں۔ مولانا کا یہ شعر دراصل مقتبس ہے اس حدیثِ پاک سے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ

[۱۹] مشكوة المصابيح: ۴۳۴، باب الغضب والكبر، المكتبة القديمية

نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّمِنْ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّلَحْمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ دَمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا [۲۰]

ترجمہ: اے اللہ! عطا فرما میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری شنوائی میں نور اور میرے داہنی طرف نور اور میرے بائیں طرف نور اور میرے پیچھے نور اور میرے سامنے نور اور عطا فرما میرے لیے ایک خاص نور اور میرے اعصاب میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میرے پوست میں نور اور میری زبان میں نور اور کردے میری جان میں نور اور مجھے نورِ عظیم عطا فرما اور کردے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور، یا اللہ! مجھے نور عطا فرما۔

زانکہ خاصاں را تو مہرو کردۂ
ماہِ جانم را سیہ رو کردۂ

مولانا رُومی حق تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ خاص بندوں کی جان کو بہ برکتِ تقویٰ آپ نے ماہ رو کردیا یعنی چاند کی طرح روشن کردیا اور ہماری جان کو بوجہ ہماری شامتِ اعمال سیاہ رو کردیا۔

اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ مولانا نے سیاہ رو کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے اس سے بظاہر بے ادبی لازم آتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں ہے بلکہ نسبت اپنی شامتِ اعمال اور معاصی پر استمرار کی نحوست کی طرف ہے جس پر بطورِ سزا یہ سوءِ قضا مسلّط کی گئی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

۲۰ جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۴/۲۱۳-۲۱۴، (۲۱۸۹)، الکتاب الاول فی الدعاء فی الصلٰوۃ مطلقا مشترکا، مکتبۃ الحلوانی

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ‌ؕ وَعَلٰۤى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ[۲۱]

مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ جب اللہ نے مہر لگادی تو ایمان نہ لانے میں اہلِ کفر کا معذور ہونا لازم آتا ہے تو اس کا جواب حکیم الاُمت نے ''بیان القرآن'' میں دیا کہ ان کے مسلسل کُفر و طغیان اور بُغض و عناد اور مخالفتِ حق کے سبب ان کے اندر قبولِ حق کی استعداد ہی ختم ہوگئی، حالاں کہ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اندر قبولِ حق کی استعداد رکھ کر دنیا میں بھیجا ہے، لیکن آدمی اپنی اغراضِ نفسانی وخود غرضی اور ضد اور سرکشی کے سبب حق کی مخالفت کرتا ہے جس سے وہ استعداد فنا ہوجاتی ہے۔ لٰہذا جب اُنہوں نے طے کرلیا کہ ہم تمام عمر کفر پر قائم رہیں گے اور کبھی ایمان نہ لائیں گے، ہمیشہ حق کی مخالفت کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر مہر لگادی کہ جب تم نے قبولِ حق کی اپنی استعداد ہی برباد کرلی تو جاؤ اب کفر ہی پر مرو، تو اس مہر لگانے کا سبب ان کا کفر ہے نہ کہ یہ مہر اُن کے کفر کا سبب ہے، یعنی ان کے مسلسل کفر کے سبب یہ مہر لگادی گئی، یہ نہیں کہ مہر لگانے سے کفر ان کا مقدّر ہوا۔ اور اس کی مثال حضرت حکیم الاُمت نے عجیب دی کہ جیسے کوئی کریم کسی مفلس کا ہزار روپے وظیفہ مقرر کردے، لیکن وہ نالائق بجائے قدر کرنے کے ہزار روپے کے نوٹوں کو جلاکر ضایع کردیتا ہے۔ اس کریم نے بارہا اس نامعقول حرکت سے منع بھی کیا لیکن وہ نالائق اپنی حرکت سے باز نہیں آتا، تب وہ کریم اعلان کرتا ہے کہ اس نے مسلسل ہمارے عطیہ کی ناقدری کی، لٰہذا اب ہم اس کا وظیفہ بند کرتے ہیں اور اب کبھی اس کو وظیفہ نہ دیں گے۔ بس یہی ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اور قرآنِ پاک کی ایک

---

[۲۱] البقرۃ:۷

آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، چناں چہ اس آیت کی تفسیر دوسری آیت میں ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ ہم نے ان کافروں کے دلوں پر جو مہر لگائی ہے اس کا سبب ان کا کُفر ہے کہ ان کا ارادہ تاحیات اس طغیان وسرکشی پر قائم رہنے کا ہے، لہٰذا یہ مہران کے کُفروسرکشی کا خمیازہ ہے۔

حکیم الاُمت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ کافر مثلاً پچاس سال کفر کرتا ہے اور مومن پچاس سال ایمان پر رہتا ہے، توعدل کا تقاضا یہ تھا کہ کافر کو پچاس سال دوزخ میں ڈال دیا جاتا اور مومن کو پچاس سال کے لیے جنت دے دی جاتی، لیکن کافر کے لیے خُلُوْدٌ فِی النَّارِ اور مومن کے لیے خُلُوْدٌ فِی الْجَنَّۃِ کیوں ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خُلُوْدٌ بوجہ ان کی نیت اور ارادہ کے ہے، چوں کہ کافر کا ارادہ یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہوں گا تو کفر پر ہی قائم رہوں گا لہٰذا اس کی اس نیت کی وجہ سے خُلُوْدٌ فِی النَّارِ ہے اور مومن کی نیت چوں کہ یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہا تو ایمان پر ہی رہوں گا، اللہ ہی کا ہو کر رہوں گا، اس لیے مومن کے لیے خُلُوْدٌ فِی الْجَنَّۃِ ہے۔

اشکوں کی بُلندی

خُداوندا مجھے توفیق دے دے
فِدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو

گنہگاروں کے اشکوں کی بُلندی
کہاں حاصل ہے اختؔر کہکشاں کو

اختؔر

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۶؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۳؍ فروری ۱۹۹۱ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

خواجہ تاشانیم امّا تیشہ ات
می شگافد شاخ را در بیشہ ات

ارشاد فرمایا کہ ایک بادشاہ کے کئی غلام آپس میں خواجہ تاش کہلاتے ہیں۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ ہمارے مالک ہیں اور ہم سب بندے آپس میں خواجہ تاش ہیں اور دنیا کے جنگل میں آپ کا تیشہ شاخوں کی تراش خراش اور اصلاح کرتا رہتا ہے، یعنی بندوں کے نفوس کے اصل مُزکّی آپ ہیں، اگر آپ نہ چاہیں تو کسی کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ جس طرح جس باغ کے درختوں کا کوئی مالی نہ ہو تو اس کی شاخیں بے ہنگم اور ٹیڑھی میڑھی ہوتی ہیں اور جن درختوں کا مالی ہوتا ہے تو وہ درخت نہایت موزوں، خوبصورت اور سبک ہوتے ہیں، کیوں کہ بے ہنگم شاخوں کو مالی اور باغبان کاٹتا رہتا ہے، اسی طرح جو شیخ سے اپنی اصلاحِ نفس کا تعلق رکھتے ہیں ان کے اخلاق واعمال نہایت معتدل اور پیارے ہوتے ہیں کہ جو اُن کو دیکھتا ہے ان کے اخلاقِ حمیدہ سے متأثر ہوتا ہے، لیکن حقیقی مزکّی اور مصلح اللہ تعالیٰ ہیں، مگر عادۃ اللہ یہی ہے کہ تزکیہ کا دروازہ اور ظاہری وسیلہ رجال اللہ ہیں، اسی لیے قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ [۲۲]

اے موسیٰ! اپنی قوم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالیے۔ حضرت حکیم الاُمت مجدّد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ''بیان القرآن'' کے حاشیہ مسائل

---

[۲۲] ابراھیم:۵

السلوک میں تحریر فرماتے ہیں:

إِسْنَادُ الْاِخْرَاجِ إِلَى النَّبِيِّ مَعَ كَوْنِ الْمُخْرِجِ الْحَقِيْقِيِّ هُوَ اللهُ فِيْهِ أَقْوٰى دَلِيْلٍ أَنَّ لِلشَّيْخِ مَدْخَلًا عَظِيْمًا فِيْ تَكْمِيْلِ الْمُرِيْدِ

ظلمتوں سے نور کی طرف اخراج کی نسبت نبی کی طرف کرنا باوجود یہ کہ مُخرجِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اس میں نہایت قوی دلیل ہے کہ شیخ کو مُرید کی تکمیلِ اصلاح میں زبردست دخل ہے۔ بس اہل اللہ دروازۂ تزکیہ ہیں، وسیلۂ تزکیہ ہیں، اصل مُزکّی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ [۲۳]

اللہ تعالیٰ ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ [۲۴]

اس آیت کے مخاطبِ اوّل صحابہ ہیں، صحابہ سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے صحابہ! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو قیامت تک تم میں سے کوئی پاک نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے تزکیہ فرماتا ہے۔ تو جب صحابہ جن کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت کی صحبت حاصل تھی، اُس آفتابِ نبوّت کی صحبت کہ ایسا آفتاب نہ پہلے پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا، ان کا تزکیہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ومشیّت پر موقوف ہے تو پھر کس کا منہ ہے جو اس فضل ورحمت ومشیّت کا محتاج نہ ہو۔ پس اے اللہ! ہم آپ سے اس تیشۂ تزکیہ کی بھیک مانگتے ہیں جو بندوں کی اصلاح کا اصل سبب ہے، لہٰذا آپ اپنا وہ فضل اور وہ رحمت اور وہ مشیت ہمارے شاملِ حال کر دیجیے جس پر تزکیہ موقوف ہے۔

---

۲۳ البقرة:۲۵۷

۲۴ النور:۲۱

باز شاخے را موصّل می کنی
شاخ دیگر را معطل می کنی

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ایک شاخ کو تو آپ درخت سے جوڑ دیتے ہیں اور دوسری شاخ کو قطع کر دیتے ہیں، یعنی جس پر آپ کا فضل و رحمت اور مشیت ہوتی ہے جو آیتِ پاک میں مذکور ہے، اس کو آپ اپنے سے ملا لیتے ہیں، اپنا قُرب عطا فرماتے ہیں یعنی اس کا تزکیہ فرما دیتے ہیں اور جس پر آپ کا فضل اور آپ کی رحمت اور آپ کی مشیت نہیں ہوتی اس کا کبھی تزکیہ نہیں ہوتا اور مثل شاخ بُریدہ کے وہ آپ کے گلستانِ قُرب سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کی تکوینی مشیت ایک کو مقبول اور ایک کو مردود کرتی ہے۔ اسی کو صاحبِ گلزارِ ابراہیم فرماتے ہیں ؎

کعبہ میں پیدا کرے زندیق کو
لاوے بت خانے سے وہ صدیق کو
زادۂ آزر خلیل اللہ ہو
اور کنعاں نوح کا گمراہ ہو
اہلیہ لوط نبی ہو کافرہ
زوجۂ فرعون ہو وے طاہرہ
دیر کو مسجد کرے مسجد کو دیر
غیر کو اپنا کرے اپنے کو غیر
فہم سے بالا خدائی ہے تری
عقل سے برتر خدائی ہے تری

شاخ را بر تیشہ دستی ہست نے
ہیچ شاخ از دستِ تیشہ رست نے

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ شاخوں کو تیشہ پر کوئی قدرت نہیں کہ وہ تیشہ کو مجبور کر سکیں کہ

تراش خراش کرکے انہیں سنوار دے اور کوئی شاخ تیشہ کی دسترس سے باہر نہیں کہ تیشہ جس شاخ کی قطع وبُرید کرنا چاہے اور وہ شاخ اس کے قبضۂ قدرت سے بچ جائے۔ مراد یہ کہ بندے ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے محتاج اور فقیر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ[۲۵]

اے دنیا بھر کے انسانو! تم سب میرے فقیر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات صمد ہے جس کے معنیٰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں: اَلْمُسْتَغْنِیْ عَنْ کُلِّ أَحَدٍ وَّالْمُحْتَاجُ اِلَیْهِ کُلُّ أَحَدٍ جو ہر ایک سے مستغنی ہے اور ہر ایک جس کا محتاج ہے، لہٰذا ہر شے ان کے دستِ قدرت کے تحت ہے، پس وہ قادرِ مطلق جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے ارادے پر مراد کا ترتّب لازم اور تخلّف محال ہے۔

پس کوئی لاکھ چاہے کہ اپنے دست وبازو کے زور پر میں اپنا تزکیہ کرلوں گا اور اللہ تعالیٰ کی مشیّت نہ ہو تو ہر گز اس کا تزکیہ نہیں ہوسکتا اور اگر حق تعالیٰ ارادہ فرمالیں تو اس کا تزکیہ یقینی ہے چاہے وہ لاکھ خود کو برباد کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت شاملِ حال ہوگئی۔ اسی کو میرے شیخ فرماتے تھے ؎

لاکھ ابھاگن مر گئیں جگت جگت بو رائے
پیا جا کو چاہے سوتت لیے جگائے

لاکھوں لوگ اپنے دست وبازو پر ناز کے سبب باوجود مجاہدہ ومحنت کے اللہ تک نہ پہنچ سکے اور جس کو اللہ اپنا بنانا چاہتے ہیں سوئے ہوئے کو جگادیتے ہیں۔

حقِ آں قدرت کہ آں تیشہ نماست
از کرم کن ایں کژی ہارا توراست

اے خدا! صدقے میں اپنی قدرت کے جو تیشہ نما ہے کہ جس طرح تیشہ درخت کی ٹیڑھی کبڑی شاخوں کو سیدھا اور ہموار کردیتا ہے آپ اپنے کرم سے میرے نفس کی

---

۲۵ الفاطر:۱۵

کجی کو بھی سیدھا کر دیجیے، یعنی میرے نفسِ امّارہ کو نفسِ مطمئنّہ بنا دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا[۲۶]

اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ اور پرہیز گاری دے دے اور اس کو پاک کر دے کہ تو ہی سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک ہے اور تو ہی اس کا مولیٰ ہے۔

اے خداوند ایں خم و کوزہ مرا
در پذیر از فضل اللہ اشتری

ارشاد فرمایا کہ خُم بِضَمِّ خاء مٹکے کو کہتے ہیں اور کوزہ پیالے کو کہتے ہیں۔ کوز در عربی بمعنیٰ کوزہ وہر ظرف دستہ دار (غیاث اللغات) تو معنیٰ یہ ہوئے کہ اے اللہ! میری چھوٹی بڑی طاعت، چھوٹی بڑی عبادت، چھوٹی بڑی دینی خدمت کو قبول فرمالیجیے۔ اور خَم بفتحِ خاء کجی اور ٹیڑھا پن۔ کوز در فارسی بمعنیٰ خمیدہ ودوتاشدہ و بمعنیٰ پشت خمیدہ (غیاث اللغات) تو شعر کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اے اللہ! میری کجی اور ٹیڑھے پن کو یعنی میرے نفسِ بد اور کج رو کو اپنے اس فضل کے صدقے میں خرید لیجیے، جو آپ نے قرآنِ پاک میں ظاہر فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ[۲۷]

اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اَنْفُسَھُمْ فرمایا قُلُوْبَھُمْ اور اَرْوَاحَھُمْ نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ جو کریم ہوتا ہے وہ بازار میں عیب دار سودے کو خریدتا ہے، تاکہ اس کا مالک جو سمجھتا ہے کہ میرے اس عیب دار مال کو کون خریدے گا، خوش ہو جائے[۲۸]

---

۲۶ کنز العمال: ۲/۱۷۷ (۳۶۱۹)، الباب الثامن، الدعاء، مؤسسة الرسالة
۲۷ التوبة: ۱۱۱
۲۸ روح المعانی: ۱۱/۵۴، التوبة (۱۱۱)، دار احیاء التراث، بیروت

تو قلب اور رُوح کے مقابلے میں نفس کیوں کہ عیب دار سودا تھا، اس لیے اس کریم مالک نے اس کو خریدنے کی بشارت دے دی تا کہ بندے خوش ہو جائیں کہ ہمارا عیب دار سودا خرید لیا گیا۔

مولانا کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ نے مسلمانوں کے نفوس کو خرید لیا ہے تو میں بھی مسلمان ہوں، میرے نفس کو بھی آپ خرید لیجیے اور اس کی کجی اور بدخوئی پر نظر نہ فرمایئے۔

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام
کاندر و بے حرف می روید کلام

مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا! میری جان کو تو وہ مقام دکھادے جہاں کلام حروف کا محتاج نہیں ہوتا۔ سلوک میں ایک عمر اہل اللہ کی مصاحبت اور ذکر اللہ پر مداومت اور گناہوں سے محافظت، اسبابِ گناہ سے مباعدت اور سنّت پر مواظبت کی برکت سے جب فنائیتِ کاملہ نصیب ہو جاتی ہے اور قلب کا رُخ ہمہ وقت حق تعالیٰ کی طرف مستقیم ہو جاتا ہے تو دل پر الہامات وعلوم ومعارفِ غیبیہ کا ورود ہونے لگتا ہے، جیسے ریڈیو کی سوئی کا رُخ اگر ماسکو کی طرف ہو جائے تو گانا بجانا اور فسق وفجور کی خبریں آنے لگتی ہیں اور اگر مکہ شریف کی طرف ہو جائے تو لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ اور اذان وتکبیر کی آوازیں آنے لگتی ہیں، اسی طرح جب دل کی سوئی کا رخ حق تعالیٰ کی طرف مستقیم ہو جاتا ہے تو دل میں عالمِ آخرت کی خبریں آنے لگتی ہیں، الہامات اور وارداتِ غیبیہ کا نزول ہونے لگتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ دنیا کے ریڈیو کی آواز تو الفاظ وحروف کی محتاج ہے لیکن یہ کلامِ غیبی حروف والفاظ سے مبرّا ہوتا ہے اور جس کو یہ نصیب ہوتا ہے وہی جان سکتا ہے دوسرا ان حالاتِ خاصّہ کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو یہ مقامِ قُرب نصیب فرمائے۔ اسی کو حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بس حروف والفاظ نہیں ہوتے، لیکن دل میں ہر وقت آواز آتی رہتی ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ اسی مقام کو حضرت خواجہ صاحب نے یوں تعبیر فرمایا۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

یہی وہ ربطِ خفی ہے جس کو حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا کہ اصحابِ کہف جو نہایت نادار اور غریب خاندان کے لڑکے تھے، جب کافر بادشاہ کے سامنے اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ[۲۹]
ہم نے ان کے دلوں سے اپنا رابطہ قائم کرلیا، اپنے تعلّق و رابطے کا خاص فیضان ان کے قلوب پر ڈالا جس کے بعد وہ بادشاہ سے نہ ڈرے۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ میرے پیارے مُرشد مجی و محبوبی عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب فِدَاهُ اَبِیْ وَاُمِّیْ طَالَتْ حَیَاتُهٗ اِلٰى مِأَةٍ وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً مَعَ الصِّحَّةِ وَالْعَافِیَةِ وَدَامَتْ فُیُوْضُهُمْ وَاَنْوَارُهُمْ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ کے اشعار جو بحالت غلبۂ تجلیاتِ مقربات حضرت والا کے اس مقامِ قُرب کے ترجمان اور رُوح کو وجد میں لانے والے ہیں اور کیفِ رُوحانی کے ساتھ دنیا کے ادبِ عالیہ میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں، یہاں نقل کرتا ہوں، جو درسِ مناجاتِ مثنوی کے وقت حضرت والا نے نہیں سنائے کیوں کہ اس وقت وارد نہ ہوئے تھے، لیکن بعد میں حضرت والا دامت برکاتہم کے مجموعۂ کلام فیضانِ محبت میں شایع ہوچکے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے ؎

سجدہ سے سر اُٹھا تو کہیں آستاں نہ تھا
جیسے کہ وہ زمیں نہ تھی وہ آسماں نہ تھا

خورشید و ماہ و کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
دنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا

۲۹؎ الکھف:۱۴

آنکھوں کے دائرے میں جمالِ جہاں نہ تھا
کون و مکاں کا سامنے کوئی نشاں نہ تھا

خوشبو تو ہر طرف تھی مگر گلستاں نہ تھا
مفہومِ قربِ خاص تھا لفظ و بیاں نہ تھا

گویا زباں تھی بے زباں ہوشِ بیاں نہ تھا
آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا

جلوے تو سامنے تھے مگر یہ جہاں نہ تھا
دردِ نہاں تو تھا مگر اشکِ رواں نہ تھا

مخفی تھا دل میں جو کبھی آتش فشاں نہ تھا
اک کیفِ پُر سکوں تھا کوئی ایں و آں نہ تھا

ہوش و خرد کا نظم بھی جیسے وہاں نہ تھا
لیکن وہاں نہاں جو تھا گویا نہاں نہ تھا

اس بے خودی میں پاس کوئی بوستاں نہ تھا
طائر نہ تھے اور ان کا کوئی آشیاں نہ تھا

اک پھول جاوداں کے سوا گلستاں نہ تھا
ان کے سوا کوئی بھی وہاں رازداں نہ تھا

اے دردِ دل ہو تجھ کو مبارک ترا یہ فیض
دنیا سے لے کے باغ جناں تک نہاں نہ تھا

اس بزم کا اک عالمِ ہُو نام ہے اخترؔ
گویا سوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

تا کہ سازد جانِ پاک از سر قدم
سوئے عرصہ دورِ پہنائے عدم

تا کہ اپنے کو اس مقامِ قرب پر فائز دیکھ کر وہ جان پاک سراپا تشکّر بن جائے اور سر کے بل چلے عالمِ غیب کی وسعتوں کی طرف، یعنی امتثالِ اوامر اور اجتناب عَنِ النواہی میں اور سرگرم ہو جائے۔

اے محبِّ عفو از ما عفو کن
اے طبیبِ رنجِ ناسُورِ کہن

اے معافی کو محبوب رکھنے والے اللہ! ہمارے جرائم کو معاف فرما دیجیے اور اے رذائلِ نفسانیہ کے پُرانے ناسور کی تکلیف کو شفا دینے والے! اگرچہ پُرانا ناسور اطبّاء کے نزدیک لاعلاج ہے لیکن آپ کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں، پس آپ تمام رذائل اور امراضِ باطنیہ سے میرے نفس کو پاک فرما دیجیے۔

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

مولانا کا یہ شعر اس حدیثِ پاک سے مقتبس ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ[۳۰]

اولیاء اللہ کو جو کچھ عطا ہوتا ہے مشکوٰۃ نبوت سے عطا ہوتا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مُنیر ہے اور یہ شعر مُستنیر ہے اور آپ کا کلام مُفید ہے اور یہ شعر مُستفید ہے آپ کے کلامِ نبوّت سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ بہت زیادہ معاف کرنے والے ہیں، کثیر العفو ہیں، نالائقوں کو اور ناقابلِ معافی مجرموں

---

۳۰ جامع الترمذی: ۱۹۱/۲، باب من ابواب الدعوات، ایچ ایم سعید

اور خطاکاروں کو آپ صرف معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ آپ کی ایک صفت اور بھی ہے کہ **تُحِبُّ الْعَفْوَ** بندوں کو معاف کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے

تُحِبُّ الْعَفْوَ اَیْ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تُحِبُّ ظُھُوْرَ صِفَۃِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِکَ[۳۱]

اپنے گناہ گار بندوں پر اپنی صفتِ عفو کا ظاہر کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے، یعنی اپنے گناہ گاروں کو بخشنے کے عمل سے خود آپ کو پیار ہے۔ ہم جب اپنے کسی ستانے والے کو معاف کرتے ہیں تو بوجہ بشریت کے ہم کو مزہ نہیں آتا لیکن اللہ تعالیٰ کی شانِ اُلوہیت اور شانِ ربوبیت اور اللہ تعالیٰ کے مزاجِ عظیم الشّان کا عارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب اور مقرّب ہیں کہ آپ کے صدقہ میں یہ کائنات پیدا کی گئی جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاکَ[۳۲]

اے محمد! اگر آپ کو میں پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان کو بھی نہ پیدا کرتا۔ صاحبِ ’’قصیدہ بردہ‘‘ کا کیا پیارا شعر ہے؎

فَکَیْفَ تَدْعُوْا اِلَی الدُّنْیَا ضَرُوْرَۃُ مَنْ
لَوْلَاہُ لَمْ تُخْرَجِ الدُّنْیَا مِنَ الْعَدَمِ

دنیوی ضرورت آپ کو دنیا کی طرف کیسے بلاسکتی ہے جب کہ اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا خود عدم سے وجود میں نہ آتی۔ دنیا اپنے وجود میں آپ کی محتاج تھی تو آپ کیسے دنیا کے محتاج ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے مزاجِ مبارک وعالی شان کے سب سے بڑے مزاج شناس سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لیے آپ اُمت کو آگاہ فرمارہے ہیں کہ تمہارے رب کا مزاج عظیم الشان یہ ہے کہ اپنے بندوں کو معاف کرنا ان کو بہت

[۳۱] مرقاۃ المفاتیح: ۳۲۱/۴، باب لیلۃ القدر، المکتبۃ الامدادیۃ

[۳۲] کشف الخفاء للعجلونی: ۱۶۴/۲ (۲۱۲۳)، حرف اللام، مکتبۃ العلم الحدیث

زیادہ محبوب ہے، لہٰذا کہو فَاعْفُ عَنِّیْ ہم کو معاف فرمادیجیے اور کیوں کہ معاف کرنا آپ کو محبوب ہے لہٰذا آپ کے اس عمل کے لیے کوئی معمول، کوئی سبب، کوئی میدان، نزولِ رحمت کے لیے کوئی بہانہ تو ہونا چاہیے، لہٰذا ہم نالائق اپنے گناہوں پر ندامت واستغفار اور توبہ کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوگئے ہیں اور فَاعْفُ عَنِّیْ کی درخواست کررہے ہیں کہ معاف کرنے کا محبوب عمل ہم پر جاری کردیجیے اور لوگ جب دور دراز سے بادشاہوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے مزاج کے موافق قیمتی ہدایا وتحائف لے کر آتے ہیں، لیکن ہم تو ایسے بے مایہ و تہی دامن ہیں کہ ندامت کے چند آنسوؤں کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے ؎

چند آنسو کے سوا کچھ مرے دامن میں نہیں
لوگ حیرت سے مرا زادِ سفر دیکھیں گے

لیکن آپ کے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مایوس نہیں ہونے دیا اور حدیثِ قدسی میں ہمیں خبر دے دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ

گناہ گاروں کی آہ وزاری مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یہی دلیل ہے کہ آپ ہمارے سچے اللہ ہیں، دنیوی بادشاہ تو اپنی تعریف کے محتاج ہیں کیوں کہ تعریف سے ان کی عزت بڑھتی ہے، چناں چہ اگر ان کو استقبالیہ دیا جارہا ہو اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جارہے ہوں اس وقت اگر کوئی مصیبت زدہ آکر رو رو کر فریاد کرنے لگے، تو اس کو بھگا دیتے ہیں کہ کہاں ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا، لیکن اے اللہ! آپ اپنی تعریف و تسبیح و تحمید سے بے نیاز ہیں، کیوں کہ اس سے آپ کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اگر ساری دنیا کے بادشاہ ایمان لاکر سجدے میں گر جائیں اور دنیا میں ایک فرد بھی کافر نہ رہے تو آپ کی عظمت میں ایک ذرّے کا اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر ساری دنیا کافر اور آپ کی باغی ہوجائے تو آپ کی عظمت میں ایک ذرّہ کمی نہیں ہوگی۔ آپ مخلوق سے بے نیاز ہیں۔ پس اگر آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

نہ ہوتے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہم مایوس ہو جاتے، لیکن مزاج شناس اُلوہیت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مایوسیوں کے اندھیروں میں آفتابِ اُمید طلوع فرمادیا کہ اگر تم سے گناہ ہو گئے تو تمہارا رب معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے لہٰذا اس سے معافی مانگ لو اور کہو فَاعۡفُ عَنِّیۡ کہ معاف فرمانے کا محبوب عمل ہم پر جاری فرمادیجیے۔ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا اور فَاعۡفُ عَنِّیۡ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاءِ تعقیبیہ لگادی کہ معاف کرنے میں دیر نہ کیجیے، جلد معاف فرمادیجیے۔ معاف کرنا جب آپ کو خود محبوب ہے تو جلد کرم فرمائیے۔ سبحان اللہ! جلبِ رحمتِ حق کے لیے کلامِ نبوت کیا بلیغ و جامع ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّھِمِ

پردہ اے ستار از ما وامگیر
باش اندر امتحاں ما را مجیر

اے ستّار العیوب! اے ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والے! آپ نے اپنے کرم سے ہماری پردہ پوشی فرمائی، آیندہ بھی پردہ پوشی فرمائیے اور بسببِ ہماری شامتِ اعمال اپنا پردۂ ستّاریت نہ اُٹھائیے اور موقعِ امتحان میں ہمیں اپنی پناہ میں لے لیجیے، یعنی دنیا میں بوقت تقاضائے معصیت ہماری حفاظت فرمائیے اور آخرت کے امتحان قبر و حشر و نشر وغیرہ کے ہولناک حالات میں ہمیں اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دیجیے۔

یارب ایں جرأت زبندہ عفو کن
توبہ کردم من نگیرم زیں سخن

اے میرے رب! گناہوں پر میری دلیری کو معاف کردیجیے، میں نے توبہ کرلی ہے۔ اب کبھی ایسی بات نہ کروں گا، لہٰذا اس جرم پر میرا مواخذہ نہ فرمائیے۔

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

اے فریاد خواہوں کے فریاد رس! ہمیں ہدایت کے راستے پر چلائیے۔ کیوں کہ ہم اپنے علم کی وجہ سے آپ کے فضل ورحمت سے مستغنی نہیں ہوسکتے، اس لیے اپنے علوم پر ہمیں کوئی فخر نہیں۔ ہمارا ہر سانس آپ کی ہدایت کا، آپ کی مدد ونصرت کا، آپ کے فضل ورحمت کا محتاج ہے، کیوں کہ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو علم کے باوجود عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

لَا تُزِغْ قَلْبًا ھَدَیْتَ بِالْکَرَمْ
وَاصْرِفِ السُّوْءَ الَّذِیْ خُطَّ الْقَلَمْ

اے ہمارے رب! جس قلب کو آپ نے اپنے کرم سے ہدایت کا سیدھا راستہ دکھایا اس قلب کو گناہوں کی سزا میں ٹیڑھا نہ ہونے دیجیے، یعنی گمراہی اور انحرافِ حق سے محفوظ فرمائیے اور صراطِ مستقیم پر قائم فرمائیے اور اپنے علم کے اعتبار سے ہماری شامتِ عمل کے سبب جو سوءِ قضالوحِ محفوظ میں ہمارے لیے لکھ دی گئی اسے حسنِ قضا سے بدل دیجیے یعنی جو فیصلے ہمارے لیے بُرے ہیں ان کو ہمارے حق میں اچھے فیصلوں سے بدل دیجیے۔

میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا نہ کہ امرِ الٰہی کا۔ بندے جو عمل کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے اعتبار سے لکھ دیا کہ فلاں بندہ فلاں فلاں عمل کرے گا، لہٰذا لکھے جانے کی وجہ سے بندہ عمل نہیں کر رہا ہے، بلکہ جو کچھ وہ کرنے والا تھا وہ لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی جن اعمال کا بندوں سے صدور ہو رہا ہے ان میں بندوں کو اللہ نے مجبور نہیں کیا کہ تم یہ اعمال کرو، بلکہ جو عمل وہ کرنے والے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے اعتبار سے تقدیر میں لکھ دیے ہیں۔ اس کی مثال میرے موجودہ شیخ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے عجیب دی ہے کہ جیسے ریلوے کا ٹائم

ٹیبل ہوتا ہے جس میں تحریر ہوتا ہے کہ ریل فلاں وقت فلاں اسٹیشن پر پہنچے گی، تو ریل کا اسٹیشن پر پہنچنا ٹائم ٹیبل کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ریل کے پہنچنے کا وقت اپنے علم کے اعتبار سے ٹائم ٹیبل میں لکھ دیا گیا ہے، لیکن ہمارا علم چوں کہ ناقص ہے لہٰذا اس میں کبھی تخلّف بھی ہو جاتا ہے کہ ریل کبھی وقت پر نہیں پہنچتی، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے، ان کو علم ہے کہ فلاں وقت پر فلاں بندہ یہ عمل کرے گا اس میں تخلّف نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ تقدیر میں جو لکھا ہے اس کی وجہ سے بندے اعمال نہیں کر رہے ہیں، بلکہ جو اعمال وہ کرنے والے تھے وہ تقدیر میں لکھ دیے گئے ہیں۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا نہ کہ امرِ الٰہی کا۔

مولانا کی یہ دُعا بھی قرآنِ پاک کی اس دُعا سے مقتبس ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ [۳۳]

اس دُعا کا معمول دین پر استقامت اور حسنِ خاتمہ کا بہترین نسخہ ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دیجیے (حق سے منحرف نہ ہونے دیجیے) بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت دے چکے ہیں اور ہم کو آپ اپنے پاس سے رحمتِ خاصّہ عطا فرمائیے (راہِ حق پر استقامت عطا فرمائیے) بے شک آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ (از بیان القرآن)

علامہ آلوسی ''رُوح المعانی'' میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِالرَّحْمَةِ الْاِنْعَامُ الْخَاصُّ وَهُوَ التَّوْفِيْقُ لِلثَّبَاتِ عَلَى الْحَقِّ

عدمِ ازاغت کے لیے جس رحمت کو طلب کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اس رحمت سے مراد رحمتِ خاصّہ ہے اور وہ توفیق ہے حق پر قائم رہنے کی۔ اور لفظِ ''ہبہ'' سے مانگنے میں یہ تعلیم ہے:

۳۳؎ اٰل عمرٰن:۸

اِنَّ ذَالِكَ مِنْهُ تَفَضُّلٌ مَحْضٌ بِدُوْنِ شَائِبَةِ وُجُوْبٍ عَلَيْهِ تَعَالٰى شَانُهٗ

استقامت کی یہ نعمت فضلِ محض ہے، عطائے حق ہے، ہبہ ہے۔ جس طرح ہبہ بغیر معاوضہ ہوتا ہے، محض ہبہ کرنے والے کی عنایت سے ہوتا ہے اسی طرح دین پر استقامت کی نعمت ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں ہوسکتی، محض حق تعالیٰ کے فضل وعنایت سے ملتی ہے۔ اور اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ معرضِ تعلیل میں ہے یعنی لِاَنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ[۳۴] تو معنٰی یہ ہوئے کہ ہم آپ سے اس رحمتِ خاصّہ کو کیوں مانگتے ہیں؟ اس لیے کہ آپ بہت بخشش کرنے والے، بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

بگزراں از جانِ ما سوء القضا
و امبر ما راز اخوان الصفا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا! اگر میری تقدیر میں کوئی سوءِ قضا، کوئی شقاوت اور بد بختی لکھ دی گئی ہو تو اس سُوءِ قَضا کو حُسنِ قَضا سے تبدیل فرمادیجیے یعنی شقاوت کو سعادت سے، بد نصیبی کو خوش نصیبی سے بدل دیجیے۔ حدیثِ پاک میں بھی سُوءِ قضا سے پناہ آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ
وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ[۳۵]

معلوم ہوا کہ اگر سُوءِ قضا کا حُسنِ قضا سے تبدیل ہونا محال ہوتا تو حدیثِ پاک میں اُمت کو یہ دُعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم نہ فرماتے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق نہیں بدل سکتی اللہ تعالیٰ تقدیر کو بدل سکتے ہیں جیسا کہ مولانا رُومی نے مثنوی میں فرمایا کہ اے اللہ! آپ کو اپنے فیصلوں پر بالادستی حاصل ہے، قضا آپ کی محکوم ہے آپ پر حاکم نہیں، آپ کے فیصلوں کو آپ پر بالادستی

۳۴؎ روح المعانی: ۳/۹۰، اٰل عمرٰن (۸)، دار احیاء التراث، بیروت

۳۵؎ صحیح البخاری: ۲/۹۳۹ (۶۳۸۱)، باب التعوذ من جهد البلاء، المکتبة المظهریة

حاصل نہیں، لہٰذا جو فیصلے میرے حق میں بُرے ہیں ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرما دیجیے۔ کیوں کہ آپ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں ہے کہ وہ تو عینِ عدل وانصاف اور عینِ حکمت ہے، لیکن میری شامتِ عمل سے کیوں کہ وہ میرے حق میں برا ہے، اس لیے اس کو بدل دیجیے تاکہ میں تباہی وہلاکت سے بچ جاؤں، جیسے عادل جج کسی مجرم کو پھانسی کا حکم سناتا ہے تو فی نفسہٖ یہ فیصلہ بُرا نہیں کیوں کہ عدل وانصاف پر مبنی ہے، لیکن جس کے خلاف یہ فیصلہ اس کے جرائم کی وجہ سے ہوا ہے اس مجرم کے لیے بُرا ہے۔ اسی لیے حضرت حکیم الاُمت تھانوی نے فرمایا کہ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے، یعنی بُرائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہے بلکہ جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے اس کی طرف ہے، فیصلہ بُرا نہیں لیکن جس کے خلاف ہے اس کے لیے بُرا ہے اور جس طرح جب مجرم عدلیہ سے مایوس ہوجاتا ہے تو بادشاہِ وقت یا صدر مملکت سے رحم کی اپیل کرتا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ دُعا تعلیم فرمادی کہ سوءِ قضا سے حفاظت مانگ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی تقدیریں بدلوالو کہ عدل کے اعتبار سے تو ہم مستحقِ سزا ہیں، لیکن آپ سے آپ کے فضل اور آپ کے مراحم خسروانہ سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں کہ ہماری بُری تقدیر کو محض اپنے رحمِ شاہی کے صدقے میں اچھی تقدیر سے بدل دیجیے۔ مولانا کا یہ شعر بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیثِ پاک سے مستنیر ہے۔

اگلے مصرع میں مولانا حق تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اپنے خاص بندوں سے الگ نہ فرمائیے۔ سوال ہوتا ہے کہ سوءِ قضا سے پناہ مانگ کر مولانا عباد صالحین سے الگ نہ ہونے کی درخواست کیوں کررہے ہیں؟ اس لیے کہ اہل اللہ کی رفاقت اور ان سے محبتِ لِلّٰہی سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے، کیوں کہ وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ[۳۶] کا خطاب ان ہی کو سننا پڑے گا جو قلباً وقالباً واعتقاداً عبادِ صالحین سے نہ ہوں گے، وہی مجرمین ہوں گے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام

---

[۳۶] یٰسٓ:۵۹

اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ[۳۷] کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کررہے ہیں تو پھر غیر نبی کا کیا منہ ہے جو اِلۡحَاقۡ بِالصَّالِحِیۡنَ کی اہمیت کا منکر ہو۔

اہل اللہ کی رفاقت سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو صرف اللہ کے لیے کسی بندے سے محبت کرے اس کو حلاوتِ ایمانی عطا ہوجائے گی۔ اور حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں نقل کرتے ہیں کہ ایمان کی حلاوت جس قلب میں داخل ہوتی ہے پھر کبھی نہیں نکلتی اور اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے، کیوں کہ جب ایمان قلب سے نکلے گا ہی نہیں تو خاتمہ ایمان ہی پر ہوگا۔ لہٰذا اہل اللہ سے محبت قلب میں حلاوتِ ایمانی پانے کا ذریعہ ہے اور حلاوتِ ایمانی کا قلب میں داخل ہونا سوءِ خاتمہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔اَللّٰھُمَّ ارۡزُقۡنَا مِنۡہُ۔

اس لیے سوءِ قضا سے پناہ مانگنے کے ساتھ مولانا اہل اللہ کی معیت مانگ رہے ہیں تاکہ سوءِ قضا سے حفاظت رہے، اور ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اہل اللہ کا ساتھ نصیب نہ ہونا خود سوءِ قضا ہے جس سے پناہ مانگی جارہی ہے۔

❖❖❖❖

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے ملاتے ہیں سُنّت کے راستے

---

[۳۷] یوسف:۱۰۱

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۷؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۴؍فروری ۱۹۹۱ء

بروز جمعرات بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست
بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی جدائی کے غم سے زیادہ کوئی چیز دنیا میں کڑوی نہیں ہے، اور آپ سے جدائی گناہوں سے ہوتی ہے اور گناہ کی تھوڑی دیر کی لذّت آپ کے قُرب کی حلاوت کو فراق کی کڑواہٹ میں تبدیل کردیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا[۳۸]

جو مجھے بھول جاتا ہے اس کی زندگی تلخ کردی جاتی ہے۔ جیسے مچھلی کو پانی سے نکال لو تو جس طرح وہ تڑپتی ہے اسی طرح ہماری روح آپ سے دور ہو کر تڑپتی رہتی ہے، کیوں کہ آپ سے دوری کا عذاب کس دوزخ سے کم ہے اور آپ کی خوشی کس جنت سے کم ہے، اسی لیے ہمارے پیارے نبی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خوشی اور رضا کو جنت پر مقدم فرمایا اور آپ کی ناراضگی کو جہنم پر مقدم فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْاَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ[۳۹]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کی رضا وخوشی کو طلب کرتا ہوں اور جنت کو درجۂ ثانوی میں طلب کرتا ہوں اور آپ کی

۳۸؎ طٰہٰ:۱۲۴

۳۹؎ المسند للامام الشافعی:۱۲۳/ تفسیر اللباب لابن عادل:۵۱۹/۱۷، الفتح (۲۹)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں اور دوزخ سے درجۂ ثانوی میں پناہ چاہتا ہوں۔

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ محبی و محبوبی عارف باللہ حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے حال ہی میں یعنی شوال ۱۴۲۰ھ میں ایک الہامی مضمون بیان فرمایا جو موضوع کی مناسبت کی وجہ سے یہاں شامل کیا جاتا ہے)

ارشاد فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ سے معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ نعمت اللہ کی محبت، اللہ کی رضا ہے، ذاتِ حق ہے، جنت کی نعمت اور جنت کی لذّات درجۂ ثانوی میں ہیں۔ جنت تو معاوضہ ہے، بدلہ ہے، جو دراصل عطا ہے لیکن بصورتِ جزاء ہے، لیکن جنت اللہ کی ذات نہیں ہے، غیر ذات ہے، رضا کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے، رِضَاکَ سے مراد ہے کہ اے اللہ! آپ ہم سے خوش ہوجائیے یہ ہمارے لیے جنت سے عزیز تر ہے، آپ کی خوشی کے مقابلے میں جنت بھی کوئی چیز نہیں ہے، اسی لیے جان پاک نبوت جنت کو مقدم نہیں کر رہی ہے، آپ کی رضا اور آپ کی خوشی کو مقدم کر رہی ہے۔ جان پاک نبوت کا یہ اسلوبِ کلام خود دلیل ہے کہ نبی اللہ کا کتنا بڑا عاشق ہوتا ہے کہ جنت سے پہلے آپ کی رضا مانگ رہا ہے اور رِضَاکَ کے بعد وَالْجَنَّۃَ میں واؤ عاطفہ داخل فرمایا اور سارے علمائے نحو کا اس پر اجماع ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت لازم ہے، جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ آپ کی رضا کی جو لذّت ہے وہ اور ہی کچھ ہے اور جنت کی لذّت کچھ اور ہے۔ اللہ کی ذات کا، اللہ کی محبت، اللہ کے نام کا مزہ اور ہے اور جنت کا مزہ اور ہے۔ جنت مخلوق ہے اور اللہ خالق ہے، لہٰذا لذّتِ مخلوق خالق کی لذّت کو کہاں پاسکتی ہے؟ اسی لیے میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ حدیث نقل فرماتے تھے کہ جب جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو اہلِ جنت اتنا مزہ پائیں گے کہ اس وقت جنت ان کو یاد بھی نہ آئے گی کہ کہاں جنت ہے، کہاں حوریں ہیں اور کہاں نعمائے جنت ہیں ؎

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

ترے جلوؤں کے آگے ہمتِ شرح وبیاں رکھ دی
زبان بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سامنے اہلِ جنت کو جنت کا ہوش نہ رہے گا۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

جب اللہ کے مقابلے میں جنّت اور لذّاتِ جنّت کی کوئی حقیقت نہیں تو دنیا کیا بیچتی ہے، کیوں کہ دنیا کی لذتوں کی شراب نہ ازلی ہے نہ ابدی ہے یعنی دنیا پہلے نہیں تھی پھر اللہ نے پیدا کی اور قیامت کے دن ہمیشہ کے لیے فنا کردی جائے گی۔ تو دنیا کی شراب غیر ازلی غیر ابدی ہے اور جنت کی شراب ابدی غیر ازلی ہے، یعنی جنت ابدی تو ہے لیکن ازلی نہیں ہے، یعنی پہلے نہیں تھی پھر پیدا کردی گئی اور کبھی فنا نہیں ہوگی لیکن ہمیشہ سے نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے یعنی اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تو جنت کی شراب اللہ کی خاص ذات کو، اللہ کے نام کی لذت کو، اللہ کی محبت کے مزے کو کہاں پاسکتی ہے، کیوں کہ جنت ابدی سہی، لیکن شانِ ازلیّت اور لذتِ ازلیّت سے محروم ہے۔ اور جب اعلیٰ قسم کی چیز منہ کو لگ جاتی ہے تو ادنیٰ منہ کو نہیں لگتی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کے نام کی لذت کو پاگئے، اللہ کی محبت کا مزہ جن کے منہ کو لگ گیا، جن پر اللہ کی محبت چھاگئی تو دنیا کی لذتوں کی شراب ان کے منہ کو کیا لگے گی جبکہ جنت بھی ان کو ثانوی درجہ میں ہوجاتی ہے، لیکن جنت کو مانگتے ہیں کیوں کہ محلّ دیدارِ الٰہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے سوال کا حکم دیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ [۲۰]

تم لوگ ہماری نعمتوں پر لالچ کرو۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں پر ہمیں لالچ کرنے کا حکم دیں تو وہ ظالم ہے جو قناعت کرے۔

---

[۲۰] المطففین:۲۶

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جب وہ سلطان دین ہم سے طمع چاہے تو قناعت کے سر پر خاک ڈالو۔ تو جس طرح اللہ کی رضا جنت سے بڑھ کر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے، جس کی دلیل اس حدیثِ پاک کا دوسرا جز ہے کہ **وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ** سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے پناہ مانگی اور دوزخ سے پناہ کو مؤخّر فرمایا۔ یہاں بھی واؤ عطف کا ہے اور معطوف علیہ و معطوف میں مغایرت کو لازم کرتا ہے، یعنی آپ کی ناراضگی اور جہنم کی عقوبت برابر نہیں ہو سکتی، آپ کا ناراض ہو جانا عذابِ جہنم سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تَصُدَّ عَنِّیْ وَجْهَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ[۴۱]

اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لیں۔ دیکھو اگر باپ، یا اُستاد، یا شیخ اپنا چہرہ ناراضگی سے پھیر لے تو لائق بیٹا اور لائق شاگرد اور لائق مُرید پر کیا گزر جائے گی؟ پٹائی کے ڈنڈے سے زیادہ اس پر اپنے باپ یا شیخ کی ناراضگی شاق ہوتی ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ناراضگی کو دوزخ پر مقدم فرمایا کہ عذابِ دوزخ کا سبب تو ان کی ناراضگی ہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کفار کو اپنی رؤیت سے محروم کرنے کو موقع سزا میں بیان فرمایا، جو حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی عظیم الشّان دلیل ہے:

كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ[۴۲]

ہر گز نہیں، یہ (فار) قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

---

[۴۱] المعجم الکبیر للطبرانی: ۷/۲۵۸-کنز العمال: ۷/۴۳۲ (۱۹۶۴۳)، فصل فی ارکان الصلٰوۃ، مؤسسۃ الرسالۃ
[۴۲] المطففین: ۱۵

بطور سزا کے مجوبی کا اعلان اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ دنیا میں کسی سلطانِ وقت نے کسی مجرم کو یہ سزا نہیں سنائی کہ ہم تجھے اپنے دیدار سے محروم کرتے ہیں، کیوں کہ دنیوی بادشاہ حاکم محض ہوتے ہیں محبوب نہیں ہوتے۔ ان کے مجرمین تو صرف سزا سے بچنا چاہتے ہیں، بادشاہوں کے دیدار کے حریص نہیں ہوتے، لیکن موقعِ سزا میں حق تعالیٰ کے اس اعلان سے ثابت ہوا کہ ان کے دیدار سے محرومی کافروں کے لیے خود ایک عذاب ہوگی اور کفار سخت ضیق اور گھٹن میں ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ سے دوری اور ان کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اسی کو دوزخ میں ڈالے گا، اور دوزخ کا حاصل اللہ تعالیٰ سے جدائی ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ سے جدا ہو جاتا ہے، اور دوزخ میں دوزخیوں کا جو حال ہوگا کہ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی[۴۳]

نہ مرے گا نہ جیے گا، موت وزندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوگا اسی طرح گناہ گار کی زندگی اللہ تعالیٰ کی دوری کے عذاب سے دنیا ہی میں تلخ ہو جاتی ہے۔

اسی لیے مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ گناہ کرکے اے اللہ! آپ سے دور ہو جانا دنیا میں اس سے زیادہ کڑوی کوئی اور چیز نہیں۔ پس جو گناہ کرتا ہے وہ کبھی آپ کا مقرّب نہیں ہو سکتا اور آپ کے قُرب کی لذّت سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کی حفاظت اور آپ کی پناہ کے بغیر ہر طرف اُلجھن ہی اُلجھن اور پریشانی ہی پریشانی ہے، یعنی اگر آپ کی رحمت کا سایہ نہ ہو تو نفسِ امّارہ کے شر سے کوئی بچ نہیں سکتا اور آپ کی جدائی کی تلخی سے نجات نہیں پا سکتا۔

رختِ ماہم رختِ ما را راہزن
جسمِ ما مرجانِ ما را جامہ کن

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہمارا سامان ہمارے ہی سامان پر ڈاکہ

۴۳؎ الاعلیٰ:۱۳

ڈال رہا ہے، یعنی ہمارے مکسوباتِ سیئہ (بُرے اعمال) ہمارے مکسوباتِ حسنہ (نیک اعمال) کو ضایع کر رہے ہیں، مثلاً: ذکر و عبادت و تلاوت کر کے رُوح میں نور پیدا ہوا اور بعد میں بد نظری کر لی، جھوٹ بول دیا یا حرام مال کھالیا اور اس نور کو ضایع کر دیا۔ پس ہماری سیئات ہمارے حسنات کے لیے تباہ کن ہیں۔ اور ہمارا جسم خود ہماری جان کے لباسِ تجلیات کو چھین کر اسے برہنہ کرنا چاہتا ہے، یعنی ہماری خواہشاتِ نفس اور اعضا و جوارح کے خبیث اعمال ہماری رُوح کو انوارِ اعمالِ حسنہ اور جامۂ تجلّیاتِ الٰہیہ سے محروم کرنے والے ہیں۔ پس خواہشاتِ نفسانیہ اور اعمالِ سیئہ دولتِ باطنی کے لیے راہزن اور ڈاکو ہیں۔

دست ما چو پائے ما رامی خورد
بے امان تو کسے جاں کے برد

جب ہمارا ہاتھ ہمارے پاؤں کو کھانے کو تیار ہے تو آپ کی امان و حفاظت کے بغیر کون اپنی جان کو سلامتی سے لے جا سکتا ہے، یعنی جب ہمارے ہاتھوں کے کرتوت اور بُرے اعمال ہمیں تباہ کر رہے ہیں اور راہِ سلوک کے راہزن ہیں تو بغیر آپ کی مدد و نصرت کے کون اپنی جان کو منزلِ آخرت تک صحیح سلامت لے جا سکتا ہے۔

گر تو طعنہ می زنی بر بندگاں
مر ترا آں می رسد اے کامراں

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! اگر آپ اپنے بندوں کو طعنہ دیں کہ تم بڑے نالائق اور نااہل ہو اور اگر آپ فرمادیں **اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا**[۴۴] انسان بڑا ظالم جاہل ہے تو اے مالک! آپ کو اس کا حق ہے اور یہ آپ کو زیب دیتا ہے۔

جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اور جیسا کہ مولانا منصور الحق ناصر صاحب سلمہٗ کے دو شعر ہیں اللہ تعالیٰ کی شان میں۔

۴۴؎ الاحزاب:۷۲

دل یہ کہتا ہے کہ ذکر اپنا میں مولیٰ سے سنوں
اپنا افسانۂ درد اپنے مسیحا سے سنوں
جو بھی ہو شکوہ شکایت اسی محبوب سے ہو
اور جواب اس لبِ شیرینِ شکر خا سے سنوں

شکوہ شکایت سے مراد اِنَّمَاۤ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ[۴۵] کی تعبیر عاشقانہ ہے۔

ور تو ماہ و مہر را گوئی خفا
ور تو قدِ سرو را گوئی دوتا

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ چاند اور سورج کو حقارت سے فرمادیں کہ تم بے نور ہو، مخفی مخلوق ہو، تم پر نور کی تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ نور وہ ہے جو ظَاھِرٌ لِّنَفۡسِہٖ مُظۡھِرٌ لِّغَیۡرِہٖ ہو یعنی جو اپنی ذات سے ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو اور تمہارا نور ذاتی نہیں، میری دی ہوئی بھیک ہے جس سے تم روشن ہو۔ پس تم تو ظَاھِرٌ لِّنَفۡسِہٖ بھی نہیں ہو تو مُظۡھِرٌ لِّغَیۡرِہٖ کیسے ہوسکتے ہو؟ اور غروب کے وقت روزانہ تم کو بے نور کرکے تمہاری حقارت کا تماشا کائنات کو دکھاتا ہوں کہ نہ تم خود روشن رہتے ہو نہ کائنات کو روشن کرنے کے قابل رہتے ہو اور تمہاری یہ بھیک بھی عارضی ہے کہ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ اور فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ایک دن میں تمہیں لپیٹ دوں گا اور ہمیشہ کے لیے فنا کردوں گا۔ پس اے اللہ! اگر آپ شمس و قمر کو طعنۂ خفا دیں کہ اے چاند اور سورج! میرے نورِ قدیم واجب الوجود کے سامنے تمہارا نور حادث وفانی کیا بیچتا ہے، تم تو مکمل خِفا اور استتار ہو، کہاں نورِ قدیم اور کہاں حادث وفانی، کہاں خالق کہاں مخلوق!

اور اے اللہ! اگر قدِ سرو کو جس سے حُسن پَرَست اور دنیوی شعراء قدِ معشوقانِ مجازی کو تشبیہ دیتے ہیں آپ فرمادیں کہ اے سرو کے درختو! تم میں کجی اور انحنا ہے، تم

---

[۴۵] یوسف:۸۶

عیب دار اور ٹیڑھے ہو، کیوں کہ تمہاری یہ رعنائی، قد تمہاری ذاتی صفت نہیں میرے حُسنِ ازلی کی ادنیٰ سی بھیک ہے۔

ور تُو کان و بحر را گوئی فقیر
ور تو چرخ و عرش را گوئی حقیر

اور اے اللہ! اگر سونے چاندی کی کانوں کو اور ساحلِ سمندر میں چھپے ہوئے موتیوں کے خزانوں کو اور معدنیات کے انمول ذخیروں کو آپ فرمادیں کہ تم سب میرے فقیر اور بھک منگے ہو اور اگر آپ ساتوں آسمانوں کو اور عرش اعظم جیسی عظیم مخلوق کو فرمادیں کہ تم سب انتہائی حقیر مخلوق ہو تو۔

آں بہ نسبت باکمالِ تو رواست
ملک و اقبال و غنا ہا مر توراست

اپنی مخلوق کو ان عنوانات و تعبیرات سے مخاطب کرنا آپ کے کمالات کے پیش نظر آپ کو زیبا ہے، کیوں کہ ملک و سلطنت واقبال مندی و غنا صرف آپ کے لیے خاص ہے، کسی اور کا حصہ نہیں۔

کہ تو پاکی از خطر و ز نیستی
نیستاں را موجد و مُفنیستی

کیوں کہ آپ پاک ہیں اندیشۂ عیب ونقصان وفنائیت سے کہ آپ ”قُدُّوس“ ہیں یعنی وہ ذات جس کا ماضی عیب سے پاک ہو، اور آپ (سَلَام) بھی ہیں یعنی وہ ذات جس کے مستقبل میں اندیشۂ عیب نہ ہو۔ تو چوں کہ آپ عیب و نقص اور فناوزوال سے پاک ہیں پس آپ معدوم چیزوں کو ایجاد کرتے ہیں، عدم کو وجود بخشتے ہیں اور معدوم کو موجود کرکے پھر اس پر عدم وفنا طاری کردیتے ہیں، لہٰذا آپ موجد بھی ہیں اور مُفنی بھی ہیں یعنی معدوم کو موجود کرنے والے اور موجود کو پھر فنا کرنے والے ہیں اور فنا کرکے قیامت کے دن پھر

ان کو پیدا کرنے والے ہیں۔ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا کَبِیۡرًا[۴۶]

آپ کی شان بے انتہا کو
کس طرح لائے اختؔر بیاں میں

ما ہمہ نفسی و نفسی می زنیم
گر نخواہی ما ہمہ اہرمنیم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہر وقت ہم **نفسی نفسی** کرتے رہتے ہیں یعنی نفس کے تقاضے ہر وقت ہمیں گناہوں پر اکساتے رہتے ہیں، پس اے خدا! اگر آپ کا فضل و رحمت ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہم ان تقاضوں سے مغلوب ہو کر گناہ کرنے لگیں اور بالکل شیطان بن جائیں۔

زاں ز اہرمن رہید ستیم ما
کہ خریدی جانِ ما را از عمےٰ

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہم شیطان کے کید اور مکّاریوں سے اس لیے بچے ہوئے ہیں کہ اے خدا! آپ نے ہماری جان کو اس اندھے نفس کے ہاتھوں سے خرید لیا ہے اور اپنے سایۂ رحمت میں لے رکھا ہے ورنہ اس اندھے کی لاٹھی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی۔ اور یہ اندھا نفس تو خود ظلمت پسند اور امّارہ بالسوء ہے، پھر اس کی عَصاکشی اور راہبری اگر شیطان کرتا تو نہ جانے کس چاہِ ضلالت اور قعرِ مذلّت میں ہلاک کر دیتا۔ لٰہذا اے اللہ! ہمیں اس نفس کے حوالے نہ فرمایئے۔ اس لیے ہم آپ سے وہی دُعا مانگتے ہیں جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوۡمُ بِرَحۡمَتِکَ اَسۡتَغِیۡثُ اَصۡلِحۡ لِیۡ شَاۡنِیۡ کُلَّہٗ
وَلَا تَکِلۡنِیۡ اِلٰی نَفۡسِیۡ طَرۡفَۃَ عَیۡنٍ[۴۷]

---

[۴۶] بنی اسرآءِیل:۴۳
[۴۷] کنزالعمال:۲/۱۳۹،(۳۴۹۸) الباب الثامن: الدعاء، أدعیة الصباح والمساء، مؤسسة الرسالة

اے اللہ! اے زندہ حقیقی! اور اپنے بندوں کو سنبھالنے والے! میری ہر حالت کی اصلاح فرمادیجیے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ مجھے میرے نفس کے سپرد نہ ہونے دیں ورنہ جو نفس کے سپرد ہو گیا اس کا شیطان کے قبضے میں آنا کیا مشکل ہے، کیوں کہ نفس تو شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے اور آپ کے نبی صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے:

اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ فِيْ جَنْبَيْكَ[۴۸]

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے۔ پس اے اللہ! پلک جھپکنے بھر کو یعنی ایک لمحہ کو بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالے نہ فرمایئے، کیوں کہ یہ اتنا بڑا دشمن ہے کہ پل بھر میں وار کرتا ہے اور ولی کو فاسق اور مومن کو کافر بنادیتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ[۴۹]

اے اللہ! مجھ کو رُشد وہدایت الہام کرتے رہیے اور میرے نفس کے شر سے مجھے بچاتے رہیے۔

تو عصا کش ہر کرا کہ زندگی ست
بے عصا و بے عصا کش کور چیست

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں کہ جو لوگ حیاتِ ایمانی سے مشرف ہیں اور اہلِ صلاح واہلِ تقویٰ ہیں، وہ بھی ہمہ وقت جب آپ کی عصا کشی یعنی راہبری وہدایت والہاماتِ رشد کے محتاج ہیں تو وہ کورِ باطن جن کو آپ کی عصائے ہدایت وراہنمائی نصیب نہ ہو کہ نہ خود ہدایت کے راستے پر ہیں، نہ ہدایت کی توفیقات ونصرت کی لاٹھی نصیب ہے اور آپ ان کے عصا کش نہیں وہ کس طرح راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم پاسکتے ہیں۔ ان کی مثال اس اندھے کی سی ہے جو راہ سے بھی بے خبر ہے اور جس کی لاٹھی پکڑ کر کوئی راہ پر چلانے والا بھی نہیں۔

۴۸؎ مرقاۃ المفاتیح: ۳/۲۰۳، باب التطوع، دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۴۹؎ جامع الترمذی: ۲/۱۸۶، باب ماجاء فی جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

غیرِ تو ہر چہ خوش است و ناخوش ست
آدمی سوز ست و عینِ آتش ست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کے سوا جتنی چیزیں بھی ہیں چاہے وہ ہمارے دل کو کتنی ہی محبوب ہوں یا اس کے برعکس کتنی ہی ناپسندیدہ اور مکروہ ہوں، لیکن اگر آپ ان سے خوش نہیں ہیں تو اے اللہ! ہمارا ذوق بھی یہ ہے کہ؎

جو ان کی خوشی ہے وہی اپنی بھی خوشی ہے
جا دل تجھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں اُدھر ہم

اسی کو مولانا ایک اور مقام پر فرماتے ہیں؎

ناخوشِ تو خوش بود بر جانِ من
جاں فدائے یار دل رنجانِ من

اے اللہ! جس چیز سے آپ ناخوش ہیں ہم بھی اس سے ناخوش ہیں اور اس سے ناخوش ہو کر خوش ہیں چاہے ہمارے دل کو وہ کتنی ہی خوش گوار ہو لیکن آپ کی خوشی پر ہم اپنی خوشی کو خوشی خوشی فدا کرنے پر خوش ہیں، کیوں کہ اپنی مرضی سے زیادہ آپ کی مرضی ہمیں عزیز ہے، لہٰذا ہماری جان بھی آپ پر فدا اور ہمارا دل بھی، جیسا کہ شیخ الحدیث مولانا منصور الحق صاحب ناصر سلمہ کا شعر ہے؎

عظیم جرم ہے قانونِ عشق میں ناصرؔ
کسی کی ان سے بغیر ان کے آرزو کرنا

کیوں کہ جو آپ کے عاشق ہیں اگر آپ کی ناخوشی کی راہوں سے ان کے دل میں کبھی کوئی خوشی آجاتی ہے، تو وہ غم سے رونے لگتے ہیں کہ آہ! میں نے اپنے مالک کو ناراض کر دیا، اور آپ کو راضی کرنے کے لیے جب اپنی خوشیوں کا خون کرتے ہیں تو دل کو

غمگین کرکے وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا دل تو غمگین ہوا لیکن ہمارا مالک تو خوش ہوگیا۔ اسی کو میں نے اس قطعہ میں بیان کیا ہے ؎

رضائے دوست کی خاطر یہ حوصلے ان کے
ہنسی لبوں پہ ہے گو دل پہ زخم کھاتے ہیں
عجیب جامع الاضداد ہیں ترے عاشق
خوشی میں روتے ہیں اور غم میں مسکراتے ہیں

اور عزیزم تائب سلمہٗ کا شعر بھی اس مضمون پر نہایت عمدہ ہے کہ اہلِ دنیا اور اہل اللہ کے غم اور خوشیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اہلِ دنیا تو گناہوں کی لذت اُڑا کر خوش ہوتے ہیں اور گناہ ہاتھ سے نکل جانے سے غمگین ہوجاتے ہیں اور اہل اللہ کے دل میں اگر کبھی گناہ کی ایک ذرّہ خوشی داخل ہوجائے تو ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے اور ساری کائنات باوجود اپنی وسعت کے ان پر تنگ ہوجاتی ہے، جیسا کہ ہمارے میر صاحب کا شعر ہے ؎

شب صحرا مہیب سناٹا
موت ہو جیسے زندگی پہ محیط
یا صدورِ گناہ سے دل کی
تنگ ہونے لگے فضائے بسیط

اور اسی طرح گناہ سے بچنے میں ان کے دل کو جو غم ہوتا ہے اس غم پر وہ خوش ہوتے ہیں۔ یہ فرق ہے اہل اللہ اور اہلِ دنیا کے غم اور خوشیوں میں، جس کو تائب صاحب نے بہت عمدہ بیان کیا ہے ؎

غم اور طرح کے ہیں طرب اور طرح کے
عشاق کے جینے کے ہیں ڈھب اور طرح کے

تو مولانا فرماتے ہیں کہ جو چیزیں بھی خواہ ہمارے دل کو اچھی لگتی ہوں یا بُری، ہمارے دل

میں محبوب ہوں یا مکروہ، لیکن اے اللہ! اگر آپ ان سے راضی نہیں ہیں تو وہ انسانیت سوز ہیں، ظاہر و باطن کی تباہ کاری میں بالکل آگ ہیں اور انسانیت کے شرف و کرامت کو جلا کر خاکستر کرنے والی ہیں، کیوں کہ اے اللہ! جس سے آپ خوش نہیں ہیں وہ سور اور کتے سے بدتر ہے۔ آپ کو چھوڑ کر اور غیر کا ہو کر کوئی چین سے نہیں جی سکتا، نہ مر کے چین پا سکتا ہے، کیوں کہ ہماری جانوں کا مرکز اور محور اور سہارا صرف آپ ہیں ؎

چھوڑ کر تجھ کو غیر کو چاہوں
مرے اللہ یہ پستی میری
غیر کو چھوڑ کر تجھے چاہوں
رشک جبرئیل یہ ہستی میری

ہر کرا آتش پناہ و پشت شد
ہم مجوسی گشت و ہم زردشت شد

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جس کے لیے آگ اس کی پناہ، ٹھکانہ اور سہارا ہو جائے یعنی جو خواہشاتِ نفسانیہ کو اپنی جان کا سہارا بنا رہا ہے یہ گویا شہوت کی آگ کی پوجا بھی کر رہا ہے اور سکھا بھی رہا ہے، یہ ضالّ بھی ہے اور مُضِلّ بھی ہے، گمراہ بھی ہے اور گمراہ کرنے والا بھی ہے، اس کی معصیت لازمہ بھی ہے اور متعدّیہ بھی، یہ بانی ہو رہا ہے گناہوں کا، لہٰذا سب کے گناہوں کا بار اس کی گردن پر ہوگا۔

كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
اِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ غَيْمٌ هَاطِلٌ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ ہے یعنی جس کا مقصود اللہ نہیں اور جو مقصودِ حق کا ذریعہ بھی نہیں وہ باطل، مجاز اور فانی ہے اور حق تعالیٰ کا فضل ہی موسلا دھار برسنے والا ابر ہے۔ پس اے باطل اور فانی چیزوں سے دل

لگانے والو! اس حماقت سے باز آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ابر کے نیچے آجاؤ۔

اے خدائے پاک بے انباز و یار
دستگیر و جرمِ ما را در گزار

ارشاد فرمایا کہ انباز کے معنیٰ ہیں شریک، مولانا رُومی بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، آپ **لَا شَرِيْكَ لَكَ** ہیں اور ہمارے مولیٰ ہیں، پس ہماری دستگیری فرمائیے اور ہمیں گناہوں کی دلدل سے نکال کر ہمارے تمام جرائم کو معاف فرمادیجیے۔

یاد دہ ما را سخن ہائے رقیق
کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق

مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ ہی ہمارے ولی ہیں، لہٰذا آپ ایسے درد انگیز، دل گداز ورقّت آمیز مضامین دُعا ہمارے دل میں ڈالیے کہ جو آپ کی رحمت کو جوش میں لائیں، آپ کی رحمت کو احساناً وفضلاً واجب کرنے والے ہوں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ [۵۰]

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان چیزوں کا جو تیری رحمت کو واجب کردیں اور تیری مغفرت کو میرے لیے ضروری کردیں اور سوال کرتا ہوں ہر بھلائی میں اپنے حصے کا اور ہر گناہ سے حفاظت کا۔ اے اللہ! میرا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑ جس کو تو بخش نہ دے اور کوئی غم ایسا نہ رہنے دے جس کو تو دور نہ کردے اور کوئی حاجت جس

۵۰۔ جامع الترمذی: ۱۰۸/۱، باب ما جاء فی صلوۃ الحاجۃ، ایچ ایم سعید

میں تیری رضا شامل ہو پوری کیے بغیر نہ چھوڑ اے ارحم الراحمین!

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو
ایمنی از تو مہابت ہم ز تو

اے اللہ! ہمارا دُعا مانگنا بھی آپ کے کرم سے ہے اور آپ کا قبول کرنا بھی آپ کی عنایت سے ہے، اُدْعُوْنِیْ کا حکم بھی آپ کے کرم سے ہے اور اَسْتَجِبْ لَکُمْ بھی آپ کا کرم وانعام ہے جس کا ہم کو کوئی استحقاق نہیں، اور امن و سکون بھی آپ ہی دیتے ہیں اور خوف وہیبت بھی آپ کی طرف سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایمان بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ہے۔ پس یہ سکون واطمینان اور خوف وہیبت دونوں مطلوب ہیں، لہٰذا اے اللہ! یہ بھی آپ کا انعامِ عظیم ہے۔

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن
مصلحی تو اے تو سلطانِ سخن

اگر دُعا کے آداب و تعبیرات و عنوانات میں ہم سے خطا اور کوتاہی ہوگئی ہو اور ہماری کوئی تعبیر و عنوان آپ کو پسند نہ آیا ہو تو آپ تو سلطانِ سخن ہیں، کلام کے بادشاہ ہیں، اپنی رحمت سے ہماری اصلاح فرمادیجیے اور ہمارے دل میں وہ عنوان و تعبیر ڈال دیجیے جو آپ کو پسند ہو۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ کی رحمت عجیب کیمیا ہے جو ہمارے بُرے اخلاق واعمال اور سیئات ورذائل کے دریائے خون کو حسنات وفضائل کے دریائے نیل سے تبدیل کرسکتی ہے یعنی آپ ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل کرنے پر قادر ہیں۔ کیمیا اس کو کہتے ہیں جو قلب ماہیت کردے، اور بیانِ قدرت کا مقصد ظہورِ قدرت کی درخواست ہے یعنی مولانا کے اس بیان میں یہ مضمونِ دُعا پوشیدہ ہے کہ اے اللہ! آپ بس ہمیں

تبدیل کرنے کا ارادہ فرمالیں پھر آپ کے ارادے پر مراد کا تخلّف محال ہے اور ترتّب لازم ہے، لہٰذا پھر ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ بننے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ کے ارادے کے بعد یہ قلب ماہیت لازم ہے جیسا کہ مولانا نے ایک اور مقام پر فرمایا۔

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود
خمرش از تبدیلِ یزداں خل شود

مولانا فرماتے ہیں کہ ابدال کون ہے ؟ جس کے اخلاقِ رذیلہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں، جیسے دنیوی شراب میں اگر تھوڑاسا سرکہ ڈال دیا جائے تو پوری شراب سرکہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح ابدال وہ ہے جس کے رذائل وسیئات کی شراب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حسنات وفضائل سے تبدیل ہو جائے اور جب شراب سرکہ بن گئی تو پھر اس کو شراب کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح جب کوئی گناہ گار اللہ والا ہو گیا تو اب یہ کہنا جائز نہیں کہ پہلے یہ ایسے ویسے تھے۔

طعنہ نہیں ماضی کا دیا جائے کہ ہم لوگ
تب اور طرح کے تھے ہیں اب اور طرح کے

ایں چنیں مینا گری ہا کارِ تست
ایں چنیں اکسیر ہا ز اسرارِ تست

ایسی ایسی میناگری وصناعی اے خدا! آپ ہی کا کام ہے کہ مٹی سے کیسے کیسے خوبصورت نقش ونگار آپ پیدا فرماتے ہیں اور نطفہ کے ناپاک پانی پر صورت گری فرماکر مُردہ منی کو آپ حسین انسانی وجود بخشتے ہیں اور گنّے سے شکر اور لکڑی کی شاخوں سے پھل پیدا فرماتے ہیں۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ ست بر آب صورت گری

شکر از نے میوہ از چوب آوری
از منی مردہ بت خوب آوری

اور اخلاقِ رذیلہ کے دریائے خون کو اخلاقِ حمیدہ کے دریائے نیل سے تبدیل فرماتے ہیں اور تمام ظاہری و باطنی امراضِ لادوا کی اکسیر آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

سینکڑوں کو تو کرے گا جنتی
ایک یہ نا اہل بھی ان میں سہی

درد عشق حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے

یک زمانے صحبتے با اولیا
جس نے پائی ہے وہی کامل ہوئے

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۸؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۵؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز جمعۃ المبارک، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

یارب ایں بخشش نہ حدِ کارِ ماست
لطفِ تو لطفِ خفی را خود سزا است

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ کی بخششیں اور عنایات والطاف ہمارے اعمال وعبادات کا ثمرہ ومعاوضہ وجزا نہیں ہوسکتے، یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری نماز، روزہ، حج وعمرہ اور نوافل وتلاوت سبب ہیں آپ کے انعامات کا، کیوں کہ ہمارے ہر عمل میں فِيْهِ نَظَرٌ ہے اور ریا وعدمِ اخلاص وشہرت وجاہ وغیرہ نفس کی آمیزشوں کا احتمال ہے۔ ہمارا کوئی عمل آپ کی عظمت کے لائق نہیں ہے، کیوں کہ آپ کی عظمت غیر محدود ہے اور ہمارے اعمال محدود اور ناقص ہیں اور محدود وناقص غیر محدود کا حق ادا کر ہی نہیں سکتا۔ پس حقوق عظمتِ غیر محدود کا ادا کرنا محال ہے، کیوں کہ اس سے غیر محدود کا محدود ہونا لازم آتا ہے کہ محدود ہی محدود کا احاطہ کرسکتا ہے۔ پس جب عظمتِ الٰہیہ غیر محدود ہے اور ہم محدود ہیں، ہمارے اعمال محدود ہیں، لہٰذا ادائے حقِ عظمتِ الٰہیہ کے لیے ہمارے اعمال کا ناکافی اور ناقابل ہونا عقلاً ثابت ہوگیا، لہٰذا مولانا رومی کی نظر کہاں تک پہنچ گئی کہ فرمایا: اے ہمارے رب! آپ کی یہ بخششیں اور مہربانیاں ہمارے اعمال کا نتیجہ وثمرہ وپھل نہیں ہیں، یعنی آپ کی عنایات اور نزولِ رحمت کا سبب ہماری عبادات نہیں ہیں، پھر کیا سبب ہے؟ فرماتے ہیں؎

لطف تو لطف خفی را خود سزا ست

آپ کی عنایاتِ ظاہرہ آپ کی عنایاتِ مخفیہ کے مظاہر ہیں، یعنی آپ کے جو الطاف وکرم ہمارے اُوپر ظاہر ہیں بصورت توفیقاتِ اعمالِ صالحہ، التزامِ طاعات واجتناب عن المعاصی

اور صحت وعافیت وغیرہ اس تمام رزقِ ظاہری وباطنی کے پیچھے آپ کا لطف پوشیدہ ہے، ان عنایاتِ ظاہرہ کا سبب آپ کا لطفِ مخفی ہے، آپ کی ظاہری مہربانی کا سبب آپ کی پنہاں مہربانی ہے، ہمارے اعمال نہیں ہیں۔ میرا شعر ہے ؎

مری بے تابیٔ دل میں ان ہی کا جذب پنہاں ہے
مرا نالہ ان ہی کے لطف کا ممنونِ احساں ہے

آپ کی یاد میں ہماری بے تابی واشکباری آپ کے جذبِ کرم ہی کی ممنونِ احسان ہے۔ غرض آپ کے جو الطاف وعنایات ہم پر ظاہر ہوتے ہیں وہ آپ کی مخفی عنایات کا عکس اور پرتو ہیں جیسے ہم لوگ کسی پر کوئی احسان اور شفقت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دل میں محبت کا ایک پوشیدہ احساس ہوتا ہے، پھر وہ شفقت کسی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ پہلے قلب میں محبت آتی ہے پھر اس کا ظہور قالب سے ہوتا ہے۔ تو جب مخلوق کے اندر یہ خاصیت ہے کہ ہمارا لطفِ ظاہر ہمارے لطفِ باطن کا نتیجہ ہوتا ہے تو اے اللہ! آپ کی جو ظاہری مہربانیاں اور انعامات ہم پر ہیں وہ آپ کے لطفِ مخفی اور پوشیدہ کرم کے عکاس کیوں نہ ہوں گے۔ پہلے اللہ کا ارادہ ہوتا ہے جو مخلوق سے مخفی ہوتا ہے، پھر ان کے انعامات وعنایات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کا سبب ہمارے اعمال وعبادات اس لیے نہیں ہوسکتے کیوں کہ اللہ کی عظمتِ غیر محدود کا حق ہمارے ناقص ومحدود اعمال سے ادا نہیں ہوسکتا، لہٰذا اللہ کی عطا کے لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہمارے فلاں مجاہدے کی وجہ سے ملی ہے یا ہم نے اتنے سال بزرگوں کی صحبت اُٹھائی ہے یا ہم نے اتنی محنتیں کی ہیں تب ہمیں یہ سب ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات کو اپنے اعمال کی طرف منسوب کرنا ناشکری ہے جیسا کہ حکیم الاُمت نے تفسیر ''بیان القرآن'' کے حاشیہ میں فرمایا:

فَاِنَّ بَعْضَ الْمُغْتَرِّیْنَ الْمُعْجِبِیْنَ یُنْسِبُوْنَ
کَمَالَاتِهِمْ اِلٰی مُجَاهَدَاتِهِمْ وَهُوَ عَیْنُ الْکُفْرَانِ[۵۱]

بعض نادان صوفی اپنے کمالات کو اپنے مجاہدات کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم نے

---

۵۱ بیان القرآن:٦/٤،ابرٰھیم،ایج ایم سعید

اتنے دن شیخ کے ساتھ گزارے یا اتنے دن ہم نے محنت کی اس وجہ سے ہمیں یہ انعام ملا، حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ یہ عینِ کفرانِ نعمت ہے، عینِ ناشکری ہے۔ لٰہذا یوں مت کہو بلکہ یہی کہو کہ اے اللہ! ہمارے مجاہدات اس قابل نہیں تھے کہ آپ اس کے نتیجے کے طور پر ہمیں یہ انعامات عطا فرماتے، بلکہ آپ کی عطا کا سبب صرف آپ کی عطا ہے، آپ کی رحمت کا سبب صرف آپ کی رحمت ہے، آپ کے کرم کا سبب صرف آپ کا کرم ہے، ہمارا عمل نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دو سو برس عبادت کی تھی اور جب اس سے کہا گیا کہ اللہ کی رحمت سے تمہاری مغفرت ہوگی، تو اس عابد نے کہا کہ نہیں، ہم نے تو دو سو سال عبادت کی ہے، عبادت سے ہم کو بخشش ملے گی، کیا ہماری دو سو برس کی عبادت ضایع ہوجائے گی؟ تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے قریب سے گزاریں گے جس سے اس کو شدید پیاس لگ جائے گی، آگ کی لپٹ اور گرمی سے اس کی زبان باہر آجائے گی تو وہ فرشتے سے کہے گا کہ پانی پلادو، فرشتہ اس کو ایک پیالہ پانی پیش کرے گا اور کہے گا کہ پہلے اس کی قیمت ادا کردو۔ پوچھے گا کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ تو جواب ملے گا: اپنی دو سو برس کی عبادت دے دو تو ایک پیالہ پانی ملے گا، وہ ایک پیالہ پانی کے عوض دو سو برس کی عبادت دے دے گا۔ اس کے بعد اس کو پھر پیاس لگے گی تو وہ پھر پانی مانگے گا، فرشتہ کہے گا کہ اب اپنی عبادت لاؤ تو پانی ملے گا، تمہاری دو سو برس کی عبادت پیاس میں ایک پیالہ پانی کے برابر نہیں، بتاؤ تم نے دنیا میں کتنا پانی پیا ہے اللہ کا! لٰہذا یہ کہنا غلط ہے کہ ہم عبادت سے بخشے جائیں گے بلکہ اللہ کی رحمت سے بخشے جائیں گے، کیوں کہ ہماری مجموعی عبادات بھی اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ نعمت کا سبب، معاوضہ اور بدلہ نہیں ہوسکتیں۔ اب یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ مجاہدات کی توفیق دے اور ان کو قبول فرمالے اور اس سے صلاحیت پیدا کردے، مجاہدات سے صلاحیت پیدا ہوتی ہے اخذِ نُور کی، لیکن یہ سب اسباب ہیں۔ جیسے زمین پر محنت کی، ہل جوتا، کنکر پتھر ہٹائے تو غلہ پیدا ہوگیا۔ ایسے ہی دل کی زمین پر محنت کی، اخلاقِ رذیلہ کے کنکر پتھر نکالے، بُرائیوں سے توبہ کی، گناہوں کے تقاضوں کو

برداشت کیا اور ان پر عمل نہیں کیا، تو اس غم سے صلاحیت پیدا ہوتی ہے جذبِ تجلیاتِ الٰہیہ کی، لیکن اس کو سبب مت کہو، بس یہ کہو کہ یہ توفیقِ مجاہدہ بھی ان ہی کے کرم سے ہے۔ اگر خدا توفیق نہ دیتا تو ہم گناہوں کے تقاضوں سے مغلوب ہو کر گناہ کر لیتے، لیکن گناہوں کے تقاضوں کے باوجود گناہوں سے بچنے کی اللہ نے جو ہم کو ہمت و توفیق عطا فرمائی یہ بھی ہمارا کمال نہیں، اللہ کا کرم ہے، لہٰذا ابتدا تا انتہا اللہ کی عطا ہی عطا ہے۔

مری طلب بھی ان ہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ کے انعامات والطافِ ظاہرہ کا سبب آپ کا لطفِ پنہاں ہے، ہمارے اعمال آپ کے لطفِ فراواں کے لائق نہیں، بلکہ آپ کا لطفِ خفی ہی ان الطافِ ظاہرہ کے لائق ہے، یعنی آپ کا پوشیدہ کرم ہی سبب ہے ان تمام انعامات کا جو ہم پر ظاہر ہو رہے ہیں۔

دیکھو جیسے ایک پوشیدہ کرم اللہ نے مولانا حافظ داؤد اور ان کے رُفقاء پر کیا جو ری یونین سے آئے ہیں، ورنہ کہاں ری یونین اور کہاں کراچی۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ مثنوی کا درس ہو جائے اور درسِ مثنوی شروع ہو گیا۔ بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ طلب دیتے ہیں اور اس طلب کی برکت سے دین کا کام شروع ہو جاتا ہے، لیکن یہ طلب بھی اللہ کے مخفی کرم ہی کا صدقہ ہوتی ہے، وہ نہ چاہیں تو طلب ہی نہ پیدا ہو۔ پس کام وہ بناتے ہیں، نام ہمارا ہوتا ہے۔

دست گیر از دستِ ما ما را بخر
پردہ را بردار و پردہ ما مدر

ارشاد فرمایا کہ دست گیر کا معنیٰ ہے ہاتھ پکڑنے والا، مدد کرنے والا۔ خریدن معنیٰ خریدنا، بخر اس کا امر ہے یعنی خرید لیجیے۔ بردار بدار تھا، ضرورتِ شعری کی وجہ سے بر لگا دیا گیا جس کے معنیٰ ہیں قائم رکھیے۔

مولانا رومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے دستگیر! اے مدد کرنے والے! میرے ہاتھ سے مجھ کو خرید لیجیے، یعنی ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمارے ہاتھ کی جو طاقتیں گناہوں میں ملوث ہو رہی ہیں تو گویا ہم اپنے ہاتھوں گناہوں کے ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں، لہٰذا آپ ہمارے ہاتھوں سے ہم کو خرید لیجیے اور گناہوں سے ہم کو چھڑا لیجیے۔ بہت عبرت اور خوف کا مقام ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں اللہ کے غضب اور نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے اور گناہوں کی گندگی سے اس کا ظاہر بھی ناپاک ہو جاتا ہے اور باطن بھی ناپاک اور ستیاناس ہو جاتا ہے، قلب و قالب دونوں گناہوں سے برباد ہو جاتے ہیں، سکون بھی چھن جاتا ہے۔ کیا بتاؤں گناہ گار کی زندگی کس قدر تلخ ہوتی ہے۔ تو مولانا رُومی نے فرمایا کہ اے دستگیر! اے مدد کرنے والے! ہم کو ہمارے ہاتھوں کے حوالے نہ کیجیے اور ہمارے ہاتھوں سے ہم کو خرید کر یعنی اپنی مدد خاص ہمارے شاملِ حال فرما کر گناہوں سے ہم کو نجات دلا دیجیے۔ اگر آپ نے ہمیں ہمارے نفس کے حوالے کر دیا تو ہم ایسے نالائق ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لیں گے، لہٰذا آپ ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمیں اپنی نافرمانی نہ کرنے دیجیے، کیوں کہ ہمارا ہاتھ تو گندگی میں جاتا ہے، گندے گندے کاموں کی طرف بڑھتا ہے جیسے چھوٹا بچہ اپنی امّاں سے کہہ دے کہ اے امّاں! میں نادان ہوں، میری تو فطرت ہی خراب ہے، میرے اندر بھلے بُرے کی بھی تمیز نہیں، پس اگر میں پیشاب پاخانے میں ہاتھ ڈالوں تو قبل اس کے کہ وہ گندگی میں ملوث ہو اس وقت آپ میرا ہاتھ پکڑ لیا کیجیے۔ تو اے خدا! اس وقت ماں اس کی کیسی حفاظت کرے گی۔ اے اللہ! آپ تو ماؤں کی محبت اور مامتا کے خالق ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختم

ماؤں کو محبت کرنا تو آپ ہی نے سکھایا ہے، لہٰذا ہم آپ سے فریاد کرتے ہیں: اَللّٰھُمَّ وَاقِیَةً کَوَاقِیَةِ الْوَلِیْدِ[۵۲] کہ آپ ہماری ایسی حفاظت کیجیے جیسے ماں

۵۲؎ مجمعُ الزوائد: ۱۰/۲۹۰-۲۹۱ (۱۷۴۱۹)، باب الادعیة المأثورة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دار الفکر/ مسند ابی یعلٰی: ۹/۳۹۶ (۵۵۲۷)

اپنے چھوٹے بچے کی کرتی ہے، کیوں کہ اے خدا! مومن کے لیے دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی ذلیل ترین کام نہیں کہ وہ آپ کی نافرمانی کرکے اپنے قلب اور قالب کو ناپاک کرلے اور آپ سے دور ہو جائے، لہٰذا اے اللہ! ہمیں ہمارے نفس کے حوالے نہ کیجیے اور اپنی خاص مدد شاملِ حال کرکے نفس کے ہاتھوں سے ہمیں چھڑا لیجیے۔

پردہ را بردار و پردہ ما مدر

ہمارے اندر گناہوں کے جو تقاضے اور گناہوں کا جو خبیث ذوق ہے اس پر اپنی رحمت اور ستّاری کے پردے کو قائم رکھیے، اس پردے کو اُٹھنے نہ دیجیے، اپنی ستّاری اور پردہ پوشی کا پردہ نہ پھاڑیے یعنی ہمارے عیبوں کو ظاہر نہ کیجیے ورنہ ہم ذلیل ورُسوا ہو جائیں گے کیوں کہ اے اللہ! گناہوں پر مسلسل اصرار کی وجہ سے آپ جس سے انتقام لیتے ہیں تو اس کا پردۂ ستّاریت پھاڑ دیا جاتا ہے اور وہ سارے عالم میں رُسوا ہو جاتا ہے، لہٰذا۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

اے اللہ! اپنے اس بندے کو رسوا نہ کیجیے۔ اگرچہ میں انتہائی نالائق ہوں، لیکن میری نالائقیوں اور میرے عیبوں کو اپنے بندوں پر ظاہر نہ کیجیے۔

باز خر مارا ازیں نفسِ پلید
کاردش تا استخوانِ ما رسید

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! میں اتنا نالائق ہوں کہ میں نے خود کو نفس کے ہاتھوں فروخت کردیا ہے اور میں نفس کا غلام بن چکا ہوں، لیکن اے خدا! آپ ارحم الراحمین ہیں، اس ناپاک نفس سے مجھے دوبارہ خرید لیجیے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ ظالم نفس گوشت تو کاٹ کے کھا گیا، ہڈی رہ گئی تھی تو اب اس کی چھری ہڈی تک پہنچ رہی ہے۔ اگر ہڈی بھی کھا جائے گا تو پھر میں کیا رہوں گا؟ مراد یہ ہے کہ نفس کی بُری بُری خواہشات نے ہمارے دین کو تباہ کردیا ہے، لہٰذا اے اللہ! میری مدد فرمایئے اور نفس کے چنگل سے مجھے رہائی دلایئے۔

از چو ما بیچارگاں ایں بندِ سخت
کہ کشاید جز تو اے سلطانِ بخت

نفس کے اس سخت قید وبند سے ہم جیسے عاجزوں کو سوائے آپ کے کون رہائی دلا سکتا ہے؟ ہم تو نفس کی سخت بندشوں اور بُرے بُرے تقاضوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف سے نفس نے ہمیں باندھ رکھا ہے لہٰذا ہم بے چاروں، عاجزوں کو نفس کی سخت بندشوں سے آزادی عنایت کرنا صرف آپ کی رحمت کا کام ہے۔ پس اے ہماری قسمتوں کے بادشاہ! نفس کے بُرے تقاضوں کی رسیوں سے ہمیں سوائے آپ کے کون کھول سکتا ہے؟ آپ ہمارے نصیبوں کے سلطان ہیں۔ اگر ایک بدمعاش، مجرم، کمینے اور ذلیل وخوار پر آپ اپنی ایک نگاہِ کرم ڈال دیں تو اسی وقت اس کا نصیب جاگ اٹھے گا اور اس کا کام بن جائے گا اور اسی لمحہ وہ نفس کے قید وبند سے رہائی پاجائے گا۔ وہ دل جو گناہوں کے شدید میلان میں مبتلا تھا آپ کی نگاہِ کرم کے بعد اس کو گناہوں کا وہ شدید میلان نہیں ہوتا جتنا عام لوگوں کو ہوتا ہے، بس ہلکا سا ایک طبعی میلان ہوگا، لیکن اے اللہ! آپ کی مہربانی سے اس کو قابو میں رکھنا آسان ہوجاتا ہے، کیوں کہ آپ کے کرم سے حُسنِ مجازی کی فنائیت اور فانی اجسام کے اندر کی گندگی اس کو نظر آجاتی ہے جس سے فانی جسموں سے ایک نفرتِ طبعیہ اے اللہ! آپ اس کو عطا فرمادیتے ہیں، کیوں کہ انسان عقل کے بل بوتے پر کب تک لڑے گا؟ عقلی استدلال کے پاؤں بہت کمزور ہوتے ہیں، اس لیے اے اللہ! ہمیں گناہوں سے طبعی کراہت نصیب فرمادیجیے تاکہ گناہوں سے بچنا آسان ہوجائے۔ ورنہ حُسنِ فانی کی ملمع سازی کا فریب بُرے بُرے تقاضوں کو اور شدید کردیتا ہے، مگر جس پر اے خدا! آپ فضل فرمادیں تو اس کو نظر آجاتا ہے کہ ان فانی جسموں کی چمک دمک ظاہری ہے، اندر گُو بھرا ہوا ہے۔ جیسے کوئی پاخانہ پر سونے اور چاندی کا ورق لگادے، جو ورق کی چمک دمک سے دھوکا کھائے گا وہ پاخانہ ہی پائے گا، لہٰذا اے نفس! بالوں اور گالوں سے اور رانوں سے دھوکا نہ کھا ورنہ پیشاب پاخانہ کی گندگی تک پہنچنا پڑے گا اور یہ تو جسمانی اور حسّی بے عزتی ہوئی، لیکن اگر اے اللہ! آپ نے

ستّاری نہ فرمائی تو ہم مخلوق میں بھی ذلیل ہو جائیں گے، کیوں کہ ستّاریت ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ جب تک ہم چاہیں اپنے عیب کو چھپائیں، بلکہ پردۂ ستّاریت اے اللہ! آپ کے اختیار میں ہے، جب چاہیں ہٹادیں اور ساری دنیا ہماری رُسوائی کا تماشا دیکھ لے۔ اسی لیے مولانا رُومی دُعا فرماتے ہیں کہ نفس کی چالوں اور مکّاریوں اور اس کے بُرے بُرے تقاضوں کی قید سے اے اللہ! آپ کے سوا کون نجات دلا سکتا ہے، کیوں کہ تقلیبِ ابصار سے گناہ حسین اور نیکیاں بُری معلوم ہونے لگتی ہیں۔ حدیثِ پاک کی دُعا ہے: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ اے اللہ! حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما۔ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ [۵۳] اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب اور پرہیز کی توفیق کا رزق دے دے۔ یعنی رزقِ اتباعِ خیرات وحسنات نصیب فرما اور رزقِ اجتناب عن الباطل بھی نصیب فرما۔ اپنی رضا کے اعمال نصیب فرما اور ناراضگی کے اعمال سے حفاظت نصیب فرما۔

ایں چنیں قفلِ گراں را اے ودود
کہ تو اند جز کہ فضلِ تو کشود

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہمارے نفس نے گناہوں کے اور بُری بُری خواہشات کے ایسے بھاری تالے لگائے ہوئے ہیں کہ اے محبت کرنے والے اللہ! ہم آپ کا راستہ چلنا چاہتے ہیں، اللہ والا بننا چاہتے ہیں لیکن خواہشات کے یہ تالے ہمیں آگے نہیں بڑھنے دیتے، لہٰذا سوائے آپ کے فضل کے کون ان تالوں کو کھول سکتا ہے؟ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِكْرِكَ [۵۴] اے اللہ! ہمارے دلوں کے تالوں کو اپنے ذکر سے کھول دے۔ اے اللہ! جب آپ کا فضل اپنی یاد اور ذکر کی توفیق دے گا تب ہی خواہشاتِ نفسانیہ کے دل پر لگے ہوئے یہ تالے کھلیں گے، ورنہ نفس کے ان بھاری تالوں کا کھلنا مشکل ہے، یعنی ان گندے تقاضوں اور گناہوں سے نجات ملنا مشکل

۵۳؎ التفسیر لابن کثیر: ۱/۲۵۰

۵۴؎ کنز العمال: ۷/۶۹۹ (۲۰۹۹۰)، الفصل الرابع فی الاذان والترغیب فیہ... الخ، مؤسسة الرسالة

ہے جو اللہ کی راہ کی سب سے بڑی رُکاوٹ اور حجاب ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی اُمّتی نے پوچھا کہ اللہ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی جواب عطا ہوا کہ دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ نفس کی حرام خواہشوں کو چھوڑ دے اور میرے پاس چلا آ۔ بس یہی نفس اللہ کی راہ کا حجاب ہے ورنہ اللہ کا راستہ بالکل آسان اور صاف ہے۔ جب تک خواہشاتِ نفسانیہ سے نجات نہیں ملے گی اللہ کے راستے کے تالے نہیں کھل سکتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تاہوا تازہ ست ایماں تازہ نیست
کیں ہوا جز قفلِ آں دروازہ نیست

جب تک خواہشاتِ نفسانیہ تازہ اور ہری بھری ہیں تب تک ایمان سرسبز و تازہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ خواہشات ہی بارگاہِ حق کے دروازے کا تالا ہیں۔ جب یہ تالا کھولو گے تب ہی بارگاہِ حق میں رسائی ہو سکتی ہے اور عموماً جوانی ان ہی چیزوں میں مشغول ہو جاتی ہے، اور جوانی کا وہ بہترین زمانہ جب خواہشات کا عالمِ شباب اللہ پر فدا کر کے انسان اپنی رُوح میں ایک غیر فانی عالمِ شباب اور غیر فانی بہار لا سکتا ہے، وہ زمانہ عموماً خواہشات کی فانی بہار کی فانی لذتوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ کاش! یہ جوان کچھ دن کسی صاحبِ نسبت کی صحبت میں رہ کر جوانی اللہ پر فدا کرتے اور خواہشات کے تالے توڑ دیتے، تو ایسی لذّتِ قُرب اور ایمان کی حلاوت ملتی جس کے سامنے دونوں جہاں کی لذتیں گرد معلوم ہوتیں، لیکن فانی لذتوں کا فریب اہل اللہ کے پاس نہیں رہنے دیتا، اور بعضے لوگ جو بزرگوں سے بھاگے ہیں وہ اپنے نفس کے گندے تقاضوں کی وجہ سے بھاگے ہیں، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہاں رہیں گے تو گناہ کیسے کریں گے اور اسی لیے وہ ذکر اللہ بھی نہیں کرتے کہ کہیں نسبت مع اللہ زیادہ قوی نہ ہو جائے اور گناہ چھوٹ جائیں اور ان سے شیطان بھی یہی کہتا ہے کہ ذکر مت کرو، ذکر کرنے سے اللہ سے تعلق قوی ہو گا پھر گناہ کیسے کرو گے؟ اور ایسا شخص توبہ بھی نہیں کرتا کہ اگر توبہ کر لیں گے تو پھر دوبارہ گناہ کیسے کریں گے؟ کچھ دن پیٹ بھر کے گناہ کر لو اس کے بعد پھر توبہ

کر لینا اور مسجد سنبھال لینا، حالاں کہ کیا گارنٹی ہے کہ موت مسجد سنبھالنے بھی دے گی۔ بہرحال اگر مہلت مل بھی گئی تو ان کا یہ حال ہوتا ہے ؎

پاس جو کچھ تھا وہ صرف مے ہوا
اب نہ کیوں مسجد سنبھالی جائے گی

چلو آخری عمر کے سجدے بھی رائیگاں نہیں جاتے، یہ بھی نعمت ہیں۔ لیکن جنھوں نے اپنی جوانی اللہ پر فدا کی ہے جس کی برکت سے ان کی رُوح پر جو ایک غیر فانی عالمِ شباب طاری ہے اس کی لذت کو کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا، اس کے برعکس جو لوگ گناہ سے نہیں بچتے تو گناہوں کے ایٹم بم ان کی رُوحانیت کے شہر کو بالکل ہیروشیما کر دیتے ہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

❖❖❖❖

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں　　تجھ پہ رحمت کرے خالِق دوجہاں
بجلیوں سے بچاتا ہے ربِّ جہاں　　ایک تدبیرِ کمزور ہے آشیاں
چشمِ تر خوں فشاں آہ سُوئے سماں　　ہیں مرے دردِ دل کے یہ ترجماں
کیا یہ شمس و قمر یہ زمیں آسماں　　اپنے خالق کا دیتے نہیں ہیں نشاں
کیا جہاں میں نمودار خود ہو گئے؟　　ہر وجود اپنے موجد کا خود ہے نشاں
ہستی انساں کی خالق پہ شاہد ہے خود　　تیرے اندر ہے وہ خالقِ دوجہاں
ہو کے مخلوق خالق کا منکر بنے　　اس حماقت پہ ہے لعنتِ دوجہاں
یہ صدا سُن لو اختر کی اے دوستو
خالقِ جاں پہ کردو فدا اپنی جاں

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۹؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۶؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز شنبہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ما ز خود سوئے تو گردانیم سر
چوں توئی از ما بما نزدیک تر

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے اپنی ذات سے بے زاری ظاہر کرکے اپنا رُخ آپ کی طرف کرلیا ہے، یعنی جو توجہ ہمیں اپنی ذات پر اور اپنے دست وبازو پر تھی کہ ہم گناہ سے بچیں گے، لیکن ہم اپنے آپ سے اب بالکل بے زار اور مایوس ہوچکے ہیں، لہٰذا اب آپ کی طرف آسرا لگارہے ہیں، آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ ربّا ہماری مدد کو آئے، جیسے بچہ اپنی پوری طاقت سے اغوا کرنے والے غنڈے سے لڑا، لیکن آخر میں اس غنڈے نے کلائی مروڑی اور دبوچ کر اپنی جھولی میں ڈال لیا، اس وقت بچہ اپنے ابّا ہی کا سہارا تلاش کرتا ہے کہ ابّا آئے اور اس کو جھولی سے چھین لے۔ آج کل بچّوں کو اغوا کرنے والے ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیتے ہیں اور کار میں بٹھا کر آنکھوں پر پٹی باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح نفس وشیطان بھی آنکھوں پر شہوت اور بُری خواہشات کی پٹی باندھ دیتے ہیں پھر اس کو نظر ہی نہیں آتا کہ حق کس طرف ہے؟ اور آہ وفغاں، نالہ وفریاد اور دعا سے روکنے کے لیے معصیت وشہوت کا کپڑا اس کے دل میں ٹھونس دیتے ہیں تاکہ یہ دعا بھی نہ کرے، اللہ سے پناہ بھی نہ مانگے لیکن آپ کی توفیق سے ہم نے اپنا رُخ اے اللہ! آپ کی طرف کرلیا ہے، چوں کہ ہماری ذات سے زیادہ آپ ہم سے قریب ہیں اور مصیبت میں آدمی اپنے قریبی ہی کو مدد کے لیے بلاتا ہے۔ اے اللہ! آپ میرے نفس سے، میری رُوح سے،

میری رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[۵۵]

میں تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اے اللہ! جب آپ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اقرب کا حق زیادہ ہوتا ہے، لیکن ہم کتنے نالائق ہیں کہ پھر بھی آپ پر جان فدا نہیں کرتے اور گناہوں کے تقاضوں کو برداشت نہیں کرتے اور آپ کو ناخوش کر کے اپنے نفس کو خوش کرتے ہیں جبکہ ہم سے زیادہ آپ ہمارے نزدیک ہیں، آپ کے مقابلے میں ہماری جان اور ہمارا نفس بھی ہم سے دور ہے، اس لیے ہم نے سارے جہاں سے رُخ پھیر کر اب آپ پر اپنی نظر جمالی ہے اور ہم آپ ہی کو پکارتے ہیں، کیوں کہ اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کے تحت آپ کا حق سب سے زیادہ ہے، اس لیے اگر ہم اپنی جان کو شہادت کے لیے پیش کر کے جان آپ پر فدا کر دیں تو یہ آپ کا حق ہے کہ جان اپنے قریبی مولیٰ پر فدا کی لیکن حق پھر بھی ادا نہ ہوگا کیوں کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

با چنیں نزدیکی دوریم دور
در چنیں تاریکئے بفرست نور

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں اے اللہ! آپ ہماری جان سے زیادہ ہمارے قریب ہیں وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ لیکن اس نزدیکی کے باوجود ہم آپ سے بے انتہا دور ہیں۔ دوریم دور کا مبالغہ ہے، تکرارِ لفظ بلاغت کے لیے آتا ہے۔ تو باوجود اس قُرب کے کہ آپ ہماری جان سے زیادہ قریب ہیں پھر ہم آپ سے اتنی دور کیوں ہیں؟ اس دوری کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ نفس ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے دور رکھتا ہے،

۵۵۔ قٓ:۱۶

جیسے زمین کا گولا چاند کو آفتاب کے نور سے محروم رکھتا ہے۔ جب کرۂ ارض سورج اور چاند کے درمیان میں پورا حائل ہو جاتا ہے تو پورا چاند بے نور ہو جاتا ہے اور پھر جب حرکت کرتے کرتے یہ زمین کا گولا تھوڑا ہٹتا ہے اور سورج کی تھوڑی سی شعاعیں پڑتی ہیں تو چاند تھوڑا سا روشن ہو جاتا ہے اور وہ چاند کی پہلی تاریخ بنتی ہے اس کے بعد زمین اور ہٹی تو دوسری تاریخ آگئی، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آتا ہے کہ زمین کا پورا گولا چاند اور سورج کے درمیان سے ہٹ جاتا ہے، اس دن پورا چاند روشن ہو جاتا ہے۔ نفس کو مٹاتے مٹاتے جس دن خدائے تعالیٰ یہ مقامِ توفیق عطا فرمادیں کہ شہوت اور غضب کی کوئی حالت نفس کے تابع نہ رہے اور وہ کسی حالت میں استقامت سے الگ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہر وقت جان فدا کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ اس شخص کا نفس بالکل مٹ گیا اور اس کے قلب کا پورا دائرہ نسبت مع اللہ کے چاند سے روشن ہو گیا، پھر اس شخص کے الفاظ میں بھی فنائے نفس کے اثرات ہوتے ہیں۔ جس کا نفس جس قدر زندہ ہے اسی قدر تاریکیاں اس کے کلام میں پائی جائیں گی، چاہے وہ قرآن وحدیث ہی کیوں نہ بیان کررہا ہو، اور جس کا نفس بالکل مٹ گیا اور اس کا پورا دائرۂ قلب نسبت مع اللہ سے روشن ہو گیا تو اس کا نور اس کے کلام میں بھی شامل ہو گا، چاہے وہ دنیا ہی کی باتیں کررہا ہو۔ اسی وجہ سے اگر کوئی بددین قرآن وحدیث بیان کرتا ہے تو اس سے گمراہی پھیلتی ہے، کیوں کہ اس کے دل میں گمراہی ہے، اور اگر کوئی اللہ والا انگریزی اور سائنس وغیرہ کی دنیوی تعلیم دیتا ہے تو اس کے شاگردوں میں دین آئے گا کیوں کہ اس کا دل اللہ والا ہے۔ اسی کو مولانا رومی نے فرمایا ہے۔

کفر گیرد ملتی ملت شود

دین گیرد علتی علت شود

کوئی اللہ والا اگر کفر کو ہاتھ میں لے تو وہ دین بن جاتا ہے اور کوئی بددین اور گمراہ دین کو بھی گمراہی کا ذریعہ بنادیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ کسی گمراہ اور بددین شخص سے اپنے بچوں کو قرآن وحدیث نہ پڑھواؤ، ورنہ وہ بچے بھی گمراہ ہو جائیں

گے اور اگر دنیوی تعلیم دلوانی ہے تو کسی اللہ والے سے پڑھواؤ تو بچے بھی دین دار ہو جائیں گے۔ اسی لیے نفس کو مٹانے کا حکم دیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر مرنا جینا آجائے، اخلاقِ رذیلہ جاتے رہیں اور اخلاقِ حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ اس لیے کہتا ہوں کہ تصوف نفس کو مٹانے کا نام ہے۔ ملفوظات یاد کرلینے کا اور دین کی کتابیں لکھ دینے کا اور وعظ و تقریر کرلینے کا نام تصوف نہیں ہے، ان سب کی کچھ حقیقت نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے افنائے نفس اور افنائے خواہشاتِ غیر شرعیہ سے۔ کوئی کہے کہ صاحب! نفس کیا چیز ہے، ہم کیسے نفس کو مٹادیں، نفس کی کیا ماہیت ہے؟ تو نفس کی تعریف حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے: مرغوباتِ طبعیہ غیر شرعیہ یعنی طبیعت کے وہ تقاضے جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی اس کا نام نفس ہے۔ اور علامہ آلوسی نے کیا تعریف کی ہے اَلنَّفْسُ کُلُّهَا ظُلْمَةٌ وَسِرَاجُهَا التَّوْفِيْق [۵۶] نفس سراپا ظلمت ہے اور اس کا چراغ اللہ کی توفیق ہے۔

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رگِ جان سے زیادہ قریب ہیں ہم جو اللہ سے دور ہیں اس کی وجہ ہمارے گناہ ہیں، اور اس دور میں اللہ سے دوری کا سب سے بڑا سبب حسین شکلیں ہیں اور شیطان ان کو اور مزیّن کردیتا ہے اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا [۵۷] کیا حال ہے اس شخص کا کہ بُرے عمل جس کے لیے مزیّن کردیے گئے اور ان کو وہ حسین دیکھتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ان کا انجام دیکھو کہ ان حسینوں کا حسن جسمِ اعلیٰ میں ہوتا ہے یعنی آنکھوں میں اور چہرے میں لیکن جو حسنِ اعلیٰ انسان کو مقامِ اسفل کی طرف لے جائے، یہی دلیل ہے کہ یہ چیز خراب ہے، اور جو ناپاک کردے یہ دلیل ہے کہ یہ محبت ناپاک ہے، مثلاً: ایک حسین کو ایک آدمی دیر تک دیکھتا رہتا ہے اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ مذی آگئی اور شیطان کہہ رہا تھا کہ ارے بھئی! خالی دیکھنے سے کیا ہوتا ہے، ہم تو حُسن کے جلوؤں میں تجلیاتِ الٰہیہ

۵۶؎ روح المعانی: ۱۳/۸، یوسف (۱۱۱)، دار احیاء التراث، بیروت

۵۷؎ فاطر: ۸

دیکھتے ہیں۔ اگر آپ تجلیاتِ الٰہیہ دیکھ رہے تھے تو یہ مذی کیوں نکلی، آپ بے وضو کیوں ہو گئے؟ وضو شکن چیز تو ناپاک ہوتی ہے۔ یہی دلیل ہے کہ یہ ناپاک محبت ہے اور ناپاک نظر ہے۔ آپ کسی اللہ والے کو دس گھنٹہ دیکھیں مذی نہیں آئے گی، قرآن شریف کو تمام عمر دیکھو، کعبہ شریف دیکھو، لیکن یہ شیطان بہکاتا ہے کہ ارے خالی دیکھ لینے سے کیا ہوتا ہے، لیکن آپ بلڈ پریشر میں ذرا نمک کھائیے کہ واہ میرے اللہ! آپ نے کیا نمک پیدا کیا ہے! پھر دیکھیے پریشر ہائی ہو گا یا نہیں اور ڈاکٹر دو طمانچے لگائے گا۔ ہر حسن انسان کو اسفل کی طرف لے جاتا ہے۔ عشقِ مجازی اُوپر سے شروع ہوتا ہے یعنی آنکھوں سے اور گالوں سے اور کالے بالوں سے، اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ ناف کے نیچے گندے مقامات پر لے جاتا ہے۔ اسی لیے حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان بہت ہی دھوکے باز تاجر ہے کہ نمونہ اور سیمپل (Sample) دکھاتا ہے آنکھ اور گال کا اور مال دیتا ہے کتنے گندے مقام کا۔ دیکھو شیطان حُسن دکھا کر کس مقام پر انسان کو ذلیل کرتا ہے۔ اتنا ذلیل کرتا ہے کہ عاشق و معشوق دونوں ایک دوسرے کی نظر میں ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاتے ہیں کہ پھر کوئی تلافی بھی نہیں ہو سکتی۔ رحم آتا ہے ایسے ظالم پر جو اپنی اور دوسرے مومن کی آبرو کو ضایع کرتا ہے۔ یہ اللہ کا حلم ہے ورنہ ایسے خبیثوں کو بھوسہ بھروا کر دفن کر دیتا۔ اور نفس بھی ایسا احمق اور بدھو اور بے وقوف اور کمینہ ہے کہ بارہا تجربہ کر چکا کہ حسینوں سے کچھ نہیں ملتا سوائے بے چینی واضطراب اور پریشانی کے، جیسے مچھلی چارے کی لالچ سے دریا سے نکل جاتی ہے لیکن ریت میں جا کر پریشان ہو جاتی ہے۔ اللہ کے دریائے قُرب سے مت نکلو چاہے شیطان کتنی ہی گناہ کی لذّت پیش کرے کیوں کہ اس کا انجام اضطراب اور بے چینی ہے۔ لہٰذا اگر راحت چاہتے ہو تو دونوں جہاں کی راحتیں تقویٰ میں، اللہ کی رضا میں اور ان کی یاد میں ہیں، کیوں کہ اللہ خالقِ دو جہاں ہے، وہ دونوں جہاں کی لذتوں کا خالق ہے۔ تو جو اللہ پر عاشق ہوتا ہے، محبت سے اللہ کا نام لیتا ہے تو دونوں جہاں کی لذتیں بصورتِ کیپسول اس کی رُوح میں اُتر جاتی ہیں۔ حوروں میں بھی وہ مزہ نہیں ہے جو اللہ

کے نام میں ہے۔ کیوں کہ حور حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم واجب الوجود ہے اور قدیم غیر محدود ہوتا ہے تو غیر محدود اللہ کے نام کی لذّت کے مقابلے میں مخلوق اور حادث کی کیا حقیقت ہے؟ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ[۵۸] نکرہ تحت النفی واقع ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے، لہٰذا ان کے نام کی لذت کا بھی کوئی مثل نہیں۔ پس جو اللہ کا نام لیتا ہے وہ دونوں جہاں کی لذّتوں سے بڑھ کر مزہ پاتا ہے؎

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

یہ انتہائی بے وقوفی اور نادانی ہے جو غیر اللہ کی طرف انسان بڑھتا ہے۔ اس لیے اے اللہ! باوجود آپ کے نزدیک ہونے کے ہم آپ سے جو دور ہیں اس کی وجہ نفس کی سازشیں اور آویزشیں اور شہوات اور غصے کی بیماریاں ہیں جو ہمیں اللہ سے دور رکھتی ہیں۔ اس نزدیکی کے باوجود جو ہم اللہ سے دور ہیں اس کا سبب وہی ہے جو ہمارے اکابر نے فرمایا کہ اگر قلب میں نسبت مع اللہ کا چاند پورا روشن نہیں ہوا اور قلب کا تھوڑا سا کنارہ بھی بے نور ہے تو لطف ختم ہو جاتا ہے، اس لیے گناہ پر تھوڑی سی بھی جرأت مت کرو۔ جس طرح رِضۡوَانٌ مِّنَ اللہِ اَکۡبَرُ[۵۹] میں تنوین تقلیل کے لیے ہے کہ اللہ کا تھوڑا سا راضی ہو جانا اَکۡبَرُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ ہے، اَکۡبَرُ مِنۡ کُلِّ الۡعَالَمِ ہے، سارے جہانوں سے ان کی رضامندی بڑی ہے، اسی طرح ان کی تھوڑی سی ناراضگی بھی عظیم الشان ہے، اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت، کوئی پریشانی نہیں۔ لہٰذا یہ نہ سوچو کہ یہ بات تو مکروہ ہے، یہ تو چھوٹا سا گناہ ہے، کیوں کہ اگر اللہ ذرّہ بھر ناراض ہو جائے تو سمجھ لو کہ ساری دنیا ہی اُجڑ گئی، کیوں کہ ان کا ذرّہ بھی بہت بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے شخص سے بڑھ کے ظالم اور کون ہو گا جو محبت کا نام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض بھی کرتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ محبت کے کیا حق ہیں؟ کون نہیں جانتا کہ محبت کے دو حق ہیں: محبوب ہر وقت خوش

۵۸؎ الاخلاص:۴
۵۹؎ التوبۃ:۷۲

رہے اور محبوب کسی وقت ناراض نہ ہو۔ اگر یہ حاصل ہو جائے تو محبت حاصل ہے ورنہ یہ محبت نہیں، یہ تو محبت کا مذاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی فکر نہ ہو اور غیر اللہ میں بندہ مشغول ہو جائے حالاں کہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا ہمارے دل کو چین سے رکھنے والا کوئی نہیں۔ اللہ کے سوا پورے عالم اور پوری کائنات میں دل کو چین سے رکھنا اور کوئی جانتا بھی نہیں اور چین سے رکھنے پر قادر بھی نہیں۔ نہ جانتے ہیں، نہ قادر ہیں کہ وہ ہمارے دل کو چین سے رکھ سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[۶۰]

اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ اس میں حصر ہے تَقْدِيْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِيْرُ يُفِيْدُ الْحَصْرَ کے قاعدے سے۔ اصل عبارت یوں تھی اَلَا تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بِذِكْرِ اللّٰهِ فعل پہلے ہوتا ہے پھر فاعل ہوتا ہے، متعلقات بعد میں ہوتے ہیں، لیکن جب متعلقات کو مقدم کر دیا جائے تو معنیٰ حصر کے پیدا ہو جاتے ہیں جس کا ترجمہ ہوا کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ اور اللہ جزائے خیر دے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو، وہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ كَمَا اَنَّ السَّمَكَةَ تَطْمَئِنُّ فِي الْمَاءِ لَا بِالْمَاءِ[۶۱] مچھلی پانی کے ساتھ نہیں چین پاتی، پانی میں جب غرق ہو جائے کہ اُوپر بھی پانی ہو نیچے بھی پانی ہو، دائیں بھی پانی ہو بائیں بھی پانی تب چین پاتی ہے۔ اور اگر بالماء ہے کہ مثال کے طور پر پورا جسم مچھلی کا پانی میں ہو، لیکن صرف سر کھلا ہوا ہو تو بتاؤ مچھلی چین پائے گی؟ بس سمجھ لو کہ اگر آنکھیں گناہ گار ہیں، کسی نامحرم یا اَمرد کو دیکھ رہی ہیں، اگر کان کسی حسین کی بات سن رہے ہیں، زبان سے اس سے باتیں چبا چبا کر کر رہے ہو، تو ساری زندگی عذاب میں مبتلا رہنے کا جس کا ارادہ ہو وہی یہ سب کام کرے گا۔ ایسے لوگ ساری زندگی عذاب میں رہتے ہیں اور حق تعالیٰ کے قُرب کے دریا سے محروم رہتے

---

[۶۰] الرعد:۲۸

[۶۱] التفسير المظهرى:۱۰/۲۶۱، الفجر(۲۶)، المكتبة الرشيدية

ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ باوجود اتنی نزدیکی کے کہ آپ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں پھر بھی ہم اپنے نفس کی غلامی اور نفس کی شہوتوں کی اتباع سے آپ سے دور ہیں۔

در چنیں تاریکئے بفرست نور

اپنے نفس کی غلامی اور نفس کے غلبے سے ہم تاریکی میں ہیں۔ اے اللہ! آپ کے آفتابِ نور اور ہمارے قلب کے درمیان ہمارے نفس کا گولا آگیا ہے، جس سے ہمارا قلب آپ کے نور سے محروم ہو کر بالکل تاریک ہو گیا ہے۔ جس پر نفس غالب آجاتا ہے وہ گناہ پر جری ہو جاتا ہے، ایسے شخص کے قلب کی دنیا میں اس وقت ایک ذرّہ نور نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہوں اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے دوستوں اور رفیقوں کے لیے کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو ایک سانس بھی اپنی ناراضگی اور نافرمانی میں نہ جینے دے، کیوں کہ حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کی سب سے بُری گھڑی وہ ہے کہ جس گھڑی وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، مومن کی وہ سانس نہایت ہی منحوس اور لعنتی ہے جس سانس میں وہ اللہ تعالیٰ کا غضب خریدتا ہے اور وہ سانس نہایت مبارک ہے جس سانس میں وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے۔

پس اے اللہ! ہم اپنے گناہوں سے، اپنی نالائقیوں سے اور اپنی بد اعمالیوں سے انتہائی شدید تاریکی میں ہیں اور آپ سے دور ہیں، لہٰذا آپ ہمارے دل کی تاریک دنیا میں اپنی رحمت سے نور بھیج دیجیے، گناہوں کے اندھیروں میں تقویٰ کا نور بھیج دیجیے (فرستادن معنٰی بھیجنا، بفرست اس کا امر ہے) یعنی ہمارے اندھیروں میں اپنی رحمت سے آپ اپنی توفیق کا نور بھیج دیجیے، تاکہ ندامت کی برکت سے گناہوں کے اندھیروں سے ہم نجات پاجائیں۔

اور توفیق کی کیا تعریف ہے:

۱) تَوْجِیْهُ الْاَسْبَابِ نَحو الْمَطْلُوْبِ الْخَیْرِ اللہ تعالیٰ اسبابِ خیر پیدا کردیں۔ **توجیہ** **وجہ** سے ہے، اور **وجہ** کا معنٰی ہے چہرہ، باب تفعیل میں جاکر **توجیہ** ہو گیا جس کے معنٰی یہ ہو جاتے ہیں کہ چہرے کے سامنے کوئی چیز آجانا، لہٰذا توفیق

کے معنٰی ہوئے کہ بھلائیوں کے اسباب سامنے آجائیں۔

۲) تَسْھِیْلُ طَرِیْقِ الْخَیْرِ۔ خیر کے راستے آسان ہوجائیں اور تَسْدِیْدُ طَرِیْقِ الشَّرِّ شر کے راستے مسدود ہوجائیں۔

۳) خَلْقُ الْقُدْرَۃِ عَلَی الطَّاعَۃِ۔[۶۲] عبادت واطاعت کی طاقت اللہ پیدا کردے۔ یہ نہیں کہ گناہوں کے اسباب دیکھ کر بھوسہ اور مٹی کے ڈھیلے کی طرح ہوجائے کہ صاحب! ہم تو پاگل ہوجاتے ہیں گناہوں کے اسباب کو دیکھ کر۔ اس میں اتنی دفاعی قوت موجود ہو کہ وہ گناہ سے بچ جائے۔

❂❂❂❂

نفس کے بندے

چین اِک پل کو بھی دلوں میں نہیں
گردنوں میں عذاب کے پھندے

دفن کرکے جنازہ عزّت کا
خوار پھرتے ہیں نفس کے بندے

۶۲؎ شرح مقامات للشیخ اعزاز علی:۴۲، مطبوعۃ دیوبند

درسِ مناجاتِ رُومی

یکم شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۷؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز اتوار، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، ۲ کراچی

این دعا ہم بخشش و تعلیمِ تست
ورنہ در گلخن گلستاں از چہ رست

ارشاد فرمایا کہ رستن روئیدن کے معنیٰ ہیں اُگنا، اور گلخن کہتے ہیں بھٹی کو، آتش کدہ کو جس میں آگ جلتی ہے روٹی اور کھانا وغیرہ پکانے کے لیے یا لوہا اور سونا وغیرہ پگھلانے کے لیے۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہم جو یہ دُعا کر رہے ہیں اے خدا! یہ توفیق بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور آپ ہی کی بخشش اور انعام ہے اور آپ ہی کی تعلیم ہے۔ اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہو تو دُعا کی توفیق بھی نہ ہو، چناں چہ بعضے لوگ جب گناہ کے لیے چلے تو دُعا نہیں مانگی کہ اللہ! ہمیں بچانا، کیوں کہ وہ نیت کر کے چلے تھے کہ منہ کالا کرنا ہے، ایسا شخص پھر کہاں دُعا کرتا ہے۔

پس اے خدا! اگر آپ کا کرم نہ ہوتا اور آپ توفیقِ دُعا نہ دیتے تو ہم تو شہوت کی آگ میں جل جاتے۔ آگ میں پھول کیسے اُگ سکتا ہے؟ یا اللہ! جہاں آگ جل رہی ہو اس میں گلستان کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہوتا تو آتش کدۂ شہوت میں آپ کی محبت کے پھل اور پھول اور آپ کی یاد کا گلستاں کہاں سے پیدا ہوتا؟ یعنی خواہشاتِ نفسانیہ کے شدید تقاضوں کے باوجود تقویٰ پر عمل کے لیے دُعا کی یہ توفیق آپ ہی کی تعلیم اور آپ ہی کی بخشش اور کرم کا ثمرہ ہے، ورنہ شہوت کی آگ میں آپ کی محبت اور دُعا کے قُرب کا گلستاں پیدا ہونا محال تھا، لیکن اجتماعِ ضدّین ہمارے لیے

محال ہے آپ کی قدرتِ قاہرہ کے لیے محال نہیں۔ لہٰذا یہ آپ ہی کا کرم، آپ ہی کی بخشش اور آپ ہی کی تعلیم کا اثر ہے کہ نفس کے شدید تقاضوں کی آگ میں سلامتیٔ تقویٰ کے لیے توفیقِ دُعا نصیب فرما کر آپ نے آگ میں اپنی محبت کا گلستاں کھلا کر اجتماعِ ضدّین کو اپنی قدرتِ قاہرہ سے ممکن کر دیا۔ پس یہ دُعا آپ کی عطا ہے، آپ ہی نئے نئے مضمون دل میں ڈال رہے ہیں۔ بعض جاہلوں کے دل میں اللہ تعالیٰ ایسا مضمون ڈالتے ہیں کہ علماء حیران رہ جاتے ہیں۔ ایک اَن پڑھ بزرگ اللہ سے کہہ رہا تھا کہ یا اللہ! آپ کا نام بہت بڑا نام ہے، جتنا بڑا آپ کا نام ہے اتنا ہی بڑا اہم پر رحم کر دیجیے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ آپ سوچیے! کسی کریم کے پاس آدمی جائے اور کہے کہ صاحب! میں نے آپ کا بڑا نام سنا ہے، جتنا بڑا اہم نے آپ کا نام سنا ہے بس اتنا بڑا اہم پر کرم فرما دیجیے، تو بتاؤ اس کریم کے کرم میں کتنا جوش ہو گا!

تو مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دُعا آپ کی بخشش اور آپ کی تعلیم ہے ورنہ آگ کی بھٹی میں کہیں گلستاں اُگتا ہے؟ یہ آپ کا نام لینے کی توفیق ہے کہ دُعا کی برکت سے شہوت کی آگ میں آپ تقویٰ اور محبت کے پھول کھلاتے ہیں۔ حضرت اصغر گونڈوی فرماتے ہیں ؎

میں نے لیا ہے داغِ دل کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

زندگی کی فانی بہار کو قربان کرکے ہم نے اللہ کی محبت حاصل کی ہے، یعنی حرام خواہشات کے رنگین پھولوں کو فدا کر کے اللہ کے قُرب کی غیر فانی بہار حاصل ہوئی ہے اور تم زندگی کی فانی بہار کو بھی چاہتے ہو اور دردِ دل بھی چاہتے ہو، دونوں ناممکن ہیں۔ اللہ کے لیے جس نے کائنات کے چمن کو لٹا دیا پھر اس نے پایا سب سے زیادہ مزہ ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

یہ دنیا اپنی بہاروں اور اس کی رنگینیوں پر ناز کر رہی تھی، لیکن تقویٰ کی برکت سے جب

دل میں اللہ تعالیٰ اپنی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہوا تو دنیا کی فانی بہاریں نگاہوں سے گر گئیں۔ جس کو یہ دولتِ قُرب نصیب ہوگئی پھر وہ دنیا کے حسینوں پر فدا کر کے اپنی زندگی کو تباہ نہیں کرتا۔ ساری دنیا کے حسین اس کو مجموعۂ بول وبراز نظر آتے ہیں۔ ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی طبیعت کو ایسا لطیف کر دیتے ہیں کہ حسینوں پر اچانک نظر پڑتے ہی اس کو ان کے جسم کے گراؤنڈ فلور کی گٹر لائنیں نظر آجاتی ہیں۔ ساری دنیا مُردہ ہے، موت تو بعد میں آئے گی، ارے جیتے جی ان کی شکلیں ایسی بگڑ جاتی ہیں کہ حُسن کا سارا جغرافیہ ختم ہوجاتا ہے۔ ذکر کی لطافت سے اللہ والوں کی طبیعت اتنی لطیف ہوجاتی ہے کہ حسینوں کے عینِ عالمِ شباب میں ان کے بڑھاپے کا انجام نظر آجاتا ہے۔ الٰہ آباد کے ایک بزرگ تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، کسی زمانے میں بڑے پہلوان تھے، انہوں نے اتنا ذکر کیا تھا کہ جانور جب ان کے سامنے سے گزرتے تھے تو ان کی نظر آرپار ہوجاتی تھی، جانوروں کا دل گردہ آنتیں وغیرہ سب ان کو نظر آجاتی تھیں۔ تو یہ ذکر اللہ کا اثر تھا جو کمالات میں سے تو نہیں ہے، مگر حالات میں سے ہے۔

درمیانِ خوں وروده فہم و عقل
جز ز اکرامِ تو نتواں کرد نقل

ارشاد فرمایا کہ جس طرح بدبودار کھاد سے اللہ تعالیٰ نے خوشبودار پھول پیدا فرمائے، اسی طرح خواہشاتِ نفس کی گندی کھاد سے تقویٰ اور محبت کے پھول پیدا فرمادیے کہ مادّۂ فجور کو دبانے سے، خواہشاتِ نفس کو جلانے سے یعنی تقاضائے معصیت پر عمل نہ کرنے سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور پیشاب اور خون کے درمیان سے خالص اور پاک دودھ پیدا فرمادیا۔ مولانا رُومی حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح اے خدا! آپ کی قدرت کا کمال ہے کہ خون کے اجزاء کے درمیان آپ نے عقل و فہم کو پیدا فرمادیا اور وہ عقل و فہم نظر بھی نہیں آتے۔ ہم سائنس دانوں سے کہتے ہیں کہ دماغ کا ایکسرے یا آپریشن کر کے دکھائیں کہ عقل و فہم کہاں ہے یا حافظِ قرآن کا قرآنِ پاک ہی تلاش کرلیں کہ دکھلاؤ کہاں ہے وہ قرآنِ پاک جو وہ محراب میں سناتا ہے؟ جسم

کے اندر روٹی سے خون بنا، کانوں میں جا کر وہی خون قوتِ سامعہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ دیکھنے لگے، آنکھوں میں جا کر وہی خون قوتِ باصرہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ سامعہ بن جائے، زبان میں جا کر وہی خون قوتِ ذائقہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ سونگھنے لگے، ناک میں وہی خون قوتِ شامہ بنا، مجال نہیں کہ وہ چکھنے لگے۔ وہی خون دماغ میں جا کر عقل و فہم بن گیا۔ جس مقام پر وہ خون جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ قاہرہ سے اسی مقام کی طاقت اس کو بنادیتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی غذا ہے، ایک ہرن میں وہ مینگنی بن جاتی ہے اور اسی غذا کو دوسرا ہرن کھاتا ہے تو وہی غذا مشک بن جاتی ہے۔ یہ اللہ کے فیصلے ہیں۔ وہی کھانا کھا کر ایک ولی اللہ اشکبار آنکھوں سے سجدے میں خدا کو یاد کر رہا ہے اور وہی روٹی کھا کر ایک شخص بد معاشی کر رہا ہے، زنا کر رہا ہے، بد نظری کر رہا ہے، ذرا سوچو کہ روٹی وہی ہے لیکن ایک شخص کی روٹی اسے عرشِ اعظم تک لے جاتی ہے اور دوسرے کی روٹی اس کو اَسۡفَلُ السَّافِلِیۡنَ میں پہنچاتی ہے۔ ایک روٹی اس کو مقامِ عزّت پر لے جاتی ہے اور وہی روٹی کھا کر دوسرا ذلّت اُٹھاتا ہے۔ ایک شخص روٹی کھا کر نیک اعمال کی توفیق سے ولایتِ خاصّہ سے مشرف ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس کے قدموں کو چومے اور دوسرا وہی روٹی کھا کر مادّۂ شہوت میں مبتلا ہو کر بازار میں جوتے کھا رہا ہے اور ہر شخص کہہ رہا ہے کہ مارو خبیث کو میری طرف سے بھی دو جوتے۔ میر صاحب کا چشم دید واقعہ ہے کہ گناہ میں مبتلا ایک شخص کو پولیس پکڑ کے لے جارہی تھی، ہر دوکاندار کہہ رہا تھا کہ مارو خبیث کو میری طرف سے بھی دو جوتے۔ تو دیکھیے روٹی وہی ہے، ایک روٹی کی طاقت سے اس پر جوتوں کی بارش ہو رہی ہے اور وہی روٹی کھا کر اہل اللہ پر اللہ کی رحمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ ایک نے روٹی سے پیدا شدہ طاقت کو صحیح استعمال کیا اس پر رحمتوں کی بارش ہے اور ایک نے غلط استعمال کیا اس پر جوتوں کی بارش ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اے خدا! آپ کے کرم اور آپ کی مہربانی کے سوا خون کے درمیان عقل و فہم کی دولت کو کون پیدا کر سکتا ہے، کیوں کہ خون تو ناپاک ہے اور ناپاک چیز سے بُری اور مذموم شے مثلاً بے عقلی و بد فہمی کا پیدا ہونا تو قرینِ قیاس تھا، لیکن

اس سے عقلِ سلیم وخوش فہمی کا پیدا کرنا یہ عطا صرف آپ کا فضل ہے۔ پس کائنات میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو خون کے اندر عقل و فہم، محبت و تقویٰ، خوف و خشیت اور اعمالِ صالحہ کی توفیقات پیدا کردے سوائے آپ کے اے پروردگار!

عہدِ ما بشکست صد بار و ہزار

عہدِ تو چوں کوہ ثابت برقرار

اے خدا! ہمارا عہدِ توبہ ہزاروں لاکھوں بار ٹوٹ گیا، ہزاروں بار ہم نے عہد کیا کہ اب ہم کبھی بد نظری نہیں کریں گے، کبھی کسی نامحرم لڑکی یا اَمرد کو نہیں دیکھیں گے، کبھی گناہ نہیں کریں گے، لیکن جب بازار گئے جہاں آج کل بے پردہ لڑکیاں پھرتی ہیں تو سارے بریک فیل ہوگئے اور یہ بھی نہ سوچا کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ سے گناہ سے بچنے کا عہد کیا تھا اور ابھی توڑ دیا۔ اور کس سے توڑا اور کس سے جوڑا؟ اللہ سے توڑا اور شیطان سے جوڑا۔ ہمارا عہد تو ایسا بودا اور ضعیف ہے، لیکن یہ ہم نالائقوں کا حال ہے، اہل اللہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ میں نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ راستے میں کبھی دائیں بائیں بھی نہیں دیکھتے تھے، سامنے زمین پر نظر کیے ہوئے تلاوت کرتے ہوئے جارہے ہیں۔ حضرت جانتے ہی نہیں تھے کہ دنیا کہاں ہے۔ حضرت نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ حضرت! جب میں دنیا کی زمین پر چلتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں آخرت کی زمین پر چل رہا ہوں، مجھے دنیا کی زمین دنیا کی نہیں معلوم ہوتی بلکہ آخرت کی معلوم ہوتی ہے۔ حکیم الاُمت نے حضرت کا خط پڑھ کر فرمایا کہ یہ شخص اپنے وقت کا صدیق ہے، اولیائے صدّیقین کو ایسی نسبت دی جاتی ہے کہ یہ دنیا ان کے لیے حجاب نہیں رہتی۔

مجھے تو یہ جہاں بے آسماں معلوم ہوتا ہے

یہ میرا شعر ہے، آسمانوں کے حجابات اللہ اپنی رحمت سے اُٹھا دیتا ہے۔

تو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے عہد کی شکستگی کا یہ حال ہے کہ

ہم سینکڑوں ہزاروں مرتبہ وعدہ کرتے ہیں کہ گناہ نہیں کریں گے اور ہزاروں دفعہ شکستِ توبہ کرتے ہیں اور اے اللہ! آپ کا عہد مثل پہاڑ کے ثابت وبر قرار ہے۔ یہ تو محض سمجھانے کے لیے مولانا فرماتے ہیں کہ آپ کا عہد بھی مثل پہاڑ کے ہے، ورنہ کہاں پہاڑ اور کہاں اللہ! پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہیں پہاڑوں کو ہلادیں اور قیامت کے دن رُوئی کے گالوں کی طرح اُڑادیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدے ہمیشہ سے قائم ہیں اور قیامت تک اسی طرح قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ[۶۳]

آپ آپ ہیں آپ سب کچھ ہیں
اور اور ہے اور کچھ بھی نہیں

عہدِ ما کاہ وبہر بادے زبوں
عہد تو کوہ وز صد کُہ ہم فزوں

کاہ معنیٰ گھاس، تنکا۔ ہمارے عہد اور ہمارے وعدے گھاس اور تنکوں کی طرح ذلیل وخوار ہیں کہ جدھر کی ہوا ہوئی اُدھر کو اُڑ گئے۔ خواہشاتِ نفس کی آندھیوں کے سامنے اے اللہ! ہمارے تمام عہد و قرار مثل گھاس اور تنکوں کے اُڑ جاتے ہیں اور ہواؤں کے غلام بن جاتے ہیں۔ ابھی سجدے میں رو رہے ہیں اور آپ سے وفاداری کے عہد وپیمان کر رہے ہیں اور ذرا سی دیر میں خواہشِ نفس کی رو میں بہہ کر گناہ کرنے لگتے ہیں۔ اگر آپ کی حفاظت نہ ہو تو ہم گھڑی میں اولیاء اور گھڑی میں بھوت ہو جاتے ہیں۔ پس ہمارے وعدوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے وعدے اور ہمارے عہد تو نہایت ضعیف اور بودے اور ذلیل وخوار ہیں اور آپ کا عہد سینکڑوں پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے، کیوں کہ پہاڑوں کی آپ کے سامنے کیا حقیقت ہے، آپ تو ان کے خالق ہیں۔

---

[۶۳] الشوریٰ:۱۱

حقِ آں قدرت کہ بر تلوینِ ما
رحمتے کن اے تو میرِ لونہا

اے اللہ! ہم آپ کو آپ کی اس قدرت کا واسطہ دیتے ہیں جو ہماری تلوین پر آپ کو حاصل ہے کہ آپ اپنی وہ رحمت نازل فرمادیجیے کہ ہماری تلوین تمکین سے تبدیل ہوجائے، یعنی ہم جو رنگ بدلتے ہیں کہ ذراسی دیر میں ولی اور ذراسی دیر میں شیطان، تو یہ ہماری تلوین اور رنگ بدلنا، یعنی استقامت پر نہ رہنا اس پر آپ کو قدرت حاصل ہے کہ آپ ہماری بے استقامتی کو نعمتِ استقامت سے تبدیل فرمادیں، کیوں کہ آپ ہماری تلوین پر پوری طرح قادر ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم تلوین سے نجات پاجائیں اور ہمارا مقامِ تلوین تمکین واستقامت سے مشرّف ہوجائے۔ اے اللہ! آپ تو خالقُ الالوَان ہیں، دنیا میں جتنے الوان اور رنگ ہیں سب کے خالق آپ ہیں اور آپ کو ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، پس میں آپ کی اس قدرت کا صدقہ مانگتا ہوں کہ میری تلوین وعدم استقامت کو تمکین واستقامت سے تبدیل فرمادیجیے، یہ رحمتِ خاص مجھ پر نازل فرمادیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ [۶۴]

اے اللہ! مجھ پر وہ خاص رحمت نازل فرما جس سے گناہ ترک ہوجائیں اور اپنی نافرمانی سے مجھے بدبخت نہ ہونے دیجیے۔

خویش را دیدیم و رُسوائی خویش
امتحانِ ما مکن اے شاہِ بیش

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! بارہا ہم نے اپنے دست وبازو کو آزمالیا اور بارہا اپنے دست وبازو کی شکست اور نفس سے اپنی مغلوبیت کی ذلّتیں اور رُسوائیاں بھی دیکھ لیں کہ ہزاروں بار ہم عہد شکنی اور توبہ شکنی کے مرتکب ہوئے، لہٰذا اے اللہ! اگر آپ کا

[۶۴] جامع الترمذی: ۱۹۷/۲ (۳۵۷۰)، باب فی دعاء الحفظ، ایچ ایم سعید

فضل نہ ہو تو اپنے ارادوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے ارادوں کی تکمیل بھی آپ کے فضل کی محتاج ہے، کیوں کہ ہمارے ارادے ناقص ہیں اور تقویٰ کی جو استطاعت آپ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کے استعمال میں ہم ہمّت چوری کے مجرم ہیں پس اگر آپ کا فضل نہ ہو تو ذرا سی دیر میں سب پڑھا لکھا اور اللہ والوں کی صحبتیں اور ان کی نصیحتیں انسان فراموش کر دیتا ہے اور جو سالک تہجد پڑھ رہا ہے، رمضان مبارک میں روزے رکھ رہا ہے، یہی کبائر و فواحش میں مبتلا ہو کر رُسوا ہو جاتا ہے۔ پس اے مالک! اب آپ ہمارا مزید امتحان نہ لیجیے، کیوں کہ آپ کے امتحان میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تا فضیحت ہائے دیگر را نہاں
کردہ باشی اے کریم مستعان

ارشاد فرمایا کہ مستعان اسمِ ظرف ہے، باب ثلاثی مزید فیہ کا مفعول ہی ظرف ہوتا ہے، یعنی مرکزِ اعانت، جس سے اعانت طلب کی جاتی ہے۔

مولانا رُومی دُعا مانگ رہے ہیں کہ ہماری بہت سی فضیحتیں اور رُسوائیاں جو ابھی پوشیدہ ہیں اور مستقبل میں ان کا ظہور ہونے والا ہے ان کو اے خدا! ظاہر نہ فرمایئے اور اپنے پردۂ ستّاریت میں ان کو چھپا رہنے دیجیے ورنہ ہم رُسوا ہو جائیں گے اور یہ سوال میں آپ سے کیوں کر رہا ہوں؟ کیوں کہ آپ کریم بھی ہیں اور مستعان بھی ہیں، یعنی آپ ہی کی وہ ذات ہے جو نالائقوں پر بدون استحقاق فضل فرماتی ہے اور ہماری اُمیدوں سے زیادہ عطا فرماتی ہے اور آپ ہی کی ذات ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ لہٰذا میں آپ ہی سے مدد مانگ رہا ہوں کہ میری دوسری رُسوائیاں جن کو آپ نے پوشیدہ رکھا ہوا ہے ان کو آپ ظاہر نہ فرمایئے۔ اپنے پردۂ ستّاریت میں ہمیشہ کے لیے چھپا لیجیے اور اس نالائق پر فضل فرما دیجیے جو آپ کے فضل کا مستحق نہیں۔ اور میری اُمیدوں سے زیادہ عطا فرما دیجیے۔

بے حدی تو در جلال و در کمال
در کژی ما بے حدیم و در ضلال

اے خدا! آپ جلال اور کمال میں غیر متناہی ہیں اور ہم کجی، بُرائی اور گمراہی میں گویا غیر متناہی ہیں، یعنی بُرائیوں میں کمال کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں، جس طرح آپ اپنی جلالتِ شان اور عظمتوں میں بے انتہا بالاتر اور غیر متناہی مقام رکھتے ہیں، ایسے ہی ہم نالائقی میں کمال اور انتہا کی حدوں کو پار کر گئے ہیں۔ یعنی ہم انتہائی نالائق، ٹیڑھے، کج رو اور بے حد گمراہی میں مبتلا ہیں۔ بندوں کی بدی اور گمراہی کو بے حد و غیر متناہی تعبیر کرنے سے مولانا کی مراد مبالغہ فی الرذائل ہے، یعنی ہم لوگ بُرائی اور کجی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔

بے حدی خویش بگمار اے کریم

بر کژی بے حدِ مشتے لئیم

ارشاد فرمایا کہ گماشتن کے معنٰی ہیں مقرر کرنا اور بگمار اس کا امر ہے یعنی مقرر کر دیجیے۔

مولانا رُومی بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ جب ہم بُرائی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، لہٰذا اے کریم! اپنے جلال و کمال اور فضل و رحمت سے اپنے کرم کی غیر متناہی صفت کو ہماری اس کمینہ مشت خاک کی بے انتہا نالائقی و گمراہی و ضلالت اور ٹیڑھے پن پر مقرر فرما دیجیے یعنی متوجہ فرما دیجیے۔ یعنی جتنے ہم نالائق ہیں اتنا ہی اپنا کرم بقدر ہماری نالائقی کے ہم پر مبذول فرما دیجیے، اس کمینہ مشت خاک کے انتہائی کمینہ پن پر اپنے بے انتہا کرم کی بارش فرما دیجیے۔

دیدۂ اشک باریدہ

لذتِ قربِ خدا مست گریہ زاری میں ہے

قرب کیا جانے جو دیدۂ اشک باریدہ نہیں

اختؔر

درسِ مناجاتِ رُومی

۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۸؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ہیں کہ از تقطیع ما یک تار ماند
مصر بودیم و یکے دیوار ماند

ارشاد فرمایا کہ ہیں کا معنیٰ ہے خبر دار اور تقطیع باب تفعیل قطعٌ سے ہے معنیٰ پارہ پارہ کرنا۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری جلد خبر گیری فرمایئے کہ ہم نے شیطان کے کہنے میں آکر اپنے لباسِ دین، لباسِ تقویٰ اور وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ[۶۵] کے لباسِ شرف کو گناہوں کی قینچی سے ایسا پارہ پارہ کیا ہے کہ بس اب ایک تار باقی رہ گیا ہے۔ اور ہم دین کے ایک شہر تھے، شرف و تکریم کے بلدِ عظیم تھے، لیکن اپنے گناہوں کی تباہ کاریوں سے اب صرف ایک دیوار رہ گئے ہیں، شیطان نے ہمارے گناہوں سے دین و تقویٰ کا سارا شہر تباہ کر دیا، اب ایک دیوار رہ گئی ہے۔ جیسے جب زلزلہ آتا ہے تو ایک جھٹکے میں ایک محلّہ گر گیا، دوسرے جھٹکے میں دوسرا محلّہ گر گیا، پھر تیسرا گر گیا، اس طرح شہر کا شہر تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اے اللہ! کبھی بد نظری کر کے ہم نے اپنے دین کے شہر کا ایک محلّہ گرا دیا، کبھی حسینوں سے باتیں بنا کے دوسرا محلّہ گرا دیا، کبھی ان کو دل میں بسا کے تیسرا محلّہ گرا دیا، یہاں تک کہ ہمارے دین اور تقویٰ کا شہر گناہوں کے زلزلوں اور بموں کی تباہ کاریوں سے کھنڈر بن گیا ہے۔ اے اللہ! ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو اس طرح تباہ کیا ہے کہ ہمارے شہر دین میں بس ایک دیوار باقی ہے اور ہمارے لباسِ دین میں صرف ایک تار باقی ہے۔

۶۵؎ بنی اسرآءیل: ۷۰

البقیہ البقیہ اے خدیو
تانہ گردد شادِ کلّی جانِ دیو

ارشاد فرمایا کہ جب پورا شہر تباہ ہوجائے اور صرف ایک دیوار رہ جائے تو کیا حسرت ہوتی ہے۔ مولانا رُومی کتنے پیارے آدمی ہیں! کس ندامت و فنائیت و درد سے دُعا مانگ رہے ہیں کہ اے خدا! اب تو بچا لیجیے، اب تو بچا لیجیے، ہمارے دین کے تباہ شدہ شہر کی جو ایک دیوار باقی رہ گئی ہے، اس کو تو نہ گرنے دیجیے ورنہ تو ہم بالکل ہی تباہ ہوجائیں گے۔ ہماری نالائقیوں کے باوجود محض اپنے کرم سے اس دیوار کے سہارے کچھ تو اب شہر محبت میں ہمیں زندہ رہنے دیجیے، ورنہ اگر یہ سہارا بھی گر گیا تو ہمارا کہیں ٹھکانہ نہ ہوگا۔ یعنی جو تھوڑا سا دین رہ گیا ہے یہ ظالم شیطان چاہتا ہے کہ اس کو بھی گناہ کرا کے ہم سے چھین لے، لٰہذا ہمارے لباسِ دین کا جو ایک تار بچا ہے اور شہرِ دین کی جو ایک دیوار بچی ہے اس کو بچا لیجیے، ورنہ شیطان پورے طور سے خوش ہوجائے گا، لٰہذا اے اللہ! اپنے دشمن کو خوش نہ ہونے دیجیے اور ہماری نالائقیوں کی وجہ سے ہمیں اس کے حوالے نہ کیجیے۔ آہ! جس طرح ایک بدوی نے روضۂ مبارک پر دُعا مانگی تھی۔ بعض وقت اللہ تعالیٰ دیہاتیوں کے دل میں ایسا مضمون عطا فرماتے ہیں کہ علماء عش عش کرتے ہیں۔ ایک دیہاتی روضۂ مبارک پر حاضر ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! اگر تو نے مجھے معاف کردیا اور میرے گناہوں کو بخش دیا تو تیرا محبوب جو یہاں آرام فرما ہے خوش ہوجائے گا اور تیرا دشمن غمگین ہوجائے گا، اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا تو تیرا دشمن خوش ہوجائے گا اور تیرا محبوب غمگین ہوجائے گا، لٰہذا اب تو خود فیصلہ کرلے کہ تجھے اپنے محبوب کو خوش کرنا پسند ہے یا اپنے دشمن کو خوش کرنا پسند ہے۔ آہ! کیا مضمونِ دُعا ہے۔ لٰہذا اے اللہ! ہمیں مکمل تباہی سے بچا لیجیے اور ہمارے دین و تقویٰ کی بقیہ دیوار کو نہ گرنے دیجیے، اس کو سنوار دیجیے اور آفت زدہ علاقے کی جب ایک دیوار کو شاہ سنوارتا ہے تو پورا شہر پھر سے آباد کردیتا ہے۔ اے اللہ! آپ تو شاہوں کے شاہ ہیں، سلطان السلاطین ہیں، ہمارا شہرِ دین آباد کرنا آپ کے لیے کیا مشکل ہے۔ پس

ہمیں اپنی حفاظت میں لے لیجیے اور اپنے دشمن کو خوش نہ ہونے دیجیے۔

بہرِ مانے بہر آں لطفِ نخُست
کہ تو کردی گمرہاں راباز جُست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ ہماری کسی لیاقت و قابلیت وصلاحیت کی وجہ سے ہم پر مہربانی و فضل نہیں فرماتے، کیوں کہ ہمارے اعمال تو ایسے نالائق ہیں کہ جن کی وجہ سے ہم طرد و بُعد اور دوری کے مستحق ہیں کہ آپ ہمیں اپنی بارگاہ سے ٹھکرادیں۔ جس طرح ہم اپنے نافرمان ملازم کو نکال دیتے ہیں، تو ہم آپ کی نافرمانی کی وجہ سے اس قابل تھے کہ آپ کی بارگاہِ قُرب سے نکال دیے جاتے لہٰذا آپ کی مہربانی ولُطف ہماری وجہ سے نہیں ہے، بلکہ آپ کے لُطف کا سبب آپ کا لطفِ سابق، لطفِ مخفی اور احسان قدیم ہے جس نے بے شمار گمراہوں کو دوبارہ ڈھونڈلیا اور اپنا بنالیا۔ اگر آپ کا یہ فضل وکرم نہ ہوتا تو بھلا عازمِ قتلِ نبی اور قاتلِ عمِ نبی کو ہدایت ہوسکتی تھی؟ اگر ہمارا کوئی اکلوتا بیٹا ہو اور اتنا پیارا ہو کہ کائنات میں اس سے زیادہ ہمیں کوئی پیارا نہ ہو اور ہمیں پتا چل جائے کہ کوئی اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے، تو زندگی بھر ہم اس کی صورت دیکھنا پسند نہ کریں بلکہ اگر بس چلے تو اس کو نیست ونابود کردیں، لیکن اے اللہ! آپ کے فضل ورحمت بے پایاں اور حلم وکرم کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کائنات میں کوئی آپ کا پیارا نہیں جو وجۂ تخلیقِ کائنات ہیں اور آپ نے فرمایا **لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ**۔[۶۶] اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان کو بھی پیدا نہ کرتا، تو ایسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرنے والے کو اے اللہ! آپ کے کرم نے ہدایت دے دی اور نہ صرف یہ کہ ان کو معاف کردیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا جاں نثار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا پیارا بنادیا کہ وہ خلیفۂ دوم ہیں۔ اسی

---

[۶۶] کشف الخفاء ومزیل الالباس: ۱/۵۹، (۹۱)، مکتبة العلم الحدیث

طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کو اے اللہ! آپ نے اپنا بنالیا۔ آپ کی رحمتِ غیر محدود کو وہم وقیاس میں نہیں لایا جاسکتا۔

اے بلند از وہم و قال و قیلِ من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

اے اللہ! آپ ہمارے قیل و قال اور وہم وخیال سے بالاتر ہیں، آپ کی ذات وصفات کی عظمتوں کی کوئی تمثیل نہیں پیش کی جاسکتی، کیوں کہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ[۱۶] کوئی شئے آپ کے مثل نہیں۔ تو مولانا رُومی فرماتے ہیں: اے اللہ! آپ کی رحمت نے کتنے گمراہوں کو گمراہی کے بیابانوں سے دوبارہ ڈھونڈ لیا اور اپنا ولی بنالیا۔ کتنے ڈاکو آپ کی رحمت سے ولی اللہ ہوگئے۔ حضرت فضیل ابن عیاض کتنے بڑے ڈاکو تھے کہ جن سے مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی تھیں کہ چپ ہو جا فضیل آرہا ہے اور آج وہ سید الطائفہ ہیں، شجرۂ چشتیہ میں ان کا نام آتا ہے۔ اے اللہ! آپ جو لُطف و کرم اپنے بندوں پر فرماتے ہیں، خصوصاً وہ بندے جو بے راہ ہوگئے تو اس کا سبب محض آپ کا لطف و کرم ہے، جیسے کوئی نالائق بیٹا باپ سے بھاگ جائے تو باپ کا کرم پھر اس کو تلاش کرکے اپنے گلے سے لگالیتا ہے، ایسے ہی وہ بندے جو نفس و شیطان سے مغلوب ہو کر آپ سے دور بھاگ گئے، آپ کا کرم ان کو تلاش کرکے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔

باز آمد بندۂ بگریختہ
آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

آپ سے بھاگا ہوا بندہ اپنی آبرو کو گناہوں سے برباد کرکے آپ کے جذبِ کرم کے صدقے میں پھر آپ کے پاس آگیا، اور اس کی وجہ ہمارے اعمال نہیں ہیں بلکہ آپ اپنے لطف و کرم سے گمراہوں کو دوبارہ تلاش کرلیتے ہیں اور توفیقِ ہدایت دے دیتے ہیں اور اپنا بنالیتے ہیں۔

---

[۱۶] الشوریٰ:۱۱

چوں نمودی قدرتت بنمائے رحم
اے نہادہ رحم ہا در لحم و شحم

اے اللہ! جب آپ نے اپنی قدرت کا ظہور فرمادیا تو اپنا رحم بھی ہم کو عنایت فرمادیجیے۔ آپ کی قدرت تو ہر طرف ظاہر ہے، پس اگر آپ کا رحم بھی ظاہر ہو جائے تو ہمارا کام ہی بن جائے۔ رحم سے مراد وہ رحمتِ مخفیہ ہے جس سے بندوں کو آپ اپنا بناتے ہیں، ورنہ آپ کی رحمتِ عامہ تو ہر لحہ ہر آن بندوں پر ہے اور آپ کی قدرت نے ہمیں وجود بخشا، منی جیسی ناپاک چیز پر آپ نے کیا فٹنگ کی ہے کہ اس پر آنکھ کان ناک بنادیے، ورنہ ماں کے پیٹ میں ہم خونِ حیض اور باپ کا نطفۂ ناپاک تھے۔ اسی قطرۂ منی کو آپ نے بینا کر دیا، گویا کر دیا، جس سے آج ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، بول رہے ہیں، ہنس رہے ہیں، ایک دوسرے کی سن رہے ہیں، ایک دوسرے کی سمجھ رہے ہیں، ایک ناپاک قطرے کو آپ نے کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ جب آپ نے اپنی قدرت کا اتنا ظہور فرمادیا تو اپنا رحم بھی ہم پر ظاہر فرمادیجیے، کرم بھی فرمادیجیے۔ اے وہ ذات کامل القدرۃ جس نے لحم و شحم میں رحم رکھ دیا، مثلاً ماں باپ کے گوشت اور چربی میں مامتا اور رحمت و شفقت کا مادہ رکھ دیا۔ انسان کا پورا جسم لحم و شحم سے بنا ہوا ہے۔ اس لحم و شحم میں رحم کا مال آپ کا رکھا ہوا ہے، ماں باپ کے کلیجے میں اولاد کی مامتا اور شفقت اور محبت آپ کی رکھی ہوئی ہے، جس سے آپ کی مخلوق کا یہ حال ہے کہ ماں باپ اولاد پر اپنی جان قربان کرتے ہیں، تو جب آپ کی عطا فرمودہ مخلوق کی رحمت کا یہ حال ہے تو آپ تو رحمت کا سرچشمہ، مرکز اور منبع ہیں اور آپ رحم کرنے میں لحم و شحم سے بے نیاز ہیں، لہٰذا آپ ہم پر براہِ راست رحم فرمادیجیے۔

ایں دعا گر خشم افزاید ترا
تو دعا علیم فرما مہترا

اگر میری یہ دُعا بوجہ میرے نقصانِ فہم اور کوتاہیٔ تعبیر اور نقصِ عرض و معروض کے اپنے عنوان و مضمون کے اعتبار سے آپ کو ناپسند اور میرے لیے موجبِ غضب ہے تو اے

میرے پیارے اللہ! مجھے دُعا کا مضمون بھی تعلیم فرمائیے، مجھے مانگنا سکھا دیجیے، ایسی دُعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائیے اور ایسے مضامینِ دُعا الہام فرمائیے جس سے آپ خوش ہو جائیں۔

اٰتنا فی دار دنیانا حسن

اٰتنا فی دار عقبانا حسن

اے اللہ! آپ ہم کو دنیا میں بھی بھلائیاں دیجیے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عنایت فرمائیے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر رُوح المعانی میں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً[۶۸] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دنیا کی بھلائیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دُعا میں مانگنے کا حکم دیا ہے یہ ہیں:

نیک بیوی، نیک اولاد، رزقِ حلال، علم و عمل، ثنائے خلق یعنی مخلوق میں تعریف اور نیک نامی، عافیت اور مخلوق کی محتاجی سے حفاظت، دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت، کتاب اللہ کی فہم یعنی دین کی سمجھ اور نیک بندوں کی صحبت۔[۶۹]

حَسَنَۃً کی جو تفسیر بیان ہوئی اس کو تو سب مانتے ہیں لیکن بعض لوگ صحبتِ صالحین کو حَسَنَۃً فِی الدُّنْیَا نہیں سمجھتے، لیکن مفسرِ عظیم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ جو اہل اللہ سے دور ہے وہ دنیا کی بہت بڑی بھلائی سے محروم ہے۔ اور آخرت کی حَسَنَۃ جنت ہے، محشر کی ہولناکیوں اور سوءِ حساب سے حفاظت اور دیدارِ الٰہی کی لذت ہے۔ پس اے اللہ! ہمیں دنیا کی بھلائیاں بھی عطا فرمائیے اور آخرت کی بھلائیاں بھی عطا فرمائیے، آمین۔

راہ را بر ما چوں بستاں کن لطیف

مقصدِ ما باش ہم تو اے شریف

مولانا رُومی دُعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم پر اپنے راستے کو یعنی راہِ سلوک کو مثل باغ

---

۶۸ البقرۃ:۲۰۱

۶۹ روح المعانی:۲/۹۱، البقرۃ(۲۰۱)، دار احیاء التراث، بیروت

کے لطیف، لذیذ اور خوشگوار کر دیجیے جس طرح باغ میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو لیے ہوئے آتی ہیں اسی طرح ہمارے لیے اپنے راستے کو مزے دار کر دیجیے۔ آپ کا راستہ تو اے اللہ! مزے دار ہے ہی لیکن ہم گناہ کر کے آپ کے راستے کو بے مزہ کرتے ہیں۔ جو لوگ گناہ کی عادت میں مبتلا ہیں ان کے لیے اللہ کا راستہ بوستان نہیں رہتا کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے وہ ہر وقت کشمکش میں مبتلا ہیں اور کثرتِ معصیت سے تقاضائے شہوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب تک نماز پڑھتے ہیں، جب تک تلاوت کرتے ہیں، جب تک ذکر میں مشغول ہوتے ہیں سکون سے رہتے ہیں اور جہاں فارغ ہوئے ان کو پھر پرانا پاپ یاد آجاتا ہے اور پھر کشمکش اور دوزخی زندگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور جو گناہوں سے محفوظ ہیں ان کے لیے اللہ کا راستہ باغ ہی باغ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص جارہا ہے اور راستے کے دونوں طرف درخت ہی درخت اور باغ ہی باغ ہیں اور درختوں کے سائے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں چلا جارہا ہے، اس کا راستہ نہایت آسان، مزے دار اور خوشگوار ہے اور دوسرا شخص جو نماز روزہ اور ذکر و تلاوت بھی کرتا ہے لیکن گناہوں میں بھی مبتلا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ جب تک ذکر و تلاوت میں مشغول ہے تو گویا درخت اور باغ کے سائے میں جارہا ہے، لیکن جیسے ہی گناہ کا مرتکب ہوا تو باغ کا سایہ دار راستہ ختم ہو گیا اور کڑاکے کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں آگیا۔ شہواتِ نفسانیہ اور تقاضائے معصیت کے ارتکاب کا راستہ اضطراب اور بے چینی کی شدید دھوپ اور گرم لُو کا راستہ ہے جہاں چین اور اطمینان کا خواب بھی نظر نہیں آتا۔ اگر احساسِ صحیح اور قلبِ سلیم ہے تو گناہ کے نقطۂ آغاز اور زیرو پوائنٹ ہی سے پریشانی اور بدحواسی شروع ہو جاتی ہے، مثلاً: ایک شخص نے اپنے قلب کا رُخ نوے ڈگری اللہ کی طرف کیا ہوا ہے، لیکن جیسے ہی ذرا سا کسی حسین کی طرف جھکا تو قلب میں اسی وقت پریشانی کا آغاز ہو جائے گا۔ گناہ کے میلان اور تقاضوں پر عمل کا مبہم خیال اور نقطۂ آغاز اللہ کے قُرب سے اسی قدر دور کر دیتا ہے اور قلب کا سکون چھین لیتا ہے، کیوں کہ ہر گناہ منافی ذکر ہے اور ذکر پر اطمینانِ قلب موعود ہے، تو جس درجہ ذکر کا ضد ہو گا

اسی درجے کی بے اطمینانی عقلاً مستلزم ہونی چاہیے۔ یہ میں منطق کی عقلی دلیل پیش کررہا ہوں، کیوں کہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[۲۰] میں حصر ہے، لٰہذا جب اطمینانِ قلب اللہ کے ذکر ہی پر موقوف ہے تو ذکر سے جتنے درجہ دوری ہوگی اتنے ہی درجہ بے اطمینانی مستلزم ہوئی۔ اگر اللہ کی یاد سے ایک اعشاریہ دوری ہوئی تو قلب میں ایک اعشاریہ بے اطمینانی پیدا ہونا لازم ہے۔ اور اگر گناہ کرلیا تو قلب مکمل طور سے بے چین ہوجائے گا، کیوں کہ گناہ خلافِ ذکر ہے بلکہ غفلت کا فردِ کامل ہے۔ محض غفلت سے باطن کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا گناہ سے پہنچتا ہے، مثلاً: تھوڑی دیر کھانے پینے میں ایسا مشغول ہوا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہوگیا یا کسی کے لطیفوں میں ایسا غرق ہوا کہ پیٹ کی گہرائی سے ہنسنا شروع کردیا یہاں تک کہ اس وقت اس کے دل میں اللہ کی یاد نہیں رہی تو اس غفلت سے اتنا نقصان نہیں پہنچے گا جتنا کسی معصیت کی طرف ایک اعشاریہ قلب کا میلان ہوجائے تو دیوارِ استقامت کی بنیاد خطرے میں پڑجاتی ہے اور اگر خدانخواستہ معصیت کا ارتکاب کرلیا تو دیوارِ استقامت ہی گرجاتی ہے اور قلب بالکل بے چین ہوجاتا ہے۔

اسی لیے مولانا رُومی دُعا کررہے ہیں کہ اے اللہ! تقاضائے معصیت کی کشمکش اور دوزخی زندگی اور مجاہدہ ومشقتِ شدیدہ اور جہدِ بلاء سے ہمیں بچالیجیے اور اپنی راہ کو ہم پر مثلِ بوستان وباغ کے لطیف فرمادیجیے اور یہ نعمت کب حاصل ہوگی۔

مقصد ماباش ہم تو اے شریف

اے ربّ العزت! اے میرے معزز ومکرم اللہ! جب ہر سانس اور ہر لمحہ آپ ہمارے مقصود ومراد اور مقصدِ اعظم بن جائیں، ہمارا قصد وارادہ صرف آپ کی طرف رہے، ہماری تمنّاؤں کا مرکز صرف آپ کی ذات ہو، جب یہ مقام آپ ہم کو عطا فرمائیں گے تب جاکر ہمیں آپ کا راستہ بوستان اور باغ کی طرح لطیف ہوجائے گا۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے کو باغ کی طرح لطیف اور پُر لطف بنانا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہر سانس میں اپنا مقصود اور مراد بنالے۔ ’’مقصد ماباش‘‘ اگرچہ مولانا کا جملہ انشائیہ دُعائیہ ہے لیکن

---

[۲۰] الرعد:۲۸

ساتھ ساتھ انہوں نے اس کے اندر جملہ خبریہ بھی شامل کر دیا ہے کہ کبھی خبر بصورتِ امر اور کبھی امر بصورتِ خبر ہوتا ہے جیسے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ[۱]

جب تجھ سے حیا ختم ہو گئی تو پھر جو چاہے کر۔ تو کیا نعوذ باللہ! شریعت اجازت دے رہی ہے کہ شرم کو ختم کر کے جو چاہو کرو۔ نہیں! یہ صورتاً امر ہے حقیقتاً خبر ہے کہ اگر تجھ سے حیا جاتی رہی تو پھر تو ہر گناہ کرے گا کیوں کہ ہر گناہ کا سبب بے حیائی ہے۔ اگر بد نظری کر رہا ہے تو اس کا سبب بے حیائی ہے، زنا کر رہا ہے تو نہایت درجے کا بے حیا ہے کہ دوسروں کی ماں بہنوں کے ساتھ ایسا کر رہا ہے جو اپنی ماں بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتا اور اس کو پروا نہیں کہ اللہ نے اگر مخلوق پر ظاہر کر دیا تو کس قدر رُسوائی ہو گی۔ اس کے علاوہ خدا کے حکم کو توڑنا خود بے حیائی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹ بول رہا ہے تو وہ بے حیا ہے۔ حیا والا آدمی سوچے گا کہ اگر کبھی میرا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو کیا منہ دکھاؤں گا۔ غرض ہر گناہ کی جڑ میں بے حیائی پوشیدہ ہے۔ گناہ بغیر بے حیائی و بے غیرتی کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مولانا کے اس جملۂ انشائیہ میں جملۂ خبریہ پوشیدہ ہے کہ اللہ کو اپنا مراد بنالو۔

پس جس کی زندگی کی ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود و مراد ہو کہ ایک لمحہ بھی اس کا اللہ سے غافل نہ ہو تو ایسا شخص چاہے مسجد میں ہو، چاہے دوکان میں سودا بیچ رہا ہو، چاہے بیوی بچوں سے باتیں کر رہا ہو یا دوستوں سے خوش طبعی کر رہا ہو یہ ہر وقت باغِ قُرب میں ہے اور اللہ کا راستہ اس کے لیے گویا پھولوں کے جھرمٹ اور درختوں کے سائے میں نہایت سُکون و عافیت سے گزر جائے گا اور بہت مزے میں یہ منزل تک پہنچ جائے گا۔ اسی لیے مولانا نے فرمایا کہ اے اللہ! صرف آپ ہی ہمارا مقصد، ہمارا مقصود، ہماری مراد، ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز بن جائیں تا کہ آپ کا راستہ ہم پر نہایت آسان اور انتہائی لذیذ ہو جائے۔

تاچہ دارد ایں حسود اندر کدو
اے خدا فریاد ما را زیں عدو

---

[۱] صحیح البخاری: ۲/۹۰۴،(۶۱۴۸)،باب اذا لم تستحی فاصنع ماشئت،المکتبۃ المظھریۃ،اخرجہ بلفظ:فاصنع

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ حاسد اپنے اندر کس قدر کینہ رکھتا ہے۔ حاسد سے مراد شیطان ہے اور نفس بھی مراد ہوسکتا ہے کیوں کہ دونوں ہی کی دشمنی منصوص ہے۔ شیطان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ[۲]

شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور نفس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَعۡدٰی عَدُوِّكَ فِیۡ جَنۡبَیۡكَ[۳]

تیرا سب سے بڑا دشمن تو تیرے پہلو میں ہے۔ اور نفس و شیطان دونوں بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، لیکن شیطان کا یہاں مراد ہونا زیادہ اقرب الی القیاس ہے کیوں کہ دشمن ازلی اور مردودِ ازلی ہے، اس کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہوسکتی، اور نفس کا اگر تزکیہ ہوجائے تو یہ ولی اللہ بھی ہوجاتا ہے۔ "تاچہ" مبالغہ ہے، یعنی یہ ظالم ہم سے کتنا حسد رکھتا ہے۔ پس اے خدا! میں اس دشمن کے خلاف آپ سے فریاد کرتا ہوں۔ جیسے کوئی دشمن کسی بچے کو مار رہا ہو تو وہ بچہ اپنے ابّا کو پکارتا ہے، پس اے اللہ! اس دشمن شیطان اور دشمن نفس کے ستانے پر ہم آپ ہی کو پکار رہے ہیں کہ آپ سے ہماری فریاد ہے کہ اس دشمن کی پٹائی سے ہمیں بچا لیجیے۔

گر یکے فصلِ دگر در من دمد

بر دخواہد از من ایں راہ زن نمد

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اعمالِ صالحہ کی کوئی دوسری فصل میرے اندر پیدا ہو جائے تو یہ ڈاکو اس کو بھی کاٹ کر اُٹھالے جائے گا۔ یعنی اگر آپ کی حفاظت نصیب نہ ہوگی تو جو کچھ تہجد واشراق اور اوّابین کی کمائی ہوگی وہ سب کی سب شیطان لے جائے گا، مثلاً: دکھاوا کرادیا، یا دل میں بڑائی ڈال دی، یا کسی پر بے جا غصہ کرادیا، یا حسینوں پر بدنگاہی کرادی، یا غیبت کرادی تو نیک اعمال کا جو اسٹاک تھا اس طرح سب ختم ہوگیا اور اسے خبر بھی نہیں

---

[۲] البقرۃ:۱۶۸

[۳] روح المعانی:۱/۵۷، البقرۃ (۱۳۳)، ذکرہ فی باب الاشارات، دار احیاء التراث، بیروت

کہ میرا سارا مال چلا گیا، یعنی اعمال ضایع ہو گئے۔

این حدیثش ہمچو دود است اے الٰہ
رحم کن ورنہ گلیم شد سیاہ

اے خدا! نفس و شیطان کی گفتگو یعنی ان کی دعوۃ الی الباطل اور ترغیبات الی المعاصی مثل دھواں کے ہے، آپ مجھ پر رحم کیجیے اور مجھے تقویٰ پر استقامت عطا فرمائیے ورنہ میری دین کی کملی سیاہ ہو جائے گی۔ یعنی گناہوں سے میرے قلب و جاں بے نور اور سیاہ ہو جائیں گے اور گناہوں کی ظلمت اللہ کے قُرب سے مجھے محروم کر دے گی۔

من بہ حجت بر نیا یم با بلیس
کوست فتنہ ہر شریف و ہر خسیس

یعنی میں حجت، بحث اور دلائل سے ابلیس پر غالب نہیں آسکتا، کیوں کہ وہ کمینوں اور گمراہوں کے لیے بھی فتنہ ہے اور بڑے بڑے شرفاء کے لیے بھی فتنہ ہے۔ ذرا سی دیر میں بڑے بڑے اتقیا، علماء و صوفیا کو فتنے میں مبتلا کر دیتا ہے، لہٰذا اے اللہ! اس پر غالب آنا آپ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں۔

یَا غِیَاثِیْ عِنْدَ کُلِّ کُرْبَۃٍ
یَا مَعَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ شَھْوَۃٍ

اے فریاد سننے والے ہمارے کرب و بے چینی کے وقت! اور اے ہماری پناہ گاہ ہماری شہوتِ نفس کے وقت! آپ مصیبت کے وقت ہمارے کرب اور بے چینی کو دور کر سکتے ہیں اور غلبۂ شہوت کے وقت آپ ہی کی پناہ ہمیں نفس کی مغلوبیت سے بچا سکتی ہے۔

یَا مُجِیْبِیْ عِنْدَ کُلِّ دَعْوَۃٍ
یَا مَلَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ مِحْنَۃٍ

اے جواب دینے والے میری ہر پکار پر! یعنی اے سننے والے میری ہر دُعا کے اور اے ہر تکلیف میں میرے سہارے!

درسِ مناجاتِ رُومی

۳؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۹؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خداوندا اے قدیم احسانِ تو
آں کہ دانم واں کہ نے ہم آنِ تو

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! آپ کی شان قدیم ہے یعنی آپ ہمیشہ سے ہیں ہمیشہ رہیں گے۔ قدیم کے معنیٰ ہیں واجب الوجود، غیر حادث، غیر فانی، جس پر کبھی عدم وفنا طاری نہ ہوا ہو۔ اور ہم لوگ حادث ہیں، جنت بھی حادث ہے اور نعمائے جنت بھی حادث ہیں۔ حادث اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی زمانہ عدم کا گزرا ہو، وہ چیز نہ رہی ہو، چاہے ہونے کے بعد پھر وہ ہمیشہ قائم رہے، جیسے جنت پہلے نہیں تھی پھر پیدا کی گئی لیکن اب ہمیشہ رہے گی، اور دنیا فانی ہے، ایک دن نہیں تھی، اب ہے اور ایک دن نہیں رہے گی۔ دنیا اور اس کی لذتوں کی شراب نہ ازلی ہے نہ ابدی، اس لیے یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے، اور جنت اور اس کی نعمتوں کی شراب ازلی تو نہیں ہے لیکن ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے نہیں تھی، پھر اللہ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی اور اب کبھی فنا نہیں ہوگی، اور اللہ کی ذات قدیم واجب الوجود غیر حادث غیر فانی ہے، ازلاً ابداً ہے یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ہیں، ان پر کوئی زمانہ عدم کا نہیں گزرا، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ لہٰذا اللہ کی محبت کے نشے کو، اللہ کے نام کی لذت کو، اللہ کی شرابِ ازلی ابدی کو جنت کی شراب ابدی بھی نہیں پاسکتی، تو دنیا کی فانی شراب کی کیا حقیقت ہے جو نہ ازلی ہے نہ ابدی، جنت حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اور حادث کی لذت قدیم کی لذت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیوں کہ قدیم غیر محدود ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کوئی کفو نہیں وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ[۴۷] میں نکرہ تحت النفی واقع

---

[۴۷] الاخلاص:۴

ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے اور اس عموم میں جنت بھی داخل ہے، حوریں بھی داخل ہیں، جنت کی ساری نعمتیں بھی داخل ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے تو ان کے نام کے نشے کا، ان کے نام کی لذت کا، ان کے نام کی مٹھاس کا بھی مثل کیسے ہو سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مع اپنی صفات کے بے مثل ہے۔ چناں چہ اللہ کے نام کی لذت، ذکر کی لذت، سجدہ کی لذت، تلاوت کی لذت کو جنت کی حوریں بھی نہیں پاسکتیں، کیوں کہ اللہ کے نام کی تیز والی ازلی ابدی شراب جو پی لیتا ہے پھر کم تیز والی اس کے منہ کو نہیں لگتی، لہٰذا اللہ کے عاشقوں کو اللہ کے نام میں جنت سے زیادہ مزہ دنیا ہی میں آجاتا ہے۔ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض مجاذیب ایسے ہوں گے جو جنت کی حوروں کو دیکھیں گے بھی نہیں، بس ہر وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہیں گے۔ اور اللہ میں کیا لذت ہے اور کیا کشش ہے یہ جب پتا چلے گا جب دیدارِ الٰہی ہو گا کہ اس وقت کسی جنتی کو جنت کی کوئی نعمت یاد بھی نہ آئے گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنت سے ہم مستغنی ہیں، بلکہ ہم لالچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت پر لالچ کرنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ جنت محلِ دیدارِ الٰہی ہے، لیکن مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عاشق اللہ کو جنت سے زیادہ چاہتے ہیں۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! اے قدیم ذات! آپ کے علاوہ باقی سب چیزیں فانی وحادث ہیں اس لیے آپ ہی محبت کے قابل ہیں۔ آپ کے وہ تمام احسانات جن کو ہم جانتے ہیں اور وہ تمام احسانات جن سے ہم واقف نہیں سب آپ ہی کی شان اور آپ ہی کی عطا ہیں۔ بہت سے احسانات ایسے ہیں جن کا ہم کو علم ہے، مثلاً: انسان بنایا، کتّا اور سور اور جانور نہیں بنایا، مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا اور ایمان واسلام کی دولت عطا فرمائی اور اپنے نام کی لذّت عطا فرمائی، سچے اللہ والوں سے تعلق کی توفیق عطا فرمائی اور نماز روزہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشی، ہمارے چھوٹے بڑے گناہوں کو اور جرائم کو معاف فرمایا اور ستّاری فرمائی، رُسوا نہیں فرمایا، اس کے علاوہ صحت وعافیت، بیوی بچے، نیک دوست احباب اور بے شمار انعامات عطا فرمائے جن کو ہم اگر شمار کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے۔ لہٰذا اے خدا! ہم ہر بُن مُو سے آپ کے احسانات کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن شکر

کا حق پھر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

اور بہت سے احسانات ایسے ہیں جن کو ہم نہیں جانتے، جیسے ماں کے پیٹ میں جب ہم بن رہے تھے تو ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ کس طرح ہماری آنکھیں بن رہی تھیں اور کس طرح اللہ میاں ان میں روشنی رکھ رہے تھے اور کب ناک بنا رہے تھے اور کب اس میں سونگھنے کی طاقت رکھ رہے تھے، کب کان بنائے اور کانوں میں سننے کا خزانہ کب رکھا، کب زبان بنائی اور کب اس میں چکھنے کی قوت رکھی، جسم کے ایک ایک اعضا کو کب بنایا اور کب دل بنایا اور کب اس کو حرکت عطا فرمائی کہ وہ چلنے لگا اور جسم کے اندر ایک پورا کارخانہ چالو ہو گیا، رگوں اور شریانوں میں خون دوڑنے لگا وغیرہ بے شمار احسانات ہیں جن سے ہم بے خبر ہیں۔ اسی طرح ہمارے لیے پوری کائنات خلق فرمائی، کب سورج کو ساڑھے نو کروڑ میل پر لگایا، کب چاند بنایا، کب پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور کس طرح ہمارے رزق کا انتظام فرمایا، سورج کس طرح غلّہ پکاتا ہے اور سمندر سے بھاپ بنا کر بادل کیسے اُٹھاتا ہے اور کس طرح بارش برساتا ہے۔ اے اللہ! یہ آفتاب بھی آپ کا ہے، بادل بھی آپ کے ہیں، یہ سارا کارخانہ آپ نے ہماری تربیت اور پرورش میں مصروف کر رکھا ہے، لیکن ہم کو آپ نے اپنے لیے بنایا ہے، اپنی معرفت وعبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے مگر افسوس! ہم آپ کے ہونے کے بجائے ان ہی چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کو بھولے ہوئے ہیں، اور آپ کے احسانات جن کا ہم کو علم ہے اور جن کا علم نہیں، سب آپ کی عطا اور مہربانی ہے لیکن ہم کتنے نالائق ہیں کہ آپ کے احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے یعنی تقویٰ اختیار نہیں کرتے جو اصلی شکر ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ[۵]

ایں دعا بشنو ز بندہ کاے خدا
ثروتے بے رنج وروزی کن مرا

۷۵؎ اٰل عمرٰن: ۱۲۳

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کررہے ہیں کہ اے خدا! اس بندے کی یہ دُعا سن لیجیے کہ مجھے مال داری اور روزی بغیر رنج اور بغیر مشقت کے عطا فرمایئے، یعنی آسان رزق عطا فرمایئے اور مجھے مال بھی دیجیے مگر بغیر مشقت کے۔

مولانا رُومی نے مثنوی میں یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کئی سال سے یہی دُعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ! مجھے اپنی رحمت سے بغیر محنت و مشقت کے روزی عطا فرما۔ ایک دن ایک گائے اس کے گھر میں گھس آئی۔ اس نے جھٹ اسے پٹکا اور چھری سے ذبح کرکے اس کا گوشت پورے گھر میں جگہ جگہ ٹانگ دیا اور روزانہ اس میں سے بھون بھون کر کھانے لگا، جس کی گائے تھی اس نے تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی، سی آئی ڈی نے تفتیش کرتے کرتے پتا لگایا کہ ایک آدمی بہت غریب تھا لیکن آج کل وہ روزانہ گوشت اُڑا رہا ہے، لہٰذا اس کے گھر کی تلاشی لی تو جگہ جگہ گائے کا گوشت لٹکا ہوا پایا۔ پولیس اس کو پکڑ کر تھانے لے گئی اور عدالت میں مقدمہ دائر کردیا۔ جج نے پوچھا کہ یہ گائے تمہاری تھی؟ اس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔ جج نے کہا کہ پھر تم نے اس کو کیوں ذبح کیا؟ کہا کہ میرے گھر میں گھس آئی تھی۔ جج نے کہا کہ پھر تم نے پتا کیوں نہیں لگایا کہ یہ کس کی ہے؟ کہا کہ کیوں پتا لگاتا، میں تو دو سال سے اللہ میاں سے رو رہا تھا کہ مجھے بغیر محنت روزی دیجیے۔ جب اللہ نے روزی بھیج دی تو میں کیوں اِدھر اُدھر پوچھتا کہ یہ کس کی ہے۔ جج نے کہا کہ بھئی! یہ آدمی کوئی بھولا بھالا مجذوب ولی اللہ معلوم ہوتا ہے اور سی آئی ڈی کو حکم دیا کہ ذرا پتا تو لگاؤ کہ یہ کس کی گائے ہے؟ اس سے پہلے کس کے پاس تھی؟ تفصیلی رپورٹ پیش کرو۔ معلوم ہوا کہ اس کے دادا کی گائے کسی نے چرالی تھی اور یہ گائے اس کو وراثت میں ملنی چاہیے تھی، اس کا شرعی حق بنتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بھولے بھالے مجذوبوں کا اس طرح انتظام فرماتے ہیں کیوں کہ مجذوب غیر مکلف ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ احکامِ شریعت کے مکلّف ہیں ان کے لیے جائز نہیں کہ بدون تحقیق کسی کا مال لے لیں۔

چوں مرا تو آفریدی کاہلے
زخم خوارے سست جنبے منبلے

ارشاد فرمایا کہ جنب عربی لفظ ہے بمعنی پہلو اور مَنبل معنٰی ڈھیلا، پتھر۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! جب آپ نے مجھے کاہل پیدا کیا یعنی نہایت سست بلکہ ”بحر الکاہل“ اور میرا دل روزی میں اور دنیا کمانے میں نہیں لگ رہا ہے، میں آپ کی محبت کا زخم خوردہ، دنیا کے معاملے میں نہایت سست اور مٹی کے ڈھیلے کی طرح بے کار ہوں، جیسے شیر کو کوئی زخمی کردے اور وہ تکلیف میں پڑا ہوا سانس لے رہا ہو کہ جیسے مر رہا ہے تو اس وقت وہ کنکر پتھر سے بھی زیادہ بے کار ہوتا ہے۔ اسی لیے میں دنیاوی کاموں میں نہایت سست پہلو ہو رہا ہوں کہ کروٹ لینے میں بھی دشواری ہے، تو پھر کیسے دوکان کھولوں، کیسے تجارت کروں، کیسے دفتر جاؤں۔

جی اس کا کیا لگے گا کسی کاروبار میں
دل جس کا پھنس گیا ہو کسی زلفِ یار میں

سچی بات یہ ہے کہ جس کا دل اللہ سے لگ جاتا ہے پھر وہ دل کسی کاروبار میں نہیں لگتا، مجبوراً پیٹ کی روٹی کے لیے کام کرتا ہے، ورنہ اگر مفت کی مل جائے تو یہ کبھی کوئی کام نہ کرے۔ اسی لیے مولانا رُومی نے فرمایا۔

تا بدانی ہر کہ را یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بے کار ماند

خوب یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنا بنانا چاہتا ہے سارے جہاں کے کاموں سے اسے بے کار کردیتا ہے اور پھر اس کو اپنے دین کے لیے قبول کرتا ہے، کیوں کہ اگر دین کے کسی خادم کا جی ان چیزوں میں لگ جائے تو پھر وہ دین کا کام کیسے کرے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کا مزاج ہی بدل دیتے ہیں کہ اپنے کام کے علاوہ کسی کام میں لگنے ہی نہیں دیتے، ورنہ کون آدمی ہے جس کے لیے ساز گار حالات پیدا ہو جائیں اور پھر بھی وہ دنیا کے کام میں نہ لگے۔ مثال کے طور پر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہے اور ایک ہزار مریضوں کی لائن صبح شام لگی رہے تو اس کے لیے کاروبار چھوڑنا بڑا مشکل ہو جائے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا انتظام ہوتا ہے کہ اس کا دل کسی کام میں لگتا ہی نہیں اور اگر وہ خود بھی کسی طرف

متوجہ ہونا چاہے تو ان اسباب ہی کو اس سے دور کر دیتے ہیں ۔

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لیے
وہ ہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

جسے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے نشیمن میں رکھنا چاہتے ہیں تو کسی شاخ نشیمن پر اس کا گزارہ نہیں ہونے دیتے، جس شاخ کو تلاش کرے گا کہ یہاں گھونسلہ بنالوں اسی شاخ کو کٹوادیں گے۔ دیکھتا ہے کہ اتنی محنت سے گھونسلہ بنایا تھا لیکن دیکھا کہ شاخِ چمن کہیں پڑی ہوئی ہے، گھونسلہ کہیں پڑا ہوا ہے۔ آخر کار گھوم پھر کے وہ پھر اللہ کا بن جاتا ہے اور اللہ کے قرب کا وہ مزہ پاتا ہے کہ سارے دنیا کے غموں کو بھول جاتا ہے۔ میر اشعر ہے۔

وہ جلا اس کا نشیمن وہ اٹھا اس سے دھواں
یوں کیا صیاد نے طائر کا سامانِ وصال

صیّاد نے چڑیا کو شکار کرنے کے لیے اس کے نشیمن میں آگ لگوادی، اب چڑیا دیکھ کر پَر پھڑ پھڑا رہی ہے کہ نشیمن جل رہا ہے اور اس سے دھواں اُٹھ رہا ہے اور مارے ڈر کے گھونسلے کے اندر بھی نہیں جارہی ہے، آس پاس، اِدھر اُدھر اڑ رہی ہے کہ اتنے میں شکاری نے اس کو پکڑ لیا۔ اس طرح بعض وقت مصائب اس لیے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا بنانا چاہتے ہیں، کیوں کہ بعض وقت یہ نفس آسانی سے اللہ والا نہیں بنتا۔ لہٰذا غیبی طور پر ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ اس کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کا ہوتا چلا جاتا ہے، اور جس کو اللہ جذب کرتا ہے وہ خود بھی آثارِ جذب محسوس کرتا ہے کہ مجھ کو اللہ اپنا بنانا چاہ رہا ہے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

ہمہ تن ہستی خوابیدہ مری جاگ اُٹھی
ہر بُنِ مو سے مرے اُس نے پکارا مجھ کو

میں سمجھتا تھا مجھے ان کی طلب ہے اصغؔر
کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو

کاہلم چوں آفریدی اے ملی
روزیم دہ ہم زراہِ کاہلی

اے غنی! اے خزانوں کے مالک اللہ! جب آپ نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو مجھ کو روزی بھی کاہلی کی راہ سے دیجیے یعنی آسان رزق عطا فرمائیے۔

کاہلم من سایہ خسپم در وجود
خفتم اندر سایۂ احسان وجود

اے خدا! میں کاہل وناتواں ہوں اور آپ کے سایۂ جود و کرم میں بے فکر سویا ہوا ہوں، آپ کی رحمت کے سائے میں جی رہا ہوں۔ کیوں کہ میں دنیا کے کسی کام کا نہیں، اس لیے آپ کی مہربانی کے سہارے، آپ کے احسان وکرم کے زیرِ سایہ چین کی نیند سو رہا ہوں۔

کاہلاں و سایہ خسپاں را مگر
روزئے بنہادۂ نوعِ دگر

لیکن کاہلوں اور سایۂ رحمت میں سونے والوں کے لیے آپ نے روزی دوسرے طریقوں سے رکھی ہوئی ہے۔ یعنی ان کی روزی کے دوسرے ذرائع عام ذرائع سے ہٹ کر بنائے ہوئے ہیں، رزق کے عام ذرائع سے وہ مستثنیٰ ہیں۔ آپ کی رحمت کے بھروسے پر جو دنیا کے کاموں سے کاہل بنے ہوئے ہیں، ان کا معاملہ عام لوگوں سے الگ تھلگ ہے کہ وہ کھاپی رہے ہیں لیکن بظاہر اسباب نظر نہیں آتے۔ کاہلی کی یہ اصطلاحات خاصہ ہیں، یہ مطلب نہیں کہ نفس کی کاہلی کی وجہ سے وہ کوئی کام نہیں کرتے اور سوئے ہوئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کاموں سے وہ کاہل ہیں اور دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، بظاہر روزی کے ذرائع میں انہماک نہیں کرتے، نہ دوکانداری، نہ فیکٹری، اللہ تعالیٰ کی محبت کا ان پر ایسا غلبہ ہو گیا کہ اللہ کے کام کے علاوہ وہ کسی اور کام کے قابل ہی نہیں رہے، اس لیے

دین کے کام میں منہمک ہیں اور دنیا سے مستغنی ہیں، اس لیے ان کی روزی کا انتظام اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کام سے بچنے کے لیے مکر کر کے بیٹھ گئے ہیں، جیسے نواب واجد علی کے یہاں کچھ کاہل لوگ آ کے لیٹ گئے تھے جب اس نے شہر میں اعلان کرا دیا کہ جو لوگ معذور ہیں، کچھ نہیں کر سکتے ان کو شاہی خزانے سے کھانا کھلایا جائے گا۔ کاہل خانہ کچھ دنوں میں کاہلوں سے بھر گیا تو منشی نے جا کر کہا کہ بادشاہ سلامت! کاہلوں کی تعداد تو بہت بڑھ گئی ہے آپ کہاں تک ان کو کھلائیں گے؟ کہا کہ پھر کیا کیا جائے؟ منشی نے کہا کہ کاہل خانہ میں آگ لگوا دیجیے، جو اصلی کاہل ہوگا پڑا رہے گا اور جتنے نقلی ہیں سب بھاگ جائیں گے۔ لہٰذا جب آگ لگائی گئی تو جتنے نقلی کاہل تھے نو دو گیارہ ہو گئے اور جو اصلی کاہل یعنی معذور تھے، پڑے رہے۔ بس ان کی روٹی باقی رکھی گئی اور سب کو بھگا دیا گیا۔

مولانا رُومی دُعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ایسے بندے جو اصلی کاہل ہیں یعنی جن پر آپ کی محبت ایسی غالب ہوگئی کہ آپ کے کام کے علاوہ کسی اور کام پر وہ قادر نہیں ان کے لیے آپ روزی کا انتظام فرمائیے ؎

عارفاں از کل جہاں کاہل ترند
در رہِ عقبیٰ زمہ گومی برند

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ کو پہچان لیا وہ سارے عالم میں دنیاوی کام میں سب سے زیادہ کاہل ہیں اور اس کاہلی میں وہ سارے عالم میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں لیکن آخرت کے کاموں میں چاند سے زیادہ ان کی رفتار تیز ہے۔ کبھی تہجد پڑھ رہے ہیں، کبھی اشراق پڑھ رہے ہیں، کبھی تلاوت کر رہے ہیں، کبھی دین کی محنت کے لیے اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر شہروں شہروں، جنگل جنگل مارے مارے پھر رہے ہیں، لیکن دنیاوی کاموں میں ان کے قدم نہیں اُٹھتے۔ اگر یہ کاہل ہیں تو اے دنیا والو! جو محنت یہ کر رہے ہیں تم ذرا کر کے دکھا دو۔ تم ساری ساری رات اپنی فیکٹریوں کے لیے جاگ سکتے ہو لیکن دو رکعات تہجد نہیں پڑھ سکتے، تو تم جس طرح دین میں کاہل ہو یہ اللہ والے دنیا میں کاہل اور سایہ خسپاں ہیں، لیکن دین کے معاملات

میں یہ چاند سے زیادہ تیز رفتار رکھتے ہیں۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ دین میں تیز اور دنیا میں کاہل لوگوں کو اے خدا! آپ دوسری طرح سے روزی عطا کرتے ہیں، عالمِ غیب سے ان کے لیے اسباب پیدا فرماتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ہدایا اللہ تعالیٰ بھجواتے ہیں، کیوں کہ جب آدمی سرکاری ہو جاتا ہے تو سرکار سے اس کو وظیفہ ملتا ہے۔ حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ جس کو ہدیہ آنے لگے تو سمجھ لو کہ اب اس سے سرکاری کام یعنی دین کا کام لیا جائے گا۔

ہر کہ را پاہست جوید روزئے
ہر کہ راپا نیست کن دل سوزئے

مولانا فرماتے ہیں کہ جس کے پیر ہیں وہ چل پھر کر روزی کما لیتا ہے اور جس کے پیر نہیں وہ اللہ تعالیٰ سے روئے اور نالہ و فریاد و آہ و فُغاں میں دل سوزی کرے۔ یعنی جس کو اللہ نے صلاحیت اور ہنر عطا فرمایا ہے وہ اپنے ہنر کو استعمال کر کے روزی کما لیتا ہے اور جس کو کچھ نہیں آتا، کوئی ہنر نہیں جانتا، دنیا کے کاموں میں جس کا دل نہیں لگتا، اس کو معلوم ہی نہیں کہ روزی کیسے کمائی جاتی ہے وہ اللہ ہی سے آہ و فغاں کرتا ہے، اشکبار آنکھوں سے اللہ سے مانگتا ہے۔ سوائے اللہ کے اس کا کوئی سہارا نہیں ہوتا ؎

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
اور عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

بس وہ اللہ کے دروازے پر پڑا رہتا ہے، دین ہی میں لگا رہتا ہے کہ مالک! مجھے تو کمانا آتا نہیں، بے ہنر ہوں، تو جیسے ابا اپنے کسی کاہل بیٹے کے نام جس کے پاس کچھ ہنر نہیں لیکن باپ کو راضی رکھتا ہے تو کوئی مکان یا دوکان لکھ دیتا ہے کہ وہ کرایہ ہی کھاتا رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے سرکاری بندوں کے لیے غیب سے روزی کے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں کہ ان کو نہایت عزت کے ساتھ بے محنت و مشقت روزی ملتی ہے، ایسے بندوں پر وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ[۷۶] کا خاص فیضان ہوتا ہے ؎

---

[۷۶] الطلاق:۳

رزق رامی راں بسوئے ایں حزیں
ابر را باراں بسوئے ہر زمیں

ارشاد فرمایا کہ راندن کے معنٰی ہیں ہانکنا، می راں امر ہے یعنی ہانکیے۔

مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کا یہ بندہ روزی کے معاملے میں غمگین ہے لہٰذا رزق کو میری طرف بھیج دیجیے، کیوں کہ رزق چل سکتا ہے لیکن میں نہیں چل سکتا بوجہ کاہلی و بے ہنری کے، جیسے زمین نہیں چل سکتی بادل چل سکتے ہیں، لہٰذا بادلوں کو حکم دیجیے کہ پیاسی زمین پر برس جائیں۔

چوں زمیں را پا نباشد جودِ تو
ابر را راند بسوئے اود تو

ارشاد فرمایا کہ اود تو کے معنٰی ہیں؟ متواضعاً یعنی جھکے ہوئے۔

مولانا رومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کررہے ہیں چوں کہ زمین کے پیر نہیں ہوتے تو آپ کا کرم بادلوں کو حکم دیتا ہے کہ راکعاً متواضعاً اس زمین کی طرف چلے جائیں بارش برسانے کے لیے۔ جیسے اطاعت و فرماں برداری میں آدمی جھک جاتا ہے ایسے ہی اے خدا! آپ کے حکم پر بادل حاضر حضور کرتے ہوئے اس زمین پر جاتے ہیں جہاں بارش کا حکم ہو جاتا ہے۔

طفل راچوں پا نہ باشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ بر سرش

جب شیر خوار بچہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کی ماں اس کے سر پر آکر اس کی خوراک کا وظیفہ اس کو پہنچاتی ہے، یعنی خود آکر اس کو دودھ پلاتی ہے۔

روزئے خواہم بہ ناگہ بے تعب
کہ ندارم من ز کوشش جز طلب

اے اللہ! میں آپ سے ایسی روزی مانگتا ہوں جو اچانک، بے شان و گمان اور بغیر مشقت کے مل جائے کیوں کہ مجھے کوشش اور محنت کرنا نہیں آتا۔ مجھے تو بس آپ سے مانگنا اور

گڑگڑانا آتا ہے، محنت اور مشقت ہم سے نہیں ہوتی، ہم تو بس آپ سے روتے ہیں اور مانگتے ہیں کہ ایسی جگہ سے بے مشقت رزق عطا فرمادیجیے کہ جہاں سے ہمارا وہم وگمان بھی نہ ہو۔ اس میں تقویٰ کی دعا بھی مولانا مانگ رہے ہیں کہ بے شان وگمان رزق کا وعدہ اہلِ تقویٰ کے لیے ہے **وَیَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ** لہٰذا اس میں یہ دُعا شامل ہے کہ اے اللہ! آپ ہم کو متقی بنادیجیے تاکہ بغیر وہم وگمان ہمیں رزق عطا ہو۔

اور کاہلی سے مولانا کی مراد شرعی کاہلی نہیں ہے، عرفی کاہلی مراد ہے، یعنی عرف میں دنیا اللہ والوں کو کاہل سمجھتی ہے، کیوں کہ یہ دنیا کے کاموں میں نہیں لگتے، لیکن اگر یہ شرعاً کاہل اور سست ہوتے تو نمازِ تہجد میں کیسے اُٹھتے؟ نماز روزہ حج زکوٰۃ کیسے ادا کرتے؟ دین کی خاطر بال بچوں کو چھوڑ کر سارے عالم میں کیوں مارے مارے پھرتے، اگر یہ آسان ہے تو ان دنیادار سیٹھوں سے کہو کہ ذرا یہ کام کر کے دکھائیں جو یہ اہل اللہ کررہے ہیں۔ سنتے ہی نانی مرجائے گی اور چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ تمہیں دنیا پر یقین ہے اس لیے تمہیں دنیا کے کام آسان لگتے ہیں اور ان اہل اللہ کو آخرت پر یقین ہے اس لیے ان کو آخرت کے کام آسان ہیں۔ تم آخرت کے باقی رہنے والے کاموں میں کاہل ہو اور اللہ والے دنیا کے فانی کاموں میں کاہل ہیں۔ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی پتا لگے گا کہ کون فائدے میں تھا اور کون گھاٹے میں۔

فَسَوۡفَ تَرٰی اِذَا انۡکَشَفَ الۡغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحۡتَ رِجۡلِكَ اَمۡ حِمَارُ

عن قریب دیکھ لوگے جب غبار چھٹے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے مِلاتے ہیں سُنّت کے راستے

درسِ مناجاتِ رُومی

۴؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۰؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

از ہمہ نومید گشتیم اے خدا
اوّل و آخر توئی و منتہا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ میں تمام عالمِ اسباب سے نااُمید ہوچکا ہوں اے خدا! آپ اوّل بھی ہیں اور آخر بھی ہیں اور آپ ہی ہماری منتہا اور ہمارا آخری دروازہ ہیں۔ اگر آپ ہمیں مایوس کردیں تو پھر ہمارا کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ آپ ہماری آخری اُمید گاہ ہیں۔ جہاں سارے پردۂ اسباب جل جائیں اور دنیا کی ساری تدابیر ختم ہوجائیں تو اے اللہ! آپ ہی سے ہماری اُمید قائم رہتی ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم سلطنتِ بلخ چھوڑ کر اللہ کی محبت میں دریائے دجلہ کے کنارے اشکبار آنکھوں سے اللہ اللہ کررہے تھے کہ ایک شخص پُل سے دریا میں جھانکتے ہوئے اچانک گر پڑا، دریا میں سیلاب تھا، بظاہر اس کے بچنے کا کوئی سامان نہ تھا کہ اچانک حضرت سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے نکل گیا کہ یااللہ! اس کو بچا۔ جانے کس خاص کیفیت کے ساتھ کہا۔ بس فوراً وہ اللہ کا بندہ پُل اور دریا کے درمیان معلق ہوگیا، اللہ کی بے شمار غیر مرئی مخلوق ہے، فرشتوں کی اور جنات کی بے شمار فوج ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی، جس کو چاہیں حکم دے دیں، لوگوں نے جب دیکھا کہ اللہ کا ایک بندہ عجیب انداز سے ہوا میں معلق کھڑا ہے تو اُوپر سے رسی لٹکا کر اسے نکال لیا۔

اللہ کی غیبی مدد کا ایک اور واقعہ سن لیجیے اور یہ بمبئی کا واقعہ ہے جو حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے سنایا کہ ایک مرتبہ حاجیوں کو لے جانے والا آخری ہوائی جہاز بمبئی سے پرواز کرگیا اور تین حاجی تھوڑی سی تاخیر کے سبب رہ گئے، جب انہوں نے دیکھا کہ فلائٹ نکل گئی تو رونے لگے، حالتِ احرام میں تھے، بس مصلّٰی بچھایا اور صلوٰۃِ حاجت پڑھ کر رونا شروع کردیا کیوں کہ وہ آخری جہاز تھا۔ اسی جہاز

میں میرے شیخ بھی تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ جہاز کو کراچی سے ہوتے ہوئے جدہ جانا تھا اور بمبئی سے کراچی ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے لیکن پندرہ منٹ کے بعد ہی شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں تو سب حیران رہ گئے کہ اتنی جلدی کراچی کیسے آگیا! اتنے میں جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ ہم دوبارہ بمبئی پہنچ رہے ہیں کیوں کہ جہاز میں کچھ فنی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ خیر جیسے ہی جہاز زمین سے لگا تو ایئرپورٹ کے عملے نے رونے والوں سے کہا کہ جلدی سے جاکر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ جاؤ، کیوں کہ تمہارے ہی آہ و نالوں نے جہاز میں فنی خرابی پیدا کرادی اور جہاز کا رُخ بدل دیا۔ اسی لیے میرا ایک شعر ہے ؎

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہِ بے نوا تونے کمال کر دیا

آہ کو کمزور مت سمجھو، یہ بڑی زبردست چیز ہے، ساتوں آسمان کو عبور کرلیتی ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم سارے عالم سے نااُمید ہوگئے لیکن آپ سے ہم نااُمید نہیں ہیں، کیوں کہ آپ ہی اوّل ہیں اور آپ ہی آخر ہیں اور آپ ہی ہماری منتہا ہیں۔ اور اس تعریف اور حمد و ثنا کی غرض یہ ہے کہ آپ کا وہ بندہ جو آپ کے ماسوا سے نااُمید ہے اب آپ اس کی نااُمیدی کے بادلوں سے اُمید کا چاند طلوع فرمادیجیے، ہم کو عالمِ اسباب کے سپرد نہ کیجیے بلکہ آپ ہماری مدد کیجیے، کیوں کہ آپ کے علاوہ ہم ہر ایک سے مایوس ہوچکے ہیں، اپنے ارادوں کو اور اپنے دست و بازو کو ہزاروں بار آزمالیا کہ ہم آپ کے بن جائیں، لیکن نفس و شیطان کے تقاضوں سے مغلوب ہوکر ہم اپنے ارادوں کی شکست بارہا دیکھ چکے ہیں، جس سے اپنی پستی اور آپ کی عظمتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہم اور ہمارے ارادے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو ہم اپنے دست و بازو سے آپ تک نہیں پہنچ سکتے، ہمارے ارادوں کی شکست آپ کی عظمتوں کا ثبوت ہے ؎

تیری ہزار رفعتیں تیری ہزار برتری
میری ہر اک شکست میں میرے ہر اک قصور میں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ[۲۷] میں

---

[۲۷] الایمان لابن تیمیۃ:۳۱۶/۱، المکتب الاسلامی

نے اپنے ارادوں کی شکست سے اپنے رب کو پہچانا۔

کرد گارا منگر اندر فعل ما

دستِ ما گیر اے شہ ہر دو سرا

اے پروردگار! اے میرے پالنے والے! میرے فعل پر نظر نہ ڈالیے، میں ایک نالائق انسان ہوں، آپ کا ایک نالائق بندہ ہوں، اے دونوں جہاں کے بادشاہ اور دونوں جہاں کے مالک! میرا ہاتھ پکڑ لیجیے یعنی میری مدد کیجیے، میری دستگیری فرمائیے۔ دستگیری کے معنیٰ مدد کرنے کے ہیں، میری کشتی پار کر دیجیے، نفس و شیطان کے طوفان میں ڈوبنے نہ دیجیے۔ اے اللہ! اگر آپ ہمارے اعمال پر نظر ڈالیں تو ہم میں سے کوئی بھی پار نہیں ہو سکتا۔ اگر ہمارے اعمال کے مطابق آپ فیصلہ کریں تو پھر ہمارے لیے جہنم تیار ہے۔ اس لیے مولانا اللہ میاں سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے فعل کو نہ دیکھیے، اپنے کرم کو دیکھیے، جیسے ایران کے ایک بادشاہ نے اپنے ملازم رمضانی سے کہا تھا کہ ''رمضانی! مگساں می آیند'' یعنی رمضانی! مکھیاں آرہی ہیں۔ تو اس ظالم نے کیا جواب دیا کہ ''حضور! ناکساں پیش کساں می آیند'' حضور! نالائق لائق کے پاس آرہی ہیں۔ مکھیاں تو نالائق ہیں لیکن آپ تو لائق ہیں اگر نالائق لائق کے پاس نہ آئیں گی تو یہ جائیں گی کہاں؟ اسی طرح مولانا رُومی عرض کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم نالائق ہیں مگر آپ ہماری نالائقی پر نظر نہ کیجیے، اپنے کرم پر نظر کیجیے، نالائقوں کا ٹھکانہ لائق کے سوا کہاں ہے۔

خوش سلامت ما بہ ساحل باز بر

اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

اے خدا! مجھے سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچا دیجیے، میرے نفس کی خواہشات کے سمندر میں طوفان آرہا ہے اور اس کے اندر میری کشتی ایمان و تقویٰ کی چل رہی ہے۔ مجھے اپنا ایک بہت پرانا شعر یاد آیا ؎

ہٹو میری نظروں سے امواج رنگیں

یہ کشتی پیا کے نگر جا رہی ہے

یعنی اگر رنگین موجیں سامنے آجائیں اور یہ کشتی وہیں کھڑی ہو کر تماشا دیکھنے لگے تو

منزل طے ہوگی؟ اس لیے میں نے کہا ہے کہ اے رنگین موجوں! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ حسینوں کو رنگین موجوں سے میں نے تعبیر کیا ہے۔ یہ حسنِ فانی بڑے بڑوں کو اپنے چکر میں لے لیتا ہے اور بندہ اللہ سے محروم ہوجاتا ہے اور اس کے بعد حسن بھی ختم ہوجاتا ہے۔ یہ سب سڑنے گلنے والی لاشیں ہیں۔ قبروں میں دیکھو کہ ان حسینوں کا کیا حال ہے۔ اسی لیے میں نے کہا کہ ؎

یہ کشتی پیا کے نگر جارہی ہے

یعنی یہ کشتی اللہ کی طرف جارہی ہے، ہمارے پیارے اللہ کے پاس جارہی ہے، اس لیے حسینوں سے صَرفِ نظر ضروری ہے، ورنہ اگر ان حسین موجوں کی رنگینیوں میں پھنس گئی تو میرے ایمان و تقویٰ کی کشتی اللہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسی لیے مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں کہ اے اللہ! ساحل تک مجھے سلامتی سے پار کردیجیے۔ اور آپ سے ہم کیوں فریاد کررہے ہیں؟ اس لیے کہ آپ ہی کی وہ ذات ہے جس کا دستِ قدرت خشکی میں بھی پہنچا ہوا ہے اور سمندروں میں بھی پہنچا ہوا ہے، اس لیے بحر ہو یا بَر جہاں بھی کوئی آفت آئے گی ہم آپ ہی کو پکاریں گے کیوں کہ ہر جگہ آپ کی قدرت کام کررہی ہے۔ کوئی سمندر کی گہرائی میں ڈوب جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو صحیح سلامت نکالنے پر قادر ہے، جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا اور ان کو لے کر بھاگی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے مچھلی! میرا بندہ یونس تیری خوراک نہیں ہے۔ میں نے تیرے پیٹ کو ان کے لیے قید خانہ بنایا ہے، وہ تیرے پاس امانت ہیں، ان کی حفاظت تیرے ذمہ واجب ہے۔ خبردار! ان کو پیسنا مت۔ اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے معدے کا فعل روک دیا۔ چناں چہ وہ صحیح سلامت رہے اور سمندر کی تہہ میں جب مچھلی گئی تو سمندر کی کنکریوں کو حکم دیا کہ اے کنکریو! تم پڑھو:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ[۸۱]

تاکہ میرے پیغمبر کو پتا چل جائے کہ اس وقت مجھے یہ وظیفہ پڑھنا ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ

[۸۱] الانبیاء:۸۷

کی قدرتِ قاہرہ۔ پس اے اللہ! اپنی اس قدرت کے صدقے میں جو بحر و بَر پر محیط ہے آپ ہماری کشتی ایمان و تقویٰ کو سلامتی سے پار لگا دیجیے۔

اے کریم واے رحیم سرمدی
در گزر از بدسگالاں ایں بدی

اے کریم اور اے رحیم سرمدی، یعنی ہمیشہ رحم کرنے والے اے اللہ! آپ ہمیشہ کریم ہیں اور ہمیشہ رحیم ہیں، ایسا نہیں ہے کہ آپ کا کرم کبھی آپ کی ذات سے الگ ہو جائے اور آپ کی رحمت کبھی آپ کی ذات سے الگ ہو جائے، لہٰذا جتنے لوگ مجھے ستانا چاہتے ہیں اور میرے بارے میں بُرائی کی سوچ رکھنے والے ہیں ان کے شر سے مجھے محفوظ فرما۔ یعنی مجھ کو ان کے حوالے نہ فرما، کیوں کہ جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

اے بدادہ رائیگاں صد چشم و گوش
نے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش

ارشاد فرمایا کہ رائیگاں معنی میں مفت کے ہے۔ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ نے ہم کو آنکھیں اور کان مفت میں دے دیے اور آنکھوں کی بینائی اور کان کی شنوائی کی طاقتوں کے خزانے بھی آپ نے ہمیں مفت میں دیے ہیں اور عقل و ہوش بھی ہم کو مفت میں عطا فرمادیے جن کی بدولت ہم بھلے بُرے کی تمیز کرتے ہیں ورنہ اگر عقل صحیح نہ ہو تو آدمی جانور سے بدتر ہوتا ہے، اور آپ نے ان نعمتوں کا ہم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا، نہ ہمارے ماں باپ سے مانگا کہ تم ہمیں اتنا پیسہ دو یا اتنی عبادت کرو یا اتنا صدقہ خیرات کرو تب میں تمہیں اولاد دوں گا، اور ان کو آنکھیں اور کان دوں گا۔ اے کریم! آپ نے اپنی مخلوق پر بدون معاوضہ انعامات کی بارش فرمادی کیوں کہ آپ احتیاج سے پاک ہیں اور ساری مخلوق آپ کی محتاج ہے۔ آپ اپنی مخلوق پر کرم فرماتے ہیں اور مخلوق سے مستغنی ہیں۔

پیش ز استحقاق بخشیدہ عطا
دیدہ از ما جملہ کفران و خطا

اے اللہ! آپ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے جانتے تھے کہ ہم کیا کیا کرنے والے ہیں، کیسی کیسی نالائقیاں اور کیسے کیسے گناہ ہم کریں گے، لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی عطاؤں سے ہمیں محروم نہیں فرمایا اور استحقاق کے بغیر ساری چیزیں عطا فرمادیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا یہ نوکر آیندہ ہم سے بے وفائی کرے گا یا خیانت کرے گا یا بغاوت کرے گا تو ہم اس کے ساتھ کوئی عنایت نہیں کرسکتے، لیکن اے اللہ! آپ کو ہماری تمام نالائقیوں کا علم تھا اور اب بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گا تو سب کچھ علم کے ہوتے ہوئے کہ یہ جھوٹ بولے گا، عورتوں کو بُری نظر سے دیکھے گا، نماز میں سستی کرے گا آپ نے ہمیں بینائی، شنوائی وغیرہ بے شمار نعمتیں بخش دیں۔ آپ کا کتنا کرم ہے کہ ہماری تمام نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا کرکے ایمان سے نوازا، ورنہ کسی عیسائی یا یہودی یا ہندو کے ہاں پیدا کردیتے تو ہم کیا کرلیتے۔ رام پرشاد کے ہاں پیدا ہوتے تو ہم لوگ بتوں کو پوج رہے ہوتے اور کسی چمار کے یہاں ہوتے تو سور چرا رہے ہوتے۔ اے اللہ! آپ کے بے پایاں احسان وکرم کا صدقہ ہے کہ ہماری نالائقیوں کا علم ہوتے ہوئے بھی اپنے فضل وکرم کی ہم پر بارش فرمادی۔

اے عظیم از ما گناہانِ عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

اے اللہ! اگر ہمارے گناہ عظیم ہیں تو آپ ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ عظیم ہیں۔ ہمارے گناہوں کی عظمتیں آپ کی عظمتوں سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ چاہے زمین وآسمان ہمارے گناہوں سے بھر جائیں لیکن آپ کی عظمتوں کے سامنے وہ ایک ذرّہ کے برابر بھی نہیں کیوں کہ آپ کی عظمتیں غیر محدود اور ہمارے گناہ محدود ہیں اور کثیر محدود بھی غیر محدود کے سامنے ایک بے حقیقت اقلیت ہوتا ہے۔ پس اگر حرمِ کعبہ کے اندر بھی ہم سے کوئی گناہِ عظیم ہو جائے تو اے اللہ! آپ اس کو بھی معاف کرنے پر قادر ہیں، کیوں کہ بڑے سے بڑا گناہ بھی آپ کی رحمت سے بڑا نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ اس کو بھی معاف کرسکتے ہیں کیوں کہ آپ قادرِ مطلق ہیں۔ سبحان اللہ! مولانا رُومی نے اللہ تعالیٰ کی کیا عظمت بیان کی۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۵؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۱؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز جمعرات، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ما ز حرص و آز خود را سوختیم
ویں دعا را ہم ز تو آموختیم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ حق تعالیٰ میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم نے حرص اور طمع اور شہوتوں سے خود کو سوختہ کر دیا، یعنی ہم نے لالچ اور شہوت اور نفسانیت سے اپنے کو جلا کے خاک کر دیا، کیوں کہ ہر گناہ سے آگ پیدا ہوتی ہے، ہر گناہ گار تڑپتا رہتا ہے، بے چین رہتا ہے۔ اسی لیے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

اُف کتنا ہے تاریک گناہ گار کا عالم
انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم

گناہ گاروں کی دنیا کس قدر اندھیری ہے اور اللہ کے نیک بندوں کی دنیا انوار سے بھری ہوئی ہے ؎

شاہوں کے سروں میں تاجِ گراں سے دردسا اکثر رہتا ہے
اور اہلِ صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا ہے

اہلِ تقویٰ اور اہلِ معصیت دونوں کے چہروں سے پتا لگ جاتا ہے کہ اہلِ تقویٰ کے دلوں میں سکون و اطمینان کی سلطنت ہے اور اہلِ معصیت کے دلوں میں بے سکونی اور بے چینی کا راج ہے۔ عاشقانِ خدا اللہ تعالیٰ کے نور میں غرق ہیں اور اہلِ رومانٹک بے چینی کے بحر اٹلانٹک میں غرق ہیں۔ جنھوں نے نفس کی بات مانی انہیں پل بھر کو چین نہیں ملتا۔ اسی لیے مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! نفس نے ہم کو جلا کے خاک کر دیا لیکن یہ دعا

بھی ہم نے آپ ہی سے سیکھی ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[۹]

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ مندرجہ ذیل ملفوظ حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے جزیرہ ری یونین خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سینٹ پیر میں ۳۰؍جون ۱۹۹۸ء کو بیان فرمایا۔ احبابِ ری یونین کی دعوت پر حضرت مُرشدی دامت برکاتہم کا یہ پانچواں سفر تھا۔ اس مضمون کو سن کر بعض بڑے علماء جو اس وقت وہاں موجود تھے وجد میں آگئے اور فرمایا کہ اس آیت کی ایسی تشریح نہ ہم نے کہیں دیکھی نہ سنی۔ لہٰذا موضوع کی مناسبت کی وجہ سے یہ مضمون یہاں شامل کیا جاتا ہے۔ جامع)

جب کوئی بادشاہ خود معافی کا مضمون بتائے تو یہ دلیل ہے کہ وہ معاف کرنا چاہتا ہے اور ہماری بگڑی کو بنانا چاہتا ہے۔ اے اللہ! آپ احکم الحاکمین ہیں، سلطان السلاطین ہیں، آپ کا یہ معافی کا مضمون نازل فرمانا گویا آپ کی طرف سے اعلان ہے کہ فکر نہ کرو، تمہاری بربادی کی منتہا کو یعنی تمہاری منتہائے تخریب اور منتہائے بربادی کو ہم اپنے ارادۂ تعمیر کے نقطۂ آغاز سے درست کرسکتے ہیں، ہم سو برس کے کافر اور ڈاکو کو پل بھر میں ولی اللہ بناسکتے ہیں ؎

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبر صد سالہ ہو فخر اولیاء

پس رَبَّنَا ہی میں آپ نے اپنی محبت کا رس گھول دیا، رَبَّنَا کہلا کر اپنی محبت کی چھری سے ہمیں ذبح کردیا کہ اے ظالمو! میں تمہارا پالنے والا ہوں، کہیں اپنے پالنے والے کی بھی نافرمانی کی جاتی ہے اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرنا انتہائی بے وفائی، بے غیرتی اور کمینہ پن ہے، تم کتنے بے غیرت ہو کہ اپنے پالنے والے کو ناراض کرتے ہو۔ اور رَبَّنَا کُلّی مشکک ہے اور کلی مشکک وہ کلی ہے جس کے افراد متفاوت المراتب ہوتے ہیں، لہٰذا ہر شخص کا رَبَّنَا الگ الگ ہے۔ اولیائے صدیقین کا رَبَّنَا الگ ہے، عام مؤمنین کا رَبَّنَا الگ ہے،

[۹] الاعراف: ۲۳

گناہ گاروں کا رَبَّنَا الگ ہے، ہر ایک کا رَبَّنَا بقدر اس کی ندامت کے الگ الگ ہوگا اور ہر شخص کی ندامت بقدر اس کے تعلق اور محبت کے الگ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے جس کو جتنا شدید تعلق ہوگا اتنی ہی شدید ندامت اس کو ہوگی اور جتنی شدید ندامت ہوگی قلب کی اتنی ہی گہرائی سے اس کا رَبَّنَا نکلے گا، لہٰذا رَبَّنَا کے افراد متفاوت المراتب ہیں۔

اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ ملائکہ کے لیے نہیں ہے کیوں کہ ان سے خطا نہیں ہوتی، وہ معصوم الفطرت ہیں، لہٰذا یہ ہمارے لیے بذریعہ بابا آدم علیہ السلام عطا فرمایا۔ گناہ گاروں کے لیے معافی کا یہ سرکاری مضمون ہے جس کے ایک ایک لفظ میں پیار ہے، ورنہ مجرم کو سخت الفاظ میں ڈانٹتے ہیں کہ معافی مانگ، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیار سے سمجھایا ہے کہ تم سے خطا ہو جائے تو کہو: رَبَّنَا اے ہمارے پالنے والے۔ ان کلماتِ استغفار میں ہی تمہیں ہمارا پیار مل جائے گا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا پیار نہیں ہے کہ رَبَّنَا سکھا کر اپنا رشتہ بتا دیا کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں ورنہ خالی اَللّٰھُمَّ بھی سکھا سکتے تھے، لیکن یہاں رَبَّنَا سکھایا تاکہ میرے بندوں کو معافی کی اُمید ہو جائے کیوں کہ پالنے والا جلد معاف کر دیتا ہے جیسے ماں باپ بچوں کو جلد معاف کر دیتے ہیں۔ رَبَّنَا سکھا کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُمید دلادی کہ گھبراؤ مت، ہم تمہارے پالنے والے ہیں، تمہاری جلد معافی ہو جائے گی، اگر ہمیں تم کو معاف کرنا نہ ہوتا تو ہم تم سے رَبَّنَا نہ کہلاتے۔ جب باپ اپنے بچے کو سکھائے کہ یوں کہو کہ اے میرے ابو! مجھے معاف کر دیجیے تو معلوم ہوا کہ باپ کا ارادہ معافی ہی دینے کا ہے ورنہ سزا کا یہ عنوان نہیں ہوتا۔ اگر باپ بیٹے کو ڈنڈے لگانا چاہتا ہے تو یہ نہیں سکھائے گا کہ کہو: یَا اَبَوِیَّ بلکہ دوڑا لے گا کہ ٹھہر نالائق! ابھی تیری پٹائی لگاتا ہوں۔ یا ابوی سکھانا دلیل ہے باپ کی شفقت کی اور رَبَّنَا سکھانا دلیل ہے حق تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے نزول کی۔ لہٰذا یہاں اللہ تعالیٰ کا یہ سکھانا کہ مجھے صرف اللہ نہ کہو، خالی رب بھی نہ کہو بلکہ کہو رَبَّنَا اے ہمارے پالنے والے، یہ پیار کا جملہ دلیل ہے کہ باوجود تمہاری خطاؤں کے اب ہم تمہیں پیار کرنے والے ہیں، تمہارے گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں، اب تمہیں اپنا پیارا بنانے والے ہیں۔ رَبَّنَا سکھا کر گناہوں سے معافی بھی دے دی اور رَبَّنَا کا مزہ اور نشہ بھی دے دیا۔ گناہ گاروں کو مزہ دے دے کر معافی دے رہے ہیں ورنہ مزہ دینا اللہ تعالیٰ

کے ذمہ واجب نہیں۔ فضلاً واحساناً گناہ گاروں کو معافی کا سرکاری مضمون ایسا دیا کہ میرے بندوں کو رَبَّنَا کہنے کا مزہ بھی آجائے۔ جب کوئی بچہ کہتا ہے کہ میرے ابّو، تو کیا اس بچے کو مزہ نہیں آتا؟ تو میرے ربّا کہنے میں کیا بندے کو مزہ نہیں آئے گا؟ رَبَّنَا کہنے کا مزہ الگ ہے، ظَلَمْنَا کہنے کا مزہ الگ ہے، اَنْفُسَنَا کہنے کا مزہ الگ ہے، جو ابھی بیان کروں گا جو میرا مالک میرے دل کو عطا فرمارہا ہے۔ ہر ہر لفظ میں مزہ ہی مزہ ہے، مزے کا سمندر بھرا ہوا ہے، محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔ کیا کہوں کیسا کریم مالک ہے کہ اپنے گناہ گار بندوں کی معافی کا سخت مضمون نازل نہیں فرمایا بلکہ استغفار کے کلمات میں بھی لطف اور مہربانی اور کرم اور پیار اس ارحم الراحمین نے رکھ دیا۔

پہلے رَبَّنَا سے اور اس کے بعد ظَلَمْنَا سے ہمارے اعترافِ ظلم کو اور سنگین کردیا، ہماری ندامت کو اور زیادہ کردیا کہ تم اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرتے ہو، جس کی روٹی کھاتے ہو اسی کو ناراض کرتے ہو۔ جس کی روٹی سے تمہارے جسم میں خون بنتا ہے، خون تو لال تھا لیکن وہی خون تمہاری آنکھوں میں نور سے تبدیل ہوگیا، کانوں میں وہی خون قوتِ سامعہ سے تبدیل ہوگیا، ناک میں وہی خون قوتِ شامہ بن گیا، زبان میں وہی خون قوتِ ذائقہ بن گیا، سفید بالوں کو وہی خون سفیدی دیتا ہے اور کالے بالوں کو سیاہی دیتا ہے اور تمام اعضا میں جاکر ان اعضا کی قوت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ میری روٹیوں سے تمہارے جسم کے کارخانے میں قوتوں کا خزانہ پیدا ہورہا ہے اور میری روٹیاں کھاکر تم میری ہی نافرمانی کرتے ہو، لہٰذا کہو: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اے ہمارے پالنے والے! آپ ہی کی ربوبیت سے ہم جیتے ہیں اور آپ ہی کی ربوبیت سے ہم جینے کی طاقت پاتے ہیں۔ پس ہم ظالم ہیں، کتنے سخت ظالم ہیں کہ اپنے پالنے والے کی روٹیاں کھاکر اسی کی مرضی کے خلاف کام کرتے ہیں۔ لہٰذا اپنے پالنے والے سے اپنے ظلم کا اعتراف کرو۔ اس استغفار میں بھی ڈانٹ نہیں ہے، مزہ ہی مزہ ہے کہ پہلے رَبَّنَا کہنے کا مزہ لوٹو کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں اور تم نے کس کی نافرمانی کی ہے، پھر ظَلَمْنَا کا مزہ لوٹو کہ اس اعترافِ ظلم میں بھی مزہ ہے۔ کیا کہوں اہلِ عشق سے پوچھو کہ عاشقوں کو اپنی خطاؤں کے اعتراف میں اور محبوب سے معافی مانگنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو یہی مزہ عطا فرمارہے ہیں کہ کہو: ہم بڑے ظالم اور نالائق ہیں کہ آپ جیسے

پالنے والے مالک کو ناراض کر رہے ہیں۔ ظَلَمْنَا سے پہلے اپنی صفتِ ربوبیت بیان کرکے اللہ تعالیٰ نے ہمارے گناہوں کی ندامت کو اور زیادہ قوی کر دیا کہ اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرنا نہایت غیر شریفانہ حرکت ہے۔ رَبَّنَا کی وجہ سے ہمارا ظَلَمْنَا بھی قوی ہو گیا، ہماری ندامت کو بڑھا کر قربِ ندامت کو بھی بڑھادیا، کیوں کہ قربِ ندامت بقدرِ ندامت اور نزولِ رحمت بقدرِ ندامت ہوتا ہے۔ جتنی زیادہ ندامت ہو گی اتنا ہی زیادہ تجلیاتِ مغفرت اور تجلیاتِ رحمت کا نزول ہو گا۔

اب سوال یہ ہے کہ ظَلَمْتُ کیوں نہیں سکھایا ظَلَمْنَا کیوں سکھایا؟ تو جواب یہ ہے کہ کبھی نگاہ نامحرموں کو دیکھ کر گناہ کرتی ہے، کبھی زبان ان سے باتیں کرکے یا حرام غذا چکھ کر گناہ گار ہوتی ہے، کبھی کان نامحرموں کی آواز سن کر یا گانے سن کر مزہ لیتے ہیں، کبھی ہاتھ حسینوں کو چھو کر مجرم ہوتے ہیں، کبھی پاؤں ان کی گلی میں جا کر حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں غرض بِجَمِيْعِ اَعْضَاءِ نَا ہم ظلم کرتے ہیں تو ظَلَمْنَا کا حکم اس لیے دیا کہ گویا ہمارے جمیع اعضا مل کر معافی مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے! ہمیں معاف کر دیجیے۔

اور اَنْفُسَنَا میں ایک معرفت عطا فرمائی کہ گناہ کرکے تم نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، تمہارے ظلم اور تمہارے گناہ کا نقصان تم ہی کو پہنچا۔ اگر ساری دنیا کافر، سرکش اور نافرمان ہو جائے تو اللہ کی عظمت میں ایک ذرّہ کمی نہیں آسکتی اور ساری دنیا ایمان لا کر سجدے میں گر جائے تو اللہ کی عظمت میں ایک ذرّہ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارے گناہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، لہٰذا تمہیں معاف کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں۔ معاف کرنا اس کو مشکل ہوتا ہے جس کو کوئی نقصان پہنچ جائے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا اس آیت کی تفسیر کرتی ہے يَامَنْ لَّاتَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا وَلَاتَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ اور ہمیں بخش دینے سے جس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی فَاغْفِرْلِیْ مَالَا يَضُرُّكَ لہٰذا میرے گناہوں کو جو آپ کو کچھ مضر نہیں معاف کر دیجیے وَهَبْ لِیْ مَا لَا يَنْقُصُكَ [۸۰]

۸۰؎ شعب الایمان للبیهقی: ۵/۴۶۵ (۷۳۰۵)، هذا دعاء ابی بکر الساسی، فصل فی قراءة القراٰن بالتفخیم، دار الکتب العلمیة، بیروت

اور آپ کی مغفرت کا وہ خزانہ جو کبھی ختم نہیں ہوتا ہمیں بخش دیجیے۔

پس اَنۡفُسَنَا سے ہماری ندامت کو اور بڑھادیا کہ گناہ سے تم نے اپنا ہی نقصان کیا لہٰذا اب کہو: وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا اگر آپ ہمیں نہیں معاف کریں گے تو ہم کہاں جائیں گے، ہمارا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے، آپ کے در کے سوا کوئی اور دروازہ بھی نہیں ہے۔

وَاِنۡ کَانَ لَا یَرۡجُوۡکَ اِلَّا مُحۡسِنٌ

فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَدۡعُوۡ وَیَرۡجُوا الۡمُجۡرِمُ

اگر نیکوکار ہی آپ سے اُمید رکھ سکتے ہیں تو کون ہے وہ ذات جس کو مجرم اور گناہ گار پکارے۔

نہ بخشے سوا نیک کاروں کے گر تو

کہاں جائے بندہ گناہ گار تیرا

اس کے بعد وَتَرۡحَمۡنَا کا مزہ لوٹو کہ مغفرت کے بعد سزا سے تو بچ گئے لیکن سزا سے بچنا کافی نہیں، ہم آپ کی رحمتوں کے بھی محتاج ہیں، ہم پر عنایات بھی کیجیے۔ اگر کوئی کہہ دے کہ جاؤ معاف کردیا لیکن خبردار اب کبھی میرے سامنے نہ آنا تو تَغۡفِرۡ لَنَا اس کا ہو گیا لیکن تَرۡحَمۡنَا نہیں ہوا۔ تَرۡحَمۡنَا کہلا کر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھایا کہ تم میری عنایات کے بھی محتاج ہو۔ اگر میں خالی تمہاری سزاؤں کو معاف کردوں لیکن اپنی رحمتوں سے محروم رکھوں تو بھی تمہارا کام نہیں بنے گا۔

حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رحمت میں چار نعمتیں پوشیدہ ہیں:

۱) گناہوں کی وجہ سے ہماری توفیقِ طاعت کم ہوگئی تھی، عبادت کا مزہ چھن گیا تھا، لہٰذا اب توفیقِ طاعت کو دوبارہ جاری فرمادیجیے۔ اور ۲) فراخیٔ معیشت بھی عطا فرمائیے، کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے روزی میں کمی آجاتی ہے، رزق میں برکت نہیں رہتی۔ اور ۳) بے حساب مغفرت فرمائیے۔ اور ۴) دخولِ جنت نصیب فرمائیے۔

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''روح المعانی'' میں رحمت کی عجیب وغریب تفسیر کی ہے کہ جب گناہوں کی معافی ہوگئی اور ہمارے گناہ کے آثار و شواہد ختم کردیے گئے اور مغفرت بھی ہوگئی اور ہمارے گناہوں کو اللہ نے مخلوق سے چھپادیا اور نیکیوں کو ظاہر فرمادیا لہٰذا اب ہم پر اپنی رحمت کا نزول بھی فرمائیے:

تَفَضَّلْ عَلَيْنَا بِفُنُوْنِ الْاٰلَاءِ مَعَ اسْتِحْقَاقِنَا بِاَفَانِيْنِ الْعِقَابِ[۸۱]

ہم پر طرح طرح کی نعمتوں کی بارش فرمایئے باوجود اس کے کہ ہم طرح طرح کے عذابوں کے مستحق تھے۔ جیسے چھوٹے بچے کی جب معافی ہو جاتی ہے تو باپ سے کہتا ہے کہ ابو! اب مجھے ٹافی بھی دیجیے، سائیکل بھی دلایئے، کلفٹن کی سیر بھی کرایئے۔ اسی طرح اللہ میاں ہمیں سکھا رہے ہیں کہ جب میں نے تمہیں معاف کر دیا، اور تمہاری مغفرت فرما دی اور میں تم سے خوش ہو گیا تو اب مجھ سے مانگو کہ اپنی رحمتوں کی ہم پر بارش فرما دیجیے۔

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا کے ایک جملے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سارے غیر اللہ سے کاٹ دیا کہ سارے عالم سے نااُمید ہو جاؤ۔ اگر ساری دنیا تمہیں معاف کر دے تو تمہارا ذرّہ برابر فائدہ نہیں، جب ہم معاف کریں گے تب تمہاری معافی ہو گی۔ میرے سوا اور کون تم کو معاف کر سکتا ہے؟ اگر امریکا جاپان جرمن سب مل کر سلامتی کونسل میں اعلان کر دیں کہ فلانے مجرم کو معاف کر دیا گیا تو کیا تمہاری معافی ہو جائے گی؟ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ[۸۲] اللہ کے سوا کون ہے جو تم کو معافی دے دے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سکھا رہے ہیں کہ اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے اور اپنی رحمتوں کی نوازش ہم پر نہیں فرمائیں گے تو لام تاکید با نون ثقیلہ سے کہو: لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ہم بہت زبردست خسارے میں پڑ جائیں گے، اتنا بڑا خسارہ کہ جس کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا ہمیں خسارہ والوں میں نہ کیجیے۔ معلوم ہوا کہ ایک قوم ایسی ہے جو خسارے میں ہے اور اس کی دلیل وَ الْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ہے کہ سارے انسان خسارے میں ہیں اور اس خسارے سے مستثنیٰ کون ہیں اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو ایمان لائے اور عملِ صالح کیا اور ہمارا گناہ عملِ صالح کے خلاف ہے اور خسارے والوں سے استثنا ان ہی لوگوں کا ہے جو مومن بھی ہوں اور عملِ صالح بھی کرتے ہوں اور دعوت الی اللہ بھی دیتے ہوں، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ امر بالمعروف اور

---

۸۱ روح المعانی: ۱۱/۴۲، ذُکر تفسیرہ فی سورۃ التوبۃ (۱۱۷)، دار احیاء التراث، بیروت
۸۲ اٰل عمرٰن: ۱۳۵

وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ[۸۳] نہی عن المنکر ہے لٰہذا اے اللہ! اگر آپ کی صفتِ مغفرت ورحمت ہم پر مبذول نہ ہوگی یعنی اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخَاسِرِیۡنَ ہم ان ہی خسارہ والوں میں من تبعیضیہ بن کر داخل ہوجائیں گے یعنی ان خسارے والوں کا جز بن جائیں گے اور یقیناً بڑے خسارے میں پڑجائیں گے کہ کوئی ہمارا ٹھکانہ نہ ہوگا۔

اُٹھا کر سر تمہارے آستاں سے
زمیں پر گر پڑا میں آسماں سے

اور یہ کلام اللہ کی بلاغت ہے کہ مِنَ الۡخَاسِرِیۡنَ فرمایا۔ اگر صرف خَاسِرِیۡنَ نازل ہوتا تو یہ بلاغت پیدا نہ ہوتی، من تبعیضیہ ہے اور الف لام استغراق کا ہے جس سے وہ تمام اقوامِ خاسرین اس میں شامل ہوگئیں جن پر ان کے ظلم کے سبب عذاب نازل ہوا۔ اس میں قومِ لوط اور قومِ عاد و ثمود اور جملہ اقوام خاسرین آگئیں، جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اے رب! اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ان خائب وخاسر قوموں کا ایک جز بن جائیں گے، لٰہذا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخَاسِرِیۡنَ میں کیا مزہ ہے، مانگ مانگ کر یہ مزہ لوٹ لو۔ جیسے کوئی بچہ باپ سے کہے کہ ابو! اگر آپ مجھے معاف نہیں کریں گے اور مجھ پر رحم نہیں کریں گے تو میرا اور ہے کون! میں تو بہت خسارے میں پڑ جاؤں گا، لٰہذا کوشش کرو اور جان کی بازی لگادو کہ کوئی گناہ نہ ہو، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ خطا بربنائے بشریت ہوگی، لٰہذا رَبَّنَا ظَلَمۡنَا کی رٹ لگائے رہیے کیوں کہ ہماری ہر سانس مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت غیر محدود ہے اور ہماری طاقتِ اطاعت اور طاقتِ تقویٰ محدود ہے، تو محدود طاقتیں غیر محدود کا حق کیسے ادا کرسکتی ہیں، اس لیے ہماری ہر سانس رَبَّنَا ظَلَمۡنَا کی محتاج ہے۔

حرمتِ آں کہ دعا آموختی
در چنیں ظلمت چراغ افروختی

۸۳؎ العصر:۱-۳

اے اللہ! آپ کے اس فضل کی حرمت کا صدقہ کہ آپ نے قرآنِ پاک میں دُعا مانگنا سکھا دیا اور دُعا سکھا کر ہمارے گناہوں کے اندھیروں میں آپ نے اُمید کا چراغ روشن فرما دیا۔

دستگیر و راہنما توفیق دہ
جرم بخش و عفو کن بکشا گرہ

اے رب! ہماری مدد فرمائیے اور صراطِ مستقیم یعنی صحیح راستہ دکھائیے اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائیے یعنی جو اعمال آپ کی منزل سے قریب کرنے والے ہیں ان پر عمل کی اور جو آپ سے دور کرنے والے ہیں ان سے بچنے کی راہ کو آسان فرما۔ علماء اور محدثین نے توفیق کی تین تعریفیں لکھی ہیں:

۱) تَوْجِيْهُ الْاَسْبَابِ نَحْوَ الْمَطْلُوْبِ الْخَيْرِ۔ تَوْجِيْهٌ وَجْهٌ سے ہے جس کے معنٰی ہیں چہرہ سامنے کردینا یعنی خیر کے اسباب سامنے آجائیں۔ جیسے کسی بزرگ کے پاس آنے جانے لگے اور اس طرح یہ بھی اللہ والا ہوجائے، یہ ہے خیر کے اسباب پیدا ہونے کی ایک مثال۔

۲) تَسْهِيْلُ طَرِيْقِ الْخَيْرِ وَتَسْدِيْدُ طَرِيْقِ الشَّرِّ۔ یعنی خیر کے راستوں کو اللہ آسان کردے اور گناہوں کے راستوں کو مشکل کردے۔ مثلاً: کسی خانقاہ یا مسجد کے پاس کسی کو گھر مل جائے اور یہاں سے دینی باتیں سننے کی توفیق ہوگئی اور کسی اللہ والے کی صحبت نصیب ہوگئی تو نیک کام اس کو آسان ہوگئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ خیر کے راستے پیدا فرمادیتے ہیں۔ اسی طرح کوئی گناہ کے راستے پر چلنا چاہتا ہے لیکن دل میں پریشانی آجاتی ہے جس سے گناہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ یہ ہے شر کے راستوں کو مسدود کرنے کی مثال۔

۳) خَلْقُ الْقُدْرَةِ عَلَى الطَّاعَةِ۔[۸۴] یعنی اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے لیے قوت پیدا کردے۔ یہ تینوں تعریفیں مولانا سید اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہیں جو دیوبند کے بہت بڑے عالم تھے۔

۸۴؎ شرح مقامات للشیخ اعزاز علی:۴۲، مطبوعۃ دیوبند

مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ مدد کردیجیے کہ آپ مدد کرنے والے اور راستہ دکھانے والے ہیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر منزل تک پہنچا بھی دیجیے اور میری خطاؤں کو معاف فرمادیجیے، میرے جرائم کو بخش دیجیے اور میرا نفس آپ کی راہ میں مشکلات پیدا کرتا ہے آپ ان کو دور فرمادیجیے۔

اے خدا ایں بندہ را رُسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے عشاء کی نماز کے بعد یہ شعر پڑھنا شروع کیا اور ساری رات حرمِ کعبہ میں اس کو پڑھ پڑھ کر روتے رہے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوگئی۔

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا! اس بندے کو رُسوانہ فرمایئے، اگرچہ میں لاکھ گناہ گار ہوں لیکن میرے گناہوں کے بھید کو اپنی مخلوق پر ظاہر نہ کیجیے۔ میرے عیوب کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپائے رکھیے۔

اے خدائے راز دانِ خوش سخن
عیبِ کار بد زماں پنہاں مکن

اے اللہ! آپ ہمارے راز کو جانتے ہیں اور آپ خوش سخن ہیں یعنی آپ کے کلام کا کیا کہنا ہے، ہمارے بُرے کاموں کے عیب کو ہم سے پوشیدہ نہ کیجیے، بلکہ بُرے کاموں کی بُرائی آپ اپنے اس کلامِ عالی شان کے ذریعے جو بغیر حروف والفاظ کے پیدا ہوتا ہے ہمارے دل میں ڈال دیجیے۔ حضرت حکیم الاُمت تھانوی فرماتے ہیں کہ بس صرف آواز نہیں آتی ورنہ دل میں ہر وقت باتیں ہوتی رہتی ہیں کہ یہ کرو، یہ نہ کرو، یہ کام اچھا ہے، وہ کام بُرا ہے۔ پس اے اللہ! آپ کا کلام الفاظ و حروف کا محتاج نہیں، بُرے کاموں کی بُرائی آپ ہمارے دل میں ڈالتے رہیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بُرائیاں ہمیں اچھی لگنے لگیں۔ جب انسان پر عذاب آتا ہے تو گناہ اچھے لگنے لگتے ہیں۔ مولانا رُومی نے کتنی پیاری دُعا مانگی ہے کہ گناہوں کی بُرائی کو ہم سے پوشیدہ نہ کیجیے یعنی بُرائی کو بُرائی ہی کے

طور پر دکھایئے، ایسا نہ ہو کہ ہم گناہوں کو اچھا سمجھنے لگیں۔ جیسے گلاب جامن میں کوئی جمال گوٹے کا قطرہ ڈال دے تو جمال گوٹہ نظر تو نہیں آتا، لیکن گلاب جامن کھانے کے بعد پھر اپنا کام دکھاتا ہے اور دست پر دست شروع ہو جاتے ہیں، گویا دست بدست جنگ کا عالم ہوتا ہے۔ جس پر میں نے مزاحاً ایک شعر کہا ہے کہ ؎

دست بدست جنگ کا عالم
کیا غضب کا جمال گوٹہ تھا

میرے ایک دوست ڈاکٹر تھے۔ کہنے لگے کہ جن دنوں میں الٰہ آباد میڈیکل کالج میں پڑھ رہا تھا، میری امّاں نے میرے لیے خستہ پکا کر بھیجا۔ کالج کے لڑکوں نے میری غیر موجودگی میں تالا توڑ کر میرا خستہ کھالیا تو میں نے دل میں کہا کہ اچھا بدلہ لوں گا۔ لہٰذا میں گلاب جامن لے آیا اور ہر گلاب جامن میں انجکشن کے ذریعے سے جمال گوٹے کا ایک قطرۂ عرق ڈال دیا۔ کالج کے لڑکوں کے منہ کو حرام مزہ لگا ہوا تھا، گلاب جامنوں کو دیکھ کر تو ان کے مزے آگئے، خستہ خستہ گلاب جامن کھا تو گئے لیکن برجستہ دست آنے لگے۔ اب سب لوٹا لے کر دوڑ رہے ہیں۔ میڈیکل کالج کے پرنسپل نے جو دیکھا کہ یہ لوگ لوٹا لے کر دوڑتے ہیں اور واپس آکر زمین پر لوٹا رکھنے نہیں پاتے کہ دوبارہ دوڑتے ہیں، اس نے کلکٹر کو فون کیا کہ میرے کالج میں ہیضہ پھیل گیا ہے، فوراً ہیلتھ آفیسر کو بھجوایئے، لہٰذا ہیلتھ آفیسر لال دوا لے کر دوڑا ہوا آیا لیکن وہاں ہیضہ کہاں تھا، کچھ اور ہی معاملہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کے بعد وہ اپنا کھانا بغیر تالے کے رکھا کرتے تھے لیکن پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کی کوئی چیز چھولے۔

اسی طرح جب شہوت کا غلبہ ہوتا ہے تو گناہ کی لذت کے سامنے اس کا نقصان اور بُرائی نظر نہیں آتی، اسی لیے مولانا دُعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! گناہوں کی بُرائیوں کو ہم پر ظاہر فرما دیجیے تاکہ گناہوں سے بچنا ہمیں آسان ہو جائے۔

اب دُعا کرلو کہ یاربّ العالمین! حضرت جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ درس جو ہمارے بزرگوں نے دیا اختر نے اس کی نقل کی ہے، آپ اپنی رحمت سے اصل

کی برکت سے اس میں فیض اور اثر اور برکت ڈال دیجیے۔ ہم سب کی رُوحوں کو اپنے پر فدا کر لیجیے۔ اے اللہ! ہماری ہر سانس کو اپنی ذات پاک پر فدا ہونے کی توفیق دے کر ہماری زندگی کو قیمتی بنادیجیے، ایک سانس بھی اپنی ناراضگی میں ہمیں نہ گزارنے دیجیے اور ہماری زندگی کو حقیر اور ذلیل نہ کیجیے۔ اے اللہ! ہم آپ کو ناراض کرکے دنیا میں جانور سے بھی زیادہ بدتر ہوجاتے ہیں، کیوں کہ جانور کو آپ نے عقل نہیں دی ہم کو آپ نے عقل دی ہے، پھر بھی ہم آپ کو ناراض کرتے ہیں، آپ کو اپنا رب مان کر، آپ پر ایمان لاکر بھی ہم آپ کی ناراضگی کے اعمال کی جرأت کرتے ہیں۔ آپ اپنی رحمت سے اس مثنوی شریف کے درس کو قبول فرمائیے اور اس کی برکت سے مولانا رُومی کی رُوحانیت کے صدقے میں اپنا عشقِ کامل، اپنی محبّتِ کاملہ ہمیں عطا فرمائیے، ہمارا دل اللہ والوں کا دل بنادیجیے۔ اے اللہ! اس سینے میں دل بدل دیجیے، پاپی دل کو اللہ والا دل اپنی رحمت سے بنادینا آپ پر کچھ مشکل نہیں، ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے دل کو اللہ والا دل بنادیجیے، بلکہ اولیائے صدّیقین کی جو آخری سرحد ہے اس تک پہنچا دیجیے کیوں کہ ہماری زندگی کے چند دن رہ گئے ہیں، ہم سب کی حیات کو اللہ والی حیات بناکر اور اپنے دوستوں کو اپنے نام کی جو لذت آپ عطا فرماتے ہیں کہ جس سے ہفت اِقلیم کی سلطنت ان کی نگاہوں سے گر جاتی ہے ہم سب کو اپنی محبت کی وہی مٹھاس عطا فرمائیے۔ نفس وشیطان کی غلامی سے نکال کر اپنی پوری فرماں برداری کی زندگی عطا فرمادیجیے اور عالمِ اسلام کو اے اللہ! آبرو عطا فرمائیے۔ خلیج کی جنگ کو مسلمانوں کے لیے مفید بنادے، شر کو بھی خیر بنادے اور ظالموں کو، یہود و نصاریٰ کو اور جملہ کفار کو جو مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ان کے ظلم کے موافق سزا دے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ

درسِ مناجاتِ رُومی

۶؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۲؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز جمعۃ المبارک، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

عیب کار نیک را منما بما
تانہ گردیم از روش سر درہوا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو نیک اور اچھے کام ہیں انہیں ہم کو بُرا مت دکھا یعنی اچھے کام کو اچھا دکھایئے، ایسا نہ ہو کہ اچھے کاموں کو ہم بُرا سمجھنے لگیں اور راہِ سلوک سے ہٹ کر گمراہی کے گرد و غبار میں سرگرداں اور پریشان ہوجائیں، کیوں کہ اگر آپ نے اچھے کاموں کو ہماری نگاہوں میں اچھانہ دکھایا تو اندیشہ ہے کہ ہم اس کام کو چھوڑ کر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک جائیں اور عمر بھر کی حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہوجائیں، کیوں کہ جب کسی شامتِ عمل سے اچھے کام بُرے نظر آنے لگتے ہیں تو اللہ والے، خانقاہیں، پیری مُریدی کو وہ کہتا ہے کہ ان چیزوں میں کیا رکھا ہے۔ اس کو اللہ والے اور ان سے تعلّق رکھنے والے بے وقوف معلوم ہوتے ہیں، وہ حق اور باطل میں تمیز نہیں کرسکتا اور سچے اللہ والے اور جھوٹے پیر اس کو ایک ہی جیسے نظر آتے ہیں۔ اس لیے کتنے لوگ شیخِ کامل سے بدگمان ہو کر برباد ہوگئے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک عالم ایسا تھا کہ حکیم الاُمت کے تین تین گھنٹے کے اُردو وعظ کو عربی میں لکھتا جاتا تھا، یہ انتہائی قابلیت کی بات ہے کہ اُردو تقریر ہو رہی ہے اور اس کو عربی میں لکھتا جارہا ہے، گویا اس کی عربی اور اُردو میں کوئی فرق نہیں تھا، لیکن اسی شخص نے بدگمانی کی اور تنخواہ بڑھوانے کے لیے درخواست دی۔ حضرت نے فرمایا کہ آج کل کچھ موقع نہیں ہے۔ بس بدگمان ہوگیا کہ خود تو پانچ روپے کا ناشتہ کرتے ہیں، خمیرہ چاٹ رہے ہیں اور ہماری تنخواہ نہیں بڑھا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پھر شیخ کو اس نے ایسے بدتمیزی کے خط لکھے اور

جو سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو لکھتے تھے نعوذ باللہ! وہ سلام اس نے مجدّدِ زمانہ کو لکھا کہ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی سلام ہو اس پر جو ہدایت کو قبول کرے۔ عقل پر ایسا عذاب آیا۔ آخر انتہائی پریشانی میں مبتلا ہوا، یہاں تک کہ فاقوں سے بھوکا مرنے لگا، حضرت نے اس دشمن کو ہدیہ بھی بھیجا لیکن ظالم نے واپس کر دیا، یہ ہے تکبر۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ آخر میں وہ سر سے پیر تک کوڑھی ہو گیا۔ اس لیے اپنے دینی مُربی کے بارے میں بہت محتاط رہو اور دُعا کرتے رہو کہ اے خدا! ہمیں اپنے مشائخ کی محبت کو عظمت کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق عطا فرما۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُوَقِّرُوْہُ[۸۵] میرے نبی کی توقیر کرو۔ معلوم ہوا کہ خالی شیخ کی محبت کافی نہیں ہے، محبت کو توقیر کے ساتھ جمع کرو۔ مثلاً: شیخ تو مشورہ دے رہا ہے کہ یہ کام اس طرح کرو اور مُرید کہتا ہے کہ نہیں حضرت یہ اس طرح مناسب نہیں۔ یہ بات توقیر کے خلاف ہے۔ جیسے ڈاکٹر کہے کہ یہ کیپسول تم چوبیس گھنٹے کے بعد کھانا اور مریض کہے کہ نہیں! میں بھول جاتا ہوں اس لیے ابھی کھالیتا ہوں۔ آپ بتایئے کوئی ڈاکٹر کے ساتھ ایسا کرے گا؟ تو جس طرح دنیا میں ڈاکٹروں کی بات مانتے ہو، دین کے معاملے میں اپنے شیخ کی بات کو مان لو۔

مولانا کا یہ شعر اصل میں حدیث شریف کی ایک دُعا سے مقتبس ہے یعنی اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا یا اللہ! جو اچھی بات ہے اس کو ہمیں اچھا دکھایئے وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا[۸۶] اور جو باطل اور بُری چیزیں ہیں ان کو ہمیں بُرا دکھایئے۔ یعنی جن چیزوں سے آپ خوش ہوتے ہیں بس ہماری نظر میں ان کو اچھا دکھا دیجیے اور جن باتوں سے آپ ناراض ہوتے ہیں ہماری نظر میں ان کو بُرا دکھا دیجیے کیوں کہ۔

از شرابِ قہر چوں مستی دہی
نیست ہا را صورتِ ہستی دہی

۸۵؎ الفتح:۹

۸۶؎ التفسیر لابن کثیر:۲۵۰/۱

اے خدا! جب آپ کسی کو اس کے گناہوں کی سزا میں قہر و غضب کی شراب سے مست دیتے ہیں تو فانی چیزیں اس کو بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ فانی حسین شکلیں اور گندے اعمال اس کو اتنے اچھے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی چیز ہے ہی نہیں اور یہ تقلیبِ ابصار اس کی سابقہ نافرمانی و سرکشی کے سبب ہوتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہیں کہ بے وجہ کسی کو عذاب میں مبتلا کریں، لیکن یہ اس کی مسلسل نافرمانی اور گناہوں کی سزا ہوتی ہے کہ اس کو حق باطل اور باطل حق نظر آنے لگتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ شامل ہے۔

گہہ چوں کابوسے نماید ماہ را
گہہ نماید روضہ قعرِ چاہ را

کابوس کہتے ہیں ڈراؤنی شکل کو۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کا فضل نہ ہو تو چاند جیسی پیاری شکل نہایت ڈراؤنی معلوم ہوتی ہے اور کنویں کا اندھیرا اس کو باغ نظر آتا ہے۔ فسّاق و فجّار اس کو اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اللہ والے بُرے نظر آتے ہیں، جیسے ابو جہل خبیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک نعوذ باللہ! بُرا لگتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا چوں کہ دل اچھا تھا اس لیے فرماتے ہیں کہ كَانَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [۸۷] مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک اتنا پیارا لگتا تھا کہ جیسے آپ کے روئے انور میں آفتاب چل رہا ہو۔

اصل میں دل کی بدگمانی کی وجہ سے اللہ والے بُرے لگتے ہیں۔ جیسے ایک عورت اپنے بچے کا پائخانہ صاف کر رہی تھی، اُنگلی میں گو لگا ہوا تھا کہ اس کو چاند نظر آگیا، عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ تعجب کے وقت یا بات کرتے وقت ناک پر اُنگلی رکھ لیتی ہیں تو اس نے ناک پہ یوں اُنگلی رکھ کر کہا کہ اری بہن! اس مہینے کا چاند تو بڑا بدبودار نکلا ہے۔ بات یہ ہے کہ اپنا عیب دوسرے میں نظر آتا ہے، جیسے چور ہر شخص کو چور سمجھتا ہے۔

۸۷؎ جامع الترمذی:۲۰۶/۲،باب ما جاء فی خاتم النبوۃ،ایچ ایم سعید

مولانا رُومی نے مثنوی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک طوطے نے تیل گرادیا تھا تو اس کے مالک نے غصے میں اس کے ایک تھپڑ لگایا جس سے طوطے کے سر کے پر جھڑ گئے اور وہ گنجا ہوگیا، طوطے نے ناراض ہو کر بولنا چھوڑ دیا۔ ایک دن ایک شخص جو عمرہ کر کے آیا ہوا تھا سر منڈا کر، وہ دوکان کے پاس سے گزرا تو اس کو دیکھ کر طوطے نے کہا کہ اچھا! معلوم ہوتا ہے کہ تو نے بھی تیل گرایا ہے اور تیرے سر پر بھی کوئی جھانپڑ لگا ہے۔ جیسے اس طوطے نے اپنے اُوپر قیاس کیا ایسے ہی اللہ کا کرم نہ ہو تو انسان اپنے بزرگوں سے بدگمان ہو جاتا ہے۔ اور اس راہ میں اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں ہے، کیوں کہ بدگمانی سے فیض بند ہو جاتا ہے جیسے کٹ آؤٹ الگ ہو جائے تو پاور ہاؤس سے بجلی آنا بند ہو جاتی ہے۔ اس لیے شیطان کا سب سے بڑا حربہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کے دل میں اس کے دینی مُربی کی حقارت ڈال دے تاکہ یہ دین حاصل نہ کرسکے۔ پھر شیخ پر اس کو اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ بے موقع ڈانٹ دیتے ہیں، ضرورت سے زیادہ غصہ کرتے ہیں وغیرہ۔ اس لیے جب پہلے مان چکے کہ شیخ متقی ہے، اللہ والا ہے اور بزرگانِ دین کا صحبت یافتہ، خلافت یافتہ اور ان کا معتمد علیہ ہے تو جس طرح چاہے تربیت کرے۔ اس کے پاس ایسے رہو جیسے مُردہ بدستِ زندہ۔ جب وہ اللہ والا ہے تو اس کا کوئی کام خلافِ شریعت نہیں ہوگا۔ اس کا نام ہے اندھی تقلید، لیکن یہ اندھی تقلید بے داری کی تقلید سے افضل ہے، کیوں کہ اس کو فنا فی الشیخ کا مقام مل رہا ہے، اس نے اپنی رائے کو شیخ کی رائے میں فنا کردیا۔ ہاں! اگر شریعت کے خلاف کوئی حکم دے کہ تم آج مغرب کی تین کے بجائے چار رکعات پڑھو تو ایسے شیخ کو دور ہی سے سلام کرو، کیوں کہ جو شیخ شریعت میں مداخلت کرے وہ اللہ والا نہیں ہوسکتا، لیکن اگر وہ یہ کہہ دے کہ آج نفلیں چھوڑ دو یا وظیفہ کم کردو یا خانقاہ میں جھاڑو لگاؤ یا نمازیوں کے جوتے سیدھے کرو تو فوراً مان لو، یا یہ کہہ دے کہ تم غصہ چھوڑ دو، اپنے کو مٹادو تو یہ مت سمجھو کہ ہم کو غصہ کرنے کا شرعی حق حاصل ہے۔ یا اگر شیخ کسی مُرید کے بارے میں یہ فیصلہ کرے کہ یہ متکبر ہے اور ساری دنیا اسے متواضع کہے تو سمجھ لو کہ شیخ کا ایکسرے صحیح ہے اور ساری دنیا کی تشخیص غلط ہے۔ جو شخص شیخ کی تشخیص کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی تجویز اور

مشورے پر عمل نہیں کرتا وہ اس راہ میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ راستہ بہت نازک ہے۔ شیخ کے خلاف کرکے اس کا قلب مکدر نہ کرو، تکدرِ قلبِ شیخ سے باطن کا ستیاناس ہوجاتا ہے، دل وجان سے اس کے مشوروں پر عمل کرو۔ اگر کوئی بات پیش بھی کرنی ہو تو نہایت ادب واکرام سے کہو، اللہ سے دُعا بھی کرو کہ کوئی ایسا عنوان و تعبیر زبان سے نہ نکلے جس سے اس کا دل دُکھ جائے۔ اللہ والوں نے اس کا بہت اہتمام کیا ہے۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جب اللہ والوں کے خلاف خصوصاً اپنے مُربی اور شیخ کے خلاف شیطان وسوسہ ڈالے تو استغفار و توبہ شروع کردو، کیوں کہ کسی سابقہ نافرمانی وگناہ کی سزا میں حق باطل نظر آنے لگتا ہے۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں ؎

چوں مقلب بود حق ابصار را
او بگرداند دل و افکار را

اللہ تعالیٰ مقلّبِ ابصار بھی ہے اور مقلّبِ قلوب وافکار بھی ہے یعنی جب وہ ہماری آنکھوں کی بصارت کو بدل سکتا ہے تو قلب کی بصیرت اور ہمارے افکار کو بدلنے پر بھی قادر ہے لہٰذا وہ اگر ہماری قوتِ فکریہ اور سوچ صحیح کردیں تو اچھی باتیں ہمیں اچھی لگنے لگتی ہیں اور بُری باتیں بُری لگنے لگتی ہیں، اور اگر سوچ کو خراب کردیں بوجہ ہماری شامتِ عمل کے تو بُری باتیں اچھی اور اچھی باتیں بُری لگنے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ذرا سی دیر میں سجدے میں پڑا ہوا قرب کے عالم میں ہے اور ذرا سی دیر میں گناہ کی گٹر لائنوں میں پھنسا ہوا ہے بقول مولانا رُومی کے ؎

سوئے آہوئے بصیدی تافتی
خویش را در صید خوکے یافتی

ایک شخص ہرن کے شکار کے ارادے سے نکلا کہ اتنے میں ایک جنگلی سور جھاڑی سے نکل کر اس کو منہ میں رکھ کر چبانے لگا۔ وہ سوچتا ہے کہ اے خدا! میں تو ہرن کا شکاری تھا لیکن آج مجھے جنگلی سور چبا رہا ہے۔ یعنی میں نے تو اللہ کو حاصل کرنے کے لیے سلوک

طے کرنا شروع کیا تھا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھ کو نفس چبا رہا ہے یعنی نفس نے مجھے گندے کاموں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس سے وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں جو اللہ والا بننا چاہتے ہیں۔ وہ اگر نفس و شیطان کی بات مانیں گے تو جس طرح ہرن کا شکاری جنگلی سور کے منہ میں خوار ہو کر ہرن کے شکار سے محروم رہتا ہے اسی طرح ایسے سالکین وصول الی اللہ سے محروم رہیں گے۔ حق تعالیٰ کے تصرفاتِ عجیبہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ مولانا رُومی واقعی اولیائے اُمت میں سلطان العارفین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کرتے ہیں کہ

تیر سوئے راست پرانیدۂ
سوئے چپ رفت ست تیرت دیدۂ

تم نے تیر داہنی طرف کو مارا لیکن دیکھتے ہو کہ وہ بائیں طرف جا رہا ہے پھر بھی تمہیں خدا پر یقین نہیں آتا۔ تم نے جو کوشش کی تھی نتیجہ اس کے خلاف برآمد ہو رہا ہے لہٰذا اپنی تدابیر کی شکست و ریخت سے اللہ کو پہچانو اور اُسی سے آہ و زاری کرو۔

☆☆☆☆

دیدۂ اشک بارِیدہ

لذّتِ قربِ خدا امت گریۂ زاری میں ہے
قرب کیا جانے جو دیدۂ اشک بارِیدہ نہیں

جس کو استغفار کی توفیق حاصل ہوگئی
پھر نہیں جائز یہ کہنا کہ وہ بخشیدہ نہیں

اختر

درسِ مناجاتِ رُومی

۷؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۳؍فروری ۱۹۹۱ء

بروز ہفتہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

دست من ایں جا رسید ایں را بشست
دستم اندر شُستنِ جان ست سُست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ میرا ہاتھ گناہ کے کاموں میں ملوث ہو کر نجس ہو گیا، اب آپ اپنے آبِ عفو و مغفرت سے اسے دھو کر پاک کر دیجیے، کیوں کہ میں اپنی پاکی اور تزکیہ میں انتہائی کاہل اور سست ہوں۔ یعنی میں نے تو گناہوں سے اپنے باطن کو ناپاک کر لیا اب آپ توفیقِ توبہ دے کر اور اپنی رحمت سے معاف فرما کر اسے پاک کر دیجیے کیوں کہ اگر آپ کی توفیق شاملِ حال نہ ہو تو میں اپنے تزکیہ کے باب میں انتہائی غافل اور لاپروا ہوں۔ آپ کے فضل و رحمت و مشیت کے بغیر میرا تزکیہ محال ہے۔

اور اس شعر کا ایک ترجمہ اور بھی ہے جو زیادہ جامع ہے۔ رسید اور بشست دونوں ماضی مطلق ہیں تو معنیٰ یہ ہوئے کہ میرا ہاتھ یہاں تک پہنچ گیا اور اس کو دھو دیا یعنی ظاہری نجاست اور گندگی کو اس نے صاف کر دیا لیکن گناہوں سے جو میری رُوح نجس ہو گئی اس کو میں صاف نہیں کر سکتا کیوں کہ رُوح تک میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ میرا ہاتھ رُوح کو پاک کرنے میں سست ہے یعنی قادر نہیں ہے۔ جسم ناپاک ہوتا ہے پیشاب پاخانے سے اور روح ناپاک ہوتی ہے گناہوں سے اور گناہوں کی غلاظت اور گندگی پیشاب پاخانہ سے بدتر ہے کیوں کہ پیشاب پاخانے کی نجاست تو پانی سے دور ہو جاتی ہے لیکن رُوح کی نجاست توبہ کے بغیر نہیں دھلتی اور توبہ کے لیے نفس مشکل سے راضی ہوتا ہے۔ سست کے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ میرا نفس توبہ کرنا نہیں چاہتا۔ شیطان گناہوں کا نشہ پلا دیتا ہے، اور گناہ کا مزہ جب منہ کو لگ جاتا ہے اور نفس کو گناہ کی عادت پڑ جاتی ہے تو مشکل سے چھوٹتی ہے، جیسے سگریٹ اور ہیروئن کا عادی کہ جب تک اس کو نہ ملے بے چین

رہتا ہے۔ ایک بد نظری کے مریض کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دوکان پر کام چھوڑ کر دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں تقریباً ایک میل سائیکل سے جاتا تھا اور ریل کے زنانہ ڈبے میں عورتوں کو دیکھتا اور جب ریل گزر جاتی تو پھر آکر اپنے کام میں لگ جاتا۔ یہ نفس بڑا ظالم ہے۔ جب تک اللہ کا کرم نہ ہو یہ پاک نہیں ہو سکتا۔

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میرا ہاتھ ظاہری نجاست کو دھو سکتا ہے لیکن رُوح تک نہیں پہنچ سکتا کہ گناہوں کی نجاست کو دھو دے۔ رُوح کو تو آپ کا دستِ کرم ہی پاک کر سکتا ہے جو ہماری جانوں تک پہنچا ہوا ہے لہٰذا آپ ہمیں توفیقِ توبہ دے کر ہماری رُوح کو گناہوں کی نجاست سے پاک فرما دیجیے۔

مولانا رُومی نے جو مضمون بیان کیا یہی مضمون حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے بعد کی مسنون دُعا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ[۸۸] کی تشریح میں لکھا ہے کہ اے خدا! ہم نے وضو تو کر لیا اور اپنے ظاہری اعضا پاک کر لیے لیکن ہمارے ہاتھ دل تک نہیں پہنچ سکتے، ہم اپنے دل کو پاک نہیں کر سکتے، دل کا وضو تیرے ہاتھ میں ہے لہٰذا ہمیں توفیقِ توبہ بھی دے دے تاکہ ہمارا دل بھی پاک ہو جائے اور ہم پاک صاف لوگوں میں ہو جائیں۔

شریعت نے جس وقت کی جو دُعا بتائی ہے اس میں ایک خاص مناسبت اور جوڑ ہے۔ دیکھیے وضو میں اور اس دُعا میں کیسا جوڑ ہے کہ وضو کے پانی سے اپنے اعضائے بدن کو پاک کرنا تو میرے اختیار میں تھا لیکن دل کو پاک کرنا آپ کے اختیار میں ہے، لہٰذا توفیقِ توبہ دے کر آپ میرے دل کو پاک فرما دیجیے تاکہ میرا باطن بھی صالح ہو جائے اور میں آپ کے نیک بندوں میں شمار ہو جاؤں۔ توبہ دل کا وضو ہے اور توبہ تین چیزوں کا نام ہے:

۱) اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْمَعْصِیَةِ اِلَى الطَّاعَةِ گناہ چھوڑ کر عبادت میں لگ جانا۔

۲) اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَفْلَةِ اِلَى الذِّكْرِ غفلت کی زندگی چھوڑ کر اللہ کو یاد کرنے لگنا۔

۳) اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَيْبَةِ اِلَى الْحُضُوْرِ[۸۹] اللہ سے دل ذرا سا غائب ہو جائے تو پھر

---

۸۸ جامع الترمذی: ۱/۱۸، باب ما یقال بعد الوضوء، ایچ ایم سعید

۸۹ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۶۷، (۲۳۵۹)، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

خدا کے سامنے حاضر کر دینا۔

تو مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ! توبہ کی تینوں قسموں تک رسائی دے دے اور ہم کو پاک کر دے کیوں کہ توفیقِ توبہ آسمان سے آتی ہے۔ دلیل کیا ہے؟ قرآن شریف کی یہ آیت ہے: ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ پر توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کرلیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تَابَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر فرماتے ہیں: اَیْ وَفَّقَهُمْ لِلتَّوْبَةِ[۹۰] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ وہ توبہ کریں۔ معلوم ہوا کہ توفیق آسمان سے آتی ہے تب زمین والے توبہ کر کے ولی اللہ بنتے ہیں۔ اگر توفیق اپنے اختیار میں ہوتی تو ساری دنیا ولی اللہ ہو جاتی۔ توفیقِ توبہ انعامِ الٰہی ہے۔ جس کو توفیقِ توبہ نہ ہو سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے محروم ہے۔ کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کو گٹر میں گرا ہوا دیکھ سکتا ہے؟ لیکن اگر کوئی بیٹا گٹر میں گرا ہوا ہے اور باپ دیکھ بھی رہا ہے لیکن نہیں نکالتا تو یہ دلیل ہے کہ یہ شخص باپ کی نظرِ عنایت سے محروم ہے۔ جو لوگ توبہ میں دیر کرتے ہیں تو سمجھ لو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے محروم ہیں۔ جس پر اللہ کی توجہ، رحمت اور مہربانی ہوتی ہے ایک سیکنڈ بھی وہ توبہ میں دیر نہیں کرتا۔ وہ گناہ کی حالت میں رہتے ہوئے اطمینان سے نہیں رہتا، جلدی سے توبہ کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے معاف کر دے، آپ کی ناخوشی کی راہوں سے میرے دل نے جو حرام خوشی امپورٹ کی میں ان حرام خوشیوں سے معافی چاہتا ہوں، کیوں کہ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ انسان انبیاء کی طرح بالکل معصوم ہو جائے۔ کبھی نہ کبھی خطا ہو گی، بشریت سے مغلوب ہو کر کبھی سالک سے بھی لغزش ہو جائے گی اور باطن میں حرام مزہ درآمد کرلے گا، لیکن جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے وہ گناہ کو اوڑھنا بچھونا نہیں بنا سکتا، فوراً بے چین ہو کر توبہ واستغفار کرے گا کہ اے خدا! میرے نفس نے آپ کو ناخوش کر کے جو حرام خوشی لی ہے اس سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ مجھ کو معاف کر دیجیے کیوں کہ آپ کی ناخوشی کی راہوں سے میری خوشیاں نامبارک اور قابلِ لعنت ہیں، منحوس اور غیر شریفانہ ہیں کہ اپنے پالنے والے محسن کو ناراض کر کے میں اپنا دل خوش کر رہا ہوں۔ جو بیٹا اپنے باپ کو ناراض کر کے خوشیاں

---

[۹۰] روح المعانی: ۱۱/۴۲، التوبة (۷۰)، دار احیاء التراث، بیروت

منارہاہو تو اس بیٹے کی یہ خوشیاں غیر شریفانہ اور کمینہ پن کی خوشیاں ہیں لہٰذا اے خدا! میں ان تمام خوشیوں پر نادم ہوں جن سے آپ ناراض ہوئے ہوں، کیوں کہ کوئی بندہ آپ کی نافرمانی میں مبتلا ہو اس سے بڑھ کر کوئی عذاب ہی نہیں ہے۔ دنیا میں سب سے بڑا عذاب آپ کی نافرمانی ہے۔ بندہ ہو کر اپنے مالک کا اور قادرِ مطلق مالک کا نافرمان ہو، اس پر جتنے جوتے پڑ جائیں کم ہیں اور جتنے عذاب اور بے چینیاں دل پر نازل ہو جائیں تھوڑی ہیں۔

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغزِ دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشقِ مجازی کے مزے کیا لوٹے

یہ شعر میں نے ایک رومانٹک والے کے لیے اسی کی زبان میں کہا جو میرے پاس آیا اور کہا کہ ایسا لگتا ہے جیسے ہر وقت کوئی میرے دماغ میں کھونٹا ٹھوک رہا ہے اور دل پر ہتھوڑے برسا رہا ہے، بے چین اور پریشان ہوں، نیند بھی نہیں آتی، مجھے اپنا ہیئر آئل روغنِ مقویِ دماغ دے دیجیے۔ میں نے ان کی فرمائش پر تیل ان کو دے دیا لیکن مجھے ان کے بارے میں علم تھا کہ یہ عشقِ مجازی میں مبتلا ہیں۔ اگلے دن آئے اور کہا کہ جناب! میں نے سر میں آپ کا دیا ہوا تیل ڈالا لیکن میرا سر تو ٹھنڈا نہیں ہوا تیل ہی گرم ہو گیا۔ تب میں نے ان سے کہا کہ اگر سر پر انگیٹھی رکھی ہو اور کوئی مرنڈا کی ٹھنڈی بوتل آپ کو پلا رہا ہو تو کیا ٹھنڈک آئے گی؟ کہنے لگے: نہیں۔ میں نے کہا: اگر آپ کہیں تو آپ کے مرض کا علاج بتادوں؟ کہنے لگے کہ ضرور! میری تو جان ہی پر بن گئی ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے جو ایک معشوق ساتھ رکھا ہوا ہے جب تک اس کو نہیں بھگاؤ گے آپ کا سر ٹھنڈا نہیں ہو سکتا، چاہے دنیا بھر کے ٹھنڈے ہیئر آئل لگالو۔ میری گزارش پر انہوں نے توبہ کی اور اس معشوق کو بھگا دیا اور پھر ہنستے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ اب تو سر بغیر ہیئر آئل کے ٹھنڈا ہو گیا، زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا، دوزخی زندگی جنتی زندگی سے تبدیل ہو گئی۔

کتنے بندے توبہ کر کے ایک سیکنڈ میں اللہ والے ہو گئے۔ اب ان کو حقیر سمجھنا بھی جائز نہیں کہ یہ تو پہلے ایسے ویسے تھے۔ پہلے جیسے بھی تھے اب تو اللہ والے ہیں۔ تلی کا تیل جب روغن گل ہو جائے تو اب اس کو تلی کا تیل کہنا جائز نہیں ورنہ وہ ہتکِ عزت کا دعویٰ کر دے گا۔ ایسے ہی جب کوئی گناہ گار اللہ والا ہو جائے اب اس کو حقیر مت سمجھو

ورنہ اللہ انتقام لے گا۔ اسی پر میر اشعر ہے ۔

خوبرویوں سے ملا کرتے تھے میرؔ
اب ملا کرتے ہیں اہل اللہ سے
مت کرے تحقیر کوئی میرؔ کی
رابطہ رکھتے ہیں اب اللہ سے

لیکن یہ توفیقِ توبہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے اس دُعا کا معمول بنالیں کہ اے اللہ! گناہوں کی نجاست سے ہماری رُوح کو پاک کر دیجیے اور ہمیں ہمیشہ توفیقِ توبہ دیتے رہیے۔

اے ز تو کس گشتہ جانِ ناکساں
دستِ فضلِ تست در جاں ہارساں

ارشاد فرمایا کہ کس معنٰی لائق اور ناکس معنٰی نالائق۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ کے کرم نے بہت سے نالائق کو لائق بنادیا۔ یعنی بدعمل لوگوں کو آپ کے کرم نے ایک لمحے میں نیک صفت اور فرشتہ خصلت، متقی اور فرماں بردار بنادیا۔

اس مصرع سے ایک اشکال ہوتا تھا کہ نالائق بندوں کو آپ کس طرح لائق بناتے ہیں، اس کا کیا طریقہ ہوتا ہے تو دوسرے مصرع میں مولانا نے اس کا جواب دیا کہ ۔

دستِ فضلِ تست در جاں ہارساں

دنیا میں جتنی جانیں آپ نے پیدا کی ہیں، رُوئے زمین پر جتنے لوگ چل پھر رہے ہیں سب کی جانوں تک آپ کے فضل کا ہاتھ پہنچا ہوا ہے، آپ کو سب پر دسترس حاصل ہے، یہ نہیں کہ جس پر آپ فضل فرمانا چاہیں تو آپ کو کچھ دیر لگے گی، آپ کے فضل کا ہاتھ تو پہلے ہی تمام رُوحوں کے اندر موجود ہے۔ دنیا بھر کی ارواح آپ کے احاطۂ کرم میں ہیں بس آپ ارادہ کرلیں اور ایک نگاہِ کرم ڈال دیں، اسی وقت اس کا کام بن جائے گا۔

بس اِک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جس وقت آپ ارادہ کرلیں اسی وقت اور اسی لمحہ وہ اللہ والا بن جاتا ہے، اس میں ایک لمحے کا تخلّف نہیں ہوسکتا، اسی وقت اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی ہے اور وہ نافرمان ولی اللہ بن جاتا ہے۔ جیسے مچھلی جس کے منہ میں شکاری کا کانٹا ہو اور ڈور ڈھیلی ہونے سے وہ بھاگی جارہی ہے اور سمجھتی ہے کہ میں آزاد ہوں لیکن شکاری جانتا ہے کہ یہ میرے قبضے میں ہے، جس وقت چاہوں گا ڈور کھینچ لوں گا اور جس وقت وہ ڈور کھینچتا ہے تو مچھلی چلی آتی ہے۔ ایسے ہی کوئی انسان گناہ کی وادیوں میں رواں دواں اور حیراں و سرگرداں ہے مگر ان کے کرم نے ذرا سا ارادہ کیا اور اپنے جذب کی برقیاتی لہریں اور کرم کی تجلیات کی کوئی کرن اس پر ڈال دی اسی وقت وہ اللہ والا بن جائے گا۔ دنیا بھر میں جتنی رُوحیں جسم کی سواری پر چل پھر رہی ہیں سب اللہ تعالیٰ کے احاطۂ فضل و کرم میں ہیں۔ جس وقت جس کو چاہیں اپنا بنالیں۔

بغداد کے بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو بجے رات کو اُٹھے۔ الہام ہوا کہ بصرہ میں ایک ابدال کا انتقال ہورہا ہے جلدی وہاں جاؤ۔ شیخ پہنچے اور ان کے سامنے رُوح نکل گئی۔ بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے غوث تھے۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ غوث پورے عالم میں ایک ہوتا ہے اور اس کو چوبیس گھنٹے میں ایک بار ایسا قرب عطا ہوتا ہے کہ اُتنا قرب دنیا میں کسی اور کو نہیں ملتا۔ اس خاص وقت میں ان کو الہام ہوا کہ بصرہ سے آگے ایک مقام موصل ہے، وہاں گرجا گھر میں ایک عیسائی بیٹھا ہے اس سے جا کر کہو کہ ''زنّار'' توڑ دے اور کلمہ پڑھ لے، اسے ابدال کی خالی کرسی پر بٹھانا ہے۔ بڑے پیر صاحب موصل پہنچے۔ دیکھا کہ گرجا گھر میں ایک عیسائی بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو ڈانٹ کر کہا کہ اے شخص! ''زنّار'' توڑ دے۔ اس کا کام تو پہلے ہی اللہ میاں نے بنا دیا تھا، لہٰذا اس نے فوراً عیسائیوں کا مذہبی نشان صلیب یعنی ''زنّار'' توڑ دیا۔ ایک سیکنڈ میں اللہ نے ''زنّار'' کو ذوالنور بنا دیا۔ پھر فرمایا کہ کلمہ پڑھ! اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ پھر بڑے پیر صاحب نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فلاں ابدال کی کرسی دے دی ہے۔ آہ! جس نالائق اور محروم جان کو اے اللہ! آپ پیار کی نظر سے دیکھ لیں اسی وقت وہ کروڑوں لائق جانوں کے لیے باعثِ رشک بن جاتی ہے۔

جس طرف کو رُخ کیا تو نے گلستاں ہوگیا
تو نے رُخ پھیرا جدھر سے وہ بیاباں ہوگیا

اگر آپ ایک نگاہِ کرم دل پر ڈال دیں تو ہمارا دلِ ویران باغ بن جائے اور اگر آپ ناراضگی سے نگاہ ہٹالیں تو باغ جیسا دل بیابان ہو جائے۔ لہٰذا اگر دل کو خوش کرنا چاہتے ہو تو اللہ کی نگاہِ کرم تلاش کرو ورنہ جو شخص دل کو تباہ، معذب کرنا چاہتا ہے وہی ان کو ناراض کرتا ہے اور نفس کو خوش کرتا ہے، لیکن سمجھ لو کہ اس کا انجام یہ ہے جو میں نے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

کشمکش حسن و عشق کی جاں پہ بنی ہے میرؔ کی
پیتے ہیں عرق بید مشک جستجو اب ہے پیر کی

حسن و عشق کی کشمکش اور بے چینی سے نیند اُڑ جاتی ہے اور نیند اُڑنے سے سودا بڑھ جاتا ہے۔ پھر افتیمون ولایتی پوٹلی بنا کر عرق بید مشک کے ساتھ پلایا جاتا ہے لیکن اس سے بھی کام نہیں بنتا تو سکون کے لیے پھر اللہ والوں کو تلاش کرتا ہے اور جو سچے پیر کو تلاش کرنے لگے تو یہ بھی اللہ کا فضل ہے ورنہ اللہ والوں کو تلاش نہ کرتا۔ اللہ والوں کو تلاش کرنا دلیل ہے کہ اب اس کو عشقِ مجازی کے عذاب سے نجات مل جائے گی اور یہ اللہ والا ہو جائے گا۔ اسی کو میں نے کہا ہے کہ ؎

گل رخوں سے تنگ آکر میرؔ
ایک پیر کی ٹانگ دبایا کرتے ہیں

اگر کوئی حسین سامنے ہو تو عاشق آدمی سو نہیں سکتا اور کوئی دنیاوی معشوق وہاں نہ ہو تو اللہ کے نام سے بڑی اچھی نیند آتی ہے۔ اسی کو میں نے کہا ہے میر صاحب کو مخاطب کرکے، میر میری شاعری کا محور ہے ؎

دیکھ کر گل رخوں سے سناٹا
میرؔ لیتا ہے خوب خراٹا

یوں تو مولانا کا ہر شعر مزے دار ہے لیکن مجھے اس شعر میں بہت مزہ آرہا ہے۔ اب اس کے بعد آگے پڑھانے کو دل نہیں چاہتا۔ عجیب شعر ہے ؎

اے ز تو کس گشتہ جانِ ناکساں
دستِ فضل تست درجاں ہا رساں

اے اللہ! آپ کے کرم سے نالائق جانیں لائق ہو جاتی ہیں، آپ کا دستِ کرم سارے عالم کی جانوں کے اندر پہنچا ہوا ہے، سارے عالم کی جانیں آپ کے کرم کی دسترس میں ہیں۔ اب بتلایئے ایسے شعر کے بعد کون پڑھا سکتا ہے! بس دل بھر آیا، رُوح پر وجد طاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نالائق جانوں کو لائق بنادے اپنے فضل سے۔

لیکن یاد رکھو کہ اللہ کے فضل کا دروازہ اللہ والے ہیں جیسے بڑے پیر صاحب کے اس واقعے سے بھی ظاہر ہے کہ ان کو عیسائی راہب کے پاس بھیجا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ذریعہ بنایا اپنے فضل کا۔ حضرت مجدّد الف ثانی نے لکھا ہے کہ جو کسی صاحبِ نسبت کی خدمت میں جائے اور اس کے سر پر گناہوں کے پہاڑ ہوں تو اس اللہ والے کی نسبت اور تعلق مع اللہ کا نور گناہ کے پہاڑوں کو اُڑا دے گا، سارے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ لیکن عام لوگ صحبت کو سمجھتے ہی نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ نبی کی صحبت ہی سے صحابی بنے۔ اگر صحابہ لاکھ تبلیغ کے چلّے لگاتے، لاکھ مدرسوں میں پڑھتے لیکن اگر صحبتِ رسول نہ پاتے تو صحابی نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ صحبت عجیب چیز ہے کہ عبد اللہ ابنِ اُمّ مکتوم کے آنکھیں نہیں تھیں لیکن نبی نے دیکھ لیا تو وہ صحابی ہوگئے۔ خود صحابی کا دیکھنا ضروری نہیں ہے، نبی نے جس کو حالتِ ایمان میں دیکھ لیا تو وہ نابینا اُمتی بھی صحابی ہو گیا۔ یہ قیمت ہے نظر کی۔ امام ابو حنیفہ اور امام بخاری جیسی عظیم شخصیتیں جو نظرِ نبوّت کو نہیں پاسکیں اس لیے صحابی نہیں ہیں اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر بھی نہیں ہیں۔ اب بتلاؤ نظر کے لیے اور کیا دلیل چاہیے؟ اور ایک اُونٹ چرانے والا دیہاتی جو ایک حرف نہیں جانتا ایک نظر نبوت کی پا گیا، صحابی ہو گیا، اب اس کو کوئی نہیں پاسکتا نہ امام بخاری نہ امام ابو حنیفہ۔ ایک شخص نے اس کی بہت عمدہ مثال دی کہ جیسے دس ہزار ملین پاور کا بلب کوئی دیکھ لے تو اس کی رگ رگ میں روشنی گھس جائے گی اور اس کے بعد ساری دنیا کے بلب جو اس درجے کے نہیں ہیں ان کو کتنا ہی دیکھے ان سے وہ روشنی نہیں مل سکتی جو دس ہزار ملین پاور کے بلب میں تھی۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نبوت بے مثال تھا، نہ پہلے کوئی آپ جیسا پیدا ہوا نہ آیندہ ہو گا اس لیے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا ان کے ذرّہ ذرّہ میں وہ نور داخل ہو گیا لہٰذا اب قیامت تک کسی بڑے سے بڑے ولی کا ایمان ویقین کسی ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۴/ فروری ۱۹۹۱ء

بروز اتوار، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

حدِّ من ایں بود کردم من لئیم
زاں سوئے حد را نفی کن اے کریم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کررہے ہیں کہ میرے کمینے پن کی حد اور انتہا جہاں تک تھی میں وہاں تک پہنچ گیا یعنی کمینے پن کی حد کردی کہ کسی کمینہ فعل سے باز نہیں آیا، ہر قسم کے گناہوں پر جرأت کی، جیسے کہ آج کل ہمارا حال ہے کہ وی سی آر، ٹیلی وِژن، بد نظری، بے پردگی، فحاشی وغیرہ تمام خبیث اور کمینے پن کے اعمال کی حدِ انتہا اور کمال کو ہم نے چھولیا ہے۔

پس اے میرے کریم! میں نے کمینے پن کی جن حدوں کو پار کرلیا ہے آپ ان حدوں کی نفی کردیجیے۔ یعنی منفی طور پر ان کمینے اعمال سے مجھ کو نکال لیجیے، جیسے ایک شخص کہیں جارہا ہے اس کے لیے یہ اس کا مثبت راستہ ہے اور منفی راستہ یہ ہے کہ اس کو ادھر سے موڑ دیا جائے، پس اے کریم! گناہوں کے جن راستوں کا میں اثبات کررہا ہوں اور ان خبیث راستوں پر گامزن ہوں آپ اپنی توفیقِ اطاعت وفرماں برداری سے اس کی نفی کردیجیے۔ آپ کی اطاعت وفرماں برداری کا یہ منفی راستہ جو معصیت اور نافرمانی کی نفی کرتا ہے گناہوں کے ان مثبت خبیث راستوں کو قطع کرنے والا ہے جن پر میں چل رہا ہوں۔ آپ کی رضا واطاعت وفرماں برداری کا یہ راستہ ترکِ معصیت کے لحاظ سے منفی ہے۔ پس منفی کی دو قسمیں ہوگئیں: ایک منفی ہے اطاعت کی، یہ گناہ ہے۔ اور ایک منفی ہے معصیت کی، یہ ثواب ہے، جیسے ایک شخص نے نماز چھوڑ دی تو منفی تو یہاں بھی ہوئی لیکن یہ منفی اطاعت کی ہوئی اس لیے عذاب اور گناہ ہے اور ایک شخص نے گناہ چھوڑ دیا، گناہ کی نفی ہوئی، تو یہ منفی ثواب ہے۔ ایک جگہ منفی عذاب ہے اور ایک جگہ منفی ثواب ہے۔ اس لیے مولانا درخواست کررہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے

دناءت اور کمینے پن کے مخالف اور منفی راستے پر ڈال دیجیے، گناہ کی نفی والے راستے پر یعنی اطاعت و فرماں برداری کے راستے پر ڈال دیجیے، توفیقِ ترکِ معصیت دے دیجیے۔

از حدث شستم خدایا پوست را

از حوادث تو بشو ایں دوست را

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ میں نے ظاہری و حسّی نجاستوں سے یعنی حدثِ حسّی اور حدثِ معنوی سے اپنے جسم کو پاک کرلیا۔ حدثِ حسّی کے معنٰی ہیں محسوسات انجاسِ مرئیہ یعنی وہ تمام نجاستیں جو نظر آتی ہیں، محسوس ہوتی ہیں، حواسِ خمسہ سے جن کا ادراک ہو جائے جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ اور حدثِ معنوی یعنی نجاستِ معنویہ کیا ہے؟ جیسے بیوی سے صحبت کرلی، بظاہر جسم پر نجاست لگی ہوئی نظر نہیں آتی لیکن اللہ کے حکم کی وجہ سے پورا جسم ناپاک ہو گیا اور غسل فرض ہو گیا اور چوں کہ پورا جسم اور تمہارا بال بال اس لذت میں مستغرق ہو گیا تھا لٰہذا بال بال دھونا پڑے گا کہ اگر ایک بال کے برابر بھی خشک رہ گیا تو تمہارا غسل نہیں ہو گا اور لذت میں ڈوب کر چوں کہ تم ایک طرح سے حالتِ غیبت و استتار میں ہو گئے تھے جو مشابہ ہے دوری کے لٰہذا حضوری میں آنے کے لیے سر سے پیر تک نہا کر آنا پڑے گا ورنہ ابھی تم اس قابل نہیں کہ نماز میں ہم سے مناجات و سرگوشی کر سکو یا ہمارا کلام پڑھ کر سنا سکو۔

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! حدثِ حسّی اور حدثِ معنوی یعنی تمام ظاہری نجاستوں سے میں نے اپنے جسم کو پاک کرلیا، لیکن حوادثِ معصیت میں مبتلا ہوں لٰہذا اپنے کرم سے ان حوادث سے بھی میری حفاظت فرمائیے۔ اور حوادث سے یہاں مراد تصادم یا ایکسیڈنٹ اور حادثات وغیرہ نہیں ہے بلکہ یہ حدث سے ہے اور پہلے مصرع میں حدث سے مراد ظاہری حدث ہے اور یہاں باطنی حدث مراد ہے یعنی نافرمانی، گناہ اور فسق و فجور کی نجاست جو ظاہری نجاست سے کہیں زیادہ اشدّ ہے، کیوں کہ ظاہری نجاست تو دو بالٹی پانی سے دھل جائے گی لیکن گناہوں کی باطنی نجاست پر اگر سمندر کا سمندر ڈال دو تو کوئی پاک نہیں ہو سکتا جب تک توبہ و استغفار

نہ کرے۔ مثلاً: ایک شخص گناہ کرکے پورا دریا اپنے اُوپر اُنڈیل لے تو گناہ کی نجاست سے اس کا باطن پاک نہیں ہو گا، لیکن ندامتِ قلب کے ساتھ دو آنسو انسان کو پاک کر دیتے ہیں۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ پانی سے ظاہری حوادث وانجاس کو دھولینا کمال نہیں کہ یہ تو ہمارے اختیار میں ہے، لیکن گناہوں کی نجاست سے ہم پاک نہیں ہوسکتے جب تک اللہ تعالیٰ توفیقِ توبہ نہ عطا فرمائیں۔ لہٰذا اے اللہ! توفیقِ توبہ عطا فرما کر گناہوں کی نجاست سے آپ اپنے اس دوست یعنی بندے کو پاک فرما دیجیے۔

لفظِ دوست کا استعمال بظاہر تو بہت بڑا دعویٰ معلوم ہوتا ہے لیکن اس موقع پر مولانا نے ولایتِ عامہ سے فائدہ اُٹھایا ہے جو ہر گناہ گار سے گناہ گار مومن کو بھی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ [۱۹]

اللہ ہر مومن کا ولی ہے۔ لیکن یہ ولایتِ عامہ ہے، ولایتِ خاصہ تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ جب ایمان تقویٰ سے متّصل اور مشرّف ہو جاتا ہے اس وقت ولایتِ خاصہ حاصل ہوتی ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ولی کامل ہو جاتا ہے۔ تو یہاں لفظِ دوست مقابلے میں دشمن کے ہے یعنی ہم کافر نہیں ہیں، ہم آپ پر ایمان لائے ہیں لیکن اپنی نالائقی کی وجہ سے نفس و شیطان سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اس مغلوبیت کی وجہ سے ہم سے گناہ ہو جاتے ہیں، بغاوت کی وجہ سے نہیں، اس لیے اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے ایک فرد ہم بھی ہیں جس کو آپ نے ہمارے لیے تعبیر فرمایا۔ پس ولایتِ عامہ کے درجے میں ہم آپ کے دوست ہیں۔ لہٰذا آپ ہمارے باطن سے گناہوں کی نجاست کو دھو دیجیے تاکہ وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ میں شامل ہو کر ہم آپ کی ولایتِ خاصہ سے مشرف ہو جائیں۔

جز تو پیشِ کہ بر آرد بندہ دست

ہم دعا و ہم اجابت از تو است

---

[۱۹] البقرة: ۲۵۷

اے اللہ! آپ کے سوا کس کے سامنے بندہ ہاتھ پھیلائے۔ دُعا کی توفیق بھی آپ ہی نے دی ہے یعنی ہم دُعا بھی آپ ہی کی توفیق سے مانگتے ہیں اور قبولیت بھی آپ ہی کی طرف سے ہوگی۔ یعنی قبولیت بھی آپ ہی کی عطا ہے۔

ہم ز اوّل تو دہی میلِ دعا
تو دہی آخر دعا ہا را جزا

اوّلاً آپ ہی ہمارے قلب میں دُعا کا رُجحان پیدا فرماتے ہیں یعنی توفیقِ دُعا آپ ہی عطا فرماتے ہیں اور پھر آپ ہی اس دُعا کو قبول بھی فرمالیتے ہیں۔

اوّل و آخر توئی ما در میاں
ہیچ ہیچے کہ نیاید در بیاں

آپ اوّل بھی ہیں اور آپ آخر بھی ہیں اور ہم درمیان میں اتنے حقیر ہیں، اتنے حقیر ہیں کہ ہماری ذلت و حقارت بیان میں نہیں آسکتی۔ یعنی اوّل و آخر سب آپ ہی کا کرم ہے اور درمیان میں ہم اس قدر حقیر و ذلیل ہیں کہ جس کو ہم بیان نہیں کرسکتے، نہ ہمارا کوئی عمل آپ کے قابل، نہ ہماری خطائیں قابلِ معافی لیکن چوں کہ اوّلاً و آخراً ہم آپ کے کرم کے درمیان ہیں اس لیے ہماری ذلتیں اور حقارتیں آپ کے کرم کا آسرا لگائے ہوئے ہیں۔

کام بنتا ہے فضل سے اخترؔ
فضل کا آسرا لگائے ہیں

اے خدائے بے نظیر ایثار کن
گوش را چوں حلقہ دادی ایں سخن

اے خدا! تو بے مثل ہے، مجھ پر اپنا فضل فرمادے۔ جب آپ نے ہمارے کانوں کو اپنے الطافِ سخن اور گفتگو کا شرف عطا فرمایا یعنی کلام اللہ سننے کی ہم کو صلاحیت عطا فرمائی اور ہمارے کانوں کے حلقے کو آپ نے گفتگو سننے کی صلاحیت بخشی یعنی کانوں کے حلقے میں آپ نے ایسے آلات بچھا دیے ہیں جس سے ہم ہر طرح کی آواز سنتے ہیں اور

سمجھ لیتے ہیں کہ یہ فلاں کی آواز ہے اور یہ فلاں کی لٰہذا ہم پر اپنا وہ کرمِ خاص بھی فرمادیجیے جس سے ہمارا قلب سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا سے مشرّف ہو جائے یعنی سماعت کے بعد اطاعت کی بھی توفیق ہو جائے۔

گوشِ ما گیر و در آں مجلس کشاں
کز رحیقت می کشند ایں سرخوشاں

اے خدا! ہمارا کان پکڑ کر آپ ہمیں اپنی بارگاہِ قُرب میں لے جایئے یعنی اپنے جذب سے ہمیں اپنے اولیاء کی مجالس تک پہنچادیجیے جہاں آپ کے یہ مقبول وخوش نصیب بندے آپ کی شرابِ محبت و معرفت پی کر مست و سرشار ہیں اور آپ کے قُربِ خاص سے مشرّف ہیں، لٰہذا ہمیں بھی ان کی مجالس تک پہنچادیجیے تاکہ اس شرابِ محبت و معرفت کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب ہو جائے اور ہم کو بھی آپ کی بارگاہِ قُرب تک رسائی نصیب ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ خُذْ اِلَی الْخَیْرِ بِنَاصِیَتِیْ[۹۲]

اے اللہ! میری پیشانی کے بال پکڑ کر آپ مجھے خیر کی طرف لے جایئے۔

چوں بما بوئے رسانیدی ازیں
سر مبند آں مشک را اے ربِّ دیں

اے اللہ! جب آپ نے ہماری جانوں کو اس شرابِ محبت و معرفت کی کچھ خوشبو سونگھادی ہے تو ہمارے گناہوں کی وجہ سے اے ربِّ دیں! اس خوشبوئے قُرب کو سر بند نہ فرمایئے، اس شرابِ محبت کی بوتل پر مہر نہ لگایئے بلکہ برابر پلاتے رہیے، اپنی دولتِ قرب کی ہم پر مسلسل نوازش فرماتے رہیے، ہماری شامتِ عمل سے اس دولت کو ہم سے واپس نہ لیجیے، اپنی محبت و معرفت کی جو خوشبو ہماری جانوں کو آپ نے سونگھادی ہے اس سے ہمیں محروم نہ فرمایئے اور نفس و شیطان سے ہماری حفاظت فرمایئے تاکہ دنیا کی فانی لذتوں

۹۲؎ کنزالعمال:۲/۱۹۴،(۳۷۱۲)،مؤسسۃ الرسالۃ

میں مبتلا کر کے وہ آپ کے قرب سے ہمیں محروم نہ کرنے پائیں۔

از تو نوشند از ذکور و از اناث
بے دریغے در عطایا مستغاث

اے فریاد رس! اے وہ ذات جس سے فریاد کی جاتی ہے! آپ کے کرم سے کتنے مرد اور کتنی عورتیں بے دریغ آپ کی شرابِ محبت کے جام پر جام پی رہے ہیں اور آپ کی محبت سے مست ہیں، آپ کی عطا کسی خاص طبقے کے لیے محدود نہیں جس پر چاہیں آپ کرم فرمادیں۔ کتنے مرد حسن بصری اور کتنی عورتیں رابعہ بصریہ ہوئی ہیں یعنی بے شمار مرد ولی اور بے شمار عورتیں ولیہ ہوئی ہیں۔ پس اپنے کرم سے ہمیں بھی اپنی محبت کا کوئی جام عطا فرمادیجیے۔

اے دعا ناکردہ از تو مستجاب
دادہ دل راہر دمے صد فتحِ باب

اے وہ ذات کہ ہماری کتنی ناکردہ دُعاؤں کو آپ نے قبول فرمایا ہے کہ ہم نے مانگا بھی نہیں تھا پھر بھی آپ نے عطا فرمادیا مثلاً: عالمِ ارواح میں ہم نے ایمان کہاں مانگا تھا، ہم نے کب آپ سے فریاد کی تھی کہ ہمیں مسلمان گھر میں پیدا کیجیے، کس نے آپ سے کہا تھا کہ ہم کو اندھا پیدا نہ کرنا، گونگا بہرہ پیدا نہ کرنا، لنگڑا لولا پیدا نہ کرنا، آپ نے بے مانگے سب کچھ دے دیا، ہماری نہ کی ہوئی دُعاؤں کو بھی قبول کرلیا، ہماری بہت سی حاجتیں آپ نے ایسی پوری کی ہیں جن کی ہم نے آپ سے درخواست بھی نہیں کی تھی اور اس دنیا میں ہر وقت نہ جانے کتنی نعمتیں ملتی رہتی ہیں جن کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، اچانک ایسے عظیم الشان خزانے مل جاتے ہیں جن کا تصور بھی ہمیں نہیں ہو سکتا تھا، ہمارے خواب و خیال اور ہمارے حوصلوں سے زیادہ اے اللہ! آپ عطا فرماتے رہتے ہیں۔

دادہ دل راہر دمے صد فتحِ باب

اور آپ نے اپنے مومن بندوں کے دلوں کے لیے ہر سانس میں سینکڑوں دروازے رحمت کے کھولے ہوئے ہیں، غیب کے سینکڑوں دروازوں سے آپ ہر وقت انعاماتِ قرب عطا فرماتے رہتے ہیں اور نیک اعمال کی توفیق دیتے رہتے ہیں، مثلاً: یہ جو مثنوی کا درس ہو رہا ہے اور یہ بہت سے لوگ صرف اس لیے فرانس سے آئے ہیں یہ سب اللہ کی عنایات اور اس کا فضل ہے، اللہ قبول فرمائے۔ یہ سب اللہ پاک نے کیا ہے۔

اللہ والوں اور ان کے غلاموں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اپنے قرب کی تجلیاتِ خاصّہ عطا فرماتے ہیں اور ہر وقت ان کے قلوب پر علوم و معارف کا فیضان ہوتا رہتا ہے۔ جیسے ایک شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حسینوں کو دیکھنے کو کیوں حرام کر دیا؟ میرے بزرگوں کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو یہ جواب عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بد نظری کو اس لیے حرام کیا تاکہ ان کے بندے حرامی نہ پیدا ہوں اور ان کا نسب محفوظ رہے، کیوں کہ حفاظتِ نظر ہی سے شرمگاہ محفوظ رہتی ہے یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ کے فوراً بعد وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ[۹۳] کا ربط بتاتا ہے کہ غضّ بصر حفاظتِ فرج کا ضامن ہے اور شرمگاہ کی حفاظت سے ہی انسان حلالی رہ سکتا ہے۔ اس کا قضیہ عکس کر لیجیے کہ اگر نظر کی حفاظت نہ کی گئی تو شرمگاہ محفوظ نہ رہے گی اور زنا عام ہو جائے گا، تو بتایئے پھر کون شخص حلالی رہ سکتا ہے!

اشکوں کی بلندی

خداوندا مجھے توفیق دے دے گنہگاروں کے اشکوں کی بلندی
فدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو کہاں حاصل ہے اختر کہکشاں کو

اخترؔ

۹۳؎ النور: ۳۰

درسِ مناجاتِ رُومی

۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۵/ فروری ۱۹۹۱ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے قدیمے رازدان ذوالمنن
در رہِ تو عاجزیم و ممتحن

ارشاد فرمایا کہ مولانا بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے وہ ذات جو قدیم ہے یعنی آپ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، قدیم حادث کے مقابلے میں ہے۔ اور حادث کہتے ہیں جس پر کبھی عدم گزرا ہو۔

مولانا دُعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی ذات قدیم ہے، آپ صاحبِ احسان اور ہمارے رازداں ہیں، یعنی ہمارے بھیدوں سے باخبر ہیں، ہماری کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کے راستے میں ہم کو جیسا باہمت اور شیر ہونا چاہیے تھا ہم نہیں ہوسکے، کوئی خوبی ہمارے اندر نہیں ہے، ہم آپ کے راستے میں عاجز اور محتاج ہیں، یعنی ہم آپ کی راہ کے مرد نہیں بن سکے، نفس وشیطان سے مغلوب ہوجاتے ہیں اور ہر وقت ہمارا امتحان ہو رہا ہے اور اس امتحان میں ہم کبھی فیل بھی ہو رہے اور کبھی پاس بھی ہو جاتے ہیں، یعنی کبھی تو ذکر و تہجد و نوافل کا اہتمام کرتے ہیں اور کبھی اپنی نالائقی سے سب چھوڑ چھاڑ کر گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اے خدا! جب ہم آپ کے راستے میں ہر وقت مغلوب ہیں، کمزور ہیں، حالتِ امتحان میں ہیں، ہماری کوئی سانس ایسی نہیں جو امتحان میں نہ گزر رہی ہو، تو اے خدا! آپ تو قدیم الاحسان ہیں، ہمیشہ سے احسان فرمانے والے ہیں، ہماری مغلوبیت وعاجزی کو ہمتِ مردانِ خدا سے تبدیل فرما دیجیے اور اس لومڑی کو شیر بنا دیجیے۔

ہر دلِ سرگشتہ را تدبیر بخش
ویں کماں ہائے دوتو را تیر بخش

اے خدا! وہ دل جو آپ کا راستہ بھولا ہوا ہے اور حیران و پریشان ہے، راستہ نہیں پا رہا ہے، گناہوں کے بُرے بُرے تقاضوں میں غلطاں و پیچاں ہے آپ اس کو تدبیر یعنی ہدایت استقامت کی عطا فرما دیجیے کہ یہ دل آپ کی طرف مستقیم رہے، نوّے ڈگری سے ہر وقت آپ کی طرف متوجہ رہے، ذرّہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہو اور اگر ہو جائے تو پھر توبہ واستغفار سے آپ کی طرف رُخ صحیح کر لے۔ ایک تو ہم عاجز ہیں دوسرے ہر وقت حالتِ امتحان میں ہیں، بالغ ہونے سے لے کر موت تک ہر وقت ہمارا امتحان ہو رہا ہے، کبھی نظر کا امتحان ہو رہا ہے کہ دیکھو نظر بچاتا ہے یا نہیں، کبھی کان کا امتحان ہو رہا ہے کہ گانا تو نہیں سن رہا ہے، کبھی زبان کا امتحان ہو رہا ہے کہ حرام تو نہیں کھا رہا ہے، کبھی ہونٹوں کا امتحان ہو رہا ہے کہ حرام بوسے تو نہیں لے رہا ہے، غرض ہماری کوئی سانس ایسی نہیں ہے جس میں ہم حالتِ امتحان میں نہ ہوں، کبھی شیطان کہہ رہا ہے کہ تم بڑے آدمی ہو، بہت بزرگ آدمی ہو تمہارا کیا کہنا، تم بہت باعزت اور وی آئی پی ہو۔ ایسے وقت میں اے اللہ! آپ ہمیں توفیق دیجیے کہ ہم شیطان سے کہہ دیں کہ جب تک موت نہ آئے اور ایمان پر خاتمہ نہ ہو جائے اور قیامت کے دن اللہ ناراض نہ ہو اس وقت تک ہماری کوئی قیمت نہیں ہے۔ قیمت تو اللہ لگائے گا، غلام کی قیمت تو مالک لگائے گا۔ اگر ساری دنیا تعریف کرے تو اس سے ہمارا کچھ فائدہ نہیں۔

آہ! یہی باتیں علمائے ظاہر کی سمجھ میں نہیں آتیں اور ان کے دل میں نہیں اُترتیں کہ صاحب! ہم کیوں نہ قیمت لگائیں۔ ہم بخاری شریف پڑھاتے ہیں، یہ کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں۔ یہ باتیں صرف اللہ والوں کی جوتیاں اُٹھانے سے سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک صاحب نے حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا جو میں چاہتا ہوں اور میرے اندر وہ حالت پیدا نہیں ہوئی جو ہونی چاہیے۔ حکیم الاُمت نے فرمایا: جس دن آپ نے یہ سمجھ لیا کہ میں اس مقام تک پہنچ گیا وہ مقام نہایت ہی رونے کا مقام ہو گا اور وہ دن بہت ہی غم کا دن ہو گا۔ بس یہی سمجھو کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔

کچھ ہونا مرا ذلت وخواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

پس اے خدا! جب ہمیں آپ کا راستہ نہیں مل رہا ہے تو آپ ہمیں اپنی راہ کی ہدایت عطا فرمادیجیے تاکہ ہماری سرگشتگی و حیرانی دور ہو جائے، اور ہمارے پاس کمان تو ہے مگر تیر نہیں ہے، کمان خالی پڑی ہے اس لیے آپ اپنی رحمت سے تیر بھی عطا فرمائیے۔ یعنی ہمارے پاس اعمالِ صالحہ کی صلاحیت تو ہے مگر ہم اعمال نہیں کرتے، سست پڑے ہوئے ہیں، دشمن ہم پر مسلّط ہو گیا ہے اور وہ ہمارا شکار کر رہا ہے، بجائے اس کے ہم نفس وشیطان پر تیر چلاتے نفس وشیطان ہم پر تیر چلا رہے ہیں، لہٰذا ہماری کمان صلاحیت کو اپنی توفیق وہدایت کا تیر عطا فرمادیجیے تاکہ ہم نفس وشیطان کو مغلوب کردیں۔

اے مبدل کردہ خاکے را بہ زر
خاکِ دیگر را نمودہ بوالبشر

ارشاد فرمایا کہ خاکے میں یائے تنکیری ہے یعنی بعض مٹی۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! بعض مٹی کو آپ اپنی قدرتِ خلاّقیت سے سونا بنادیتے ہیں اور کسی مٹی کو آپ انسان بنادیتے ہیں۔ یعنی مٹی سے آپ نے غلّہ پیدا کیا اور غلّے سے ماں باپ نے کھایا، روٹی سے خون بنا اور وہی خون باپ کے اندر منی اور ماں کے اندر حیض بن گیا اور اس منی اور حیض کو ماں کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ انسان بنادیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! یہ آپ کی خلاّقیت کا کمال ہے کہ جس مٹی کو چاہتے ہیں آپ سونا بنادیتے ہیں اور جس مٹی کو چاہتے ہیں انسان بنادیتے ہیں۔

کارِ تو تبدیلِ اعیان و عطا
کارِ ما سہو ست ونسیان و خطا

ارشاد فرمایا کہ اعیان جمع ہے عین کی اور عین کے معنیٰ ہیں حقیقت، ماہیت۔ تبدیلِ اعیان کہتے ہیں ماہیت کا بدل جانا جیسا کہ مندرجہ بالا شعر میں مذکور ہوا کہ کسی خاک کو اللہ تعالیٰ سونے میں تبدیل فرمادیتے ہیں اور کسی خاک کو انسانی پیکر میں تبدیل

فرمادیتے ہیں، تو خاک کی عینیت اور ماہیت تبدیل ہوگئی۔ اسی طرح شراب حرام ہے لیکن جب شراب سرکہ بن گئی تو اس کی حقیقت بدل گئی، جو حرام تھی اب سرکہ بن کر حلال ہوگئی۔ اب اس سرکہ کو مفتی اعظم بھی پی سکتا ہے، شیخ الحدیث بھی پی سکتا ہے، شیخ المشایخ بھی پی سکتا ہے۔ اسی طرح گدھا حرام ہے لیکن نمک کی کان میں گر کر مر گیا اور ''ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد'' نمک کی کان میں جو چیز بھی جاتی ہے نمک بن جاتی ہے تو وہ گدھا بھی مرنے کے بعد نمک بن گیا، اب اس کی ماہیت تبدیل ہوگئی اور نمک کے پیکٹوں میں اس کی پیکنگ ہوگئی، لہٰذا اب بڑے بڑے مفتیانِ کرام اور علمائے کرام سے لے کر عوام تک اسے کھارہے ہیں۔ لیکن اگر گدھا نہ مرتا اور سانس لیتا رہتا تو گدھے کا گدھا ہی رہتا، کبھی نمک نہ بنتا۔

اس مثال سے مولانا رُومی ایک نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر اللہ والا بننا چاہتے ہو تو خانقاہوں میں جا کر اللہ والوں کی صحبت میں اپنے نفس کو مٹاؤ، شیخ کی رائے میں اپنی رائے کو فنا کردو تب جا کر تم اللہ والے بنو گے، لیکن اگر اپنا تشخّص باقی رکھو گے اور شیخ کی رائے کے مقابلے میں اپنی رائے باقی رکھو گے تو ایسا شخص گدھے کا گدھا ہی رہے گا اور خر آمد و خر برفت کا مصداق ہوگا کہ جب آیا تو گدھا تھا اور واپس گیا تو گدھا ہی گیا۔ یعنی محروم آیا اور محروم ہی گیا۔

یہ راستہ نفس کو مٹانے کا ہے۔ اپنے جذبات و خواہشات کو فنا کردو، باہ ہو یا جاہ، غصہ ہو یا شہوت شیخ جو ہدایات دے اس میں اگر مگر مت لگاؤ، اس کی رائے کو بلا دلیل تسلیم کرکے عمل کرو، پھر دیکھو کیسی تبدیلِ ماہیت ہوتی ہے، فسق و فجور ولایت و تقویٰ سے تبدیل ہوجائے گا اور بزبانِ حال کہو گے کہ ؎

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کردیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کردیا

مولانا رُومی کے اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! آپ کا کام حقیقت کو تبدیل کرنا اور تبدیل کرکے اس پر اپنی بخشش و عطا فرمانا ہے۔ یعنی اشیاء کی ادنیٰ ماہیت اور ادنیٰ

حقیقت کو تبدیل کر کے اپنے کرم سے اسے دوسری اعلیٰ حقیقت وماہیت عطا فرمانا ہے، جیسے گزشتہ شعر میں مولانا نے فرمایا کہ اے اللہ! آپ ایک خاک کی حقیقتِ کمتر کو تبدیل کر کے اسے دوسری حقیقتِ خوب تر بصورتِ زر بنادیتے ہیں اور دوسری خاک کی حقیقتِ کمتر کو بشر بنادیتے ہیں جو زر سے بھی برتر ہے تو اے اللہ! آپ کا کام اشیاء کی حقیقت کو تبدیل کر کے اسے دوسری اعلیٰ و بہتر حقیقت عطا فرمانا ہے اور ہمارا کام سہو ونسیان وخطا ہے۔ یعنی ہمارا کام سہو کرنا، بھول جانا اور خطا کرنا ہے کیوں کہ ہمارا مادۂ تخلیق مَاءٍ مَّهِيْنٍ ہے لہٰذا ذلیل چیز سے ذلیل چیز ہی پیدا ہو گی، ببول سے کانٹے ہی پیدا ہوں گے، لیکن اگر ببول کے درخت سے پھول پیدا ہونے لگیں تو یہ اللہ کا کرم ہے، ببول کا کمال نہیں۔ اسی طرح مَاءٍ مَّهِيْنٍ سے تو اعمالِ سیئہ کا صدور ہی مستلزم تھا لیکن اگر اعمالِ صالحہ کا صدور ہو رہا ہے تو یہ محض حق تعالیٰ کا احسان ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ[۹۴]

جو کچھ تجھے بھلائی میں سے پہنچتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ بُرائی میں سے پہنچتا ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔ لیکن جب آپ اپنا کرم فرمادیں تو نالائق لائق ہو جاتے ہیں۔

مولانا رُومی کی قبر کو اللہ نور سے بھر دے کیا بندگی پیش کی ہے کہ اے اللہ! آپ کا کام عطا ہے اور ہمارا کام خطا ہے، سبحان اللہ!

سہو ونسیاں را مبدل کن بہ علم
من ہمہ جہلم مرا دہ صبر و حلم

اے اللہ! آپ تبدیلِ اعیان پر قادر ہیں تو ہماری بھول اور نسیان کو آپ علم سے تبدیل فرمادیجیے کہ کسی وقت ہم آپ کو نہ بھولیں اور ہر وقت آپ سے باخبر رہیں، آپ کے عالم ہو جائیں، غیر سے غافل ہو جائیں۔

۹۴؎ النسآء:۷۹

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اِک خبردار تیرا

اور ہم سراپا جہل ہیں، ہمہ تن جاہل ہیں ہمیں صبر و حلم عطا فرما، کیوں کہ جاہل صابر اور حلیم نہیں ہوتا، اپنے جہل کی وجہ سے اس کو صبر و حلم کی قیمت نہیں معلوم ہوتی اس لیے غصّے میں وہ حلم کا دامن چھوڑ دیتا ہے اس لیے تقاضائے معصیت یا نزولِ مصیبت یا مواقعِ طاعت میں وہ صبر کا دامن چھوڑ کر قُربِ الٰہی کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہوجاتا ہے، اور جس کو اللہ نے صبر کی طاقت دے دی اس کو استقامت مل جاتی ہے، کیوں کہ صبر کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم ہے اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ۔ یعنی کَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْھَوٰی جب گناہ کا تقاضا ہوا تو نفس کو گناہ سے روک لیا اور گناہ کی لذّت سے بچنے کی تکلیف کو برداشت کرلیا اس کا نام ہے معصیت پر صبر کرنا۔ اور دوسری قسم ہے: اَلصَّبْرُ فِی الْمُصِیْبَۃِ۔ مصیبت کے وقت اللہ کی مرضی پر راضی رہے اور شکوہ واعتراض نہ کرے۔ اور صبر کی تیسری قسم ہے: اَلصَّبْرُ عَلَی الطَّاعَۃِ[۹۵] نماز روزہ ذکر و تلاوت کے معمولات کی پابندی کرنا بھی صبر ہے، یہ نہیں کہ جب دل چاہا تو تہجد بھی ہے، اشراق وچاشت بھی ہے، ذکر و تلاوت بھی ہے اور جب دل نہ چاہا تو تمام معمولات چھوڑ دیے۔

اسی لیے مولانا دُعا فرمارہے ہیں کہ اے خدا! ہم سراپا نادان وجاہل ہیں آپ ہم کو صبر و حلم کی نعمتیں عطا فرمائیے۔

❁❁❁❁

---

۹۵ مرقاۃ المفاتیح: ۲/۶، کتاب الطھارۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۶/ فروری ۱۹۹۱ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے کہ خاک شورہ را تو ناں کنی

وے کہ نان مردہ را تو جاں کنی

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی حق تعالیٰ کی عظمتِ شان، قدرتِ قاہرہ اور تصرفاتِ عجیبہ بیان فرمارہے ہیں کہ اے خدا! آپ کی کیا شان ہے کہ شور یعنی کھاری اور بنجر مٹی کو آپ روٹی بنادیتے ہیں۔ گندم بھی دراصل مٹی ہے، کیوں کہ ایک دانۂ گندم کو مٹی کے نیچے ڈالا جاتا ہے تو اجزائے خاک مستحیل ہو کر ایک دانے سے ہزار دانے بن جاتے ہیں۔ اے اللہ! مٹی کو گندم میں تبدیل کرنا یہ آپ ہی کا تو کمال ہے ورنہ گندم کا جو دانہ بویا تھا اگر یوں ہی پڑا رہتا تو گل سڑ کر مٹی بن جاتا لیکن آپ کی قدرت سے وہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور پودوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ پھر جب پودے بڑے ہو جاتے ہیں تو ان میں شاخیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر ان شاخوں میں گندم کے خوشے لگتے ہیں جن میں دانے بھرے ہوتے ہیں، پھر کھیتوں سے شہر میں لا کر ان کا آٹا بنتا ہے جس سے گھروں میں روٹی بنتی ہے، اس طرح اے اللہ! آپ مٹی کو روٹی بنادیتے ہیں۔ اور روٹی ایک مُردہ چیز ہے لیکن اس کے کھانے سے ہماری جان قائم رہتی ہے، تو بقائے رُوح کا ذریعہ آپ نے مُردہ کو رکھا ہے، یعنی جان کی بقا اور حفاظت غیر جان سے کی ہے، عقلاً زندہ کو زندہ رکھنے کے لیے زندہ چیز ہونی چاہیے تھی لیکن یہ آپ کی کتنی بڑی شان ہے کہ مردہ روٹی کھلا کر آپ زندہ کو زندہ رکھتے ہیں کہ اگر دس دن یہ غذائے مُردہ نہ ملے تو انسان مر جائے۔

اور اس مُردہ روٹی کو اے اللہ! پھر آپ جاندار کر دیتے ہیں۔ یعنی ماں باپ اس روٹی کو کھاتے ہیں تو یہی روٹی خون بن جاتی ہے، پھر خون سے منی کی شکل میں مستحیل ہو جاتی ہے اور پھر اسی منی سے آپ انسان کو پیدا فرماتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہی

مُردہ روٹی ماں باپ کے پیٹ میں چند استحالات اور تبدیلیوں کے بعد کہ پہلے خون، پھر منی، پھر نطفہ ومضغہ وغیرہ بن کر زندہ انسان بن جاتی ہے۔ اے اللہ! آپ کی عجیب قدرت ہے کہ مُردہ سے زندہ کو زندہ رکھتے ہیں اور پھر مُردہ کو بھی زندہ کردیتے ہیں:

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ [۹۶]

اے کہ جان خیرہ را رہبر کنی

وے کہ بے رہ را کہ پیغمبر کنی

اے خدا! وہ جان جو راہ سے ناواقف ہونے کے سبب حیرت زدہ ہے اگر آپ کا فضل ہوجاتا ہے تو نہ یہ کہ اس کو آپ راستہ بتاتے ہیں بلکہ راہبر بنادیتے ہیں۔ بعض گمراہوں کو آپ نے صرف ولی نہیں، ولی گر بنادیا کہ ان کی صحبت سے دوسرے ولی بننے لگے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ڈاکو تھے، اے اللہ! آپ نے ان کو توفیقِ توبہ دی اور ان کو اتنا بڑا ولی اللہ بنایا کہ آج ہمارے سلسلے کے شجرے میں ان کا نام آتا ہے اور اے خدا! جو آپ کی راہ سے بے خبر تھے ان کو آپ نے پیغمبر بنادیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى [۹۷] اے نبی! آپ وحیِ الٰہی اور احکامِ شریعت سے بے خبر تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقامِ نبوت سے نواز کر باخبر کردیا۔ بعض لوگوں نے ضَآلًّا کا گمراہ ترجمہ کیا جو بالکل جائز نہیں، سخت گستاخی ہے کیوں کہ نبی معصوم ہوتا ہے، وہ اللہ کے یہاں پہلے ہی سے منتخب ہوتا ہے، چناں چہ نبوت ملنے سے پہلے بھی کسی نبی نے کبھی بُت پرستی نہیں کی، شراب نہیں پی اور کوئی گناہ نہیں کیا، ان کی حفاظت کی جاتی ہے، لہٰذا حکیم الاُمت مجدّد الملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا پیارا ترجمہ کیا کہ اللہ نے اے نبی! آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا پس آپ کو باخبر کردیا۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کے حالات بچپن ہی سے نہایت رفیع ہوتے ہیں، بچپن ہی سے معجزے شروع ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح بعض

---

۹۶ المؤمنون:۱۴

۹۷ الضحٰی:۷

اولیاء اللہ بھی مادر زاد ولی ہوتے ہیں، بچپن ہی سے ان کو کھیل کود سے مناسبت نہیں ہوتی اور دین کے کاموں سے ان کو بچپن ہی سے تعلق ہوتا ہے، لیکن اولیاء اللہ معصوم نہیں ہوتے اس لیے بعضے پہلے فاسق و فاجر تھے بعد میں توبہ کرکے ولی اللہ ہوگئے۔

اے کہ خاک تیرہ راتو جاں دہی
عقل و حس را روزی و ایماں دہی

اے اللہ! ماں کے پیٹ کے اندھیرے میں مٹی کا پُتلا بنا کر ساڑھے تین مہینے کے بعد اس اندھیری مٹی کو آپ رُوح عطا فرماتے ہیں اور پھر اس کو عقل و حواس بھی دیتے ہیں اور ان کی پرورش کے لیے جسمانی رزق یعنی روٹی بھی دیتے ہیں اور جس مٹی پر فضل خاص ہوتا ہے اس کو رُوحانی رزق یعنی ایمان بھی عطا فرماتے ہیں۔

شکّر از نے میوہ از چوب آوری
از منی مُردہ بتِ خوب آوری

اے اللہ! آپ کی قدرت کا کمال ہے کہ گنّے سے جو صورتاً لکڑی کے ڈنڈے کے مشابہ ہوتا ہے آپ شکر پیدا فرماتے ہیں اور درختوں کی لکڑیوں سے میوے اور پھل پیدا فرماتے ہیں اور مُردہ اور بے جان نطفۂ منی سے کیسی پیاری اور خوبصورت شکلیں پیدا فرماتے ہیں۔ باپ کی منی اور ماں کے حیض جیسی بدہیئت اور کریہ المنظر شے (چیز) سے آپ انسان کو احسنِ تقویم میں پیدا فرماتے ہیں۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ ست بر آب صورت گری

اے اللہ! نطفۂ منی کو آپ کیسی خوبصورت شکل میں تبدیل فرمادیتے ہیں اور آپ کی کمالِ قدرت ہے کہ منی کے قطرۂ آب پر آپ نے صورت گری کی ہے۔ پانی پر نقش ونگار آپ کے علاوہ کون ہے جو بنا سکے۔

گُل ز گِل صفوت ز دل پیدا کنی
پیہ را بخشی ضیاء و روشنی

ارشاد فرمایا کہ پیہ کے معنیٰ ہیں چربی، شحم۔ مولانا رُومی قدرتِ الٰہیہ کے تصرفاتِ عجیبہ بیان فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! آپ پھولوں کو مٹی سے پیدا فرماتے ہیں جب کہ مٹی میں کوئی خوشبو نہیں، لیکن اسی مٹی سے خوشبو دار پھول پیدا ہوتے ہیں اور مٹی میں کوئی رنگ نہیں اور پھول رنگ برنگے ہوتے ہیں اور انسانی جسم سر سے پیر تک گوشت اور چربی سے مرکب ہے جس کی وجہ سے جسم کے اندر اندھیرا ہے اور اسی میں قلب ہے اور قلب کے اندر بھی اندھیرا ہے لیکن اسی گوشت اور چربی کے اندھیروں میں قلب کے اندر آپ نورِ ایمان اور نورِ تقویٰ اور نورِ عقل اور نورِ ہدایت و معرفت اور اپنے قُرب کی تجلی عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح جسم کے ظاہر میں آنکھیں ہیں جن کو اگر چیر کر دیکھیں تو روشنی کا پتا نہ ملے گا لیکن گوشت پوست سے بنی ہوئی آنکھوں کے تاریک اور سیاہ تل میں آپ نے نور کا خزانہ رکھ دیا، سیاہی میں نور کا خزانہ اجتماعِ ضدین ہے جو مخلوق کے لیے محال ہے لیکن آپ کی قدرتِ قاہرہ نے محال کو ممکن بنادیا۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

می کُنی جزوِ زمین را آسماں
می فزائی در زمیں از اختراں

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! زمین کے جز کو آپ آسمان بنادیتے ہیں یعنی جو اللہ والے ہیں وہ زمین پر رہتے ہوئے بھی آسمان ہیں بلکہ آسمان بھی ان پر رشک کرتا ہے کہ اس اللہ والے کے جسم کی خاک مجھ سے اعلیٰ واشرف ہے بلکہ زمین کا وہ ٹکڑا بھی مجھ سے افضل ہے جہاں کوئی اللہ والا رہتا ہے اور کہکشاں بھی ان آنسوؤں پر رشک کرتی ہے جو اللہ کی یاد میں نکلتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا شعر ہے؎

ستاروں کو یہ حسرت ہے کہ وہ ہوتے مرے آنسو
تمنا کہکشاں کو ہے کہ میری آستیں ہوتی

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

آسماں رشک بر آرد بہ زمینے کہ برو
یک نفس یا دو نفس بہر خدا بنشینند

آسمان اُس زمین پر رشک کرتا ہے جہاں دو ایک بندے آپس میں اللہ کے لیے بیٹھ جائیں۔ جس زمین پر کوئی بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے اُس زمین کے لیے وہ گویا آسمان ہوتا ہے۔ اسی کو مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مبارک تجھ کو اسرارِ کرم کا راز داں رہنا
مبارک ہو زمیں پر تیرا بن کر آسماں رہنا

اسی پر احقر کے چند اشعار ہیں۔

ہماری خاک اس لمحہ میں ہے رشکِ فلک اخترؔ
وہی لمحہ جو میرا ذاکرِ مولائے عالم ہے

آب و گِل میں اگر دردِ دل ہے
عالمِ خاک ہے آسماں میں
کیا کہوں قربِ سجدہ کا عالم
یہ زمیں جیسے ہے آسماں میں
نہ پوچھو لذتِ فریادِ سجدہ
زمیں میری ہو جیسے آسماں میں

زمین کا وہ ٹکڑا آسمان بلکہ آسمان سے افضل کیوں نہ ہو گا اور انسان کی وہ خاک ملائکہ سے اعلیٰ واشرف کیوں نہ ہو گی جس خاک پر اللہ تعالیٰ فخر فرمائیں۔ مرقاۃ جلد ۵ ص ۴۹ پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث ذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنْ عِنْدَهٗ[۹۸] کی تشریح میں فرماتے ہیں:

---

۹۸ صحیح مسلم: ۳۴۵/۲، باب فضل الاجتماع علیٰ تلاوۃ القرآن، ایچ ایم سعید

اَیْ عِنْدَ الْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعِنْدَ اَرْوَاحِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ[۹۹]

یعنی ملائکہ مقربین وارواحِ انبیاء والمرسلین کے سامنے اللہ تعالیٰ بطور افتخار کے ان بندوں کی ثناء وتعریف کے ساتھ ان کا تذکرہ فرماتے ہیں جو زمین پر اللہ کو یاد کر رہے ہیں۔ اسی کو مولانا رُومی اس شعر میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ! زمین کے بعض ٹکڑے کو آپ آسمان کر دیتے ہیں اور بعض آسمان کو زمین کر دیتے ہیں۔ جیسے آسمان سے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین کا جز بن جاتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ زمین پر مثل ستاروں کے اپنے انوار سے زمین کی قیمت کو بڑھا دیتے ہیں۔

اے دہندہ قوت و تمکین و ثبات
خلق را زیں بے ثباتی دہ نجات

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ رزق بھی دیتے ہیں اور تمکین وثبات بھی دیتے ہیں۔ استقامت رزقِ رُوحانی ہے۔ تمکین کے معنیٰ ہیں استقامت اور ثبات سے مراد ثباتِ قدم ہے یعنی دین پر ثابت قدم رہنا۔ مراد یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہمیں روزی یعنی رزقِ جسمانی بھی دینے والے ہیں اور استقامتِ دینی و رُوحانی دینے والے، اپنے راستے پر ثابت قدم رکھنے والے بھی ہیں لہٰذا اپنی اس مخلوق کو بے ثباتی وبے استقامتی سے نجات عطا فرمائیے۔ بے ثباتی سے مراد تلوین ہے اور تلوین کے معنیٰ ہیں کہ رنگ بدلنا، یعنی جو استقامت سے محروم ہے، کسی وقت اللہ کو راضی کرتا ہے اور کسی وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی نفس پر غالب آجاتا ہے کبھی نفس سے مغلوب ہو کر نفس کا غلام بن جاتا ہے، یعنی کبھی شیطان کبھی ولی، گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت، یہ تلوین میں مبتلا ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی دُعا فرماتے ہیں کہ اے بندوں کو رزق دینے والے اور رزق کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق دے کر اپنے خاص بندوں کو مقامِ تمکین واستقامت عطا فرمانے والے! ہمیں بھی تمکین واستقامت

---

۹۹ مرقاۃ المفاتیح: ۴۹/۵، باب ذکر اللہ والتقرب الیہ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

عطا فرما، اپنی راہ پر ثابت قدمی عطا فرما، کیوں کہ اگر رزق کھا کر اس سے پیدا شدہ طاقت کو اے اللہ! آپ کی نافرمانی میں استعمال کیا تو یہ صاحبِ قوت اور حاملِ رزق تو ہے لیکن صاحبِ تمکین اور صاحبِ استقامت نہیں ہے بلکہ نمک حرام ہے کہ جس مالک کا رزق کھاتا ہے اسی کے خلاف چلتا ہے۔ پس اے رب! ہم آپ کے مخلوق ہیں، آپ کے مملوک ہیں، آپ کے مرزوق ہیں، اپنی اس مخلوق کو بے ثباتی سے، استقامت سے محرومی سے یعنی دین کے خلاف کام کرنے سے نجات عطا فرما۔ یعنی ہم لوگ جو نفس کے غلام بنے ہوئے ہیں اور حرام لذتوں کی عادت ڈالے ہوئے ہیں ہماری اس خصلتِ خنزیریت اور خصلتِ سگیت کو خصلتِ شرافتِ انسانیت اور خصلتِ شرافتِ عبدیت سے تبدیل فرما دیجیے کہ ہماری ہر سانس آپ کی مرضی پر فدا ہو اور ایک سانس بھی آپ کی ناراضگی میں نہ گزرے اور بندے کی جس سانس سے اللہ خوش ہو وہ سانس اتنی قیمتی ہے کہ زمین و آسمان اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتے اور جس سانس سے اللہ ناراض ہو اس سانس کے خسارے اور ذلّت کو کتےّ سور بھی نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ کتے اور سور مکلّف نہیں ہیں، ان کو اللہ نے عقل ہی نہیں دی لیکن ہمیں تو اللہ نے عقل عطا فرمائی ہے، جو عقل والا ہو کر اپنے مالک اور محسن کو ناراض کرے وہ جانوروں سے زیادہ بدتر ہے۔ لہٰذا جس شخص کو استقامت نصیب نہیں، دین پر قائم رہنے کی طاقت اور ثبات قدمی حاصل نہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں کہ جانے کس وقت وہ کیا کر بیٹھے۔

کراچی کا واقعہ ہے۔ ایک عالم نے بتایا کہ ایک شخص جو دین کے کاموں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لینے والا، لوگوں کو دین کی دعوت دینے والا تھا، یہاں تک کہ تاجر اس کے پاس امانتیں رکھواتے تھے، اس کا ظاہر بالکل سنت و شریعت کا پابند لیکن اپنی سالی سے پردہ نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ بے پردگی کی نحوست سے عشقِ مجازی کا زہر آہستہ آہستہ دل میں گھستا رہا اور ایک دن بے قابو ہو کر رات کے بارہ بجے داڑھی منڈائی اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر اور سب کی امانتیں لے کر سالی کے ساتھ بھاگ گیا۔ اس لیے شریعت نے پردے کا اور نظر کی حفاظت کا جو حکم دیا ہے یہ سختی نہیں ہے بلکہ

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ نظر کی حفاظت فرض کر دی کیوں کہ جب نظر محفوظ ہوگی تو شرمگاہ بھی محفوظ ہوگی اور شرمگاہ محفوظ ہوگی تو زنا سے حفاظت ہوگی اور اولاد حلالی پیدا ہوگی۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم نہیں ہے کہ بندے حلالی ہوں اور ان کا نسب محفوظ ہو؟ سبحان اللہ! کیا پاکی اور طہارت و شرافت کا قانون ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے، انگریزوں کا اندھا قانون نہیں ہے کہ اگر مرد و عورت راضی ہوں تو باہمی رضامندی سے وہ حرام کاری کر سکتے ہیں یعنی حرامی اولاد پیدا کر سکتے ہیں۔ شریعتِ اسلامی کہتی ہے کہ باہمی رضامندی کوئی چیز نہیں، مالک کی رضامندی اصل چیز ہے۔ باہمی رضامندی سے مالک کی نافرمانی جائز نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا فسق پر راضی ہونا فسق ہے اور کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ اگر دو غلام مالک کی نافرمانی پر صلح کرلیں تو پٹائی ہوتی ہے یا نہیں؟ جیسے دو نوکر ایک سیٹھ کی دوکان پر بادام چرا کر کھایا کرتے تھے، یہاں تک کہ خوب موٹے ہوگئے، جب مالک کو پتا چلا تو وہ پٹائی ہوئی کہ اگلا پچھلا سارا بادام نکل گیا۔ اسی لیے اللہ کی نافرمانی پر لاکھ کوئی رضامند ہو جائے لیکن جب پٹائی ہوگی تو پتا چلے گا۔

اسی لیے مولانا رُومی اس شعر میں اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں: اے اللہ! ہم آپ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، آپ ہمیں روزی دینے والے ہیں تو آپ کی روزی کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرما کر ہمیں دین پر تمکین واستقامت کی نعمت عطا فرما دیجیے اور ہمیں تلوین وعدمِ استقامت سے نجات عطا فرمائیے۔ اس لیے یا اللہ! اپنی رحمت سے جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی برکت سے جو شرح اس وقت بیان ہوئی اپنی رحمت سے اسے قبول فرمالیجیے۔ اے خدا! ہماری ہر سانس کو اپنی رضا پر فدا ہونے کی توفیق عطا فرما اور اولیائے صدّیقین کا ایمان ویقین نصیب فرما اور ہمارا ایمان ویقین اولیائے صدّیقین کی آخری سرحد تک پہنچا دے۔ ایسا یقین، ایسا ایمان عطا فرما کہ ہماری ہر سانس آپ پر فدا ہو اور آپ کو خوش کر کے ہماری زندگی کی ہر سانس رشکِ سلطنت ہفت اقلیم ہو جائے۔ اے خدا! ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کرنا اپنے لیے دونوں جہاں کی مصیبت سے بڑھ کر سمجھیں، اے خدا! ایک سانس بھی ہماری آپ کی ناراضگی

میں نہ گزرنے پائے، ہمیں ہر وقت اپنی رضا پر استقامت نصیب فرمایئے۔ اگر ہم گناہ کی طرف جارہے ہوں تو جس طرح چھوٹے بچے مٹی کھانے کے لیے یا پیشاب پاخانے میں ہاتھ ڈالنے کے لیے چلتے ہیں تو ماں ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتی ہے، آپ کی رحمت سے فریاد ہے کہ اگر ہم اپنی نالائقی سے، اپنی خباثتِ طبع سے گناہ کی طرف جانے لگیں تو ہم آپ کی رحمت سے فریاد کرتے ہیں کہ ماں کی رحمت تو آپ کی دی ہوئی مخلوق رحمت ہے اور آپ ارحم الراحمین ہیں اس رحمتِ عامّہ کے صدقے میں اور اس رحمتِ خاصّہ کے صدقے میں ہمارے ہاتھوں کو ہر بُرائی سے آپ کھینچتے رہیے، بچاتے رہیے، حفاظت نصیب فرماتے رہیے کہ ہم ایک سانس بھی آپ کو ناراض نہ کریں۔ جس دن آپ ہم کو یہ مقام عطا فرمادیں گے بس اس دن ہم ہفتِ اقلیم کی سلطنت بلکہ شمس و قمر اور زمین و آسمان سے زیادہ بلکہ دونوں جہاں سے زیادہ ہم آپ کی رحمت پائیں گے۔ اے خدا! آپ ہماری زندگی کو اپنے اولیاء کی حیات سے مشرّف اور مبدّل فرمادیجیے اور نفس و شیطان کی غلامی سے نفرت اور کراہت اور اپنی خصوصی حفاظت مقدّر فرمایئے۔ ہم سب کو، ہماری اولاد کو اور ہمارے رشتہ داروں کو تمام نافرمانیوں سے محفوظ فرما اور آج تک اے خدا! آپ کی ناخوشی کی راہوں سے ہمارے نفس نے جتنی حرام خوشیاں درآمد کی ہیں آپ ان خوشیوں کو معاف کردیجیے کیوں کہ آپ کو ناخوش کرکے بندوں کو اپنا جی خوش کرنا یہ حرام خوشی انسانیت و شرافت و عبدیت کے خلاف ہے۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۱؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۷؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اندراں کارے کہ ثابت بودنی ست
قائمی دہ نفس را کہ منثنی ست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ جس کام کے اندر استقامت مطلوب ہے اے خدا! اس میں ہمارے نفس کو استقامت دیجیے کیوں کہ اپنی خصلت کے اعتبار سے اس میں ازاغت، کجی اور ٹیڑھا پن ہے اور یہ کجی اور ازاغت کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ [۱۰۰]

یعنی نفس اپنی فطرت کے اعتبار سے کَثِیۡرُ الۡاَمۡرِ بِالسُّوۡٓءِ [۱۰۱] ہے، شَدِیۡدُ الۡمَیۡلَانِ اِلَی الۡخَطَاءِ ہے، ہر وقت بُرائی کو کہتا رہتا ہے، اگر موقع پاجائے تو ایک بُرائی کو اور ایک گناہ کو نہ چھوڑے خواہ چھوٹا گناہ ہو یا بڑا گناہ، پُرانا گناہ ہو یا نیا گناہ۔ اب اگر کوئی کہے کہ جب قرآنِ پاک نازل ہورہا تھا اس زمانے میں فلم، سینما، ٹی وی، وی سی آر اور ڈش کہاں تھے، مولوی زبردستی ان چیزوں کو منع کرتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ اَلسُّوۡٓءِ میں الف لام جنس کا ہے اور جنس وہ کُلّی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ سُوۡٓء یعنی بُرائی اور گناہ کی جتنی قسمیں زمانۂ نزولِ قرآن سے لے کر قیامت تک پیدا ہوں گی وہ سب اس اَلسُّوۡٓء میں داخل ہیں۔ لٰہذا سُوۡٓء کی تمام انواعِ ماضیہ حالیہ و مستقبلہ اس میں شامل ہو گئیں، یعنی گناہوں کے جتنے انواع واقسام تھے اور ہیں اور آیندہ ایجاد ہوں گے سب اس میں آگئے۔ یہی دلیل ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے کہ ماضی حال واستقبال تک کے تمام گناہوں کا اس میں احاطہ ہو گیا۔

---

[۱۰۰] یوسف: ۵۳

[۱۰۱] روح المعانی: ۲/۱۳، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

اس لیے مولانا رُومی دُعا کررہے ہیں کہ اے اللہ! جس کام میں آپ کو استقامت پسند ہے اس میں میرے نفس کو استقامت نصیب فرمائیے کیوں کہ نفس اپنی فطرت کے اعتبار سے کَثِیْرُ الْاَمْرِ بِالسُّوْءِ ہے لٰہذا اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ [۱۰۲] کا سایۂ رحمت ہمارے اُوپر ڈال دیجیے جو استقامت کا ضامن ہے۔

اندراں کارے کہ دارد آں ثبات
قائمی دہ نفس را بخشش حیات

جو کام اپنے اندر ثباتِ قدمی اور استقامت کو مقتضی ہیں یعنی جن کاموں میں آپ استقامت کو پسند فرماتے ہیں ان میں ہم کو استقامت عطا فرمادیجیے اور ہمیں حیاتِ ایمانی بخش دیجیے۔ استقامت فی الدین کی برکت سے ہم سب کو حقیقی حیات نصیب فرمادیجیے۔ یعنی اے اللہ! ہمیں اپنے دوستوں کی حیات نصیب فرمادیجیے، دین پر ثبات قدمی واستقامت عطا فرمادیجیے، کیوں کہ اگر نفس میں استقامت نہیں، اور دین پر وہ قائم نہیں رہتا مثلاً حرام لذّت کو چرالیتا ہے تو حیات سے محروم ہوجاتا ہے، اس کی زندگی مثل جانور کے ہوجاتی ہے۔

صبر ماں بخش و کفہ میزاں گراں
وارہاں ماں از دمِ صورت گراں

اے اللہ! آپ ہم کو صبر عطا فرمائیے یعنی گناہوں کے تقاضوں کے وقت گناہوں کی لذّت سے بچنے کی تکلیف پر صبر عطا فرمائیے کہ چاہے گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو لیکن ہمیں ایسی توفیق دے دیجیے کہ چاہے جان نکل جائے لیکن گناہ کرکے ہم آپ کو ناراض نہ کریں اور قیامت کے دن ہمارے ترازو کے پلڑے کو بھاری کردیجیے یعنی نیکیاں زیادہ کردیجیے تاکہ ہماری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے۔ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ [۱۰۳] نہ ہو فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ [۱۰۴] ہو، اور چوں کہ صبر پر اجر بہت زیادہ ہے اس لیے مولانا نے اس کا تعلق کفہ میزان سے جوڑ دیا کہ صبر کی توفیق عطا فرماکر اور اس کو قبول فرما کر میزانِ اعمال میں نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کردیجیے۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہاں

[۱۰۲] یوسف:۵۳
[۱۰۳] القارعۃ:۸
[۱۰۴] القارعۃ:۶

نیکیوں کا لفظ کیوں بڑھایا جارہا ہے کیوں کہ کفہ میزان کے معنیٰ تو ترازو کے پلڑے کے ہیں یعنی ترازو کے پلڑے کو بھاری کر دیجیے۔ یہاں نیکیوں کا کیا ثبوت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ مولانا کا اسلوبِ بیان قرآنِ پاک کی اتباع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ جس سے مراد نیکیوں کا پلڑا بھاری ہونا ہے۔

تو مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ ہمیں صبر عطا فرما کر ہماری نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر دیجیے اور اس مکروہ صورت، دشمن شیطان کے خبیث وسوسوں سے ہمیں خلاصی عطا فرمایئے جو ہمارے دل میں گناہوں کے تقاضوں کی پھونک مارتا ہے اور گناہوں کے خیالات ڈال کر سانپ کی طرح دل کو ڈستا رہتا ہے۔ لہٰذا اے اللہ! اس خبیث کے وسوسوں اور اس کے مکر و فریب سے ہم کو بچایئے۔

وز حسودے باز ما خر اے کریم

تا نہ باشیم از حسد دیو رجیم

اے کریم! اس حاسد اور دشمن شیطان سے ہم کو دوبارہ خرید لیجیے یعنی آپ تو ہمیں بار بار خریدتے رہتے ہیں اور اس کی غلامی سے چھڑاتے رہتے ہیں، لیکن ہم اپنی نالائقی اور کمینے پن سے پھر اس کی گود میں چلے جاتے ہیں اور بار بار گناہ کرتے ہیں۔ پس عدل کا تو تقاضا یہ تھا کہ ہم کو نفس و شیطان کے حوالے کر دیا جاتا کہ جب تم شیطان کی بات مانتے ہو تو شیطان ہی کی گود میں رہو، لیکن چوں کہ آپ کریم ہیں، ہماری نااہلیت اور استحقاقِ سزا کے باوجود آپ محروم نہیں فرماتے، اس لیے آپ اپنے کرم سے ہم کو اس خبیث سے پھر خرید لیجیے یعنی ہمیں شیطان سے چھڑا لیجیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس شیطان کے حسد سے ہم بھی مردود ہو جائیں یعنی بوجہ گناہوں کے آپ کی بارگاہِ قُرب سے نکال دیے جائیں۔ بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے گناہ نہیں چھوڑا ان کا انجام بہت بُرا ہوا یعنی ان کی توفیقِ توبہ ہی سلب کر لی گئی اور بہت بُرا خاتمہ ہوا، لہٰذا گناہ سے دل کو مانوس مت کرو، اس حالت پر بہت روتے رہو، اپنی اس حالت کو خطرناک سمجھو۔ جیسے بلڈ کینسر کا مریض اپنی صحت کے لیے اللہ سے بلبلا کے روتا ہے ایسے ہی اپنی رُوحانی صحت اور گناہوں کے کینسر سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے روتے رہو اور بزرگانِ دین سے دُعائیں کراؤ۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۵؍ ذوقعدہ ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۹؍ مئی ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

گویم اے رب بارہا برگشتہ ام
توبہ ہا و عذر ہا بشکستہ ام

ارشاد فرمایا کہ برگشتہ معنٰی پھر جانا، بہک جانا یعنی بے وفائی کرنا۔

فرمایا کہ یہ شعر زبانی یاد کرنے کے ہیں چاہے تھوڑا پڑھو مگر زبانی یاد کرلو، کیوں کہ دُعا میں یہ بڑا درد پیدا کرتے ہیں۔

اے میرے رب! میں آپ سے عرض کررہا ہوں کہ بارہا آپ کی راہ سے برگشتہ ہوچکا ہوں یعنی نفس وشیطان کے کہنے میں آکر آپ کی چوکھٹ کی جبیں سائی چھوڑ کر نفس وشیطان کی غلامی میں آگیا اور حرام اور خبیث لذتوں کے پیچھے پڑ گیا اور آپ سے بے وفائی کی۔ بندے کی بے وفائی اللہ تعالیٰ سے کیا ہے؟ کہ اس کی نافرمانی کی راہ سے حرام لذت کو درآمد کرنا، اللہ کو ناخوش کرکے اپنا جی گناہوں سے خوش کرنا۔ تو اے میرے رب! میں نادم ہو کر آپ سے اقرار کرتا ہوں کہ میں بارہا آپ کی نافرمانی میں مبتلا ہوا اور آپ کو ناراض کرکے بارہا عہدِ وفا کو توڑا اور آپ کے قُرب سے محروم ہوا، جب کہ صحابہ کی شان یہ تھی کہ جان دے دیتے تھے مگر آپ کو ناراض نہیں کرتے تھے شہید ہوجاتے تھے مگر کسی طرح سے خود کو آپ کی نافرمانی کی بزدلی میں مبتلا نہیں ہونے دیتے تھے اور شہید ہو کر بزبانِ حال یہ شعر پڑھتے تھے کہ؂

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہم نے بارہا توبہ کی کہ اب یہ گناہ نہیں کریں گے اور بارہا عذر خواہی کی کہ اے اللہ! اس دفعہ ہم مغلوب ہوگئے آیندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے لیکن پھر

نفس و شیطان ہم پر غالب آگئے اور ہزاروں عذر و معذرت اور توبہ کو ہم نے توڑ دیا اور اس طرح بارہا اپنا منہ کالا کرچکے ہیں اور آپ کے غضب اور قہر کی راہوں سے لذت کی درآمدات کو عادت بنارکھا ہے، مثلاً: توبہ کو توڑ کر ہم پھر حسینوں کو دیکھتے ہیں اور ان کا حرام نمک چکھ کر نمک حرام ہو جاتے ہیں۔ نمک حرام کہتے ہیں کسی کی روٹی کھا کر اس کے خلاف کام کرنے والے کو۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے نمک خوار ہیں، ان ہی کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، لہٰذا اللہ کا رزق کھا کر جو ذلیل کام کررہا ہے اور اللہ کا حرام کیا ہوا حسینوں کا نمک چکھ رہا ہے کیا یہ نمک حرامی نہیں ہے؟ بلکہ ایسا شخص تو دوہرا نمک حرام یعنی دوہرا مجرم ہے کہ اللہ کی نافرمانی کرکے اس نے اللہ کا حرام کیا ہوا نمک چکھا تو اسی وقت نافرمان اور بے وفا یعنی نمک حرام ہو گیا اور حسینوں کا نمک چکھنے کا جرم الگ، پس نمک حرام مثبت حرام نمک تو میزان میں حرام کا اضافہ ہو گا یا نہیں؟ دیکھیے یہ ایک خاص تقریر ہے۔ مثنوی پڑھانے کے لیے خالی ترجمہ کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں ہے، ترجمہ تو سب کرسکتے ہیں، بڑے بڑے فارسی داں یہاں بیٹھے ہیں مگر کراچی کے ایک بڑے عالم کے پاس ایران سے خط آیا تھا کہ ہندوستان و پاکستان میں سب سے بہتر مثنوی کون پڑھا سکتا ہے؟ تو ان عالم صاحب نے اپنے نیک گمان کی راہ سے میرا نام پیش کیا۔ یہ اللہ کا کرم اور احسان ہے کہ علماء کے دل میں یہ حسنِ ظن ہے۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ لاکھ حرام لذتیں چراؤ، لاکھ نمک چوری کرو یعنی لاکھ حسینوں کو دیکھو لیکن ؎

نیست آب شور درمان عطش

پیاس کا علاج کھارا پانی نہیں ہے بلکہ کھارے اور نمکین پانی سے تو پیاس اور بڑھ جاتی ہے ۔گناہ کھارا پانی ہے اور اللہ کی عبادت، اللہ کی یاد میٹھا پانی ہے، لہٰذا اللہ کی فرماں برداری کا میٹھا پانی پیا کرو کیوں کہ گناہ کے کھارے پانی سے تم کو تسلی نہیں ہو گی، پیاس اور بڑھ جائے گی، تم اور بے چین ہو جاؤ گے۔ تم سمجھتے ہو کہ اس نمکین پانی سے تمہیں چین ملے گا لیکن حسینوں کی چمک دمک اور نمک نے کتنوں کو پاگل کردیا۔ لیلیٰ کالی تھی لیکن اس

میں نمک غضب کا تھا، لیکن کیا ملا؟ مجنوں پاگل ہو گیا۔ اسی پر میرا شعر ہے ؎

بتوں کے عشق سے دنیا میں ہر عاشق ہوا پاگل
گناہوں سے سکوں پاتا تو کیوں پاگل کہا جاتا

مجنوں کو تو لیلائے سیاہ فام کے نمک نے پاگل کر دیا اور بعضوں کو حسنِ گلفام کی چمک دمک نے پاگل کر دیا لہٰذا چاہے نمک ہو چاہے دمک دونوں کا دیکھنا حرام ہے۔ ایسے ہی ان نمکینوں دمکینوں اور چمکینوں کو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اپنے کو بنانا سنوارنا اور اپنا حسن غیروں اور نامحرموں کو دکھانا جائز نہیں، کیوں کہ یہ دعوتِ بد نگاہی ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ[۵۰]

یعنی اللہ تعالیٰ لعنت کرے جو نظر حرام میں مبتلا ہو یا دوسروں کو مبتلا کرے۔ اس لیے تصویر والے جتنے اخبار ہیں ان میں جو حسینوں کی تصویریں دیکھے گا خود بھی گناہ گار ہو گا اور دیکھنے والوں کا سارا گناہ ان اخبار والوں کے اعمال نامہ میں بھی لکھا جائے گا جنھوں نے وہ تصویریں چھاپی ہیں۔ قیامت کے دن سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔

لہٰذا مولانا رُومی ہم کو توبہ کا راستہ دکھا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے یوں کہو کہ اے پالنے والے! بارہا میں آپ کے راستے سے بھٹک گیا اور نفس و شیطان کے راستے پر لگ کر ذلت کے گڑھے میں گر گیا، میں نے ایک دفعہ توبہ نہیں توڑی، بے شمار مرتبہ میں نے توبہ کو توڑا ہے، بے شمار مرتبہ آپ سے بے وفائی کی ہے، اب دوبارہ اقرارِ جرم کر کے اپنے مولیٰ کی رحمت کو اپنی طرف مائل کر رہا ہوں، کیوں کہ اگر انسان دوسرے انسان سے اپنی غلطی کو تسلیم کر لے اور کہہ دے کہ صاحب! میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں کیوں کہ میں نے بہت نالائقیاں کی ہیں، یہ آپ کا کرم ہے جو آپ نے مجھے اپنے پاس رکھا ہوا ہے جیسے میر صاحب کا شعر ہے ؎

مرے جامِ شکستہ کو خریدا میرے ساقی نے
وگرنہ در حقیقت پھینک ہی دینے کے قابل ہوں

۵۰؎ کنز العمال: ۳۳۸/۷ (۱۹۱۶۲)، فصل فی احکام الصلوٰۃ الخارجۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

تو انسان کا دل بھی پانی ہو جاتا ہے کہ چلو بھئی ایک آدمی نالائق ہے مگر اقرار کر رہا ہے تو پڑا رہنے دو اس نالائق کو اپنے دروازے پر، تو اے اللہ! آپ تو ارحم الراحمین ہیں، آپ مستغفرین تائبین نادمین پر کیوں نہ کرم فرمائیں گے۔ لیکن اگر کوئی اکڑ مکڑ لگاتا ہے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں، میری وجہ سے خانقاہ چمک رہی ہے، تو جس نے ناز کیا سمجھ لو کہ اس کی خیریت نہیں، تکوینی طور پر ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ یہ خانقاہ سے بہت ہی ذلت کے ساتھ نکال دیا جائے گا اور دینی خدمت سے محروم کر دیا جائے گا۔ حق تعالیٰ ایسے شخص کو جو اپنے کو اہمیت دیتا ہے پسند نہیں فرماتے۔ یہی کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم آپ کے دین کے محتاج ہیں، ہماری خدمات سے آپ کا دین مستغنی ہے، آپ کا کرم ہو گا اگر ہم کو آپ اپنے دین کے کام میں قبول فرمائیں۔ ہماری حسنِ تقریر و تصنیف کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ جو کچھ کام لے لیتے ہیں، دین کی چاکری کی جو توفیق دی ہے یہ سب کچھ آپ کی عطا ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں۔

حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر بادشاہ کسی بھنگی چمار کے سڑے ہوئے بانس کو شاہی عمارت میں قبول کر لے تو یہ بادشاہ کا احسان ہے، چمار کو اور شرم سے گڑ جانا چاہیے کہ کہاں میرا سڑا ہوا بانس اور کہاں شاہی عمارت! ہماری عبادات و اعمال اور دینی خدمات کی مثال اسی سڑے ہوئے بانس کی سی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں تو یہ ان کا احسانِ عظیم ہے ورنہ یہ قبولیت کے قابل نہیں۔

کردہ ام آں ہا کہ از من می سزید
تا چنیں سیلِ سیاہی در رسید

ہم نے وہی کیا جس کے ہم لائق تھے یعنی ہم نالائق تھے تو نالائق اعمال ہی ہم سے صادر ہوئے۔ نالائق سے تو نالائقی ہی صادر ہو گی۔ پس ہم نے ایسے ایسے گناہ کیے ہیں جو ہماری نالائقی کے سزاوار تھے، یہاں تک کہ سر سے پیر تک ہم سیاہی کے سیلاب میں غرق ہوگئے اور ہمارا ظاہر و باطن گناہوں کی ظلمت سے سیاہ ہو گیا اور ہم گناہوں کے اندھیروں میں ڈوب گئے، کیوں کہ جب گناہ زیادہ ہوتے ہیں تو اندھیرا بھی زیادہ ہوتا

ہے جیسے رات ہو، کالے بادل ہوں اور روشنی نہ ہو تو ظلمت کتنی شدید ہوگی۔ اسی طرح جب انسان مسلسل گناہ کرتا ہے تو باطنی سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے، طاعات کے انوار پر گناہوں کے بادل چڑھتے چلے جاتے ہیں، ذلت ورُسوائی مقدر ہوجاتی ہے اور انسان ظلمات میں غرق ہوجاتا ہے۔ حقیقت میں ہمارا اللہ کریم اور لائق مولیٰ ہے جس نے ہماری نالائقیوں کے باوجود ہم کو اپنے دامنِ رحمت سے چمٹا رکھا ہے اور اپنے کرم سے ہمیں نہیں بھگاتے ورنہ ہماری نالائقیوں پر اگر نظر فرماتے تو اپنے در سے نہ چپکائے رکھتے۔

در جگر افتادہ ہستم صد شرر
در مناجاتم ببیں خونِ جگر

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ گناہوں پر ندامت سے میرے جگر میں غم کی آگ لگی ہوئی ہے اور میرے قلب میں آتشِ غم کے سینکڑوں شعلے بھڑک رہے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اے خدا! میری مناجات میں آپ میرے جگر کا خون دیکھ لیجیے۔ میں جو یہ دُعا مانگ رہا ہوں اس میں میرا دردِ دل شامل ہے، میرے آنسوؤں کے سیلاب میں میرا خونِ جگر شامل ہے، میرے منہ سے دُعا کے جو الفاظ نکل رہے ہیں وہ میرے اشکِ ندامت کو لیے ہوئے ہیں، جیسا کہ مولانا نے ایک اور جگہ فرمایا۔

ہر کجا بینی تو خوں بر خاک ہا
پس یقیں می داں کہ آں از چشمِ ما

جہاں بھی دیکھو کہ کسی خاک پر خون پڑا ہوا ہے تو اے دنیا والو! یقین کرلینا کہ یہاں جلال الدین ہی رویا ہوگا، اپنے گناہوں پر توبہ واستغفار میں خون کے یہ آنسو جلال الدین ہی کی آنکھوں سے گرے ہوں گے۔ سبحان اللہ! کیا جذبہ تھا مولانا کا کہ اگر میرا بس چلے تو زمین کا کوئی چپّہ اور خاک کا کوئی ذرّہ نہ چھوڑوں جہاں ندامت سے اپنے خون کے آنسوؤں کو نہ گرادوں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ندامت کے جو آنسو نکلتے ہیں ان آنسوؤں کا درجہ شہیدوں کے خون کے برابر ہے۔

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن با خونِ شہید

اللہ تعالیٰ گناہ گار کے آنسوؤں کا وزن قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر کرے گا، کیوں کہ یہ آنسو پانی نہیں ہے بلکہ جگر کا خون ہے جو خوفِ خدا سے پانی ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان آنسوؤں کو پانی مت سمجھو بلکہ یہ گناہ گار نادم کے جگر کا خون ہے جو غمِ ندامت اور خوفِ قیامت اور خوفِ پیشی بحضور ربّ العزت سے پانی میں تبدیل ہو گیا ہے کہ آہ ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستّاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو

اسے ندامت ہوتی ہے کہ آہ! میں بایں داڑھی اور مقدس چہرہ بایں لمبا کُرتا اور بایں گول ٹوپی اور بایں حج و عمرہ اور بایں ماحولِ خانقاہ اس طرح سے کھل کر کیوں گناہوں میں غرق ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے صالحین کی وضع دی۔ جب میں نیک بندوں کے لباس میں آگیا تو گناہ کر کے نیک بندوں کی عظمت کو نقصان پہنچایا، نیک بندوں کے لباس اور وضع کو بے عزت کرنا یہ تو گناہ در گناہ ہے۔ لہٰذا اے اللہ! میں صرف نادم ہی نہیں ہوں بلکہ غم کی آگ میرے سینے میں بھری ہوئی ہے جس کا اثر میری مناجات میں اے اللہ! آپ دیکھ لیجیے اور مجھے معاف فرما دیجیے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تم سے گناہ ہو گئے اور تم اللہ سے دور ہو گئے تو بھی مایوس نہ ہو، اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑ گڑائے جاؤ اور خوب معافی مانگ کر پھر اللہ کی یاد میں لگ جاؤ۔ اگر کبھی خطا ہو جائے پھر رو رو کر ان کو منا لو۔ غرض ان کے دامنِ رحمت کو نہ چھوڑو۔ میرا شعر ہے ؎

ان کا دامن اگرچہ دور سہی
ہاتھ اپنا بھی تم دراز کرو

غرض اللہ کو یاد کیے جاؤ ایک دن ضرور ان کو پا جاؤ گے۔ فرماتے ہیں ؎

گر زچاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

اگر کسی کنویں سے تم ہر روز مٹی نکالتے رہو گے تو ایک دن ضرور پاک پانی تک پہنچ جاؤ گے۔ جب میں "معارف مثنوی" لکھ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے خواب میں اس شعر کی شرح مجھ کو عطا فرمائی۔ یہ ہے شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا صدقہ کہ ان کی شاگردی میں میں نے مثنوی پڑھی، اور حضرت نے پڑھی حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے، اور حضرت حکیم الاُمت رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اس طرح سلسلہ ملا رہتا ہے، ڈبے سے ڈبہ جڑا رہتا ہے تو انجن جہاں پہنچتا ہے چھوٹے ڈبے بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ تو میں خواب میں اس شعر کی شرح بیان کر رہا تھا کہ مولانا نے سلوک کے منازل اس میں بیان کیے ہیں کہ جب انسان کنواں کھودتا ہے تو خشک مٹی نکلتی ہے، پانی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے لیکن نااُمید نہ ہونا کیوں کہ مستند روایات سے اور اپنے گرد وپیش کے حالات سے آدمی سمجھتا ہے کہ کنویں ایسے ہی کھودے جاتے ہیں، پہلے خشک مٹی ہی نکلتی ہے لہٰذا اگر ذکر میں شروع میں مزہ نہ آئے تو دل چھوٹا مت کرو کہ ہم اللہ تک نہیں پہنچیں گے جیسے کنواں کھودتے وقت شروع میں خشک مٹی دیکھ کر دل چھوٹا نہیں کرتے کیوں کہ جانتے ہیں کہ خشک مٹی کے راستے ہی سے سب پانی تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے نام ہی سے سب اللہ تک پہنچے ہیں خواہ شروع میں مزہ نہ آئے۔ یہ سلوک کی پہلی منزل ہے۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ آٹھ دس فٹ تک کنواں کھودنے کے بعد مٹی میں پانی کی ذرا سی نمی محسوس ہونے لگتی ہے، مٹی کی خشکی میں نمی آنے سے پانی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ اسی طرح ذکر کرتے کرتے جب ایک زمانہ گزر جائے گا تو ذاکر کو قلب میں اللہ تعالیٰ کے انوارِ قُرب اور آثار و تجلیاتِ الٰہیہ کی تھوڑی سی نمی محسوس ہونے لگے گی اور اس کو خوشی محسوس ہو گی کہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو رہا ہے۔ یہ سلوک کی دوسری منزل آگئی۔ اس

کے بعد جب کنواں اور گہرا ہو جاتا ہے تو پھر کیچڑ آنے لگتا ہے یعنی پچاس فیصد پانی اور پچاس فیصد مٹی، اب اسے اور خوشی ہو جاتی ہے کہ پانی اب بہت زیادہ قریب آگیا، اس کے بعد اور زیادہ محنت سے پھر کیچڑ اور کم ہو جاتی ہے اور پانی کا غلبہ ہو جاتا ہے جس کو گدلا پانی کہتے ہیں یعنی نوے فیصد پانی اور دس فیصد مٹی اس وقت کنواں کھودنے والا مست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب گناہوں میں کمی اور التزامِ طاعت سے ذکر کے انوار قوی ہو جاتے ہیں تو سالک خوش ہو جاتا ہے اور بزبانِ حال کہتا ہے ؎

نکھرتا آرہا ہے رنگِ گلشن
خس وخاشاک جلتے جا رہے ہیں

اس مقام پر سالک سمجھتا ہے کہ وصول الی اللہ نصیب ہو گیا لیکن مولانا فرماتے ہیں۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

جب یہ خاک ملا ہوا گھونٹ تجھے مست کر رہا ہے، تو جس دن بالکل صاف پانی پیے گا اس دن میں نہیں کہہ سکتا کہ تیرا کیا حال ہو گا اور کس قدر خوشی پائے گا۔ اسی طرح ابھی قُربِ الٰہی کا شفاف پانی کہاں ملا ہے، ابھی تو سالک کچھ ذکر و عبادت کر رہا ہے اور کچھ گناہ بھی کر لیتا ہے اگرچہ عبادت کا غلبہ ہو گیا مثلاً نوے فیصد عبادت گزار ہے اور دس فیصد گناہ گار ہے کہ کبھی کبھی بد نظری کر کے حرام لذت بھی چکھ لیتا ہے۔ ابھی تو تیرا جرعۂ عشقِ الٰہی خاک آمیز ہے جو تجھے اتنا مست کر رہا ہے، تو جس دن تو سو فیصد فرماں بردار ہو جائے گا اور اللہ کی محبت کا صاف پانی ملے گا اس دن خالص انوارِ ذکر سے تیری مستی کا کیا حال ہو گا اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ایں چنیں اندوہ کافر را مباد
دامنِ رحمت گرفتم داد داد

اپنے گناہوں کی وجہ سے جو غم اس وقت مجھے ہے ایسا غم اے خدا! کسی کافر کو بھی نہ

ملے۔ بس میں آپ کی رحمت کا دامن پکڑتا ہوں مجھ پر رحم کر دیجیے، رحم کر دیجیے۔ داد کے معنیٰ یہاں داد دہش کے ہیں یعنی ہمیں مغفرت ورحمت کی بخشش دے دیجیے، اپنا شاہی رحم ہم پر مبذول فرمادیجیے، اُصول اور عدل سے ہم نا قابلِ معافی ہیں کیوں کہ بارہا ہم توبہ توڑ چکے ہیں، لہٰذا قانون اور ضابطے سے ہم آپ کی رحمت کے قابل نہیں، لہٰذا آپ کے مراحم خسروانہ سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں۔ جیسے سپریم کورٹ سے جب مجرم کو پھانسی کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ شاہ سے رحم کی اپیل کرتا ہے کیوں کہ رحم اُصول اور ضابطے اور قانون کا پابند نہیں ہوتا لہٰذا اے خدا! آپ تو سلطان السلاطین ہیں، ہم آپ سے رحم کی درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمیں معاف فرمادیجیے ؎

کاش کہ مادر نہ زادے مر مرا
یا مرا شیرے بخوردے در چرا

اے کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا اور باپ سے میرا نطفہ ہی نہ قرار پاتا یا میں شکمِ مادر ہی میں مر جاتا، یعنی نہ میرا وجود ہوتا نہ میں گناہوں سے روسیاہ ہوتا، یا جنگل کی کسی چراگاہ میں کوئی شیر ہی مجھے کھا جاتا تاکہ مجھے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے اور یہ گناہ مجھ سے سرزد نہ ہوتے جن سے میں نے اپنے خالق اور مالک اور پالنے والے کی نافرمانی کی۔ اس سے زیادہ اور کیا اظہارِ ندامت ہو گا۔ مولانا کا کمالِ بلاغت دیکھیے کہ کیا پیارا عنوان اختیار فرمایا اور کس درد کے ساتھ اظہارِ ندامت فرمایا ہے ؎

اے خدا آں کن کہ از تو می سزد
کہ زہر سوراخ مارم می گزد

اے خدا! آپ ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرمائیے جو آپ کو لائق ہے۔ ہم تو نالائق تھے، نالائق سے تو نالائقی ہی ہو گی لیکن آپ تو لائق ہیں، کریم ہیں آپ وہ معاملہ فرمائیے جو آپ کی شانِ کرم کے لائق ہے یعنی ہم کو معاف فرمادیجیے، کیوں کہ نفس کو گناہوں کی غذا دے کر قوت پہنچانے سے میرے بال بال کے ہر سوراخ سے نفس کا سانپ مجھے ڈس رہا ہے۔ یعنی میری شامتِ عمل کے سبب اور گناہوں کی کثرت سے نفس کی عادت اتنی

خبیث ہو چکی ہے کہ میرے جسم کے ہر بُنِ مو سے نفس کے بُرے بُرے تقاضے مجھے تنگ کر رہے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ کر کے تسلی ہو جائے گی نہایت احمق اور گدھے ہیں، کیوں کہ گناہ کرنے سے تقاضے اور شدید ہو جاتے ہیں۔ ابھی تو ایک ہی سانپ سے پالا پڑا ہے اگر گناہ نہ چھوڑا تو بدن میں جتنے بال ہیں ان کے ہر سوراخ سے نفس کا سانپ بُرے بُرے تقاضوں کی صورت میں ڈسے گا، اس لیے بزرگوں کی نصیحت مان لو کہ جلد سے جلد گناہ چھوڑ دو اور دل سے توبہ کر لو، ورنہ ہر گناہ کے ساتھ تقاضے بڑھتے چلے جائیں گے۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان سے پوچھ لو کہ گناہ کے بعد تقاضے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں یا تھوڑی دیر کے لیے کم ہوتے ہیں اور بعد میں پھر ایسا شدید تقاضا ہوتا ہے کہ دماغ صحیح نہیں رہتا، پاگلوں کی طرح بے حس اور اندھا ہو جاتا ہے، اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کوئی اسے دیکھ رہا ہے یا نہیں۔ یہ جو گناہوں میں پکڑے جاتے ہیں یہ پہلے گناہ پر تھوڑی پکڑے جاتے ہیں بلکہ اتنے مسلسل جرائم کرتے ہیں کہ نفسیاتی طور پر پاگل ہو جاتے ہیں جس کو جنون کہتے ہیں یہاں تک کہ بر سرِ عام گناہ کرتے ہیں، پھر نہ اپنی عزت کا خیال رہتا ہے نہ اپنی جان کا، اور جوتے، لات اور گھونسے اور جیل خانے اور آخر میں پھانسی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ یہ عذاب ہے اللہ کو بھلا دینے کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ[۱۰۶]

ان کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، یعنی اللہ سے بے پروائی کی تو اس کے عذاب میں اللہ نے ان کو ان کی جانوں سے بے پروا کر دیا کہ انہیں اپنی بُرائی بھلائی کی تمیز نہیں رہی۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجیے کہ ہیروئن پینے والوں کو کیا ہو رہا ہے، دیکھ رہا ہے کہ اگلا مر رہا ہے، ہیروئن کا انجام موت ہے مگر پیے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اپنا پیسہ ختم ہو گیا تو لوگوں کے ہاں چوریاں کر رہے ہیں، اپنی ماں کے زیور بیچ رہے ہیں، ابا کی

۱۰۶؎ الحشر: ۱۹

گھڑی بیچ رہے ہیں اور ہیروئن خرید کر اپنے ہاتھوں سے موت خرید رہے ہیں۔ یہی ہے نافرمانی کا عذاب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی جانوں سے بے پروا کر دیا اور انہیں اپنے نفع و نقصان کی خبر نہیں رہی۔

جانِ سنگیں دارم و دل آہنیں
ورنہ خوں گشتے دریں درد و چنیں

اے خدا! میری جان پتھر کی طرح اور دل لوہے کی طرح سخت ہے، ورنہ ایسے شدید غم سے تو دل پگھل کر خون ہو جاتا۔ لیکن چوں کہ گناہ کرتے کرتے دل سخت ہو گیا ہے اس لیے گناہوں کی ذلت و رُسوائی کا بھی مجھ پر کوئی اثر نہیں یہاں تک کہ ؂

روتی ہے خلق میری خرابی کو دیکھ کر
روتا ہوں میں کہ ہائے میری چشم تر نہیں

یہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے کہ خدا بچائے جس وقت کوئی رُسوا ہوتا ہے تو مخلوق اس پر روتی ہے کہ آہ! یہ شخص اپنی بداعمالیوں کے سبب کس طرح رسوا ہو رہا ہے اور لات اور گھونسے کھا رہا ہے لیکن جو خود مبتلا ہے آہ! اس پر کوئی اثر نہیں کیوں کہ جس نے اللہ کو بھلا دیا اللہ نے اس کی جان کو اس سے بھلا دیا اور وہ اپنی جان کے نفع نقصان سے بے خبر ہو گیا۔ اس لیے کہتا ہوں کہ گناہوں کی عادت چھوڑ دو خصوصاً اس زمانے میں بد نظری کو معمولی مت سمجھو کیوں کہ یہ بد نظری ہی بے حیائی کی آخری منزل تک پہنچاتی ہے اور شرمگاہ محفوظ نہیں رہتی، کیوں کہ بد نظری سے حُسن کا ناک نقشہ دل میں اُتر جاتا ہے پھر اسی کا خیال دل میں جم کر جنون کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ یا تو پھر وہ اسے حاصل کرے گا یا اس کا بدل حاصل کرے گا اور بدل کیا ہے؟ جب نفس گرم ہو جاتا ہے تو بغیر منی کے اخراج کے اسے چین نہیں ملتا، کیوں کہ منی گرم ہو کر جب اپنے مستقر سے آگے بڑھ جاتی ہے تو پھر واپس نہیں جاتی یعنی بیک (BACK) نہیں ہوتی لہٰذا یا تو یہ اس حسین کو حاصل کرے گا یا کسی دوسرے سے منہ کالا کرے گا یا پھر جلق

لگائے گا کیوں کہ منی کا مزاج یہی ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مَّآءٍ دَافِقٍ[۱۰۷] یعنی کودتی ہوئی منی سے ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ اس لیے اطباء لکھتے ہیں: اگر منی پتلی ہو جائے تو نطفہ قرار نہیں پاتا، اس لیے جب انسان کودتی ہوئی منی سے پیدا ہوا تو اس کے اندر جو منی ہے اس کا مزاج بھی دافقانہ ہے لہٰذا اس کو گرم نہ ہونے دو۔ شریعت نے نظر کو حرام اس لیے کر دیا کہ بد نظری سے منی کا مزاج دافقانہ گرم ہو جائے گا، پھر تم بچ نہیں سکو گے، یا تو حرام سے منہ کالا کرو گے یا جلق سے اسے نکالو گے۔ یہ بہت تجربے کی بات بتا رہا ہوں اس کا تعلق صرف علم سے نہیں ہے، حکمتِ یونانی سے بھی ہے۔ اسی لیے ایک نوجوان نے مجھے بتایا کہ ٹیلی وژن دیکھنے سے میرا مزاج اتنا گرم ہو جاتا تھا کہ میں ہاتھ سے گناہ کرلیتا تھا۔ یہ بھی حرام ہے، یہ نَاکِحُ الْیَدْ یعنی ہاتھ سے نکاح کرنے والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر لعنت ہے جو ہاتھ سے منی نکالتا ہے۔ اس لیے بد نظری سے بچو۔ بس سبق ختم ہو گیا اب اس کو یاد کرو اور تنہائی میں اللہ سے مانگو۔ یہ اشعار دل کو بہت نرم کر دیتے ہیں۔ ان کو صرف علم کے لیے نہیں بلکہ عمل کے لیے پڑھو اور زبانی یاد نہ ہوں تو ایسے ہی پڑھو۔ اس سے ان شاء اللہ گناہ چھوڑنے کی توفیق بھی ہو گی، کیوں کہ اس میں ایسے مضامین ہیں کہ جس سے ندامت پیدا ہو گی، شرمندگی پیدا ہو گی اور نفس میں حیا آئے گی۔

وقت تنگ آمد مرا و یک نفس
بادشاہی کن مرا فریاد رس

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اب وقت تنگ ہو چکا ہے، زندگی کے لمحات ختم ہو رہے ہیں، اور میری روانگی قریب ہے، اللہ کی طرف جانے کا وقت آ گیا ہے۔ بس اے خدا! آپ کے پاس آنا ہے اور میرا حال اتنا بُرا ہے، لہٰذا اے فریاد سننے والے! میری فریاد سن لیجیے کہ میری کسی ایک سانس پر آپ رحم فرما دیجیے تاکہ میرا کام بن

[۱۰۷] الطارق:٦

جائے۔ اس زندگی ہی میں کرم کر دیجیے کیوں کہ مرنے کے بعد تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا، پھر تو دار العمل ختم ہو جائے گا، لہٰذا اب زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں کہ کس وقت بلاوا آجائے، اس لیے اے فریاد کو سننے والے! میری زندگی کی سانس پر آپ اپنا شاہی رحم فرمادیجیے، ایک نگاہِ کرم ڈال دیجیے، کیوں کہ میں انتہائی نالائق ہوں، قانونِ عدل سے تو بخشے جانے کا مستحق نہیں آپ کے فضلِ سلطانی اور مراحمِ خسروانہ ہی سے میرا کام بن سکتا ہے لہٰذا آپ کے شاہی رحم کی بھیک مانگتا ہوں کیوں کہ دنیا میں بھی جب کوئی مجرم عدالتِ عالیہ اور سپریم کورٹ سے بَری نہیں ہوتا اور پھانسی کا حکم ہوجاتا ہے تو مجرم سلطانِ مملکت سے رحم کی درخواست کرتا ہے اور اخباروں میں یہ خبر منظرِ عام پر آجاتی ہے کہ عدلیہ سے مایوس ہو کر مجرم نے سلطانِ وقت سے رحم کی اپیل دائر کر دی، تو جب دنیا کے سلاطین عدلیہ سے بالاتر ہو کر مجرمین کو معاف کرنے کا اپنا حق محفوظ رکھتے ہیں تو اے اللہ! آپ تو سلطان السلاطین، احکم الحاکمین، ارحم الراحمین ہیں آپ اپنے مجرموں اور گناہ گاروں کو بخشنے اور معاف کرنے کا حق سلطانی محفوظ رکھنے کے بدرجۂ اولیٰ اہل اور حق دار ہیں۔ لہٰذا ہم مجرموں کو آپ کے رحم سلطانی ہی کا سہارا ہے کہ میدانِ محشر میں ہمیں اپنے مراحمِ خسروانہ سے معاف فرمادیجیے، کیوں کہ عدل وانصاف کے تحت ہمارے اعمال ہماری مغفرت کے قابل نہیں ہیں۔

شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے ہیں اور تفسیر ''موضح القرآن'' کے مصنف ہیں اور چودہ سال میں یہ تفسیر لکھی اور جس پتھر پر کہنی رکھ کر لکھتے تھے اس پتھر پر نشان پڑ گیا تھا، اکثر روزے رکھتے تھے، وہ اپنی اس تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرشِ اعظم کے سامنے لکھوایا ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ[۱۰۸]۔ میری رحمت اور میرے غضب کی دوڑ میں میری رحمت آگے بڑھ گئی، اور اس کی وجہ تحریر فرمائی کہ اللہ نے عرش کے سامنے جو یہ جملہ لکھوایا ہے تو یہ از قبیلِ مراحمِ خسروانہ ہے یعنی شاہی رحم کے طور پر لکھوایا ہے کہ میرا

۱۰۸؎ صحیح البخاری: ۲/۱۱۲۷، باب قولہ بل ھو قرآن مجید، المکتبۃ المظہریۃ

شاہی رحم محفوظ ہے۔ اگر میرا بندہ قانون سے نہیں معاف ہوا تو میں اپنے شاہی رحم سے اس کو معاف کر دوں گا۔

گر مرا ایں بار ستاری کنی
توبہ کردم من زہر ناکردنی

ارشاد فرمایا کہ یہ شعر مثنوی کے ایک قصے کا ہے جس میں ایک بادشاہ کے ہاں ایک مرد خادمہ بنا ہوا بادشاہ کی بیگمات کو نہلاتا دھلاتا تھا۔ تھا مرد، لیکن شکل وصورت عورتوں کی سی تھی اس لیے عورت سمجھ کر اس کو بیگمات کی خدمت پر مامور کر دیا گیا، لہٰذا وہ بیگمات کے جسم پر تیل کی مالش کرتا اور اندر اندر اس کا نفس خوب مزے لیتا، لیکن دل میں وہ اس گناہ کی عادت پر بہت نادم تھا، اس عادت کو چھوڑنا چاہتا تھا لیکن نہیں چھوڑ پاتا تھا، اور دُعا بھی کرتا کہ اے اللہ! مجھے اس بلا سے نجات عطا فرما۔ ایک دن ایک جنگل میں جہاں وہ دعا کر رہا تھا کہ ایک اللہ والے اس کو مل گئے، ان سے اس نے رو رو کر اپنا سب حال کہا اور دُعا کرائی، اس اللہ والے کے ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھ گئے اور اللہ نے ان کی دُعا قبول فرمالی۔ لہٰذا محل میں ایک دن بادشاہ کی ایک بیگم کا ہار گم ہو گیا اور پھر سب کی تلاشی شروع ہو گئی یہ بھی قطار میں کھڑا ہوا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ابھی جب میری باری آئے گی اور بادشاہ پر میرا مرد ہونا ظاہر ہو گا تو وہ کتوں سے میری بوٹیاں نچوا دے گا۔ اس وقت اس بے چینی اور اضطراب میں اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی۔

گر مرا ایں بار ستاری کنی

اے اللہ! اگر اس مرتبہ آپ میرا عیب چھپا دیں یعنی میرا گناہ ظاہر نہ ہونے دیں تو۔

توبہ کردم من زہر ناکردنی

میں اپنی ہر نالائقی سے توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی یہ نالائقی نہیں کروں گا، بس اس دفعہ میرا عیب چھپا لیجیے، آیندہ میں کبھی آپ کو ناراض نہیں کروں گا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جب اس کی باری قریب آگئی اور صرف ایک دو خادمائیں

رہ گئیں تو یہ بے ہوش ہو گیا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت اور دوزخ دکھادی اور جب اس کو ہوش آیا تو ہار مل چکا تھا، تمام بیگمات نے اس سے معافی مانگی کہ ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی لیکن اس نے اب ان کی خدمت سے معذوری ظاہر کی کہ یہ کام اب میرے بس کا نہیں کیوں کہ اس کے منہ کو اللہ کی محبت کا مزہ لگ چکا تھا اور دل میں اللہ کا وہ خوف حاصل ہو چکا تھا جو بندے کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے گویا اس وقت بزبانِ حال وہ اس شعر کا مصداق تھا ۔

چسکا لگا ہے جام کا شغل ہے صبح و شام کا
اب میں تمہارے کام کا ہم نفسو رہا نہیں

توبہ ام بپذیر ایں بارِ دگر
تا بہ بندم بہرِ توبہ صد کمر

اے اللہ! آپ میری توبہ کو دوسری بار پھر قبول فرمالیجیے، یعنی شکستِ توبہ کا جو میں نے جرم کیا اس کو ایک بار پھر معاف فرمادیجیے تاکہ اس توبہ پر استقامت کے لیے میں خوب مضبوطی سے کمر باندھ لوں یعنی بہت مضبوط عزم کرلوں اور نہایت ہمت سے نفس کو پٹکنے کے لیے اور گناہ کے تقاضوں کے مقابلے کے لیے اور آپ کو خوش کرنے کی خاطر گناہ سے بچنے کا غم اٹھانے کے لیے ایک کمر نہیں سو کمر باندھ کر تیار رہوں۔ یہ مبالغہ ہے اور محاورہ بھی ہے، جیسے کہتے ہیں کہ میں سو جان سے آپ پر فدا ہوں، حالاں کہ پاس تو ایک ہی جان ہے لیکن اس سے مراد مبالغہ ہے کہ اگر سو جان ہو تو فدا کردوں ۔اسی طرح مولانا اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی خوشامد و لجاجت سے عرض کررہے ہیں کہ اے اللہ! اس بار پھر مجھے معاف کردیجیے میں سو کمر باندھ کر توبہ پر قائم رہوں گا اور دوبارہ شکستِ توبہ کا جرم نہیں کروں گا۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۶؍اکتوبر ۱۹۹۱ء

بروز ہفتہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

یَا اِلٰهِیْ سَکَّرَتْ اَبْصَارُنَا
فَاعْفُ عَنَّا اَثْقَلَتْ اَوْزَارُنَا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میری آنکھوں پر سکرات کا نشہ آگیا یعنی موت بہت قریب ہے، کسی وقت بھی رُوح نکل جائے گی، پس آپ جلدی سے مجھے معاف کردیجیے کیوں کہ گناہوں کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔ **اوزار** جمع ہے **وزر** کی اور **وزر** کے معنیٰ ہیں گناہ۔ یعنی میرے گناہ بہت زیادہ ہیں اور موت قریب ہے، اگر آپ نے مجھے معاف کرنے میں جلدی نہ کی تو میں خائب و خاسر ہو جاؤں گا۔

یَا خَفِیًّا قَدْ مَلَأْتَ الْخَافِقَیْنِ
قَدْ عَلَوْتَ فَوْقَ نُوْرِ الْمَشْرِقَیْنِ

اے وہ ذات جو مخفی ہے مگر مشرق سے مغرب تک جس کے انوار پھیلے ہوئے ہیں یعنی اے اللہ! آپ تو پوشیدہ ہیں مگر آپ نے مشرق سے مغرب تک اپنی نشانیاں پھیلا دیں اور اپنی آیات وانوار و تجلّیات سے مشرق و مغرب کو بھر دیا۔ **خَافِقَیْن** کہتے ہیں مشرق و مغرب کو اور دونوں مشرق پر یعنی مشرق کے دونوں حصوں پر جہاں سے موسمِ گرما اور موسمِ سرما میں سورج طلوع ہوتا ہے آپ کا نور فائق اور غالب ہے۔ یعنی سورج کی روشنی آپ کے نور کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ پورے اُفق پر آپ کا نور بلند اور آپ کی تجلّیات غالب آگئیں، کیوں کہ سورج آپ کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے کہ وہ مخلوق ہے آپ خالق ہیں، آپ قدیم ہیں وہ حادث ہے، آپ باقی ہیں وہ فانی ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

پس اے وہ ذات جو نگاہوں سے مخفی ہے! آپ نے **خافِقَین** (مشرق و مغرب) کو اپنی

آیات ونشانیوں سے بھر دیا اور سورج اور چاند اور ان گنت عظیم القامت سیّارے اور دوسری بے شمار نشانیاں سارے عالم میں بکھیر دیں اور آپ کی تجلّیاتِ نُور مشرقین پر غالب آگئیں یعنی سورج کی روشنی آپ کے سامنے بے حقیقت اور کالعدم ہے۔

اَنْتَ سِرٌّ کَاشِفُ اَسْرَارِنَا
اَنْتَ فَجْرٌ مُفْجِرُ اَنْهَارِنَا

اے اللہ! آپ خود راز ہیں مگر ہمارے رازوں کو ظاہر کرنے والے ہیں اور آپ مثل صبح کی روشنی کے عیاں ہیں اور سارے عالم کے دریاؤں کو جاری ورواں کرنے والے ہیں۔

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحْسُوْسَ الْعَطَا
اَنْتَ کَالْمَاءِ وَنَحْنُ کَالرَّحَا

آپ کی ذات تو مخفی ہے مگر آپ کی عطا والطاف وانعامات ظاہر ومحسوس ہیں۔ یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ سورج اور چاند، زمین وآسمان، سمندر اور پہاڑ وغیرہ ہماری پرورش میں لگے ہوئے ہیں لیکن خود آپ پوشیدہ ہیں۔

آپ مثل پانی کے ہیں اور ہم مثل پن چکّی یا رھٹ کے ہیں کہ جن کے چلنے کا سبب پانی ہے لیکن پانی نظر نہیں آتا اور چکی اور رھٹ دکھائی بھی دیتا ہے اور اس کی آواز بھی سنائی دیتی ہے یعنی سبب مخفی اور مُسبب ظاہر ہے۔ اسی طرح اے اللہ! آپ مخفی ہیں اور آپ کی مخلوقات اور مخلوق پر آپ کی عطا وانعامات ظاہر ہیں جو آپ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔

اَنْتَ کَالرِّیْحِ وَنَحْنُ کَالْغُبَارِ
یُخْتَفَی الرِّیْحُ وَغَبْرَاہُ جَهَارُ

اے خدا! آپ مثل ہوا کے ہیں اور ہم مثل گرد وغبار ہیں کہ ہوا تو مخفی ہے اور اس کا غبار ظاہر ہے۔ یعنی گرد وغبار تو اُڑتا ہوا نظر آتا ہے لیکن جو ہوا اس کو اُڑا رہی ہے وہ نظر نہیں آتی، اسی طرح ہماری ہستیٔ ناچیز حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم

اور اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے ؎

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

تو بہاری ما چو باغِ سبز و خوش
او نہاں و آشکارا بخششش

اے خدا! آپ مثل موسم بہار کے ہیں اور ہم مثل ہرے بھرے باغ کے ہیں کہ بہار تو نظر سے اوجھل ہے، لیکن اس کی بخشش و عطا باغ پر بصورتِ سبزی و شادابی ظاہر ہے۔ اسی طرح اے خدا! آپ نگاہوں سے مخفی ہیں لیکن آپ کی عطاو بخشش اور الطاف و عنایات ہم پر اور جملہ مخلوقات پر ہر وقت ظاہر ہیں جو آپ کے وجود پر دلالت کرنے والے ہیں۔

تو جو جانی ما مثالِ دست و پا
قبض و بسط دست از جاں شد روا

اے اللہ! آپ مثل رُوح کے ہیں اور ہم مثل ہاتھ پاؤں کے ہیں اور ہاتھ پاؤں کا قبض و بسط (پھیلنا اور سکڑنا) سب رُوح کی برکت ہی سے ہے۔ اگر رُوح نہ ہو تو جسم حرکت نہیں کر سکتا، لیکن جس طرح ہمارا جسم اور ہاتھ پاؤں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر رُوح جس کی بدولت یہ ہاتھ پاؤں متحرک ہیں نظر نہیں آتی، اسی طرح اے اللہ! آپ نگاہوں سے مخفی ہیں لیکن آپ ہی سے ہماری جان قائم ہے۔ اسی کو مولانا رُومی مثنوی میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں

یعنی جسم میں حرکت جان کے سبب سے ہے اور جان تمہیں نظر نہیں آتی، لیکن جسم کی حرکت سے تم جان کے وجود پر دلیل قائم کرتے ہو۔ اسی طرح ؎

جان ہا پیدا و پنہاں جانِ جاں

جسم زندہ ہے جان سے اور جان زندہ ہے اے اللہ! آپ سے، پس آپ ہماری جان کی بھی جان ہیں، رُوح الارواح ہیں، پس ہماری ارواح کا ظاہری وجود آپ کے مخفی وجود پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہ قیل و قال اور ہمارے براہین ودلائل و تمثیلات آپ کی شان کو بیان کرنے سے قاصر ہیں، کیوں کہ ہم محدود آپ غیر محدود، ہم فانی وحادث آپ باقی وقدیم، ہم سراپا عیب وناپاک اور آپ کی ذات پاک اور ہر عیب سے منزّہ۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَتَعَالَى اللّٰہُ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

اے بلند از وہم و قال و قیلِ من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

اے اللہ! آپ بلند ہیں ہمارے وہم و گمان سے، ہمارے قیل و قال سے، ہماری دلیل وبرہان سے، کیوں کہ آپ کی شان بیان کرنے کے لیے کوئی تمثیل اور کوئی تشبیہ کائنات میں موجود نہیں۔ پس خاک پڑے میرے سرپر اور میرے اس قیل و قال اور تمثیلات پر۔

تو چو عقلی ما مثالِ ایں زباں
ایں زباں از عقل می یابد بیاں

آپ مثل عقل کے ہیں اور ہماری مثال زبان کی سی ہے یعنی عقل پوشیدہ اور زبان ظاہر ہے لیکن عقل ہی کی برکت سے زبان بیان کرتی ہے، ورنہ اگر کوئی پاگل ہو جائے تو صحیح کلام پر قادر نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا کہ ہر وجودِ ظاہری کے آثار و حرکات میں ایک باطنی وجود موجود ہے جو مؤثّر اور محرّک ہے ان آثار و حرکات کا، اسی طرح موجودات کے تمام آثار و حرکات کے پسِ پردہ اے اللہ! آپ ہی مؤثّر اور محرّک ہیں، کیوں کہ ہر حرکت کرنے والی شے کا کوئی حرکت دینے والا ہے اور ہر اثر کا کوئی مؤثّر ہے۔ جس طرح

زبان کے وجودِ ظاہر کی صحیح کلامی عقل کے باطنی وجود پر دلالت کرتی ہے اسی طرح کائنات کا تمام ظاہری وجود، شمس و قمر، زمین و آسمان، سیّارے و نجوم، سمندر اور پہاڑ وغیرہ اور ان کے آثار و حرکات میں مؤثر و محرکِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ کی ذات کار فرما ہے جس کے دلائلِ عقلیہ ناقابلِ رد ہیں۔

تو مثالِ شادی وماخندہ ایم
کہ نتیجہ شادی و فرخندہ ایم

اے اللہ! جس طرح خوشی دل میں مخفی ہوتی ہے اور ہنسی لبوں پر عیاں ہوتی ہے، ہنسی تو نتیجہ ہے، اس کا سبب خوشی ہے، لیکن خوشی نظر نہیں آتی اور ہنسی دکھائی دیتی ہے، اسی طرح اے اللہ! ہمارا ظاہر آپ کے وجودِ مخفی کی دلالت کرتا ہے۔

ھَا اَعِذْنِیْ خَالِقِیْ مِنْ شَرِّہٖ
لَا تُحَرِّمْنِیْ اَنِلْ مِنْ بَرِّہٖ

اے اللہ! مجھے پناہ نصیب فرما اپنے اس بندے کے شر سے یعنی میرے ہی شر سے مجھے بچالے کہ آپ میرے خالق ہیں، اور مجھے محروم نہ فرما اس خیر سے جو آپ نے میرے اندر رکھی ہے۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا[۱۰۹]۔ ہر بندے کے اندر مادّۂ فجور اور مادّۂ تقویٰ یعنی خیر و شر کا مادّہ اللہ نے رکھا ہے۔ ہمارے اندر جو خیر ہے عطا کر دے اور جو شر ہے اس سے ہمیں بچالے۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ مَا اَرٰی
لَا تُعَقِّبْ حَسْرَۃً لِّیْ اِنْ مَّضٰی

اے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں شکر کروں ان نعمتوں کا جو میں دیکھ رہا ہوں اور جو چیزیں گزر گئیں یا جو نعمتیں ہاتھ سے نکل گئیں، دنیاوی نقصانات ہوگئے تو ان کی حسرت سے بھی بچا۔ اپنی مرضی پر فدا رہنے کی توفیق عطا فرما۔ احقر کا شعر ہے ؎

---

۱۰۹ الشمس: ۸

تیری مرضی پہ ہر آرزو ہو فدا
اور دل میں بھی اس کی نہ حسرت رہے

اسی مضمون کی تشریح احقر کے ان اشعار میں بھی ہے ؎

ساری دنیا ہی سے مجھ کو نفرت رہے
بس ترے نام کی دل میں لذت رہے
میرے دل میں ترا دردِ اُلفت رہے
میری دنیائے اُلفت سلامت رہے
بس مرے دل میں تیری محبت رہے
زندگی میری پابندِ سنت رہے

راہ دہ آلودگاں را العجل
در فراتِ عفو و عینِ مغتسل

اے خدا! ہم لوگوں کو جو گناہوں میں آلودہ ہوچکے جلدی سے اپنے دریائے عفو اور معافی کے عین مغتسل کی راہ دکھا دیجیے، تاکہ اس میں نہا کر ہم سب لوگ پاک ہوجائیں۔ جس طرح قیامت کے دن جہنم سے نکالے ہوئے لوگ نہرِ حیات میں ڈال دیے جائیں گے اور ان کے جسم سے جہنم کی سزاوعقوبت کے سب آثار ختم ہوجائیں گے اسی طرح اے خدا! ہم لوگوں کو جو گناہوں کی آگ میں جل رہے ہیں اپنے چشمۂ رحمت میں غسل کا موقع دے دیجیے اور دریائے توبہ میں غرق کردیجیے تاکہ ہمارے اُوپر گناہوں کی ظلمت اور بدنظری وغیرہ کی لعنت کے آثار نہ رہیں۔ یعنی ہم گناہ گاروں کو توفیقِ توبہ دے دیجیے تاکہ آپ کے عفو ومغفرت کی بدولت ہم لوگ پاک صاف ہوجائیں اور ہمارے گناہوں کے آثارِ ظلمت انوارِ تقویٰ سے مبدل ہوجائیں۔

اور جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے آپ نے پانی کا چشمہ پیدا فرمایا تھا جس میں غسل کرنے سے ان کو صحتِ جسمانی حاصل ہوئی تھی اسی طرح

ہمارے باطن کے غسل صحت کا سامان فرمادیجیے یعنی استغفار وتوبہ اور گریہ وزاری کی توفیق عطا فرما کر اپنے غیر محدود دریائے عفو اور معافی کے عینِ مغتسل میں غرق فرمادیجیے تاکہ ہم لوگ گناہوں سے پاک ہوجائیں۔

تاکہ غسل آرند زاں جرمِ دراز
در صفِ پاکاں روند اندر نماز

اے خدا! آپ توفیقِ توبہ عطا فرمادیں تاکہ آپ کے مجرم اور گناہ گار بندے جو ایک عمر دراز سے گناہوں میں مبتلا ہیں آپ کے دریائے عفو میں نہا دھو کر پاک صاف ہوجائیں اور پاک بندوں کی صف میں نماز میں شامل ہوجائیں۔ نماز سے مراد پنج وقتہ نماز بھی ہے کہ جو نیک ہوجائے گا وہ نماز تو پڑھے گا ہی، لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ دوامِ حضور اور قربِ خاص نصیب ہوجائے جو اولیائے صدیقین کو عطا ہوتا ہے۔ مولانا دوسری جگہ فرماتے ہیں، مولانا ہی کے شعر سے ان کے شعر کی شرح ہورہی ہے کہ ؎

پنجگاں آمد نمازِ رہ نموں
عاشقاں راہم صلوٰۃً دائموں

پنج وقتہ نماز عام اُمت کے لیے ہے، لیکن جو اللہ کے عاشق بندے ہیں وہ ہر وقت نماز میں ہیں یعنی ان کو ہر وقت حضورِ حق حاصل ہے۔ وہ کسی وقت بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ جتنا وہ نماز میں مقرب ہوتے ہیں اُتنا ہی خارجِ نماز میں بھی مقرب ہوتے ہیں۔ جتنا وہ مسجد میں باخدا ہوتے ہیں اُتنا ہی بازاروں میں بھی باخدا ہوتے ہیں۔ ان کو ہر وقت دوامِ حضور مع الحق حاصل ہوتا ہے۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہمیں یقینِ اولیائے صدیقین عطا فرمادے کہ ہم ایک لمحے کے لیے بھی آپ کو نہ بھولیں اور ہمارا ایمانِ عقلی موروثی استدلالی ایمانِ ذوقی حالی وجدانی سے تبدیل ہوجائے۔

اندریں صف ہاز اندازہ بروں
غرق کان نور نحن الصادقوں

اے اللہ! آپ کے خاص بندوں کی وہ صف جو اولیائے صدیقین کی ہے اندازے سے اور تعداد سے باہر ہے۔ یعنی لاتعداد گروہِ اولیاء اللہ آپ نے پیدا فرمائے ہیں جو نورِ صدق وصفا میں غرق ہیں، ہمیں بھی اسی نور میں غرق کردیجیے یعنی ان اولیائے صدیقین میں ہم کو بھی شامل کردیجیے۔ مراد یہ ہے کہ ہمیں بھی کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ[۱۱۰] کا شرف عطا فرمایئے کیوں کہ صادقین ہی متقین ہیں اور متقین ہی اولیاء اللہ ہیں، لقوله تعالٰی اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ[۱۱۱] مفسرین اور ہمارے اکابر کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ کا ترجمہ کُوۡنُوۡا مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ قرآنِ پاک کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت کرتی ہے:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ[۱۱۲]

معلوم ہوا کہ صادقون اور متقون کلیان متساویان ہیں، ہر صادق متقی اور ہر متقی صادق ہے، دونوں میں نسبتِ تساوی ہے۔ پس اے اللہ! اولیائے صدیقین کا گروہ لاتعداد بے اندازہ اور ان گنت آپ نے پیدا فرمایا ہے ان کے نورِ صدق وتقویٰ میں ہم کو بھی غرق کردیجیے اور ہم کو بھی اہلِ صدق وصفا بنادیجیے یعنی جو صدق وصفا میں آپ کے ساتھ باوفا ہیں ان اولیاء کی صف میں ہم کو بھی شامل فرمادیجیے۔

اور اہلِ صدق اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد وپیمان میں صادق الوعد اور صادق العہد ہو، یہاں تک کہ جان دے دے مگر اللہ کو ناراض نہ کرے، اور جو اللہ کی راہ میں جان دینے سے گریز کرتا ہے، گناہ کی لذت کو چھوڑنے کا غم نہیں اُٹھاتا، اپنے کو مجاہدے کے غم سے بچانے کے لیے گناہ کرتا ہے کہ جہاں تقاضا ہوا نفس کی بات مان لی تو یہ شخص صادق نہیں ہے، اللہ کے ساتھ باوفا نہیں ہے بلکہ عملاً منافق ہے، یعنی منافقوں جیسے کام کرتا ہے اگرچہ مومن ہے، لیکن اس کے ایمان کا چراغ انتہائی ضعیف اور ٹمٹماتا ہوا ہے کہ گویا صرف زبان پر ایمان ہے۔ اگر قلب میں ایمان کامل ہوتا تو لاکھوں

[۱۱۰] التوبۃ:۱۱۹
[۱۱۱] الانفال:۳۴
[۱۱۲] البقرۃ:۱۷۷

تقاضوں کے باوجود یہ گناہ نہ کرتا۔ جس کو ہر وقت یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں وہ کیسے گناہ کرسکتا ہے؟ وہ گناہوں کو اوڑھنا بچھونا نہیں بناسکتا، اس کو چین نہیں آئے گا جب تک توبہ و گریہ وزاری سے اللہ کو راضی نہ کرلے۔

لیکن اے ہمارے رب! ہمارا کیا حال ہے کہ گناہ کرکے ہم ڈکار بھی نہیں لیتے اور ہمارے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی کہ ہم کتنے بڑے مالک کو ناراض کررہے ہیں۔ ہمارا ایمان ایسا ہے جیسا لکروندے کا درخت کہ ایک جھٹکا مارو اور جڑ سمیت اُکھاڑ لو۔ ذرا سی کوئی حسین شکل سامنے آئی اور گناہ کا ذرا سا تقاضا ہوا اور ہم اپنا ایمان فروخت کردیتے ہیں، اللہ کو چھوڑ کر ان مرنے والوں پر مرنے لگتے ہیں حالاں کہ مرنے والے کو چاہیے کہ مرنے والے پر نہ مرے، اس ذات پر مرے جو حیّ وقیّوم ہے، ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اور اپنی خستہ حالی اور بے حیائی پر ہمیں شرم بھی نہیں آتی۔ ایک کتے کو شرم آگئی تھی۔ حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک کالا کتا ایک بزرگ کی مجلس کے پاس بیٹھا رہتا تھا، کچھ دن کے لیے غائب ہوگیا تو شیخ نے کہا کہ بھئی! آج کل وہ کلوا کتا نہیں آرہا ہے، مُریدوں کا بھی عجیب مزاج ہوتا ہے کہ اپنے شیخ کو خوش کرنے کے لیے بے قرار و مجنوں ہوجاتے ہیں۔ وہ سب تلاش میں لگ گئے۔ معلوم ہوا کہ آج کل وہ کسی کتیا کے پیچھے پھر رہا ہے۔ مُریدین اس کو پکڑ کر لے آئے اور شیخ کو بتایا کہ آج کل یہ ایک کتیا کے چکر میں ہے۔ شیخ نے کہا کہ نالائق! تو ہماری مجلس میں بھی آتا ہے، رات دن اللہ کا تذکرہ سنتا ہے، تجھے شرم نہیں آئی کہ ایک کتیا کے چکر میں آکر تو نے میری مجلس چھوڑ دی۔ بس وہ کتا فوراً اُٹھا اور ایک نالی میں منہ ڈال کر مرگیا۔ اہل اللہ کی صحبت کا اثر جانوروں پر بھی پڑتا ہے۔ حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ آہ! ایک کتے کو شرم آگئی، مگر آج ہم انسانوں کو حیا نہیں کہ کس بے شرمی اور ڈھٹائی سے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نعمتِ حیا عطا فرمائے، کیوں کہ حیا کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ ہر گناہ کے لیے بے حیائی لازم ہے، اسی لیے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو لوگ اجسام پرستی، حسن پرستی، غیر اللہ پرستی میں

مبتلا ہیں یہ انتہائی دناءت وپستی اور بے حیائی کا شکار ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

لوگ کہتے ہیں کہ بے پردگی وفحاشی کے سبب حسینوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم ان کی دُم میں ناک کیوں لگاتے ہو؟ اگر تقویٰ سے رہو، نظر کی حفاظت کرو تو لاکھوں حسین شہر میں پھر رہے ہوں تو پھرا کریں کبھی تمہارے ناک میں دم نہیں ہوگا۔ بلکہ حسینوں سے نظر بچانے میں جتنا مجاہدہ شدید ہوگا اتنا ہی مشاہدہ بھی تو قوی ہوگا۔ اس کے بال بال اور رُواں رُواں میں حلاوتِ ایمانی کے دریا کے دریا رواں ہوجائیں گے کیوں کہ نظر کی حفاظت پر حلاوتِ ایمانی موعود ہے۔

اس لیے مرنے والوں کو چاہیے کہ نہ مرنے والے پر مریں، اور نہ مرنے والا صرف اللہ ہے، جو زندہ حقیقی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور اگر مرنے والا مرنے والے پر مرا تو مردہ مثبت مردہ، میزان میں ڈبل مردہ ہوجائے گا اور جیتے جی مرجائے گا کیوں کہ ان مرنے والوں سے جدائی لازمی ہے، وصلِ دوام ناممکن ہے، اس لیے ان سے دل لگانے کا انجام جنون اور پاگل پن ہے، کیوں کہ وہ فانی محبوب اگر نہ ملا تو اس کے فراق میں پاگل ہوگا یا اگر مرگیا تو موت کے غم میں پاگل ہوجائے گا۔ مجنوں جو پاگل ہوا لیلیٰ کی جدائی سے پاگل ہوا۔ اللہ کے عاشق اس لیے پاگل نہیں ہوتے کہ مولیٰ سے کبھی جدائی نہیں ہے اور یہ طاقتِ خدائی مخلوق کے پاس نہیں ہے کہ ہر وقت ساتھ رہے۔ اللہ تعالیٰ سے کبھی جدائی نہیں ہوتی لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عاشقین غمِ فراق میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اپنے گناہوں سے ہم خود اللہ سے دور ہوکر غمِ فراق میں مبتلا ہوجاتے ہیں، نافرمانی سے اللہ سے دوری ہوتی ہے، لیکن استغفار وتوبہ سے پھر وہ اپنے مولیٰ کو حاصل کرلیتے ہیں، ان کی دوری حضوری میں تبدیل ہوجاتی ہے جیسے دریا خشک ہوجائے اور پھر پانی آجائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ [۱۱۳]

---

[۱۱۳] الحدید:۴

تم جہاں کہیں بھی ہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تمہیں دنیا میں بھیج رہے ہیں لیکن تمہیں تنہا نہیں بھیج رہے ہیں۔ ہم ہر وقت ہر جگہ زماناً و مکاناً تمہارے ساتھ ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ابّا ایسا نہیں ہے جو ہر وقت اپنے بچے کے ساتھ رہے، اسکول بھی اس کے ساتھ جائے، اس کے ساتھ کھیل کود میں بھی شامل رہے یا اپنے بیٹے کو تعلیم کے لیے دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں بھیجے تو خود بھی اس کے ساتھ جائے، لیکن اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے بندوں کے ساتھ ہیں، زمین کے اُوپر بھی ساتھ ہیں، زمین کے نیچے قبر میں بھی ساتھ ہیں، برزخ میں بھی، میدانِ حشر میں بھی اور جنت میں بھی ساتھ ہوں گے۔ لہٰذا سوائے خدا کے کوئی ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا کیوں کہ ان کا کوئی مثل نہیں، ان کی رحمت کے سامنے ابّا کی رحمت کیا چیز ہے، ہمارا ایک ہی ربّا ہے اور لَا مِثْلَ لَہٗ ہے، باقی سب مرنے والے ہیں لہٰذا مرنے والے کو چاہیے کہ اس حیّ و قیّوم پر فدا ہو تا کہ وہ زندہ حقیقی ہم مرنے والوں کو، حادث وفانی کو سنبھالے رہے۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی جتنے مراحل ہیں اللہ کا ساتھ ہی ہمارا بیڑا پار کرے گا۔ وہ زندگی میں بیڑا پار کرنے والا ہے، خاتمے کے وقت ایمان پر موت دینے والا وہی ہے، قبر کے عذاب سے بچانے والا وہی ہے، عالمِ برزخ میں بھی ساتھ دینے والا وہی ہے، میدانِ محشر میں بخشنے والا بھی وہی ہے اور جنت میں اپنا دیدار کرانے والا بھی وہی ہے کہ اس کے دیدار کے وقت جنتی جنت کو اور جنت کی نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ ہمارے مالک نے کہاں ہمارا ساتھ چھوڑا ہے، کوئی مرحلہ اور کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے کہا ہو کہ یہاں ہم تمہارے ساتھ نہیں رہیں گے، لہٰذا محبت کے قابل صرف ہمارا مولیٰ ہے۔ پھر ایسے مولیٰ کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔

لہٰذا مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے سینے تو اس قابل نہیں ہیں لیکن ہماری نظر اپنے سینوں پر نہیں ہے، آپ کے کرم، آپ کی رحمت اور آپ کی عطا پر ہے، بدونِ استحقاق، بدونِ صلاحیت محض اپنے کرم سے ہمیں صفِّ اولیائے صدّیقین میں شامل فرمالیجیے، تاکہ زندگی میں بھی ہمیں آپ کی معیّتِ خاصہ حاصل ہو اور گناہ کرکے ہم کبھی آپ سے دور نہ ہوں، اور مرنے کے بعد بھی آپ کے کرم سے مشرف ہوں جو آپ کے اولیاء کا نصیبہ ہے۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۲۹؍اکتوبر ۱۹۹۱؁ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

من ز دستان وز مکر دل چناں
مات گشتم کہ نماندم از نشاں

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ میں نیکی وبدی کے دونوں اختیارات سے اپنے نفس کے مکر وفریب کے ہاتھوں مات کھا گیا یعنی میرے نفس نے مجھے اس طرح مار ڈالا کہ میرے اندر دین کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔

ہیں کہ از تقطیعِ ما یک تار ماند
مصر بودیم و یکے دیوار ماند

اپنے لباسِ دین کو گناہوں کی قینچی سے ہم نے اس بُری طرح کاٹا ہے کہ اب صرف ایک تار باقی رہ گیا ہے اور ہم دین کا ایک شہر تھے، گناہ کی تباہ کاریوں سے اب صرف ایک دیوار رہ گئے ہیں۔

اور آہ! اب تو وہ ایک دیوار بھی نہیں رہی اور وہ ایک تار بھی نہیں رہا حتیٰ کہ ہمارے ظاہر وباطن پر دین کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔ ہم کو دیکھ کر کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا کہ یہ مسلمان ہیں۔

من کہ باشم چرخ باصد کاروبار
زیں کمیں فریاد کرد از اختیار

میری کیا حقیقت ہے جب کہ آسمان اتنا عظیم الخلقت اور عظیم الشان ہونے کے باوجود کہ سینکڑوں نظامِ شمسی وقمری اور بے شمار سیارات وکواکب ونجوم کا حامل ہے اس امتحان اختیار سے ڈر کر آپ سے فریاد کر چکا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَحَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا [۱۱۴]

جب آسمان اور زمین پر ہم نے بارِ شریعت کو پیش کیا تو بوجہ ضعف و عجز اور خوفِ عدمِ تحمل سے اس کو اُٹھانے سے انکار کیا یعنی مارے ڈر کے پناہ مانگی کہ اے اللہ! ہم شریعت کا بار نہیں اُٹھاسکتے، کیوں کہ نیکی اور بدی دونوں کے اختیار سے یہ خطرہ ہے کہ نیکی کے اختیار کو ہم استعمال نہ کریں اور بدی کے اختیار کو استعمال کرکے زیرِ عتاب آجائیں، تو یہ دنیا پھر ہمارے لیے کمیں گاہ اور جائے انتقام ہوجائے گی، لیکن حضرت انسان نے اس بار کو اُٹھالیا اور یہ بار اُٹھانا بوجہ اس فطرت محبت کے تھا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے خمیر میں اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ فرماکر ودیعت فرمادیا تھا۔ میرا شعر ہے ؎

ارض و سما سے غم جو اُٹھایا نہ جاسکا
وہ غم تمہارا دل ہے ہمارا لیے ہوئے

اور خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جاسکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

زمین و آسمان جو بارِ شریعت اُٹھانے سے ڈر گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں عشق نہ تھا اور انسان میں چوں کہ مادّۂ عشق پنہاں تھا اس لیے اس نے یہ بوجھ اُٹھالیا، کیوں کہ جو عاشق ہوتا ہے اس کو تو محبوب کا اشارہ چاہیے کہ محبوب کیا چاہتا ہے، اس لیے اپنی طاقت سے زیادہ بار اُٹھالیتا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک آدمی غلافِ کعبہ پکڑ کر کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! آپ کا بارِ امانت اُٹھانے پر بطور دشنامِ محبت کے آپ نے میرا لقب ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا رکھا ہے کہ انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا، تو اے اللہ! میرے پاس ظلم اور جہل

---

[۱۱۴] الاحزاب:۷۲

کے علاوہ کچھ نہیں ہے، لہٰذا میں گناہوں کے ظلم اور معرفت سے جہل کی گٹھڑی لایا ہوں، بس آپ مجھے معاف فرمادیجیے۔

آہ! عشق کی عجیب شان ہے کہ محبوب کی رضا کے لیے اپنی طاقت کی بھی پروا نہیں کرتا اور اس کے حکم پر لبیک کہہ کر فوراً پابجولاں دوڑ پڑتا ہے، لیکن جب خطا ہوتی ہے تو اقرارِ خطا کرکے معافی مانگتا ہے اور خطا نہ بھی ہو تو بھی عاشق کو محبوب سے معافی مانگنے میں مزہ آتا ہے۔ جیسے قصہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے ایک عاشق خادم کو حکم دیا کہ دریا میں کود جا لیکن لباس گیلا نہ ہو، خادم فوراً کود پڑا اور جب واپس آیا تو بادشاہ نے ڈانٹا کہ نالائق لباس کیوں گیلا کیا؟ خادم نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضور! خطا ہوگئی۔ آہ! اس سے اللہ کی راہ کا ادب سیکھو کہ اللہ کی محبت سکھانے والے کا کتنا ادب کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق ومالک ہے ان کا ہم پر کیا حق ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ خطا تو درکنار عاشق تو صورتِ خطا بلکہ عدمِ خطا پر بھی معافی کا طلب گار ہوتا ہے اور خود کو مستحقِ سزا سمجھتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ممنونِ سزا ہوں مری ناکردہ خطائیں

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ عشق میں وہ جوش اور وہ کرامت ہے کہ ؎

عشق ساید کوہ را مانند ریگ
عشق جوشد بحر را مانندِ دیگ

عشق بڑے بڑے پہاڑوں کو پیس کر ریت بنادیتا ہے اور عشق جوش دے کر سمندر کو دیگ کی طرح اُبال دیتا ہے۔ یہی جوشِ عشق تھا کہ محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ کا ایما دیکھ کر انسان نے اپنی طاقت کو بھی نہ دیکھا اور آسمان وزمین کو بھی نظر انداز کردیا کہ یہ آسمان وزمین کیا چیز ہیں، یہ کیا جانیں محبت کا مزہ ؎

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

اور یہ کیا جانیں آپ کے نام کی لذت کا مزہ ؎

از لب یارم شکر را چہ خبر
وز رخش شمس و قمر را چہ خبر

یہ بھی مولانا ہی کا کلام ہے کہ میرے اللہ کے نام کی لذت اور مٹھاس کو یہ شکر کیا جانے اور میرے اللہ کے انوار و تجلیات کو یہ چاند اور سورج کیا جانیں اور میرے اللہ کی عظمتِ شان کے سامنے لعل و جواہر کیا چیز ہیں۔

لعل و مروارید سنگش را مرید

کعبہ کی چوکھٹ میں جو پتھر لگا ہوا ہے ساری دنیا کے لعل و جواہر اور کروڑوں کروڑوں روپے کے موتی سب اس پتھر کے غلام ہیں۔

کاے خداوندِ کریم بردبار
دہ امانم زیں دو شاخہ اختیار

مولانا فرماتے ہیں کہ ہم کیا ہیں جبکہ آسمان جیسی عظیم القامت مخلوق نے فریاد کی کہ اے خدا! آپ کریم ہیں، نااہلوں پر رحم کرنے والے ہیں، حلیم ہیں، ہم کو شریعت کے ان دوطرفہ اختیارات سے امان دیجیے کہ چاہیں تو ہم فرماں برداری کریں اور چاہیں تو نافرمانی کریں۔

جذب یک را ہہ صراطِ مستقیم
بہ ز دو راہہ تردّد اے کریم

اے خدا! اگر اپنے جذب سے آپ ہمیں صراطِ مستقیم پر جمادیں یعنی اپنی فرماں برداری والے راستے پر ہمیں جذب فرمالیں تو آپ کے کھینچے ہوئے کو کون ظالم کھینچ سکتا ہے، لہٰذا آپ کا صراطِ مستقیم کی طرف جذب کرلینا بہتر ہے ہمارے دوطرفہ راستوں کے اختیار سے کیوں کہ نفس اپنی فطرتِ امارہ بالسوء کے سبب اختیارِ خیر و شر میں شر کی طرف جلد مائل ہوجاتا ہے اور ہم ضعفِ ہمت اور ضعفِ ارادہ کے سبب اختیار بین الطریقین میں تردّد اور غم میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ نفس سے مغلوب ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ذلت و رُسوائی کا سخت اندیشہ ہے، لہٰذا اے کریم! اس تردّد بین الطریقین سے

ہمیں نجات عطا فرمایئے اور صراطِ مستقیم پر جذب فرمالیجیے، کیوں کہ جس کو آپ جذب فرمالیں وہ کبھی مردود نہیں ہوتا اور سوءِ خاتمہ سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس لیے اے اللہ! ہم آپ سے جذب کی بھیک مانگتے ہیں کیوں کہ شیطان سالک محض تھا، مجذوب نہیں تھا ورنہ مردود نہ ہوتا، کیوں کہ جب سے دنیا قائم ہے آپ کا کھینچا ہوا کوئی شخص بھی مردود نہیں ہوا۔ جتنے لوگ مردود ہوئے ہیں وہ سب سالک تھے، آپ کے جذب سے محروم تھے۔ سالک کو بھی آخر میں جذب نصیب ہوتا ہے، کیوں کہ بغیر آپ کے جذب کے کوئی آپ کا غیر محدود راستہ طے نہیں کرسکتا۔ آپ خالق مقناطیس ہیں آپ کے جذب کیے ہوئے کو کون آپ سے چھین سکتا ہے؟ پس اے کریم! صراطِ مستقیم کی طرف آپ کا ہمیں جذب کرلینا ہمارے تردّد بین الطریقین اور اختیار بین الامرین کے غم سے بہتر ہے۔

ذرّۂ سایہ عنایت بہتر است
صد ہزاراں کوششِ طاعت پرست

آپ کی عنایت کا ایک ذرّہ ہماری ان ہزار کوششوں اور طاعات سے بہتر ہے جو آپ کے زیر سایۂ عنایت نہ ہوں۔

زیں دو رہ گرچہ ہمہ مقصد توئی
لیک خود جاں کندن آمد ایں دوئی

مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگرچہ خیر و شر کے ان دونوں راستوں کا مقصد آپ ہی کی ذات ہے یعنی اگر خیر و شر کا اختیار نہ ہوتا تو ہم مجبور محض ہوتے تو مجاہدہ کیسے ہوتا، کیوں کہ مجاہدہ موقوف ہے اس بات پر کہ خیر پر عمل کرنے اور شر سے بچنے میں جو تکلیف ہو اس کو برداشت کرنا اور اے اللہ! آپ کے قُرب ورضا کا مدار ان ہی اعمالِ اختیاریہ کے مجاہدات ہیں، اسی لیے فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا آپ نے ہمارے اندر مادّۂ فجور بھی رکھ دیا اور مادّۂ تقویٰ بھی رکھ دیا اور آیتِ پاک میں فجور کو مقدم فرمایا کہ یہ تقویٰ کا موقوف علیہ ہے یعنی فجور اور نافرمانی کے تقاضوں کے روکنے ہی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے جیسے موجودہ سائنس کی تحقیق ہے کہ

مثبت اور منفی (Positive اور Negative) ان دو تاروں سے بجلی پیدا ہوتی ہے اسی طرح اے اللہ! آپ نے مادّۂ فجور کا منفی تار اور تقویٰ کا مثبت تار ہمیں دے دیا، تاکہ جب تمہارے اندر مادّۂ فجور کا جوش ہو تو ہمارے خوف سے اس پر عمل نہ کرو، نافرمانی کے تقاضے پر عمل نہ کرنا یہی منفی تار ہے جس سے نورِ تقویٰ پیدا ہوتا ہے، لَآ اِلٰہَ کی تکمیل سے اِلَّا اللہ نصیب ہوتا ہے، باطل خداؤں کو نکالنے سے اللہ دل میں متجلی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مادّۂ فجور اور مادّۂ تقویٰ کی کشمکش سے آپ ہی مقصود ہیں اور ان دو تاروں سے آپ اپنی محبت کا چراغ ہمارے دلوں میں روشن کرنا چاہتے ہیں، تاکہ آپ ہی ہمارے مقصود بن جائیں اور ہمیں ولی اللہ بنالیں۔

لیکن خیر و شر یعنی مادّۂ فجور اور مادّۂ تقویٰ کی کشمکش اور مجاہدۂ شاقہ سے ہماری جان نکلی جارہی ہے، ہم بے دم ہوئے جارہے ہیں یعنی سخت فتنہ وآزمایش میں مبتلا ہیں، لہٰذا اے رب! اپنے جذب سے آپ ہمیں اپنی طرف کھینچ لیجیے، تاکہ اختیار بین الطریقین کی کشمکش سے نجات حاصل ہو اور آپ کی راہ آسان ہوجائے۔

زیں دورہ گرچہ بجز تو عزم نیست
لیک ہرگز رزم ہم چوں بزم نیست

خیر وشر کے ان دونوں راستوں کے مجاہدات کا مقصد اگرچہ آپ ہی کی طرف عزم وارادہ کرنا ہے کہ بندے ہمت سے کام لے کر اپنے قلب میں آپ ہی کو مراد بنالیں اور آپ کے ولی بن جائیں، ان کا عزم اور ان کا ارادہ آپ ہی کی طرف ہو اور اس میں جو مشکلات پیش آئیں ان کا مقابلہ کریں، لیکن جنگ کا میدان بزمِ قُرب کے برابر کہاں ہوسکتا ہے، یعنی نفس سے جو ہماری جنگ چل رہی ہے اس کا مزہ آپ کی اس بزمِ قُرب کے مثل کیسے ہوسکتا ہے جہاں آپ کی شراب محبت کے جام ومینا چل رہے ہوں؟ مراد یہ ہے کہ ابتدائے سلوک میں نفس کو خیر وشر کے انجذاب سے سخت مجاہدہ وکشمکش پیش آتی ہے، شر اور فجور کی طرف کشش ہوتی ہے تو مجاہدہ کرکے نفس کو روکتا ہے اور بہ تکلف اس کو خیر کے راستے پر ڈالتا ہے۔ تو مولانا دُعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! اس مقامِ تلوین کو مقامِ تمکین واستقامت سے تبدیل فرمادیجیے تاکہ ہمیں آپ کا قربِ تام اور سرورِ دوام حاصل ہو۔

غالبی بر جاذباں اے مشتری
شاید ردر ماندگاں را و اخری

اے اللہ! دنیا میں جتنے حسین ہمیں اپنی طرف کھینچ رہے ہیں آپ سب پر غالب ہیں کیوں کہ آپ ہمارے خریدار ہیں آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ .....الْاٰیَة[۱۱۵]

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ ۲۱/ ذوقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۸/ فروری ۲۰۰۰ء کو حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے اس آیتِ پاک کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان فرمایا جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔)

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے اس نفس کو خرید لیا ہے جو اَمَّارَةٌ بِالسُّوْء ہے، ہر وقت گناہوں کے تقاضے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔ پس اگر تم اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرو تو ہم تم سے جنت کا سودا کرتے ہیں۔ ہر چیز کی ایک قیمت اور ایک بدلہ ہوتا ہے۔ نفسِ امّارہ کی بُری بُری خواہشات کے چھوڑنے کا، خونِ آرزو کا اور بُرے تقاضوں پر عمل نہ کرنے کے غم اُٹھانے کا صلہ یہ ہے کہ اس غم کے بدلے میں ہم تم کو جنت دیں گے، اور جنت بھی کیسی؟ تفسیر ”روح المعانی“ میں ہے: اَلَّتِیْ لَا عَیْبَ فِیْهَا[۱۱۶] جس میں کوئی عیب اور نقص نہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو خرید لیا ہے اور ہم اس کریم مالک کے ہاتھوں بکے ہوئے لوگ ہیں اور جب سودا بک جاتا ہے تو بکا ہوا مال دوبارہ بیچنا بین الاقوامی اُصولوں پر مجرمانہ فعل ہے، لہٰذا ہم اس مالک کے ہاتھوں بکے ہوئے مال ہیں اور ہمارا معاوضہ جنت ہے، تو پھر اگر کسی اور کے ہاتھ بکتے ہیں تو کتنے بڑے مجرم ہیں! جب ہم بک چکے تو پھر ہمیں کیا حق ہے کہ ٹیڈیوں کے ہاتھوں بک جائیں، سینما، وی سی آر اور ڈش انٹینا سے بک کر گندی گندی نافرمانیوں میں مبتلا ہو جائیں۔ نفس کی پرستش کرنا یہ گویا اپنے کو دوبارہ

---

۱۱۵ التوبة:۱۱۱

۱۱۶ روح المعانی:۱۱/۵۴، التوبة (۴)، دار احیاء التراث، بیروت

بیچنا ہے اور اپنے کو اللہ کا مجرم بنانا ہے، لہٰذا جو اللہ ہمارا خریدار ہے اور خریدار بھی کیسا کہ جو ایک پھول کے بدلے میں گلستاں دیتا ہے، ایسے کریم مالک کے ہاتھ جب ہم بک چکے تو اب اسی کی مرضی پر جینا اور اسی کی مرضی پر مرنا ہے۔ احقر کے دو شعر ؎

خوشی پر ان کی جینا اور مرنا ہی محبت ہے
نہ کچھ پروائے بدنامی نہ کچھ پروائے عالم ہے

ہے رُوحِ بندگی بس ان کی مرضی پر فدا ہونا
یہی مقصودِ ہستی ہے یہی منشائے عالم ہے

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہم عاجزوں اور پسماندوں کو خرید لیجیے، اپنی طرف جذب فرمالیجیے، پھر کون ہے جو ہمیں آپ سے چھین سکے ؎

زیں ترُدّد عاقبت ما خیر باد
اے خدا مر جان مارا کن تو شاد

ارشاد فرمایا کہ مولانا جلال الدین رُومی خدائے تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ خیر و شر کے درمیان جو آپ نے ہم کو اختیار دیا ہے تو اس تردّد بین الامرین یعنی نیکی اور گناہ کے تقاضوں کی کشمکش کا انجام ہمارے لیے بہتر کردیجیے یعنی ہماری رُوح چاہتی ہے کہ ہم نیک کام کرکے اللہ والے بن جائیں اور نفس گناہوں کا تقاضا کرتا ہے کہ وی سی آر، سینما، ٹیلی وژن اور تمام گندے کام کریں۔ ان دونوں میں ہمیشہ کشمکش رہتی ہے۔ پس اے اللہ! آپ نے ہمارا دو پرچوں میں امتحان رکھا ہے، ایک پرچہ ہے نیک کام کرنے کا اور دوسرا پرچہ ہے گناہ سے بچنا یعنی ایک مثبت عبادت ہے اور دوسری منفی عبادت ہے۔ نماز روزہ حج وعمرہ ذکر و تلاوت یہ مثبت عبادت ہے اور جب گناہ کا تقاضا ہو مثلاً کوئی نامحرم عورت سامنے جائے اس وقت نظر نیچی کرلینا یہ منفی عبادت ہے اور اللہ کا ولی وہی ہوتا ہے جو دونوں قسم کی عبادت کرتا ہے۔ اکثر لوگ وظیفہ و تسبیح ونوافل تو پڑھتے ہیں، لیکن گناہ سے نہیں بچتے اور روح و نفس کی کشمکش میں نفس ان پر غالب آجاتا ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی

عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ ! اس جنگ میں جو نفس سے جیت گیا اور آپ کی نافرمانی چھوڑ دی وہی اللہ والا ہو جاتا ہے اور جو ہار گیا وہ فاسق ہو جاتا ہے، لہٰذا خیر وشر کی کشمکش کے اس امتحان میں ہمیں پاس کر دیجیے کہ ہم نیکی پر قائم رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم نیکی تو کرلیں اور گناہ نہ چھوڑیں یعنی آپ کو راضی کرنے کی فکر تو کریں اور آپ کی ناراضگی سے نہ بچیں تو بھی ہم ناکام ہو جائیں گے، لہٰذا اس تردّد اور خیر وشر کی جنگ میں ہمارا انجام بخیر کر دیجیے اور ہمیں نفس کے مقابلے میں جتا دیجیے یعنی اپنی مرضی پر جما کے رکھیے اور اپنی ناراضگی سے بچا کے رکھیے اور گناہوں کے شدید تقاضوں پر غالب کر کے اے خدا ! آپ ہماری جان کو خوش کر دیجیے، کیوں کہ جان کو خوشی آپ کی عبادت اور فرماں برداری سے ملتی ہے اور آپ کی نافرمانی سے روح کبھی خوش نہیں ہوتی۔ گناہ کرتے وقت جو مزہ آتا ہے وہ نفس دشمن کو آتا ہے، رُوح اس وقت بے چین ہوتی ہے، اسی لیے مومن کو گناہ کا پورا مزہ نہیں آتا، اس کا دل کانپتا رہتا ہے کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں، خدا دیکھ رہا ہے، اور نفس کا مزہ ایسا ہے جیسا کسی کو نشہ پلا کر پٹائی کر دی جائے تو نشے میں پٹائی کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جب نشہ اُترتا ہے اس وقت بے چینی کا ادراک ہوتا ہے کہ ہائے! میں نے اللہ کو ناراض کر دیا۔ اس بے چینی اور عذاب کا لغت والفاظ احاطہ نہیں کر سکتے۔ نفس کے نشے سے اللہ پناہ میں رکھے۔ لہٰذا اے اللہ ! ہماری عاقبت کو خیر کر دیجیے اور خاتمہ ایمان پر فرمادیجیے، تاکہ آپ ہم سے خوش ہو جائیں اور ہماری جان کو خوش کر دیجیے اور جان کب خوش ہوتی ہے ؟ جب نفس کی لڑائی میں غالب آجاتی ہے۔ جیسے پہلوان اس وقت خوش ہوتا ہے جب دشمن کو پچھاڑ دیتا ہے، پس نفس دشمن پر ہماری رُوح کو غالب کر دیجیے۔

یہاں میں ایک بات کہتا ہوں کہ مثنوی کو صرف لغت سے نہیں سمجھ سکتے، مثنوی کو بغیر درد بھرے دل کے کوئی پڑھا بھی نہیں سکتا۔ مثنوی وہی پڑھا سکتا ہے جس نے اللہ والوں کی جوتیاں اُٹھائی ہوں، اللہ کے راستے میں چلا ہو، سینے میں درد بھرا دل رکھتا ہو، کیوں کہ مولانا رومی نے مثنوی میں سلوک بیان کیا ہے۔ پس جس نے نفس سے جنگ نہیں لڑی اور نفس کا غلام ہے وہ کیا جانے مثنوی کو۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے کریم ذوالجلال مہرباں
دائم المعروف دارائے جہاں

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ کریم ہیں، ذوالجلال ہیں، مہربان ہیں۔ اور کریم کے تین معنیٰ ہیں:

اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّۃِ [1] جو ہم پر بغیر اہلیت کے، باوجود ہماری نالائقی کے مہربانی کردے۔ جیسے ایک بادشاہ نے اپنے خادم سے کہا کہ ''رمضانی مگساں می آیند'' رمضانی! میرے پاس مکھیاں آرہی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ''حضور ناکساں پیش کساں می آیند'' حضور! نالائق لائق کے پاس آرہی ہیں۔ پس کریمِ حقیقی تو ہمارا اللہ ہے کہ بُرے اعمال سے ہمارا ظاہر بھی گندا اور ہمارا باطن بھی گندا کہ اندر پیشاب پاخانہ بھرا ہوا ہے، لیکن ہم جیسے نالائقوں کو بھی اپنے پاس آنے سے منع نہیں کرتے، بلکہ حکم دے دیا کہ وضو کرلو اور میرے حضور میں آجاؤ۔ اسی طرح باوجود ہماری باطنی گندگی یعنی گناہوں میں ملوث ہونے کے ہر سانس اور ہر لحظہ ہم پر انعامات کی بارش ہورہی ہے۔

اور کریم کے دوسرے معنیٰ ہیں:

اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا فَوْقَ مَا نَتَمَنّٰی بِہٖ یعنی ہماری تمناؤں سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا کہ اگر ہم ایک بوتل شہد مانگیں تو وہ ڈھائی من کا مشک دے دے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہادیے ہیں دُرّبے بہادیے ہیں

---

[1] مرقاۃ المفاتیح: ۲۱۲/۳، باب التطوع، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

اور کریم کی تیسری تعریف ہے:

اَلَّذِیْ لَایَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَہٗ[۱۸] ایسا مہربانی کرنے والا جس کو اپنے خزانوں کے ختم ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور ذُوالْجَلَالِ کے معنیٰ ہیں: صَاحِبُ الْاِسْتِغْنَاءِ الْمُطْلَقِ یعنی سارے عالَم سے بے نیاز اور وَالْاِکْرَامِ کے معنیٰ صَاحِبُ الْفَیْضِ الْعَامِ[۱۹] جس کا فیض سارے عالَم پر عام ہے۔ دنیا کے لوگ مستغنی تو ہوتے ہیں لیکن کسی کے دُکھ درد میں کام نہیں آتے بس اپنے ہی حلوے مانڈے میں مست ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ذُوالْجَلَالِ کے بعد وَالْاِکْرَامِ کا اسم نازل کر دیا کہ اگرچہ میں سارے عالم سے مستغنی ہوں، لیکن میں صاحبِ فیض عام بھی ہوں کہ سارے عالم پر میرا فیض عام ہے۔ میرے استغنا کی شان یہ ہے:

اَلْمُسْتَغْنِیْ عَنْ کُلِّ اَحَدٍ وَّالْمُحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ[۲۰]

کہ میں سارے عالم سے مستغنی ہوں اور سارا عالم میرا محتاج ہے لیکن اس کے باوجود میں اپنے بندوں سے غافل نہیں سارے عالم پر میری رحمت عام ہے۔

مولانا رُومی اس کو فرماتے ہیں کہ اے اللہ! باوجود ذوالجلال ہونے کے آپ دائم المعروف ہیں، اتنے بڑے مہربان ہیں کہ اپنی مخلوق پر ہمیشہ احسان کرنے والے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم سے ناراض ہو کر آپ نے سورج کو روک لیا ہو کہ ہم پر طلوع نہ ہو یا چاند کو روک لیا ہو کہ ہمیں اوقات نہ بتائے۔ آپ کا نظامِ کرم ہمیشہ مخلوق پر دائم ہے اور آپ ساری کائنات کے مالک ہیں، ساری کائنات کے نظام کو قائم کیے ہوئے ہیں، سارے عالم کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

یَا کَرِیْمَ الْعَفْوِ حَیٌّ لَمْ یَزَلْ
یَا کَثِیْرَ الْخَیْرِ شاہ بے بدل

---

[۱۸] مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۸۶، (۲۲۸۸)، کتاب الدعوات، باب اسماء اللہ تعالٰی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

[۱۹] روح المعانی: ۲۷/۱۰۹، الرحمٰن (۲۷)، دار إحیاء التراث، بیروت

[۲۰] روح المعانی: ۲۷/۹۶، القمر (۲۲)، دار إحیاء التراث، بیروت

اے اللہ! آپ **کریم العفو** ہیں یعنی معاف کرنے میں نہایت کریم ہیں۔ آپ کے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ بشارت دی کہ

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْئُ النَّھَارِ وَیَبْسُطُ یَدَہٗ بِالنَّھَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْئُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا[۱۲۱]

اللہ تعالیٰ کی رحمت رات بھر اپنے ہاتھ پھیلائے رہتی ہے کہ دن کا خطاکار رات کو توبہ کر لے اور دن بھر ہاتھ پھیلائے رہتی ہے کہ رات کا خطاکار دن میں توبہ کر لے۔ سبحان اللہ! کیا رحمت ہے آپ کی بندوں پر کہ ایک کروڑ گناہ بھی اگر کوئی کر لے، لیکن ندامت کا ایک آنسو کبھی نکل آیا، دل میں ندامت پیدا ہو گئی کہ آہ! میں نے کیا کیا تو اسی وقت تمام گناہوں کو آپ معاف فرما دیتے ہیں۔ سو برس کا کافر جو رات دن کفر کر رہا تھا اگر کلمہ پڑھ لے تو اسی وقت ولی اللہ ہو جاتا ہے

میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا تھا کہ ایک ہندو نوے برس تک اپنے بُت کو صنم صنم پکار رہا تھا کہ ایک دن غلطی سے اس کے منہ سے صمد نکل گیا تو آواز آئی: **لَبَّیْكَ یَا عَبْدِیْ** میرے بندے میں حاضر ہوں۔ تو اس کافر نے ڈنڈا اُٹھایا اور سب بُتوں کو توڑ دیا کہ نوے سال تک میں نے تمہیں پکارا اور تم نے کوئی جواب نہیں دیا اور آج غلطی سے مسلمانوں کے خدا کا نام نکل گیا تو فوراً جواب آ گیا لبیک میرے بندے میں موجود ہوں۔ سبحان اللہ! تو عفو کرنے میں آپ بے حد کریم ہیں کہ نوے برس کے کافر کو بھی نہیں بھولتے اور ایک لمحے میں معاف فرما کر اپنا پیارا بنا لیتے ہیں۔ اور آپ **حَیٌّ لَمْ یَزَلْ** ہیں یعنی زندہ حقیقی ہیں کہ ہمیشہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے اور آپ کی حیات میں کبھی زوال نہیں آ سکتا بلکہ ہر وقت آپ کی ایک نئی شان ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ

علامہ آلوسی ''روح المعانی'' میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں یوم سے

[۱۲۱] صحیح مسلم: ۳۵۸/۲، کتاب التوبۃ، باب قبول التوبۃ من الذنوب وان تکررت الذنوب والتوبۃ، ایچ ایم سعید

مراد وقت ہے، دن مراد نہیں ہے:

اَیۡ فِیۡ کُلِّ وَقۡتٍ مِّنَ الۡاَوۡقَاتِ ,وَفِیۡ کُلِّ لَحۡظَۃٍ مِّنَ اللَّحۡظَاتِ وَفِیۡ کُلِّ لَمۡحَۃٍ مِّنَ اللَّمۡحَاتِ[۱۲۲]

یعنی ہر وقت، ہر لحظہ، ہر لمحہ آپ کی ایک نئی شان ہے۔ پس چوں کہ آپ زندہ حقیقی ہیں اس لیے آپ ہی محبوبِ حقیقی ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں کہ اس کو محبوب بنایا جائے کیوں کہ اگر آپ کے علاوہ کسی اور کو دل دیا تو ایک دن معلوم ہوا وہ مر گیا اور اس کا جنازہ دفن ہو رہا ہے اب کہاں جاؤ گے اور کس کو دل کا سہارا بناؤ گے کیوں کہ جس کو سہارا بنایا تھا وہ تو مر گیا، اب کیا اس کی لاش سے چمٹو گے اور اگر چمٹو گے تو تین دن کے بعد لاش سڑ جائے گی اور مُردہ جسم پھول کر پھٹ جائے گا، پھر سب سے پہلے تم ہی اسے دفن کرو گے اور بدبو سے ناک بند کر کے وہاں سے بھاگو گے۔ لہٰذا کہاں مرنے والوں پر مر رہے ہو؎

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

میرا قطعہ ہے؎

ان کے سر پر سفید بالوں کا
ایک دن تم تماشا دیکھو گے
میرؔ اس دن جنازہ اُلفت کا
اپنے ہاتھوں سے دفن کردو گے

تم بھی مرنے والے یہ دنیوی معشوق بھی مرنے والے لہٰذا مرنے والے کو چاہیے کہ نہ مرنے والے پر مرے۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را با حی و با قیوم دار

---

[۱۲۲] روح المعانی: ۱۱۰/۲۷، الرحمٰن (۲۹)، دار إحیاء التراث، بیروت

مرنے والوں سے عشق نہ کرو کہ یہ پائیدار نہیں ہوتا عشق اس زندہ حقیقی سے کرو جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، جو موت وزوال و فنا سے پاک ہے اس سے محبت کرو تو تم بھی زندہ جاوید ہو جاؤ گے۔ جنت میں وہ تمہیں حیاتِ جاودانی عطا کرے گا۔ وہ ایسا زندہ حقیقی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور حَيَاةُ كُلِّ شَيْءٍ بِهٖ مُؤَبَّدًا [۱۲۳] ہر شے کی حیات اسی سے قائم ہے، اور وہ قیوم بھی ہے یعنی قَآئِمٌ بِذَاتِهٖ وَيُقَوِّمُ غَيْرَهٗ بِقُدْرَتِهِ الْقَاهِرَةِ اپنی ذات سے قائم ہے اور اپنی قدرت قاہرہ سے دوسروں کو قائم کیے ہوئے ہے اور کیوں کہ اس کی ہر وقت ایک نئی شان ہے لہٰذا اس کے عاشق بھی ہر وقت ایک نئی شان میں رہتے ہیں، ہر لمحہ ان کو ایک نئی حیات عطا ہوتی ہے جس کا دنیوی عشاق تصور بھی نہیں کر سکتے کیوں کہ مرنے والوں پر مرتے ہیں اور ان کے معاشیق و محابیب ہر وقت عَلٰى مَعْرَضِ الزَّوَالِ اور عَلٰى مَعْرَضِ الْفَنَاءِ ہیں لہٰذا ان کے عاشقوں کا عشق بھی ہر وقت عَلٰى مَعْرَضِ الزَّوَالِ ہے، ہر وقت ان کا تبسم افسردگی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ میرا شعر ہے ؎

حسن فانی ہے عشق بھی فانی
پھول مُرجھا گئے ذرا کِھل کے

لہٰذا دنیاوی عاشقوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر نحوست کے آثار نظر آتے ہیں اور ہر لمحہ ان کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے کیوں کہ ؎

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغزِ دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشقِ مجازی کے مزے کیا لوٹے

اگلے مصرع میں مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کثیر الخیر ہیں، کثیر الفضل ہیں كَمَا قَالَ تَعَالٰى (وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ) وَاسِعٌ کی تفسیر ''رُوح المعانی'' میں یہ ہے: اَیْ كَثِيْرُ الْفَضْلِ ،لَا يَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَهٗ [۱۲۴] جو بہت زبردست فضل والا ہے،

۱۲۳؎ مرقاۃ المفاتیح:۵/۳۶۴،(۲۴۵۴)،کتاب الدعوات،باب الدعوات فی الاوقات،دار الکتب العلمیۃ،بیروت
۱۲۴؎ روح المعانی:۶/۱۶۵،المآئدۃ(۵۳)،دار إحیاء التراث،بیروت

جس کو اپنے خزانوں کے ختم ہونے کا اندیشہ نہیں۔ اگر سارے عالم کو آپ ولی اللہ، قطب الاقطاب، غوث الاعظم بنادیں تو آپ کی رحمت میں ایک ذرّہ کمی نہیں ہوگی، کیوں کہ آپ شاہِ بے بدل ہیں یعنی ایسے شاہ ہیں جس کا کوئی بدل نہیں۔ سبحان اللہ! مولانا کیا لفظ لائے ہیں جو ترجمہ ہے وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ[۱۲۵] کا۔ نکرہ تحت النفی ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے کہ اس کا کوئی بدل اور مثل اور ہمسر نہیں ہے۔

اولم ایں جزر و مد از تو رسید
ورنہ ساکن بود ایں بحر اے مجید

مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ جب آپ نے ہم کو جسم دے کر اس دنیا میں بھیجا، تو ہمارے نفس کے اندر مادّۂ فجور بھی رکھ دیا اور مادّۂ تقویٰ بھی رکھ دیا فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا[۱۲۶] یعنی مادّۂ شر اور مادّۂ خیر دونوں رکھ دیے، لہٰذا ہمارے قلب کے سمندر میں خواہشات کا جو مدّ و جزر یعنی جوار بھاٹا ہے وہ آپ کی طرف سے ہمارے امتحان کے لیے ہے، ورنہ جب ہم عالمِ ارواح میں تھے تو چوں کہ وہاں جسم نہیں تھا، لہٰذا مادّۂ فجور و تقویٰ کا الہام بھی ہمارے نفوس میں نہیں ہوا تھا، اس لیے خواہشات کا سمندر بھی ساکن تھا۔ اس عالم میں خیر و شر کے مادّوں میں جو مدّ و جزر اور طغیانی و تلاطم ہے یہ ہمارا امتحان ہورہا ہے اور آیتِ پاک میں فجور کو تقویٰ پر مقدم فرما کر آپ نے یہ بتادیا کہ تقویٰ کا تحقق مادّۂ فجور پر موقوف ہے، بس شرط یہ ہے کہ تقاضائے فجور پر عمل نہ کرو یعنی بُرے بُرے تقاضے ایندھن ہیں ان کو جلادو تو حمامِ تقویٰ روشن ہوجائے گا۔ اگر یہ بُرے تقاضے نہ ہوتے تو تقویٰ کا ظہور کیسے ہوتا اور کیسے پتا چلتا کہ یہ شخص متقی ہے، کیوں کہ تقویٰ کی تعریف ہی یہ ہے کہ کَفُّ النَّفۡسِ عَنِ الۡھَوٰی جب دل میں نافرمانی اور گناہ کا تقاضا پیدا ہو تو اللہ کے خوف سے اس پر عمل نہ کرنا۔ اگر گناہ کے بُرے تقاضے ہی نہ ہوتے تو مجاہدہ بھی نہ ہوتا اور مجاہدہ نہ ہوتا تو تقویٰ کا وجود ہی نہیں

۱۲۵؎ الاخلاص: ۴

۱۲۶؎ الشمس: ۸

ہو سکتا تھا۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور گناہوں کے تقاضے آخرت کے امتحان کے پرچے ہیں۔ پس اگر یہ تقاضے نہ ہوتے تو کس پرچے میں امتحان ہوتا اور جزا وسزا کس بات پر ہوتی۔

ہم ازاں جا کایں تردّد دادیم
بے تردّد کن مرا ہم از کرم

جس مقام سے آپ نے ہم کو اس کشمکش میں رکھا ہے یعنی آپ کی مشیت اور آپ کی قدرت نے ہم کو عالمِ امتحان میں بھیجا ہے اور ہمارا فجور اور تقویٰ کے دو طرفہ اختیارات میں امتحان ہورہا ہے ، ہم کو دونوں اختیار ہیں کہ چاہیں تو ہم سینما خانہ چلے جائیں اور چاہیں تو بیت اللہ اور مسجد چلے جائیں۔ بندوں کو اختیار دے دیا کہ چاہے نیک کام کرلو چاہے بُرا کام کرلو۔ اس تردّد میں امتحان ہورہا ہے اور اپنے نفس کی خواہشات کی وجہ سے ہم تردّد اور شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ پس اے خدا! آپ اس تردّد سے ہم کو نجات عطا فرمایئے اور نفس پر ہم کو غالب کردیجیے۔ اپنے کرم سے بلا استحقاق ہم کو اس کشمکش کی زندگی سے نجات دے کر ہمارے نفسِ امّارہ کو نفسِ مطمئنہ کردیجیے یعنی سوائے آپ کی یاد کے ہمارا کہیں دل ہی نہ لگے جیسے کہ مولانا رُومی نے دُعا کی ہے ؎

جز بذکرِ خویش مشغولم مکن
از کرم از عشق معزولم مکن

اے خدا! اپنی مہربانی اور اپنے کرم سے سوائے اپنی یاد کے کہیں ہمارا دل نہ لگنے دیجیے۔ اپنے کرم کے صدقے میں اپنی محبت کے کاروبار سے یعنی اپنی عبادت ومناجات سے آپ ہم کو الگ نہ کیجیے۔ ہمارا دل ایسا بنادیجیے کہ آپ کے علاوہ اگر ہم کہیں دل لگانا بھی چاہیں تو نہ لگے۔ اپنی ذات پاک کے ساتھ ہمارے قلب وجان کو چپکا دیجیے کہ ساری دنیا اگر ہمیں آپ سے الگ کرنا چاہے تو ہم الگ نہ ہوں۔ یہ ہے بے تردّد کرنا۔ اپنے جذب سے ایسا بنالیجیے کہ اس کشمکش کی زندگی سے نجات عطا فرمادیجیے۔ ہمارا دل ایک طرف کھینچ لیجیے یعنی مقامِ جذب عطا فرمایئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سالک کو مقام جذب نصیب نہیں ہوا یعنی اگر اللہ نے اس کو نہیں کھینچا تو وہ ہر وقت

خطرے میں ہے، کسی وقت بھی وہ مردود ہو سکتا ہے۔ شیطان سالک تھا، مجذوب نہ تھا، ہزاروں برس عبادت کی تھی، لیکن چوں کہ اللہ نے اسے جذب نہیں کیا تھا لہٰذا وہ مردود ہو گیا۔ اسی لیے حکیم الامت نے فرمایا کہ اے سالکو! اگر چاہتے ہو کہ تم اللہ کے راستے میں استقامت سے رہو اور تمہارا خاتمہ ایمان پر ہو تو خدائے تعالیٰ سے جذب کی صفت مانگو کہ اے اللہ! مجھے جذب کر کے اپنا بنا لیجیے۔ مجذوب کبھی مردود نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اللہ اسی کو جذب کرتا ہے، اسی کو اپنا مقبول بناتا ہے جو ہمیشہ باوفا ہوتا ہے۔ ہم لوگ دوست بنانے میں غلطی کر جاتے ہیں کیوں کہ ہمیں مستقبل کا علم نہیں ہے، اس لیے ہم کسی کو دوست بنا لیتے ہیں اور بعد میں وہ غداری کر جاتا ہے، بے وفا ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اسی کو اپنا محبوب اور مقبول بناتا ہے جو مرتے دم تک باوفا ہوتا ہے۔ ایک بار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ حضرت! دُعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو رضائے دائمی عطا فرمائے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ رضائے دائمی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ جس سے خدا ایک دفعہ راضی ہوتا ہے پھر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اگر اس سے کبھی گناہ ہو جائے تو توفیقِ توبہ دیتا ہے۔ توفیقِ توبہ خود علامتِ رضا و مہربانی ہے۔ وہ راضی ہی اس سے ہوتا ہے جو اس کے علم میں ہمیشہ باوفا ہوتا ہے۔ شیطان جب عبادت کرتا تھا اس وقت بھی مقبول نہ تھا، جذب نصیب نہیں ہوا تھا اس لیے مردود ہو گیا، اس لیے مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولانا اشرف علی! یہ کہو کہ اے خدا! ہم کو رضائے کامل عطا کر دے، دائمی کی قید مت لگاؤ۔

ابتلایم می کنی آہ الغیاث
اے ذکور از ابتلایت چوں اناث

اے خدا! آپ مجاہدات میں میرا امتحان لے رہے ہیں۔ آہ! آپ سے فریاد ہے کہ ہم آپ کے امتحان کے قابل نہیں، ہم نہایت کمزور، نہایت نالائق ہیں، آپ کے امتحان میں ہمیں اپنے پاس ہونے کی اُمید نہیں کیوں کہ بڑے بڑے مردانِ طریق اور مدعیانِ دین و تقویٰ اور تصنیف و تالیف اور تقریر و تحریر میں کمال رکھنے والے جو اپنے کو کوہِ ہمت و استقامت سمجھتے تھے جب امتحان کا وقت آیا تو مؤنث ثابت ہوئے یعنی گناہ میں

مبتلا ہوگئے اور ان کا کوہِ تقویٰ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اس لیے اے خدا! ہم کمزور ہیں، ہمارا امتحان نہ لیجیے۔ ہم اس بلی کے مانند ہیں جو چوہا خوری سے توبہ کرکے ایک لاکھ حج کر آئے، لیکن جب چوہا اس کے سامنے آئے گا تو اس کا سارا حج اور تقویٰ ختم ہوجائے گا۔ ہمارے نفس کی دیا سلائی پر مادّۂ فجور اور گناہ کے تقاضوں کا مسالہ لگا ہوا ہے، بس رگڑ کی دیر ہے، اے اللہ! آپ کا کرم ہے کہ اس میں رگڑ نہیں لگ رہی ہے یعنی اسبابِ معصیت سے آپ نے دور رکھا ہے، ورنہ اگر ذرا رگڑ لگی تو ایک دم آگ لگ جائے گی، لٰہذا اے خدا! گناہوں کا آتش فشاں جو ہمارے اندر ہے اس کو اسبابِ معصیت کے قرب سے بچا ورنہ ہمارے دین وایمان کی خیر نہیں ہے۔ اے خدا! ہم نہایت کمزور، نہایت نالائق ہیں۔ آپ سے فریاد ہے کہ ہم امتحان کے قابل نہیں ہیں، ہمارا امتحان نہ لیجیے اور اپنی رحمت سے ہم کو عافیت کے ساتھ دین پر قائم رکھیے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرو اور اسبابِ معصیت کے قریب نہ رہو چاہے کہیں بھی ہو چاہے خانقاہ ہو یا مدرسہ ہو، یہ نہ سوچو کہ ان مقدس جگہوں میں ہم نفس وشیطان سے محفوظ ہوگئے۔ جنہوں نے احتیاط نہ کی وہ خانقاہ کیا بیت اللہ میں بھی گناہ میں ملوث ہوگئے، پھر ایسے ملکوں میں جیسے ری یونین، فرانس، برطانیہ وغیرہ جہاں بے پردگی عام ہے اور ہر وقت مرد وعورت کا اختلاط رہتا ہے کتنی احتیاط کی ضرورت ہے، اس لیے کبھی کسی حسین کے ساتھ تنہائی نہ ہونے دو، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، کیوں کہ جہاں تنہائی ہوئی تو تیسرا وہاں شیطان موجود ہوا اور شیطان کا دعویٰ ہے جو کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک کمرے میں خواجہ حسن بصری جیسا ولی اور رابعہ بصریہ جیسی ولیہ بھی تنہا ہوں تو دونوں کا منہ کالا کرادوں گا۔ اس لیے اللہ کے ابتلا اور امتحان سے پناہ مانگو، بہادر نہ بنو ورنہ سارا تقویٰ خاک میں مل جائے گا۔

تا بہ کے ایں ابتلاء یارب مکن
مذہبے ام بخش و دہ مذہب مکن

اے اللہ! کب تک اس آزمائش میں مبتلا رہوں گا، جلدی کردیجیے اور اپنے جذب سے

مجھے اپنا بنا لیجیے۔ اے میرے رب! امتحان نہ لیجیے میرے اُوپر رحم کر دیجیے اور اولیاء اللہ کو جو نسبت آپ دیتے ہیں وہ عطا کر دیجیے اور جذب کر کے ہمیں اپنی ذات پاک کے ساتھ چپکا لیجیے۔ دیکھو اگر ماں اپنے چھوٹے بچے کو اختیار دے دے کہ جہاں چاہے چلا جا تو وہ اغوا کر لیا جائے گا اور اگر ماں تگڑی ہے اور اس کو اپنے سینے سے چپکائے ہوئے ہے اور اغوا کرنے والے کمزور ہیں تو بچہ اغوا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون طاقت والا ہے۔ اگر حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرمالیں تو ساری دنیا کی گمراہ کن ایجنسیاں اور سارے دنیا کے حسین اور حسینائیں ہمارے تقویٰ کا ایک بال بھی نہیں اُکھاڑ سکتے، لہٰذا اے اللہ! آپ ہمیں جذب کر کے صراطِ مستقیم پر ڈال دیجیے اور دس مذہب اختیار کرنے سے بچا لیجیے یعنی ہمیں ایک مذہب تقویٰ والوں کا دے دیجیے، دس مذہب نہیں کہ کبھی مسجد میں بیٹھے ہیں اور کبھی عورتوں کو سڑکوں پر دیکھ رہے ہیں، کبھی تلاوت کر رہے ہیں اور کبھی گانا سن رہے ہیں، یعنی ہماری تلوین وبے استقامتی کو تمکین واستقامت سے بدل دیجیے اور اللہ والوں کا تقویٰ، اپنے اولیاء کا طریقہ دے دیجیے کہ ہم آپ پر جان فدا کرتے رہیں اور ہر وقت تقویٰ سے رہیں، جب جی گھبرائے تو آپ کو یاد کر لیں۔

ہر لمحۂ حیات گزرا ہم نے
آپ کے نام کی لذت کا سہارا لے کر

لوگ کہتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنے سے ٹائم پاس ہوتا ہے۔ ارے ظالمو! ٹائم پاس نہیں ہوتا ٹائم فیل ہوتا ہے۔ اگر دل بہلانا ہے تو اللہ سے دل بہلاؤ۔ جب کبھی دل گھبرائے، وضو کرو، دو رکعات پڑھو، تسبیح لے کر درد بھرے دل سے ایک دفعہ اللہ کہو۔ دونوں جہاں کی لذت اس کے نام پاک میں موجود ہے۔ کہاں جاتے ہو لیلیٰ کا نمک تلاش کرنے، ملاحتِ حسنِ لیلیٰ کا خالق اللہ ہے، جس نے لیلیٰ کو بھیک دی تھی وہ اللہ جب دل میں متجلّی ہوگا تو کروڑہا لیلاؤں سے تم بے نیاز ہو جاؤ گے۔ وہ لیلیٰ تو سڑنے گلنے والی تھی۔ وہ خالقِ ملاحتِ لیلیٰ اور خالقِ عشقِ مجنوں جب دل میں متجلّی ہوتا ہے تو پاکیزہ ملاحت کے کتنے غیر فانی سمندر ساتھ لاتا ہے اور عشق ومحبت کے لامحدود طوفان وتلاطم ساتھ لاتا ہے، اس لطف کو دنیا والے کیا جانیں، اس مزے کو لیلیٰ مجنوں کیا جانیں۔

اشترے ام لاغر وہم پشت ریش
ز اختیار ہم چو پالاں شکلِ خویش

ہم ایک لاغر کمزور اُونٹ کی طرح ہیں جس کی پیٹھ زخمی ہوچکی ہے اختیار کے پالان کی وجہ سے۔ گھوڑے اور اُونٹ پر نمدہ بچھا کر ایک گدڑی ڈال دیتے ہیں اس کو پالان کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اختیارِ خیر وشر کی کشمکش سے ہماری جان مجاہدہ کی وجہ سے مثل اُونٹ کی پیٹھ کے زخمی وپریشان ہوچکی ہے۔

ایں کژاوہ گہ شود ایں سو گراں
آں کژاوہ گہہ شود آں سو کشاں

ہمارے نفس کے اُونٹ کا کجاوہ جس میں دو طرف مال ہوتا ہے، کبھی ایک طرف کو گرتا ہے اور کبھی دوسری طرف کو جھک جاتا ہے، یعنی کبھی خیر کا پلڑا بھاری ہوجاتا ہے کبھی شر کا، اس لیے ہمارے نفس کا حال یہ ہے کہ گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت، کبھی ایک دم پکےّ ولی اللہ بن گئے اور کبھی ایک دم شیطان۔

بفگن از من حملِ ناہموار را
تا بہ بینم روضۂ انوار را

اے خدا! ہم پر خیر وشر کا بوجھ ناہموار ہورہا ہے، کبھی خیر کا غلبہ ہوتا ہے تو کبھی شر غالب ہوجاتا ہے، لہٰذا اس ناہموار اور غیر متوازن بوجھ سے ہم کو نجات دے دیجیے یعنی استقامت، توازن اور اعتدال عطا فرمائیے تاکہ اس استقامت اور آپ کے دین پر قائم رہنے کی برکت سے ہمیں انوارِ قربِ الٰہیہ کے باغ ہی باغ نظر آئیں جیسا کہ مولانا رُومی نے ایک دوسرے شعر میں فرمایا ہے؎

گر ز صورت بگزری اے دوستاں
گلستاں ست گلستاں ست گلستاں

اے دوستو! اگر صورت پرستی سے تم باز آجاؤ تو تم کو اللہ کے قرب کے باغ ہی باغ نظر آئیں گے۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۲؍نومبر ۱۹۹۱ء

بروز ہفتہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے دہندہ عقلہا فریاد رس
تا نخواہی تو نخواہد ہیچ کس

ارشاد فرمایا کہ مولانا جلال الدین رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں کہ اے عقل دینے والے اور بندوں کی فریاد کو پہنچنے والے! جب تک آپ نہیں چاہیں گے کوئی شخص کچھ نہیں چاہ سکتا۔ ہمارا چاہنا آپ کے چاہنے پر موقوف ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ[۱۲۷]

جب تک آپ کی مشیت نہیں ہوگی ہم آپ کو کیسے چاہ سکتے ہیں، اس لیے آپ نے قرآنِ پاک میں اپنی محبت کو مقدم فرمایا اپنے بندوں کی محبت پر، يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ دلیل ہے کہ پہلے آپ بندوں سے محبت فرماتے ہیں پھر آپ کی محبت کے فیضان سے بندے آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدَّمَ مَحَبَّتَهٗ عَلٰی مَحَبَّةِ عِبَادِهٖ لِيَعْلَمُوْا اَنَّهُمْ يُحِبُّوْنَ رَبَّهُمْ بِفَيْضَانِ مَحَبَّةِ رَبِّهِمْ[۱۲۸] اس لیے اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی محبت مانگتے ہیں کہ جب آپ ہم سے محبت کریں گے تو آپ کی محبت کے فیضان سے ہم لامحالہ آپ سے محبت کریں گے، لہٰذا جب تک آپ کا کرم شامل نہ ہو کوئی شخص کسی نیکی اور خیر کو چاہ بھی نہیں سکتا، اس لیے خیر اور بھلائی اور نیکی کے ارادے، عزائمِ رُشد و تقویٰ اور گناہوں سے بچنے کے خیالات سب آپ کے فضل و کرم کے تابع ہیں۔ آپ کے ارادے پر مراد کا تخلّف محال ہے، یعنی آپ کوئی ارادہ فرمائیں اور وہ مراد تک نہ پہنچے اور وہ کام نہ ہو یہ محال اور ناممکن ہے اور آپ نہ چاہیں اور وہ کام ہوجائے یہ بھی ناممکن اور محال ہے، کیوں

[۱۲۷] التکویر: ۲۹

[۱۲۸] روح المعانی: ۱۹۲/۶، المآئدۃ (۵۴)، داراحیاء التراث، بیروت

کہ آپ کے ارادے پر مراد کا ترتّب لازمی ہے، لہٰذا اے اللہ! اگر آپ ہمارے نیک بننے کا ارادہ فرمالیں تو ہمارا نیک اور متقی بن جانا لازم ہے اور اس کے خلاف ہونا محال ہے۔ اگر نفس و شیطان اور دنیا بھر کی تمام گمراہ کن ایجنسیاں مل کر کسی کو بہکائیں اور گناہوں میں مبتلا کرکے برباد کرنا چاہیں تو اس شخص کو ہرگز برباد نہیں کرسکتے جس پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا تالا لگ جائے۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اگر تھانے والے صرف موم بتی لگا کر کسی تالے کو سربمہر کردیں جو اتنی کمزور ہوتی ہے کہ ایک جھٹکا مارو تو کھل جائے، لیکن تھانے کی مہر دیکھ کر بڑے بڑے ڈاکو کانپتے ہیں تو اے اللہ! جس پر آپ کی حفاظت کا تالا ہو تو نفس و شیطان کی کیا مجال ہے کہ اس سے گناہ کراسکیں۔ نفس بھی سمجھ جاتا ہے کہ اب میں گناہ نہیں کرسکتا، کیوں کہ آپ کی قدرتِ قاہرہ کا ڈنڈا اسے اپنے سر پر نظر آتا ہے۔ اگر گناہ کرنا بھی چاہے تو دل کو اس قدر بے چین کردیتے ہیں کہ گناہ کرنے کے خیال سے وہ لرزہ براندام ہوجاتا ہے۔ اے اللہ! جس کو آپ اپنا بناتے ہیں اس کو گناہ سے مانوس نہیں ہونے دیتے، اس کے قلب کو گناہوں سے بےزار کردیتے ہیں اور وہ بھی سمجھ جاتا ہے کہ ؎

دونوں جانب سے اشارے ہوچکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہوچکے

اے اللہ! جس کو آپ اپنا بنائیں اور جس کی حفاظت کا ارادہ فرمالیں وہ خود چاہے بھی تو اپنے کو ضایع نہیں کرسکتا، گناہوں سے اپنا منہ کالا نہیں کرسکتا، کیوں کہ آپ نے اس کا منہ اُجالا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس لیے اے اللہ! ہم آپ سے آپ کا جذب مانگتے ہیں کہ آج تک کوئی مجذوب مُرتد اور مردود نہیں ہوا کیوں کہ اللہ نے جس کو کھینچ لیا وہ اللہ سے کیسے بھاگ سکتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے دائرۂ جذب اور احاطۂ جذب سے نعوذ باللہ! فرار لازم آتا ہے اور اللہ کی قدرت کا عجز لازم آتا ہے جو محال اور ناممکن ہے۔ پس اے اللہ! آپ ہمیں چاہ لیجیے، کیوں کہ اگر آپ نہ چاہیں تو کوئی کچھ نہیں چاہ سکتا، اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص مُرتد ہونے سے بچنا چاہے یعنی جو شخص چاہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور میں مرتد نہ ہوں اور خدا کے دین سے فرار اختیار نہ کروں اور ساری زندگی اللہ کی چوکھٹ پر قرار حاصل رہے اور نفس و شیطان کے چکر سے بچ جاؤں اور اگر غیر اللہ سے

دل لگانا بھی چاہوں تو دل ایسا بے چین ہو جائے جیسے مچھلی پانی کے بغیر تڑپنے لگتی ہے۔

دردِ فرقت سے مرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں اِک ماہی بے تاب ہے

یعنی بارہ بجے دوپہر کا وقت ہو، چلچلاتی ہوئی دھوپ سے ریت گرم ہو اور ایک مچھلی کو پانی سے نکال کر اس تپتی ہوئی ریت میں ڈال دو، تو جو اس کی کیفیت ہوتی ہے وہ میری کیفیت ہو جائے کہ گناہوں کے ماحول میں اور غیر اللہ سے دل لگانے کے خیال سے ہی تڑپنا شروع کر دوں، اور میرے قلب کو اللہ تعالیٰ کے دریائے قُرب سے اس درجہ اُنس پیدا ہو جائے کہ میں اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کے چکر میں نہ پڑوں۔

پس جو شخص چاہے کہ اللہ کے دین پر قائم رہے اور نفس و شیطان کے کبھی چکر میں نہ آئے تو اس کو اللہ سے محبت مانگنی چاہیے، کیوں کہ مُرتد کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اہلِ محبت پیدا کریں گے جن سے ہم محبت کریں گے اور وہ ہم سے محبت کریں گے۔

ہم یاد کریں گے وہ ہمیں یاد کریں گے
میرے دلِ برباد کو آباد کریں گے
بربادِ محبت کو نہ برباد کریں گے
میرے دلِ ناشاد کو وہ شاد کریں گے

اسی لیے مولانا اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہے ہیں کہ اے عقل عطا فرمانے والے اللہ اور ہماری فریاد اور دُعاؤں کو سننے والے! آپ سے فریاد ہے کہ آپ ہمیں چاہ لیں، ہمیں اپنا بنانے کا ارادہ فرمالیں تو پھر ہماری عقل بھی صحیح کام اور صحیح فیصلہ کرے گی۔ پھر ہم اپنی زندگی کا بہترین زمانہ اپنا عالمِ شباب آپ کو پیش کریں گے تاکہ یہ جوانی ٹھکانے لگ جائے، کیوں کہ جو جوانی خدا پر فدا ہوئی وہ اپنے صحیح حق پر پہنچ گئی، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میں جوانی اس پر فدا کر رہا ہوں جس نے مجھے جوانی دی ہے۔ جوانی تو دے اللہ اور فدا کروں اس کو غیروں پر جو خود محتاج ہیں، جو خود اپنے شباب کے مالک نہیں وہ دوسروں کو کیا دے سکتے ہیں؟ اس لیے میں اپنا زمانۂ عیش و نشاط اے خدا! آپ پر فدا کرتا ہوں،

کیوں کہ اگر آپ جوانی نہ دیتے اور بچپن ہی میں موت دے دیتے تو ہم قبرستان میں بغیر جوانی دیکھے ہوئے دفن ہو جاتے۔ تو آپ نے جب ہمیں جوانی عطا فرمائی تو آپ کی اس عطا کا حق یہ ہے کہ ہم اپنی جوانی کو باوفا بنا کر آپ پر فدا کر دیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے یہاں تک کہ آپ کی مشیت سے ایسی چیزوں کا ظہور ہو جاتا ہے جو عادتاً محال ہیں، جیسے گلاب کے پھول کی جڑ میں بدبودار کھاد ہوتا ہے جس کے اجزاء تحلیل ہو کر اجزائے خاکی کے ساتھ مل کر جڑ سے گلاب کے درخت کے اندر داخل ہو جاتے ہیں لیکن اُوپر گلاب کا خوشبودار پھول پیدا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی عطا اور کرم ہے، کھاد کا کمال نہیں ہے۔ اگر کھاد کا کمال ہوتا تو پھولوں میں بدبو ہوتی۔ اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں کہ ہم ایسے قادرِ مطلق ہیں کہ حسّی نجاست سے خوشبودار پھول پیدا کر سکتے ہیں، لہٰذا اپنے نفس کے گندے تقاضوں سے گھبراؤ مت، بس ان تقاضوں کو دبادو جیسے کھاد کو مٹی کے نیچے دبا دیتے ہیں، اگر کھاد اُوپر ہوگی تو درخت جل جائے گا۔ اسی طرح تم بھی اپنی بُری بُری خواہشات پر کَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْھَوٰی کی مٹی ڈال دو، یعنی ان پر عمل نہ کرو تو اس سے ہم تمہارے دل میں تقویٰ کا گلاب پیدا کر دیں گے، اور کھاد جتنی بدبودار ہوتی ہے پھول اتنا ہی خوشبودار پیدا ہوتا ہے، اس لیے کتنے ہی شدید اور خبیث تقاضے ہوں ان سے مت گھبراؤ، مجاہدۂ شدیدہ کی مٹی میں ان کو دبادو تو تقویٰ کا پھول اتنا ہی خوشبودار پیدا ہوگا۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو جتنا زیادہ قوی الشہوت ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ قوی النور ہوتا ہے، کیوں کہ شہوت کو روکنے میں اس کو مجاہدہ شدیدہ ہوتا ہے تو اس کا مشاہدہ بھی اتنا ہی زیادہ قوی ہوتا ہے، اس کا تقویٰ بھی اتنا ہی عظیم الشان ہوتا ہے۔ گندے تقاضوں کی بدبودار کھاد سے (بشرطیکہ اس کو دبادو) تقویٰ کا خوشبودار پھول پیدا کرنا یہ حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا کمال ہے۔ اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں ؎

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ کی قدرتِ قاہرہ دریائے خون کو دریائے نیل کر سکتی ہے۔ آپ کے پاس

ایسی کیمیا ہے کہ ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو آپ اخلاقِ حمیدہ میں تبدیل فرماسکتے ہیں، نجاستِ غلیظہ کو خوشبودار پھول بناسکتے ہیں۔اسی کو اصغر گونڈوی نے فرمایا تھا۔

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
گلوں سے چھپ نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

اللہ کے جمال کو بھلا یہ دنیاوی پھول چھپاسکتے ہیں جن کے برگ و پیرہن خود اللہ تعالیٰ کی خوشبو کے غماز ہیں۔ پھولوں میں یہ خوشبو کہاں سے آتی! یہ اللہ ہی کی تو دی ہوئی ہے۔اور اگر پودے میں کھاد زیادہ ہوجائے تو پودے کے جلنے کا خطرہ ہوتا ہے، کیوں کہ کھاد میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس میں پانی زیادہ ڈالنا پڑتا ہے اور پانی بہتا ہوا ہو کہ کھاد کی گرمی کو بہا کرلے جائے، وہیں جمع نہ ہو ورنہ جڑ سڑ جائے گی۔ پھر جہاں یہ کھاد والا پانی بہتا ہوا جائے گا وہاں بھی ہریالی آجائے گی اور دوسرے پودے بھی ہرے بھرے ہوجائیں گے اور کھاد کی گرمی سے یہ پودا بھی نہ جلے گا اور ہرا بھرا ہوجائے گا۔ پس جس کے دل میں شہوت کی کھاد زیادہ ہو وہ ذکر اللہ کے ماحول میں اور اہل اللہ کی صحبتوں کے انوار میں زیادہ رہے، تاکہ اللہ کے نور کا پانی شہوت کی کھاد سے گزرتا رہے اور اس کی حرارت ٹھنڈی ہوتی رہے جس سے ایمان کا درخت بھی ہرا بھرا ہوجائے گا اور جہاں جہاں وہ آبِ نور جائے گا ہریالی ہوجائے گی یعنی دوسروں کو بھی صاحبِ نسبت کرے گا۔

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کررہا ہے
اُجڑے ہوئے دلوں کو آباد کررہا ہے

ہم طلب از تست وہم آں نیکوئی
ما کئیم اوّل توئی آخر توئی

یہ ہم جو آپ کو چاہتے ہیں یہ اصل میں آپ کے چاہنے کا عکس ہے۔ ہم کیا چاہتے آپ کو، آپ ہی ہمیں چاہتے ہیں۔

وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

مری طلب بھی ان ہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

ہم جو خدا کو ڈھونڈ رہے ہیں یہ ڈھونڈنا اس بات کی علامت ہے کہ اے خدا! آپ ہم کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ جو بندہ خدائے تعالیٰ کو ڈھونڈتا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ خدائے تعالیٰ اس کو تلاش فرمارہے ہیں، اسے اپنا بنانا چاہتے ہیں ؎

محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی
جسے خود یار نے چاہا اسی کو یادِ یار آئی

میری طلب بھی آپ کا فیض ہے، آپ کا کرم ہے، دنیا میں جتنی خیریں ہیں سب آپ کی عطا ہیں کیوں کہ نصِ قطعی ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[۱۲۹]

یعنی تم کو جتنی نیکیاں مل رہی ہیں خواہ حج ہو یا عمرہ ہو یا نماز ہو یا تلاوت ہو یہ سب اللہ کی عطا ہے وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اور جتنے گناہ اور بُرائیاں کی ہیں یہ تمہارے نفس کی بدمعاشی اور شرارت ہے، کیوں کہ نفس اپنی ذات کے اعتبار سے اَمَّارَہ بِالسُّوْءِ ہے اور الف لام اَلسُّوْءِ کا اسمِ جنس کا ہے یعنی وقتِ نزولِ قرآن سے لے کر گناہ کے جتنے انواع قیامت تک ایجاد ہوں گے سب اس اَلسُّوْءِ میں شامل ہیں، کیوں کہ جنس وہ کلّی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہوتی ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مگر جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائیں گے وہ نفس کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہ ہمارا اور آپ کا استثناء نہیں ہے، یہ مخلوق کا استثناء نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا استثناء ہے، اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں قبول فرمائے اس کو اس کا نفس بھی خراب نہیں کر سکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے استثناء کے سامنے نفس کی کیا حیثیت اور کیا حقیقت ہے۔ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ میں جو مَا ہے

۱۲۹؎ النسآء: ۷۹

یہ مصدریہ ظرفیہ زمانیہ ہے، لہٰذا ترجمہ ہوا: اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَۃِ رَبِّیْ [۱۳۰] یعنی جب تک تمہارے رب کی رحمت کا سایہ رہے گا تمہارا نفس بھی تم کو برباد نہیں کر سکتا۔

لہٰذا مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہماری طلب اور نیکیوں کی توفیق اور نفس پر غلبہ سب آپ ہی کی طرف سے ہے، ہم کچھ بھی نہیں ہیں، آپ اوّل بھی ہیں آخر بھی ہیں یعنی ازل سے ابد تک آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو پہلے نہیں تھے پھر آپ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئے لہٰذا ہم کیا اور ہماری حقیقت کیا۔

ہم تو گوئی ہم تو بشنو ہم تو باش
ما ہمہ لاشیم با چندیں تراش

یا اللہ! آپ ہی کہتے ہیں اور آپ ہی سنتے ہیں آپ ہی سب کچھ ہیں یعنی آپ ہی متکلم ہیں، آپ ہی سمیع ہیں اور آپ ہی موجود ہیں اور ہم سب لاشیں ہیں، آپ نے مٹی کو تراش کر آنکھ ناک کان لگا کے ایک لاشے کو آپ نے شئ بنا دیا۔ پہلے ہم لاشے تھے، پھر آپ کی تخلیق سے اب شئ ہیں، لیکن ایک دن پھر لاشے ہو جائیں گے یعنی لاش ہو جائیں گے حقیقت میں سب کچھ اختیار آپ کا ہے۔ وجود آپ کا ہی ہے، ہمارا وجود فانی ہے اور اس قابل بھی نہیں کہ اس کو وجود کہا جائے، جیسے سورج ستاروں سے کہہ سکتا ہے کہ تمہارا وجود ہے مگر مثل عدم کے ہے۔ ہماری ہستیاں حق تعالیٰ کی ہستی کے فیضان سے ہیں، ہماری ذات خود سے قائم نہیں بلکہ ہم حق تعالیٰ کے کرم سے اور ان کے فیضان صفتِ حَیّ اور فیضان صفتِ قَیُّوْم سے قائم ہیں۔ جس دن صفتِ حیّ اور صفتِ قَیُّوْمُ کے ظہور کو اللہ تعالیٰ ہٹا دیں گے اس دن آسمان گر پڑے گا، سورج اور چاند گر پڑیں گے اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ محدثین نے لکھا ہے کہ اللہ کے ان دو ناموں حَیٌّ اور قَیُّوْمٌ سے سارا عالم قائم ہے۔ تو مولانا کا اشارہ یہی ہے کہ ہمارا وجود کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ہماری گویائی، بینائی، شنوائی سب آپ کی مدد سے ہے ورنہ حقیقتاً گویائی آپ کی گویائی

---

[۱۳۰] روح المعانی: ۱۳/۲، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

ہے، شنوائی آپ کی شنوائی ہے، وجود آپ کا وجود ہے کہ ازل سے ابد تک ہے۔ آپ قدیم ہیں، غیر فانی ہیں، قادرِ مطلق ہیں، ہم حادث اور فانی ہیں، ضعیف ہیں، لہٰذا ہمارا بولنا کوئی بولنا ہے، ہمارا سننا کوئی سننا ہے، ہمارا وجود کوئی وجود ہے کہ ابھی ہم بول رہے ہیں، سن رہے ہیں اور ابھی رُوح نکل جائے تو خاموشی ہے، سماعت بند اور بینائی ختم۔ اسی فنا کی وجہ سے مولانا فرمارہے ہیں کہ چوں کہ ہماری گویائی، ہماری شنوائی اور ہمارا وجود فانی ہے، اس لیے اپنے فانی وجود سے صَرفِ نظر کرکے ہم آپ کی قدرت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہے، آپ سب کچھ ہیں ؎

آپ آپ ہیں آپ سب کچھ ہیں
اور اور ہے اور کچھ بھی نہیں

ہم بالکل لاشے ہیں، آپ کے تابع ہیں اور انتہائی بے کس ہیں۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب ہم بالکل بے کس ہیں تو جزا اور سزا کیوں ہے، جیسے ایک شخص ایسا ہی ایک مضمون پڑھ کر ایک باغ میں گھس گیا اور انگور کھانے لگا اور جب باغ کا مالک آیا تو اس نے پوچھا کہ میرے درخت کے انگور کیوں کھاتا ہے؟ اور یہ سیب کیوں کھالیے؟ یہ سب میرے درخت کے ہیں تو اس نے کہا: تم غلط کہتے ہو۔ زمین بھی خدا کی، آسمان بھی خدا کا، میں بھی خدا کا اور درخت بھی خدا کے، انگور بھی خدا کے اور سیب بھی خدا کا، خبر دار جو مجھے کھانے سے منع کیا! تو مالکِ باغ نے کہا: اچھی بات ہے! ابھی بتاتا ہوں اور ایک رسّہ لے آیا اور اس سے اس کو خوب باندھ دیا اور ایک ڈنڈے سے اس کی پٹائی شروع کی تو وہ چلّانے لگا کہ کیوں مارتا ہے؟ تو مالکِ باغ نے جواب دیا کہ میں بھی خدا کا، تو بھی خدا کا، رسہ بھی خدا کا اور ڈنڈا بھی خدا کا، خبر دار جو چلّایا! تو اس وقت اس نے کہا: ''اختیار است اختیار است'' اختیار میں توبہ کرتا ہوں، میں مجبور نہیں ہوں، مجھے اختیار ہے اختیار ہے اختیار ہے۔ ''ماہمہ لاشیم'' سے مولانا فرقۂ جبریہ کی تائید نہیں کررہے ہیں، بلکہ اپنی بے کسی اور عاجزی ظاہر کرکے حق تعالیٰ کی رحمت سے درخواست کررہے ہیں۔ دونوں میں فرق ہے۔ اور مندرجہ بالا واقعہ بھی مثنوی کا ہے جس میں فرقۂ جبریہ کا رد ہے۔

زیں حوالت رغبت افزا در سجود
کاہلی و جبر مفرست و خمود

اے خدا! ہم مجبور نہیں ہیں۔ یہ جو ہم نے اپنے کو آپ کے حوالے کیا ہے کہ ہم لاشے ہیں اور آپ ہی سب کچھ ہیں، یہ آپ کی عظمتِ شان کا اعتراف اور اپنی حقارت وعاجزی وبے کسی پیش کی ہے، تاکہ آپ ہمیں نماز پڑھنے کی رغبت اور سجدوں کی لذت میں ترقی عطا فرمائیں۔ یہ دراصل لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا ترجمہ ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں حدیث نقل کی کہ ایک بار حضرت عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هَلْ تَدْرِیْ مَا تَفْسِیْرُهَا یعنی اے عبد اللہ ابنِ مسعود! اس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے معنیٰ سمجھتے ہو؟ عرض کیا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا ترجمہ سن لو۔ سبحان اللہ! نبی کے الفاظ ہیں اور نبی کے الفاظِ نبوت کی شرح الفاظِ نبوت سے ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ لَا حَوْلَ کے معنیٰ ہیں: لَا حَوْلَ عَنْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ اِلَّا بِعِصْمَۃِ اللّٰہِ [۱۳۱] یعنی ہم اللہ کی معصیت سے نہیں بچ سکتے جب تک کہ خود اللہ حفاظت نہ فرمائے، اللہ ہی کی حفاظت سے ہم گناہ سے بچ سکتے ہیں وَلَا قُوَّۃَ اَیْ وَلَا طَاقَۃَ عَلٰی طَاعَۃِ اللّٰہِ اِلَّا بِعَوْنِ اللّٰہِ [۱۳۲] ہم اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے جب تک اللہ مدد نہ فرمائے۔

اس شعر میں مولانا نے یہی نفی کی ہے جو اس حدیث میں منقول ہے کہ صرف آپ کی توفیق کا سہارا ہے۔ جب جلال الدین رُومی نے اے خدا! اپنے کو آپ کے سپرد کر دیا کہ ہم کچھ نہیں ہیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مجبور ہیں بلکہ یہ اپنے ضعف وعجز کا اقرار ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحم اور مدد کی درخواست ہے اور رحم کی درخواست جب ہی قبول ہوتی ہے جب اپنی طاقت سے صَرفِ نظر ہو اور اپنی حقارت

۱۳۱ روح المعانی: ۱/۸۷، الفاتحۃ (۳)، دار إحیاء التراث، بیروت

۱۳۲ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۱۶ (۲۳۰۳)، باب ثواب التسبیح والتحمید والتکبیر والتھلیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

پیشِ نظر ہو۔ خدا زور سے نہیں زاری سے ملتا ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی نے فرمایا ؎

زور را بگزار زاری رابگیر
رحم سوئے زاری آید اے فقیر

زور چھوڑ دو اور آہ وزاری اختیار کرو۔ اللہ کو رحم آئے گا آہ وزاری سے۔ یہ زور سے نہیں آئے گا کہ میں بڑا متقی ہوں، مقدس ہوں، میں ایسا کروں گا ویسا کروں گا، اگر دعویٰ کروگے تو رحمت سے محروم ہو جاؤ گے۔ لٰہذا زور چھوڑ و اور زاری اختیار کرو تاکہ اللہ کا اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مل جائے اور نفس کے شر سے خدا اپنی حفاظت میں قبول فرمائے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ میں جو رَحِمَ ہے جس کے صدقے میں نفوسِ انسانیہ حرکاتِ نفسانیہ اورآثارِ شیطانیہ سے محفوظ رہتے ہیں وہ رَحِمَ اگر لینا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس آیت کی گویا تفسیر فرمائی اور اس رَحِمَ کو مانگنے کا جو مضمون عطا فرمایا وہ گویا حق تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے، کیوں کہ نبی اللہ تعالیٰ کا سفیر ہوتا ہے، اس کا ہر مضمون خدائے تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰـکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ[۱۳۳]

جو ہمارا نبی تم کو عطا فرمائے اس کو لے لو یعنی جو حکم دے اس کو سر آنکھوں پر رکھو اور جس بات سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔ گویا اس آیت میں مذکورہ رحمت کو مانگنے کے لیے طریقہ اور مضمون اللہ تعالیٰ نے بزبانِ نبوت عطا فرمایا کہ اگر تم اِلَّا کے بعد مَا رَحِمَ چاہتے ہو اور نفس کی بد معاشیوں سے تحفظ چاہتے ہو تو یہ دُعا مانگو:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ[۱۳۴]

اے زندہ حقیقی اور اے سنبھالنے والے! میں آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں کہ

۱۳۳؎ الحشر:۷

۱۳۴؎ کنزالعمال:۱۳۹/۲، (۳۴۹۸) الباب الثامن: الدعاء، الفصل الخامس: الأدعیۃ المؤقتۃ، الفرع الثالث: أدعیۃ الصباح والمساء، مؤسسۃ الرسالۃ

اَصۡلِحۡ لِیۡ شَاۡنِیۡ کُلَّہٗ میری ہر حالت کو درست فرما دیجیے، میری زندگی کا کوئی شعبہ آپ کی نافرمانی میں مبتلا نہ ہو، نہ کان گانا سنے، نہ آنکھ حسینوں کو دیکھے، نہ ناک خوشبوئے حرام سونگھے، نہ زبان غیبت کرے، نہ ہونٹ حرام بوسے لیں، غرض سر سے پیر تک ہر جز آپ کا فرماں بردار ہو اور کُلَّہٗ تاکید ہے یعنی میری کوئی بھی حالت ایسی نہ رہنے پائے جو آپ کو پسند نہ ہو، میری ہر ناپسندیدہ حالت کو اپنی پسند کے مطابق ڈھال لیجیے، میری ہر ادائے بندگی کو وفائے بندگی سے مشرف فرمادیجیے کہ سر سے پیر تک کہیں بھی بے وفائی کا داغ میرے اُوپر نہ لگنے پائے اور میں سراپا آپ کا ہو جاؤں۔

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا
ان ہی کا ان ہی کا ہوا جارہا ہوں

وَلَا تَکِلۡنِیۡ اِلٰی نَفۡسِیۡ طَرۡفَۃَ عَیۡنٍ اور اے اللہ! جس نفس کو آپ نے اَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡءِ فرمایا ہے مجھے پلک جھپکنے بھر کو اس دشمن کے سپرد نہ فرمائیے، کیوں کہ دنیا میں سب سے بڑا دشمن یہی نفس اَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡءِ ہے، کیوں کہ کسی دشمن کو ہر لمحہ ہر وقت یہ استطاعت نہیں کہ پلک جھپکنے بھر میں ہمیشہ ہی وہ اپنے مقابل کو ہلاک کر دے، لیکن یہ نفس ایسا دشمن ہے کہ ہمیشہ اس میں یہ استطاعت ہے کہ پلک جھپکنے میں یہ انسان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طَرۡفَۃَ عَیۡنٍ اس کے حوالہ ہونے سے پناہ مانگی ہے کہ ایک پَل میں یہ مومن کو کافر، ولی کو فاسق اور انسان کو جانور سے بھی زیادہ ذلیل بنا دیتا ہے۔ اگلے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں۔

کاہلی و جبر مفرست و خمود

مفرست نہی ہے فرستادن سے۔ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں فریاد کررہے ہیں کہ نعمتِ عجز و فنائیت کے ساتھ عبادت کے شوق و رغبت میں ترقی عطا فرمائیے اور توفیقات عطا فرمائیے کہ ہم خوب عبادت کرسکیں اور فرقۂ جبریہ کا عقیدۂ جبر کہ انسان مجبور محض ہے جو موجب ہے کاہلی و جمود اور خمود کا یعنی بے عملی اور اعمال میں ٹھنڈا اور سست پڑ جانے کا، اے خدا! اس قسم کے جراثیم سے ہماری حفاظت فرمائیں، ایسی گمراہی کو

ہمارے اندر نہ آنے دیجیے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اعمال میں بالکل سست اور ٹھنڈے ہو جائیں اور بے عملی اور گمراہی کا شکار ہو کر خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ہو جائیں۔ یہ عقیدۂ جبر اتنا گمراہ کُن ہے کہ انسان کو اعمال سے بے زار کر دیتا ہے، کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہم تو مجبور محض ہیں، مسجد جب جائیں گے جب اللہ پاک بلائیں گے، لیکن اس سے کہو کہ روزی کمانے کے لیے بازار کیوں جاتے ہو؟ گھر پر پڑے رہو، جب اللہ میاں بلائیں تب جانا۔ اور کھانا کیوں ٹھونستے ہو؟ جب اللہ میاں کھلائیں کھالینا۔ دین ہی کے کاموں میں مجبور رہو، ذرا دنیا کے کاموں میں بھی مجبور ہو جاؤ۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ چھوڑو نماز روزہ، اللہ بڑا غفور رحیم ہے، لیکن اللہ تو رزاق بھی ہے پھر دوکان کیوں کھولتے ہو؟ سارا دن گھر میں پڑے رہو رزق خود آجائے گا۔ وہاں تو بڑے چست ہو، یہ حیلہ بازیاں اور حیلہ سازیاں صرف دین ہی میں ہیں، دنیا کے کاموں میں کیوں حیلہ بازی نہیں کرتے۔

اے کہ تو دنیا میں کتنا چست ہے
دین میں لیکن تو کتنا سست ہے

نفس کے بندے

چین اِک پل کو بھی دلوں میں نہیں
گردنوں میں عذاب کے پھندے

دفن کر کے جنازہ عزّت کا
خوار پھرتے ہیں نفس کے بندے

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۳؍نومبر ۱۹۹۱ء

بروز اتوار، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

بے زجہدے آفریدی مر مرا
بے فنِ من روزیم دہ زیں سرا

اے اللہ! بغیر ہماری طلب اور کوشش کے آپ نے محض اپنے لطف و کرم سے ہمیں وجود بخشا، کیوں کہ عالمِ ارواح میں ہمارے زبان نہ تھی کہ ہم عدم سے وجود میں آنے کے لیے آپ سے درخواست کرتے اور نہ دوسرے اعضائے جسم تھے کہ کسی قسم کی تدبیر اپنی آفرینش میں کرتے۔ ہم تو عدم تھے، آپ کے کرم نے بدون ہماری طرف سے کسی طلب و کوشش و تدبیر کے ہمیں پیدا کیا، لہٰذا اے خدا! مجھے اس دنیا میں روزی بھی بغیر ہنر و تدبیر کے عطا فرمائیے کیوں کہ میرا دل دنیا کے کسی کام میں نہیں لگتا۔

پنج گوہر دادیم در درجِ سر
پنج حسِ دیگرے ہم مستتر

اے خدا! ہمارے دماغ کے اس چھوٹے سے ڈبے میں آپ نے پانچ قیمتی موتی رکھ دیے ہیں جن کو حواسِ خمسہ ظاہرہ کہتے ہیں یعنی باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ (دیکھنے والی قوت، سننے والی قوت، سونگھنے والی قوت، چکھنے والی قوت اور چھونے والی قوت) یہ پانچ قوتیں ہمارے اندر رکھ دی ہیں۔ اسی طرح ہمیں پانچ موتی حواسِ باطنہ کے آپ نے عطا فرمائے ہیں جن کو حافظہ، واہمہ، خیال، حسِّ مشترک اور متصرّفہ کہا جاتا ہے اور آپ کی عطا فرمودہ یہ نعمتیں اتنی قیمتی ہیں کہ دنیا میں ان کا کوئی بدل نہیں۔

لا یُعد ایں داد لا یُحصی ز تو
من کلیلم از بیانش شرم رو

اے اللہ! آپ کی یہ عطائیں اور الطاف وانعامات اتنے بے حد و بے شمار ہیں کہ احاطہ تعداد و شمار میں نہیں آسکتے، کیوں کہ آپ نے خود فرمادیا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[۱۳۵]

اگر تم ہماری نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے، اس لیے آپ کے ان بے شمار احسانات کے بیان سے قاصر ہونے کی وجہ سے میں مثل گونگے کے حیراں و شرمندہ ہوں۔

چوں کہ در خلاقیم تنہا توئی
کارِ رزاقیم ہم کن مستوی

اے اللہ! چوں کہ ہماری تخلیق میں کوئی آپ کا شریک نہیں، آپ ہمارے تنہا خالق ہیں ، پس غیب سے ہماری روزی کا انتظام آپ تنہا درست فرمادیں اور ہمیں کسی کا محتاج نہ کیجیے کہ آپ ہی ہمارے خالق ہیں، آپ ہی ہمارے رازق ہیں۔

کرد گارا توبہ کردم زیں شتاب
چوں تو در بستی تو کن ہم فتح باب

اے پروردگار! میں جلدی سے توبہ کرتا ہوں، کیوں کہ میری شامتِ اعمال سے جب آپ نے دروازہ بند کیا ہے تو آپ ہی اپنی رحمت سے کھول بھی دیجیے، کیوں کہ آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے غایتِ کرم سے تائبین کو متقین کے درجے میں شامل فرمادیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَّخْرَجًا وَّمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ[۱۳۶]

جو استغفار کو لازم کرلے اللہ تعالیٰ اس کو ہر تنگی سے مخرج یعنی نکلنے کا راستہ عطا فرماتے ہیں اور ہر غم سے نجات دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اس

۱۳۵ ابراھیم:۳۴

۱۳۶ سنن ابن ماجۃ:۲۰۶،(۳۸۱۹)،باب الاستغفار والتوبۃ، المکتبۃ الرحمانیۃ/ مشکوۃ المصابیح:۲۰۴

کا گمان بھی نہیں ہوتا اور یہ وہی انعامات ہیں جو اے پروردگار! قرآنِ پاک میں آپ نے اہلِ تقویٰ کے لیے بیان فرمائے ہیں۔ اے اللہ! میں نے تمام گناہوں سے توبہ کرلی ہے آپ اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے صدقے میں میرے اُوپر بھی رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔

در عدم ما مستحقاں کے بدیم
کہ بریں جان وبریں دانش زدیم

جب ہم پر عدم طاری تھا یعنی جب ہم موجود ہی نہ تھے تو کوئی ایسا عمل بھی نہیں کرسکتے تھے جس سے اے خدا! آپ کی عطا کے مستحق ہوجاتے، لیکن بدون استحقاق محض اپنے کرم سے آپ نے ہمیں اشرف المخلوقات کی رُوح عطا فرمائی اور ایسی عقل ودانش دی جو دین وایمان سے مشرف ہے۔

مجھ پہ یہ لطفِ فراواں میں تو اس قابل نہ تھا

درعدم مارا چہ استحقاق بود
تا چنیں عقلے وجانے رونمود

جب ہم معدوم تھے تو ہمارا کیا استحقاق تھا کہ عقل وجان کی نعمت ہمیں دی جاتی، کیوں کہ معدوم سے عمل کا صدور بھی ناممکن ہے یعنی جب ہم نہیں تھے تو ہمارا کوئی عمل بھی نہ تھا جو آپ کی رحمت کو متوجہ کرتا، لہٰذا ہم آپ کی رحمت کے مستحق نہیں تھے۔ پس اے خدا! محض اپنے کرم سے بدون استحقاق آپ نے ہم پر رحمتوں کی بارش فرمادی کہ ہمیں وہ رُوح دی جو اشرف المخلوقات کے پیکر میں ہے اور وہ عقل وفہم دی جو ایمان سے مشرف ہے۔

اے بکردہ یار ہر اغیار را
اے بدادہ خلعتِ گل خار را

اے وہ ذات پاک جو اغیار کو یار بناتی ہے یعنی کفار کو دولتِ ایمان عطا فرما کر اپنا دوست اور پیارا بناتی ہے گویا کانٹوں کو خلعت گل عطا کرتی ہے۔

خاک ما را ثانیاً پالیز کن
ہیچ نے را بارِ دیگر چیز کن

اے خدا! ہماری مٹی حسنِ فانی اور دنیائے مردار پر مٹی ہو کر مٹی ہو گئی، کیوں کہ جو خاک کسی خاک پر فدا ہوتی ہے وہ خاک مثبت خاک ہو کر میزان میں بے قیمت خاک ہی رہتی ہے اور جو خاک اے خدا! آپ پر فدا ہوتی ہے تو آپ سے مثبت ہو کر وہ خاک رشکِ افلاک، رشکِ کائنات بلکہ رشکِ دوجہاں ہو جاتی ہے۔ پس اے خدا! ہماری مٹی کو اپنی ذات پاک پر فدا ہونے کی توفیق عطا فرما کر پھر سے سرسبز و شاداب کر دے اور اس ناچیز کو اپنی محبت و معرفت کی دولت سے قیمتی بنا دے کہ ہم اس شعر کے مصداق ہو جائیں ؎

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم

ایں دعا تو امر کردی ابتدا
ورنہ خاکی را چہ زہرہ ایں ندا

اے اللہ! آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[۱۳۷] مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا، اور آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ

مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ[۱۳۸]

جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے دُعا کی صرف اجازت ہی نہیں دی، بلکہ حکم فرمادیا کہ بندے آپ سے مانگیں۔ اگر آپ حکم نہ دیتے تو ہم خاکی پتلوں کی کیا مجال تھی کہ آپ کے سامنے لب کھول سکتے۔ یہ حکم بھی آپ کی رحمت اور کرم عظیم ہے، جس طرح اِتَّقُوا اللّٰہَ کا حکم بھی آپ کا احسان و کرم ہے کہ یہ حکم دے

۱۳۷؎ المؤمن:۶۰

۱۳۸؎ جامع الترمذی:۲/۱۷۵، ابواب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء، ایج ایم سعید

کر آپ نے دراصل اپنے بندوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، آپ نے اپنے غلاموں کو دوستی کی پیشکش کی ہے، ورنہ منی اور حیض سے پیدا ہونے والے ناپاک بندے اتنے عظیم الشان مالک سے دوستی کا تصور کرنے کی بھی مجال نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ دوستی کے لیے کوئی تو قدر مشترک ہونی چاہیے اور آپ کا اے خدا! کوئی مثل اور ہمسر نہیں۔ کہاں خالق کہاں مخلوق، کہاں آپ قدیم اور واجب الوجود اور کہاں ہم حادث وفانی۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ہم تو آپ کی دوستی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے، لیکن آپ نے دوستی کی پیشکش فرما کر کرم کے دریا بہادیے اور نا اُمیدیوں کے اندھیروں میں اُمید کا آفتاب طلوع فرمادیا کہ بس تقویٰ کو شرطِ ولایت ٹھہرایا اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ[۱۳۹] اسی لیے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ[۱۴۰] کا عاشقانہ ترجمہ دلالتِ التزامی سے یہی ہے کہ اے ایمان والو! تم ہمارے دوست بن جاؤ، لہٰذا تقویٰ کا حکم بھی آپ کی عظیم الشان رحمت ہے۔

چوں دعا امر کردی اے عجاب
ایں دعائے خویش را کن مستجاب

اے ہمارے بے مثل رب! جب آپ نے خود ہم کو دُعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے تو یہ دلیل ہے کہ آپ ہماری دُعاؤں کو قبول فرمانا چاہتے ہیں، کیوں کہ شاہ جب کسی چیز کو مانگنے کا حکم دے تو یہ دلیل ہے کہ وہ عطا کرنا چاہتا ہے اور باپ جب بچے سے کہتا ہے معافی مانگ تو یہ دلیل ہے کہ وہ معاف کرنا چاہتا ہے۔ پس حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری دُعا آپ کو مطلوب ہے اور آپ کی رحمتِ واسعہ سے بعید ہے کہ اپنی مطلوب کو آپ رد فرمادیں۔ پس ہماری دُعاؤں کو اے کریم! قبول فرمالیجیے۔

۱۳۹؎ الانفال:۳۴

۱۴۰؎ التوبۃ:۱۱۹

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۴؍ نومبر ۱۹۹۱؁ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ عشا، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

زآبِ دیدہ بندۂ بے دید را
سبزۂ بخش و نباتے زیں چرا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! میری آنکھوں کے آنسوؤں سے مجھ کورِ باطن کو نورِ بصیرت عطا کردے اور ان آنسوؤں سے میرے قلب کو سیراب کرکے سرسبز و شاداب کردے۔

ور نماند آب آبم دہ زعین
ہمچو عینین نبی ہطالتین

اور اگر ہمارے آنسو خشک ہوگئے تو ہماری آنکھوں کو رونے کے لیے آنسو عطا فرمائیے، کیوں کہ آپ کی محبت اور خوف وندامت سے نکلے ہوئے آنسو اتنے قیمتی ہیں کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ یہ قلب کو شفا دینے والے ہیں۔

تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدُّمُوْعِ[۱۴۱]

اور خشیتِ الٰہی سے نکلے ہوئے آنسو کا ایک قطرہ خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہو، دوزخ کی آگ کے حرام ہونے کا ذریعہ ہے:

مَا مِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ دُمُوْعٌ وَاِنْ کَانَ مِثْلَ رَاْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَۃِ اللہِ ثُمَّ یُصِیْبُ شَیْئًا مِّنْ حَرِّ وَجْہِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللہُ عَلَی النَّارِ[۱۴۲]

یعنی کسی بندۂ مومن کی آنکھوں سے اگر ایک آنسو اللہ کی خشیت سے نکل آئے خواہ مکھی کے سر کے برابر ہو اور اس کے چہرے پر لگ جائے تو اللہ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کردیتے ہیں۔

۱۴۱؎ کنز العمال: ۱۸۴/۲ (۳۶۶۱)، باب فی جوامع الادعیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

۱۴۲؎ سنن ابن ماجۃ: ۳۱۹، باب الحزن والبکاء، المکتبۃ الرحمانیۃ

اور اپنی خطاؤں پر ندامت کے آنسو نجات کا ذریعہ ہیں:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: مَا النَّجَاةُ فَقَالَ: اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ [۱۴۳]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ اور تیرا گھر تیرے لیے وسیع ہو جائے اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔

اور ندامت سے رونے والے گناہ گاروں کی آواز اللہ تعالیٰ کو تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے:

لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ [۱۴۴]

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گناہ گاروں کا گریۂ ندامت مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔

اے جلیل اشکِ گناہ گار کے اک قطرے کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

اور تنہائی میں اللہ کے لیے نکلے ہوئے آنسوؤں پر قیامت کے دن سایۂ عرش الٰہی کی بشارت ہے:

رَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ [۱۴۵]

وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں یعنی آنسو جاری ہو جائیں اس کو قیامت کے دن عرش کا سایہ ملے گا۔

اور اللہ کے نزدیک دو محبوب قطروں میں سے ایک محبوب قطرہ وہ آنسو ہے جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور دوسرا وہ قطرۂ خون ہے جو اللہ کے راستے میں گرا ہو:

---

۱۴۳ جامع الترمذی: ۶۶/۲، باب ما جاء فی حفظ اللسان، ایچ ایم سعید

۱۴۴ کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۲۹۸، (۸۰۵)، فی باب حرف الھمزة مع النون / روح المعانی: ۱۹۶/۳۰، القدر (۴)، دار احیاء التراث، بیروت

۱۴۵ صحیح البخاری: ۹۱/۱، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلٰوة، المکتبة المظھریة

لَیۡسَ شَیۡءٌ أَحَبَّ اِلَی اللهِ مِنۡ قَطۡرَتَیۡنِ وَأَثَرَیۡنِ: قَطۡرَۃٍ مِنۡ دُمُوۡعٍ فِیۡ خَشۡیَۃِ اللهِ وَقَطۡرَۃِ دَمٍ تُھۡرَاقُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللهِ[۱۴۶]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں: ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور ایک خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستے میں بہا ہو۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں ؎

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن با خونِ شہید

وہ اللہ اپنی محبت اور خوف سے نکلے ہوئے آنسو کو شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتا ہے۔ اور احقر کے اس مضمون پر دو شعر ہیں۔

قطرۂ اشکِ ندامت در سجود
ہمسریٔ خونِ شہادت می نمود

ندامت و خشیت سے نکلے ہوئے آنسو اللہ کے نزدیک محبوبیت میں شہیدوں کے خون کے برابر ہیں۔

ہر کجا گرید بہ سجدہ عاشقے
آں زمیں باشد حریمِ آں شہے

جس زمین پر کوئی اللہ کا عاشق اللہ کی یاد میں روتا ہے وہ زمین اللہ تعالیٰ کا حرم بن جاتی ہے۔

تو مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! اگر ہماری آنکھیں خشک ہو گئیں تو رونے کے لیے آنسو عطا فرمائیے، جس طرح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے موسلادھار برسنے والی بارش کی طرح رونے والی آنکھیں مانگی ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارۡزُقۡنِیۡ عَیۡنَیۡنِ ھَطَّالَتَیۡنِ تَشۡفِیَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدُّمُوۡعِ مِنۡ خَشۡیَتِکَ قَبۡلَ اَنۡ تَکُوۡنَ الدُّمُوۡعُ دَمًا وَّ الۡاَضۡرَاسُ جَمۡرًا[۱۴۷]

۱۴۶؎ جامع الترمذی: ۱/۲۹۷، ابواب فضائل الجھاد، باب ما جاء ای الناس افضل، ایچ ایم سعید

۱۴۷؎ کنز العمال: ۲/۱۸۴، (۳۶۶۱)، باب فی جوامع الادعیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

اے اللہ! مجھے ایسی آنکھیں عطا فرما جو موسلا دھار ابر کی طرح برسنے والی ہوں تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ جو آنسوؤں سے دل کو سیراب کر دیں قبل اس کے کہ دوزخ میں آنسو خون اور ڈاڑھیں انگارے بن جائیں۔

مناجاتِ مقبول میں جو روایت منقول ہے اس میں تَشْفِيَانِ الْقَلْبَ کے بجائے تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ ہے۔

غَيْمٌ هَاطِلٌ کے معنٰی موسلا دھار برسنے والا بادل یعنی موسلا دھار بارش، اور هَطَّالَةٌ مبالغے کا وزن ہے جو یہاں صفت ہے عَيْنَيْنِ کی اور عَيْنَيْنِ عربی قاعدے سے مؤنث ہے اس لیے اس کی صفت هَطَّالَةٌ بھی مؤنث استعمال فرمائی گئی۔ سرورِ عالم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ مجھے ایسی آنکھیں عطا فرمائیے جو هَاطِلَةٌ نہیں هَطَّالَةٌ ہوں هَاطِلَة میں بھی موسلا دھار بارش جیسے گریہ کا مفہوم تھا، لیکن نبوت کی جان عاشق نے اس پر قناعت نہ فرمائی بلکہ ایسی آنکھیں مانگیں جو هَطَّالَةٌ ہوں یعنی موسلا دھار برسنے والے ابر سے بھی زیادہ رونے والی ہوں۔

اب میں ہوں تری یاد ہے اور دیدۂ تر ہے

اسی کو مولانا رُومی ایک اور شعر میں فرماتے ہیں۔

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثار دلبر زیبا شدے

اے کاش! میرے آنسو دریا ہو جاتے تاکہ میں آنسوؤں کا دریا محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ پر قربان کر دیتا۔

ہر کجا بینی تو خوں بر خاکہا
پس یقیں می داں کہ آں از چشمِ ما

اے لوگو! خاک پر جہاں کہیں خون پڑا ہوا دیکھنا تو یقین کر لینا کہ وہ میری ہی آنکھوں سے بہا ہو گا۔ آہ! کیا تمنا ہے کہ روئے زمین کا ہر ذرّہ میرے آنسوؤں سے تر ہو جائے۔

تو هَطَّالَتَيۡنِ،عَيۡنَيۡنِ کی صفتِ اولیٰ ہے یعنی اللہ والی آنکھوں کی پہلی صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے هَطَّالَتَيۡنِ فرمائی کہ وہ موسلا دھار بارش سے بھی زیادہ آنسو برسانے والی ہیں۔ اس کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں کی دوسری صفت اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ تَشۡفِيَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدُّمُوۡعِ یا تَسۡقِيَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدَّمۡعِ[۱۴۸] وہ آنکھیں ایسی ہوں جو بہتے ہوئے آنسوؤں سے دل کو شفا دینے والی ہوں یا بہتے ہوئے آنسوؤں سے دل کو سیراب کردیں۔ صرف وہی آنسو دل کو سیراب کرتے ہیں جو اللہ کی محبت یا اللہ کے خوف سے بہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر رونے والی آنکھ دل کو سیراب نہیں کرتی، جو آنسو غیر اللہ کے لیے نکلتے ہیں وہ دل کو سیراب نہیں کرتے بلکہ دل کا ستیاناس کردیتے ہیں۔

اسی کو مولانا رُومی نے مثنوی میں دوسری جگہ فرمایا کہ جو آنکھیں غیر اللہ کے لیے روتی ہیں اس قابل ہیں کہ ان کو نکال کر پھینک دیا جائے۔ مراد یہ نہیں ہے کہ ان کو حقیقت میں نکال دیا جائے بلکہ یہ مراد ہے کہ ایسی آنکھیں کسی کام کی نہیں ہیں۔ اور جیسا کسی عربی شاعر نے کہا ہے کہ جو آنکھیں آپ کے لیے بیدار نہ ہوں، آپ کے غیروں کے لیے جاگ رہی ہوں وہ آنکھیں اور ان کی بیداری بے کار اور تضیعِ اوقات ہے اور جو آنسو آپ کی جدائی کے غم کے بجائے مرنے والوں کے لیے بہہ رہے ہوں وہ باطل ہیں۔

تو عَيۡنَيۡنِ کی صفتِ ثانیہ یعنی اللہ والی آنکھوں کی دوسری صفت تَسۡقِيَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدَّمۡعِ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کے آنسو مانگے ہیں کہ صرف وہی دل کو سیراب کرتے ہیں۔

اور عَيۡنَيۡنِ کی صفتِ ثالثہ یعنی آنکھوں کی تیسری صفت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مانگ رہے ہیں: قَبۡلَ اَنۡ تَكُوۡنَ الدُّمُوۡعُ دَمًا وَّالۡاَضۡرَاسُ جَمۡرًا کہ اے اللہ! رونے کی یہ توفیق اسی حیاتِ دنیا میں عطا فرمادیجیے قبل اس کے کہ دوزخ میں یہ آنسو خون اور ڈاڑھیں انگارے بن جائیں کیوں کہ دوزخ میں دوزخی خون کے آنسو روئے گا لیکن وہ آنسو کسی کام کے نہ ہوں گے کہ وہ تو عذاب کے آنسو ہوں گے۔ پس مبارک وہ

۱۴۸؎ کنز العمال:۲/۱۸۴،(۳۶۶۱) فصل فی جوامع الادعیۃ،مؤسسۃ الرسالۃ

آنسو ہیں جو اسی دنیا کی زندگی میں اللہ کے لیے بہہ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیار کا اور عذابِ جہنم سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست
اے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

مبارک ہیں وہ آنکھیں جو اس دنیا میں اللہ کے لیے رو رہی ہیں اور مبارک ہیں وہ دل جو اللہ کی محبت میں جل رہے ہیں۔ اور قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّالْاَضْرَاسُ جَمْرًا ظرف ہے اور ہر ظرف مظروف کے لیے بمنزلۂ قید ہوتا ہے اور قید بمنزلۂ صفت ہوتی ہے پس یہ نحوی صفت تو نہیں ہے لیکن معنوی صفت ہے۔ اس لیے اس کو عَيْنَيْنِ کی صفتِ ثالثہ قرار دینا صحیح ہے۔

جب احقر معارف مثنوی لکھ رہا تھا یہ خاص شرح اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے عطا فرمائی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

منگر اندر زشتی و مکر و ہیم
کہ ز پُر زہرے چو مار کو ہیم

اے خدا! میری زشت خوئی، نالائقی اور اخلاقِ رذیلہ پر نظر نہ فرمایئے کہ مثل پہاڑی سانپ کے میرے اندر تقاضائے معصیت کے شدید زہریلے مادّے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو میرا نفس کوئی گناہ نہ چھوڑے۔ پس اے اللہ! میرے رذائلِ باطنیہ پر آپ نظرِ عفو و درگزر ڈالیے، نظرِ قہر و انتقام نہ ڈالیے۔

اے کہ من زشت و خصالم نیز زشت
چوں شوم گل چوں مرا او خار کشت

اے خدا! میں اپنے نفسِ اَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ کے سبب نہایت بدخصلت، بدخصال، زشت خو اور اپنی ذات ہی سے بُرا ہوں۔

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال
بد عمل بد فہم بد خو بد خصال

پس میں پھول کیسے ہو سکتا ہوں جبکہ اپنی ذات کے اعتبار سے کانٹا ہوں۔

آں خاری گریست کہ اے عیب پوش خلق
شد مستجاب دعوت او گلعذار شد

ایک کانٹا رو رہا تھا کہ اے مخلوق کے عیب چھپانے والے! میرے عیب کو کون چھپائے گا؟ کیوں کہ آپ نے تو مجھے کانٹا پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد سن لی اور اس کے اُوپر پھول پیدا کر دیے جن کے دامن میں اس کانٹے نے اپنا منہ چھپالیا اور وہ خار گلعذار ہو گیا۔ اب مالی بھی اس کو باغ سے نہیں نکال سکتا۔ جو کانٹے پھولوں کے دامن میں ہیں مالی ان کو گلستاں سے نہیں نکالتا، جو خالص کانٹے ہوتے ہیں ان کو گلستاں سے باہر کر دیا جاتا ہے۔ پس اگر تم خار ہو تو اللہ والوں کے دامن میں اپنا منہ چھپالو، تم اللہ کے قُرب کے باغ سے نہیں نکالے جاؤ گے اور دنیا کے کانٹے تو پھولوں کے دامن میں چھپ کر کانٹے ہی رہتے ہیں، لیکن اللہ والوں کی صحبت میں وہ کرامت ہے کہ تمہاری خاریت خلعت گل سے تبدیل ہو جائے گی یعنی تم بھی ولی اللہ ہو جاؤ گے۔ اللہ والوں کی صحبت کانٹوں کو پھول بنا دیتی ہے یعنی کافر کو مومن اور فاسق کو ولی بنا دیتی ہے۔ احقر نے اپنے شیخ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کی شان میں یہ شعر عرض کیے ہیں؎

ہمیں معلوم ہے تیرے چمن میں خار ہے اخترؔ
مگر خاروں کا پردہ دامنِ گل سے نہیں بہتر

چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گل تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

نو بہارا حسنِ گل دہ خار را
زینتِ طاؤس دہ ایں مار را

اے محبوبِ حقیقی! اے رشکِ بہارِ کائنات! اس کانٹے کو پھول کا سا حسن عطا فرما دیجیے

اور اس سانپ کو طاؤس کی سی زینت دے دیجیے یعنی میرے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل فرما دیجیے، کیوں کہ آپ کا فضل تبدیلِ ماہیت پر قادر ہے۔

در کمال زشتیم من منتہی
لطفِ تو در فضل و در فن منتہی

اے اللہ! میں زشت خوئی، بدی، نالائقی اور کمینہ پن کی آخری سرحدوں کو پار کر چکا ہوں، یعنی بُرائیوں میں کمال کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں، منتہی فی الرذائل ہوں، منتہی فی السوء ہوں، بدی میں اپنی مثال آپ ہوں اور آپ کا لطف و کرم عفو و درگزر اور مہربانی و فضل میں غیر متناہی کمال رکھتا ہے، کیوں کہ آپ کی ذات غیر متناہی ہے، لہٰذا آپ کی ہر صفت غیر متناہی اور لا محدود ہے۔

حاجتِ ایں منتہی زاں منتہی
تو بر آرائے غیرت سرو سہی

میرے نفس منتہی فی السوء کی حاجتِ تزکیہ کو اے اللہ! اپنے بے پایاں اور غیر متناہی کرم سے پورا کر دیجیے یعنی اس منتہی فی الرذائل کی اصلاح اپنے غیر متناہی لطف و کرم سے فرما دیجیے کہ آپ غیرت سرو سہی ہیں اور سرو سہی تناسبِ قد و قامت اور حسن و دلکشی میں ضرب المثل ہیں، پس اخلاقِ رذیلہ سے بدہیئت اور بدشکل نفس امارہ کو اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کر کے رشک سرو سہی بنا دیجیے۔

دست گیرم در چنیں بے چارگی
شاد گردانم دریں غم خوارگی

اے اللہ! ایسی سخت بے کسی و بے چارگی میں کہ میں نفس کے تقاضوں سے پریشانی میں مبتلا ہوں آپ میری مدد فرمائیے اور آپ کی نافرمانی سے بچنے کا جو غم اُٹھا رہا ہوں اپنی حلاوتِ قُرب سے میری غم خواری فرما کر میرے دلِ غم زدہ کو شاد و مسرور کر دیجیے۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۵؍نومبر ۱۹۹۱؁ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

روح را تاباں کن از انوارِ ماہ
زانکہ از آسیبِ ذنب شد دل سیاہ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کررہے ہیں: چوں کہ میرا دل گناہوں کی ظلمت سے سیاہ ہوگیا ہے آپ مغفرت ورحمت کے انوار سے میرے قلب وجاں کو روشن کردیجیے۔

از خیال و وہم و ظن بازش رہاں
از چہ و جور رسن بازش رہاں

اے اللہ! اوہام وخیالاتِ فاسدہ اور تقاضائے نفسانیہ سے اس بندے کو پھر رہائی عطا فرمادیجیے اور چاہِ ظلمت اور نفس کے ظلم کی قید سے اپنے اس غلام کو پھر آزادی دلادیجیے۔

تاز دلداریٔ خوبِ تو دلے
پر برآرد برپرد ز آب و گلے

تاکہ آپ کی دلجوئی اور جذبِ خاص سے دل تعلقات ماسوی اللہ اور خواہشاتِ نفسانیہ کے آب وگل سے نکلنے کے لیے پَر نکالے اور غیر اللہ کے علاقوں سے نکل کر آپ کی طرف مائل پرواز ہو۔

رنج تھا اسیروں کو بال وپَر کے جانے سے
اُڑ چلے قفس لے کر فصلِ گل کے آنے سے

اور اے اللہ! نفس کے بُرے تقاضوں کو چھوڑنا اور آب و گِل کی فانی بہاروں سے صَرفِ نظر کرنا آپ کے جذبِ کرم اور توفیقِ خاص کے بغیر ممکن نہیں، ورنہ اس کون ومکاں کی ہر فانی بہار اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

اس گلشنِ ہستی سے چھٹنا اے دوست نہیں آساں اتنا
ہر کانٹا دامن کھینچے ہے ہر پھول گریباں مانگے ہے

لیکن جس پر آپ کا کرم ہو، جس کو آپ جذب فرمائیں وہ ان فانی بہاروں سے مستغنی ہو کر آپ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

سن لے اے دوست جب ایّام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

زاں مثالِ برگِ دے پژمردہ ام
کہ ز بہشتِ وصل گندم خوردہ ام

اے خدا! میں فصلِ خزاں کے پتوں کی طرح پژمردہ وافسردہ ہوں، کیوں کہ میری روح آپ کی جنتِ قُرب اور معیّتِ خاصہ کی بہاروں سے مشرف ہونے کے باوجود خطاؤں کی مرتکب ہو کر آپ سے دور ہوگئی، پس آپ کی بہارِ قُرب کی محرومی سے میں اس طرح مُرجھا گیا ہوں جیسے خزاں کے موسم میں پھول پتے مُرجھا جاتے ہیں۔

جب فلک نے مجھ کو محرومِ گلستاں کردیا
اشک ہائے خوں سے میں نے گل بداماں کردیا

چوں بدیدم لطف و اکرام ترا
واں سلام و سلم و پیغام ترا

لیکن اپنی نالائقیوں اور خطاؤں کے باوجود جب میں نے آپ کا لطف واکرام اور سلام وپیام یعنی قبولیتِ توبہ کا اعلان اور دعوت الٰی دار السلام کو دیکھا، تو آپ سے رشتۂ محبت اور رابطۂ عبدیت استوار کرنے کا ہمت و حوصلہ ہوا، ورنہ اپنی خطاؤں کا استحضار آپ سے

حجاب بن گیا تھا جو آپ کے کرمِ عام اور رحمتِ واسعہ کے صدقے میں اُٹھ گیا۔

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

من سپندِ چشم بد کردم پدید
در سپندم نیز چشم بد رسید

ارشاد فرمایا کہ اسپند ایک کالا دانہ ہے جو مثل رائی کے ہوتا ہے۔ اسپند جلانا ایک محاورہ ہے جو مولانا نے تشبیہ کے طور پر یہاں استعمال کیا ہے کہ پہلے لوگ نظرِ بد کا اثر دور کرنے کے لیے دانۂ اسپند جلایا کرتے تھے، تو مولانا فرماتے ہیں کہ شیطان کی پُر فریب نظر یعنی کید و مکر سے بچنے کے لیے میں نے تدابیر کا اسپند جلایا، لیکن میری ان تدابیر کو بھی اس نے نظرِ بد لگادی اور میں تلبیسِ ابلیس کے شکنجے میں آ گیا۔

دافعِ ہر چشم بد از پیش و پس
چشم ہائے پُر خمارِ تست و بس

اے اللہ! اوّل و آخر، دائیں بائیں ہر طرف سے ابلیس کی نظرِ بد یعنی اس کی تلبیس و اغوا اور کید و مکر سے ہماری حفاظت کرنے والی صرف آپ کی چشم پُر خمار یعنی آپ کی عنایاتِ محبوبانہ والطافِ کریمانہ ہیں۔ اگر آپ کی حفاظت ہو تب ہی ہم شیطان کے اغوا و تلبیس سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

چشم بد را چشمِ نیکویت شہا
مات و مستاصل کند نعم الدوا

ابلیس کی نظر بد کے اثر کو زائل کرنے کے لیے اور اس کے ضرر کو جڑ سے اُکھاڑنے کے لیے اے خدا! صرف آپ کی نگاہِ کرم ہی بہترین دوا ہے اور شیطان کے مکر سے بچنے کی

کوشش و تدبیر کرنا مثلاً تقویٰ حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ اس کا حکم دیا گیا ہے کہ اس پر ہی فضل مرتب ہوتا ہے، لیکن مؤثرِ حقیقی حق تعالیٰ کا فضل و رحمت ہے جس کے بغیر کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔

بل ز چشمت کیمیا ہا می رسد
چشمِ بد را چشمِ نیکو می کند

بلکہ اے خدا! آپ کی نظرِ کرم چشمِ بد کی صرف دافع ہی نہیں، اس سے بڑھ کر ہے کہ آپ کی نگاہ سے ہزار کیمیا عطا ہوتی ہے جو ماہیت ہی کو تبدیل کردیتی ہے اور بُری نظر کو اچھی نظر بنادیتی ہے، کرگس کو بازِ شاہی یعنی فاسق کو ولی اللہ بنادیتی ہے۔ پھر اپنے اس ولی کی نظر اور توجہ میں آپ وہ خاصیت رکھتے ہیں کہ جس پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے وہ بھی تلبیس ابلیس سے محفوظ ہوجاتا ہے، لہٰذا اصلاحِ حال کے لیے جہاں تقویٰ کا اہتمام ضروری ہے اللہ والوں کی صحبت و خدمت میں رہنا بھی ضروری ہے۔ ان کی نظر میں اللہ نے کیمیا کا اثر رکھا ہے جو پتھر کو سونا بنادیتی ہے، یعنی غافل و نافرمان کو اولیاء کی صف میں شامل کردیتی ہے۔

اشکوں کی بُلندی

خُداوندا مجھے توفیق دے دے
فِدا کردُوں میں تُجھ پر اپنی جاں کو

گُنہگاروں کے اشکوں کی بُلندی
کہاں حاصل ہے اختؔر کہکشاں کو

اختؔر

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۲؍ ذوقعدہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۴؍ مئی ۱۹۹۳؁ء

بروز منگل، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے کمینہ بخششت ملکِ جہاں

من چہ گویم چوں تو می دانی نہاں

ارشاد فرمایا کہ یہاں اے کا منادیٰ محذوف ہے یعنی اے خدا! یہ ملکِ جہاں آپ کی ادنیٰ بخشش ہے یعنی زمین و آسمان، سورج اور چاند، سمندر اور پہاڑ، ستارے اور کہکشاں پوری کائنات آپ کا ایک معمولی سا انعام ہے، ہمارے لیے تو یہ عظیم تر ہے مگر آپ کے لیے حقیر تر ہے۔ یہ دو نسبتیں ہیں، جب نسبت اللہ کی طرف ہو گی تو ان کی عظمتِ شان کے مقابلے میں یہ کائنات اللہ کی ایک معمولی سی عطا ہے کیوں کہ وہ خالق ہے، لیکن جب بندوں کی طرف نسبت ہو گی تو ہمارے لیے یہ عظیم تر ہے کیوں کہ ہم کائنات کا ادنیٰ سے ادنیٰ جز مثلاً ایک ذرہ اور ایک پتا تک پیدا نہیں کر سکتے، لہٰذا اے خدا! یہ پورا ملکِ جہاں آپ کی عظمتِ شان کے مقابلے میں ایک ادنیٰ سی بخشش ہے۔ یہ ترجمہ ملّائے خشک نہیں کر سکتا سوائے اہل اللہ کی جوتیاں اُٹھانے والوں کے۔ یہاں اگر عظمتِ شان کا مقابلہ نہیں کہیں گے تو اللہ کی صفتِ تخلیق کی تحقیر ہو جائے گی، لہٰذا یہ جملہ میں اپنے بزرگوں کی دُعاؤں کا صدقہ سمجھتا ہوں کہ اے خدا! یہ پورا ملکِ جہاں زمین و آسمان، سورج اور چاند ساری کائنات آپ کی عظمتِ شان کے سامنے ایک حقیر مخلوق ہے۔

من چہ گویم چوں تو می دانی نہاں

میں آپ سے کیا کہوں جبکہ آپ سب پوشیدہ باتوں کو بھی جانتے ہیں۔

حالِ ما ایں خلائق سر بسر

پیشِ لطفِ عامِ تو باشد ہدر

ہمارا حال اور پوری مخلوق کا حال یعنی زمین و آسمان، سمندر اور پہاڑ، سورج اور چاند، ستاروں اور

سیاروں کا حال، بے جان سے لے کر جاندار تک، جانور سے لے کر انسان تک، فُساق وفُجّار سے لے کر انبیاء واولیاء واقطاب وابدال تک سب کا حال آپ پر ظاہر ہے اور آپ کے لطفِ عام کے سامنے وہ ناقابلِ اعتناء ہے، ناقابلِ التفات ہے یعنی اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر آپ چاہیں تو بڑے سے بڑے نافرمان کو ایک لمحے میں ہدایت دے کر اس کی نافرمانی کو درِ توبہ پر سر بسجود کرادیں اور چیونٹی سے ہاتھی کو مروادیں، مچھر سے نمرود کو مروادیں اور بڑی طاقتوں کو چھوٹی چیز سے فنا کردیں۔ سو برس کے کافر کو سیکنڈوں میں فخرِ اولیاء بنادیں اور رات دن کے عابد کو کہہ دیں کہ مردود ہوجا جیسے شیطان مردود ہوا۔ کتنے لوگ خانقاہ سے نکالے گئے۔ حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خلیفہ اتنا زبردست عالم تھا کہ وہ حضرت کی اُردو تقریر کو عربی میں لکھتا تھا اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ اس سے بڑا کوئی خلیفہ نہیں ہے اور جانشین یہی ہوگا لیکن وہی خانقاہ سے نکالا گیا۔ دنیاوی معاملے میں تنخواہ کے اضافے میں اسے وسوسہ آیا کہ اتنی فتوحات آتی ہیں، شیخ ہماری تنخواہ کیوں نہیں بڑھاتے۔ پھر ایسا دشمن ہوا کہ حضرت کے مسلک کے خلاف سیاسی تحریکات کی طرف ہوگیا۔ حضرت نے اس کے لیے ''موذی مُرید'' کے نام سے ایک رسالہ اپنی زندگی ہی میں شایع فرمادیا۔ اور میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آخری دنوں میں اس کو کوڑھ ہوگیا اور بہت بُری حالت میں موت آئی۔ اللہ والوں کی ایذا رسانی سے اللہ بچائے ؎

اے ہمیشہ حاجتِ ما را پناہ
بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ

اے اللہ! ہماری ہر حاجت کے لیے آپ ہی پناہ ہیں۔ یعنی اے خدا! ہماری جو بھی حاجت ہوتی ہے ہم آپ ہی سے کہتے ہیں اور آپ ہی سے ہماری حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ ہماری حاجت روائی کے لیے آپ کے علاوہ کوئی دوسری پناہ گاہ نہیں ہے جہاں ہم اپنی حاجتیں پیش کریں، آپ ہی ہماری حاجتوں کے لیے پناہ گاہ ہیں۔

بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ

بارِ دیگر یہاں لغوی معنیٰ میں نہیں ہے اصطلاحی معنیٰ میں ہے یعنی ہم سے صرف دوسری دفعہ نہیں بار بار خطا ہورہی ہے، مراد تکرار ہے۔ مثلاً: ایک دن بدنظری کرلی پھر توبہ کی اور دوسرے دن پھر نظر خراب کرلی یعنی بار بار ہم نے آپ کی راہ کو بھلادیا، آپ کی رضا

کے راستے کو بھول کر بار بار ہم آپ کی ناراضگی کے راستے پر پڑ جاتے ہیں، بار بار توبہ کرتے ہیں لیکن جب گناہ کا تقاضا اور غلبہ ہوتا ہے اور شہوت کا بھوت سوار ہوتا ہے تو ہم آپ کو فراموش کردیتے ہیں اور نفس دشمن کی غلامی کرنے لگتے ہیں اورآپ کی عظمتوں سے ہمارا نفس صَرفِ نظر کرادیتا ہے اور ہماری گول ٹوپیوں اور داڑھیوں اور لمبے کرتوں یعنی وضعِ صالحین کے ساتھ نہایت گندے کاموں میں نفس وشیطان مبتلا کردیتا ہے۔ اگر آپ ستاری نہ فرماتے تو ساری دنیا ہم پر تھوکتی،اورہمیں جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت!دُعا کیجیے گا وہ یہ الفاظ واپس لے لیتے۔

لیک گفتی گرچہ می دانم سرت
زود ہم پیدا کنش بر ظاہرت

لیکن آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میں تمہارا بھید جانتا ہوں اور تمہاری حاجتوں سے واقف ہوں لیکن پھر بھی اُدْعُوْنِیْ کا حکم دے رہا ہوں کہ مجھ سے مانگو اَسْتَجِبْ لَکُمْ[۱۴۹] میں تمہیں عطا کروں گا۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس کو ظاہر پر لاؤ یعنی جلدی سے اپنی زبان سے کہہ دو کہ اے اللہ! ہم کو روٹی چاہیے، کپڑا چاہیے، مکان چاہیے، صحت چاہیے، حج وعمرہ کی زیارت چاہیے، گناہوں سے حفاظت چاہیے وغیرہ ۔ اگرچہ میں تمہارے دل کے رازوں سے باخبر ہوں لیکن مانگنے کا حکم اس لیے دے رہا ہوں تاکہ تمہارا فقر اور احتیاج ظاہر ہو اوراستغنا کی شان نہ معلوم ہو۔

گڑ گڑا کے جو مانگتا ہے جام
ساقی دیتا ہے اس کو مے گلفام

ناز ونخرے کرے جو مے آشام
ساقی رکھتا ہے اس کو تشنہ کام

درس کے دوران ارشاد فرمایا کہ میں مناجات مولانارُوم پہلے پڑھتاہوں اورعلوم ومعارف بعد میں تاکہ مانگنے کا طریقہ آجائے، لہٰذا ان اشعار کو زبانی یاد کرلیجیے اور دُعا میں مانگیے۔

۱۴۹؎ المؤمن:۶۰

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۵/ مئی ۱۹۹۳؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

نالہ کردم کہ تو علام الغیوب
زیرِ سنگ مکر بد مارا مکوب

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بار گاہِ خداوندی میں دُعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! میں اپنے گناہوں کی معافی کے لیے آپ سے نالہ و فریاد اور آہ وفغاں کرتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ علّام الغیوب ہیں، پوشیدہ باتوں کو جاننے والے ہیں، غیب ہمارے لیے غیب ہے آپ کے لیے عالمِ غیب بھی عالمِ شہادت ہے۔ عالمِ برزخ، احوالِ قیامت اور جنت دوزخ ہمارے لیے غیب ہے لیکن آپ کے ہر وقت سامنے ہے۔ اسی طرح ہمارا ماضی حال اور مستقبل بھی ہمہ وقت آپ کے سامنے ہے، کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارا حال مخلوق سے پوشیدہ ہوسکتا ہے، مخلوق سے ہم اپنے عیبوں کو چھپا سکتے ہیں، لیکن کون ہے جو آپ سے اپنی حالت کو چھپا سکے۔ جس وقت میں گناہ کر رہا تھا اس وقت بھی آپ کی قدرتِ قاہرہ مجھے دیکھ رہی تھی اگر آپ چاہتے تو اسی وقت مجھے نیست ونابود کرسکتے تھے لیکن آپ کی رحمتِ واسعہ کے صدقے میں مجھ پر عذاب نازل نہیں ہوا۔ پس چوں کہ میرا سب حال آپ کو معلوم ہے اس لیے آپ سے گڑ گڑانے، معافی مانگنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، کیوں کہ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللہُ [۱۵۰] آپ کے علاوہ کون ہے جو گناہوں کو معاف کرسکتا ہے، آپ ہی ہمارا آخری سہارا ہیں، آپ ہی ہماری واحد پناہ گاہ ہیں، آپ کے علاوہ ہماری کوئی پناہ گاہ نہیں، کوئی سہارا، کوئی دروازہ نہیں۔ اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے تو پھر کون ہے جو ہمیں معاف کرے ؎

وَاِنْ کَانَ لَا یَرْجُوْکَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَدْعُوْ وَیَرْجُو الْمُجْرِمُ

۱۵۰؎ اٰل عمرٰن:۱۳۵

اگر نیک بندے ہی آپ سے اُمیدیں رکھ سکتے ہیں تو کون ہے وہ ذات جسے مجرم پکارے ؎

نہ پوچھے سوا نیک کاروں کے گر تو
کدھر جائے بندہ گناہ گار تیرا

اِلٰهِیْ عَبْدُكَ الْعَاصِیْ اَتَاكَ
مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاكَ
فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَ اَهْلٌ
وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَّرْحَمْ سِوَاكَ

ترجمہ: اے اللہ! آپ کا گناہ گار بندہ آپ کے پاس حاضر ہوگیا اس حال میں کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کررہا ہے اور آپ کو پکار رہا ہے، پس اگر آپ اس کو بخش دیں تو آپ اس کے اہل ہیں، آپ کا یہ کرم آپ کی شانِ کرم کے شایانِ شان ہے، اور اگر آپ اس کو ٹھکرادیں تو آپ کے سوا کون ہے جو اس پر رحم کرسکے۔

باز آمد بندۂ بگریختہ
آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

آپ سے بھاگا ہوا بندہ گناہوں سے اپنی آبرو کو تباہ کرکے پھر آپ کے پاس آگیا ہے۔ پس اے خدا! جب آپ مرے تمام رازوں سے باخبر ہیں، میرے تمام گناہوں کا آپ کو علم ہے تو ؎

روزِ محشر اے خدا رُسوا نہ کرنا فضل سے
کہ ہمارا حال تجھ سے کوئی پوشیدہ نہیں

اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا تعلیم فرمائی میرے حق میں اس کو قبول فرمالیجیے: **اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ** اے اللہ! مجھے رُسوا نہ کیجیے، کیوں کہ آپ مجھے خوب جانتے ہیں، میری تمام نالائقیوں کا آپ کو علم ہے، اس لیے مجھے رُسوا کرنا آپ کو کچھ مشکل نہیں **وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ**[۱۵۱] اور مجھے عذاب نہ دیجیے کہ میں

---

۱۵۱ مصنَّف بن ابی شیبۃ: ۷/۱۷۷، کلام مطرف بن الشخیر، مکتبۃ الرشد، ریاض

پوری طرح آپ کی قدرتِ قاہرہ غالبہ کاملہ کے تحت ہوں۔ جو پوری طرح قدرت میں ہو اس کو عذاب دینا قادرِ مطلق کو کیا مشکل ہے، لیکن آپ کریم ہیں، اپنے کرم کے صدقے میں اس بندۂ عاجز اور مغلوب کو رُسوا بھی نہ کیجیے اور عذاب بھی نہ دیجیے۔ دوسرے مصرع میں مولانا اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں؎

زیر سنگ مکر بد مارا مکوب

اے خدا! میرا نالہ وفریاد آپ سے اس لیے بھی ہے کہ گناہوں پر مسلسل اصرار اور نافرمانیوں میں ابتلا کی نحوست سے گناہ کے تقاضوں میں شدت آگئی ہے، لہٰذا اگر آپ مدد نہ فرمائیں گے تو نفس وشیطان اپنے مکر وفریب کے پتھر کے نیچے مجھے کوٹتے رہیں گے، لہٰذا اے خدا! میری مدد فرمائیے اور نفس وشیطان کی مکّاریوں سے اور ان کی چالوں اور دھوکوں سے مجھے بچالیجیے کہ نفس وشیطان مجھے مغلوب نہ کرسکیں۔ اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ[۱۵۲] اور میری ایسی حفاظت فرمائیے جیسے ماں اپنے چھوٹے سے بچے کی حفاظت کرتی ہے کہ اس کے بچے کو اگر مٹی کھانے کی عادت ہے تو گھر میں جھاڑو لگا کر گھر کو مٹی سے پاک کردیتی ہے اور اگر کوئی دوسرا بچہ چھپا کر مٹی لاتا ہے تو اس کا کسٹم کرتی ہے اور مٹی اس سے چھین کر پھینک دیتی ہے اور ایسے بچے کو اپنے بچے کے پاس بھی نہیں آنے دیتی اور اگر بچہ کبھی چھپا کر مٹی منہ میں رکھ لیتا ہے تو اس کے منہ میں اُنگلی ڈال کر نکال لیتی ہے اور کبھی نگل لیتا ہے تو اس کو قے کرادیتی ہے تاکہ کوئی مضر چیز میرے بچے کو نقصان نہ پہنچادے۔ تو اے اللہ! ماں کی رحمت تو آپ کی رحمت کی ادنیٰ بھیک ہے، ماؤں کو محبت کرنا تو آپ ہی نے سکھایا ہے۔ پس اے خالقِ رحمتِ مادراں! گناہوں سے میری بھی اسی طرح حفاظت فرمائیے کہ اگر میں گناہ کرنا بھی چاہوں تو آپ نہ کرنے دیجیے اور گناہ اور اسبابِ گناہ کو مجھ سے اس طرح دور کردیجیے جیسے ماں مضر چیزوں کو اپنے چھوٹے بچے سے دور کردیتی ہے۔

یا کریم العفو ستار العیوب
انتقام از ما مکش اندر ذنوب

۱۵۲ مجمعُ الزوائد: ۱۰/۲۹۰-۲۹۱، (۱۷۴۱۹)، باب الادعیۃ المأثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دار الفکر / مسند ابی یعلٰی: ۹/۳۹۶ (۵۵۲۷)

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم بہت نالائق ہیں، بُرائیوں میں کمال کو پہنچے ہوئے ہیں، آپ کی نافرمانی کرتے کرتے اس قابل ہوگئے کہ معافی کے قابل بھی نہیں رہے، لیکن آپ کریم ہیں اور کریم وہ ہوتا ہے جو نا قابلِ معافی کو معاف کردے، نالائقوں پر رحم فرمادے، مستحقِ سزا و عذاب پر اپنی رحمت و مہربانی فرمادے اور ایسے نااہلوں کو بھی اپنے کرم سے محروم نہ کرے۔ پس اے کریم! ہمارے گناہوں کو محض اپنے کرم سے معاف فرمادیجیے، بلکہ گناہوں کے آثار ونشانات کو بھی محو فرمادیجیے، کیوں کہ عفو کے معنیٰ ہیں گناہوں کے نشانات اور شہادتوں کو مٹادینا۔ اے اللہ! آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ آپ سے معافی مانگتا ہے اور آپ جب اس کو معاف فرمادیتے ہیں تو آپ گناہ کے چاروں گواہوں کو ختم کردیتے ہیں، کراماً کاتبین سے اس کے گناہ کو بھلادیتے ہیں اور اس کے اعمال نامہ سے اس گناہ کو خود مٹادیتے ہیں اور جس زمین پر اس نے گناہ کیا تھا اس زمین سے بھی گناہ کے آثار کو مٹادیتے ہیں اور اس کے اعضا جو قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دینے والے تھے ان اعضا کو بھی وہ گناہ بھلادیتے ہیں حَتّٰی یَلْقَی اللہَ وَلَیْسَ عَلَیْہِ شَاھِدٌ مِّنَ اللہِ بِذَنْبٍ[۱۵۳] یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے خلاف کوئی گواہ نہ ہوگا۔

پس اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگ رہا ہوں، اپنے جرائم پر نادم ہوکر توبہ کررہا ہوں، آپ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کو میرے حق میں قبول فرمالیجیے اور مجھے معاف فرمادیجیے اے کریم۔

اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دُعا بھی سکھائی: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ اور بعض احادیث میں لفظِ کریم کا بھی اضافہ ہے کہ اے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے، بڑے کریم ہیں، نا قابلِ معافی اور مستحقِ عذاب کو بھی بوجہ اپنے کرم کے معاف فرمادیتے ہیں اور یہی نہیں کہ صرف معاف فرماتے ہیں بلکہ تُحِبُّ الْعَفْوَ معاف

۱۵۳؎ کنز العمال: ۲۰۹/۴،(۱۰۱۷۹)،باب فضل التوبۃ والترغیب فیھا،مؤسسۃ الرسالۃ

کرنے کو آپ محبوب رکھتے ہیں جس کی شرح محدثین نے یہ کی ہے کہ اَنْتَ تُحِبُّ ظُهُوْرَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلٰى عِبَادِكَ[۱۵۴] اپنے بندوں پر اپنی صفتِ عفو ومغفرت کا ظہور آپ کو خود محبوب ہے یعنی اپنے گناہ گار بندوں کو معاف کرنا آپ کا محبوب عمل ہے۔ پس آپ کے اس محبوب عمل کے لیے ہم گناہ گار اپنے گناہوں پر ندامت واستغفار وتوبہ کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوئے ہیں فَاعْفُ عَنِّيْ[۱۵۵] پس ہم کو معاف کردیجیے کہ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔

آگے مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! جس طرح آپ کریم العفو ہیں، اپنے گناہ گاروں کو معاف کرنے میں آپ بے حد کریم ہیں اسی طرح آپ سَتَّارُ الْعُيُوْبِ بھی ہیں، وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ہیں، اپنے بندوں کی پردہ پوشی فرماتے ہیں، معافی مانگنے والوں کو رُسوا نہیں فرماتے۔ ستّاریت اور مغفرت ہم معنیٰ ہیں، غَفَرَ يَغْفِرُ کے معنیٰ سَتَرَ يَسْتُرُ کے ہیں۔ تفسیر ''رُوح المعانی'' میں علامہ آلوسی نے آیت وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا کی تفسیر کے ذیل میں مغفرت کے معنیٰ لکھے ہیں: سَتْرُ الْقَبِيْحِ وَاِظْهَارُ الْجَمِيْلِ[۱۵۶] یعنی اللہ تعالیٰ جس بندے کی مغفرت فرماتے ہیں اس کے عیوب کو مخلوق کی نگاہوں سے چھپا دیتے ہیں اور اس کی خوبیوں کو لوگوں پر عیاں کر دیتے ہیں۔

اسی لیے مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کر رہے ہیں کہ اے خدا! اپنے کریم ہونے کے صدقے میں میرے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجیے اور میرے عیوب کی پردہ پوشی بھی فرمائیے۔ مخلوق کی نظروں سے میرے گناہوں کو چھپا دیجیے، کیوں کہ آپ کا پردۂ ستّاریت غیر محدود ہے اور میرے گناہ خواہ کتنے ہی کثیر ہوں محدود ہیں، لہٰذا غیر محدود کی نسبت کثیر محدود سے اتنی بھی نہیں جو سمندر کو ایک قطرے سے ہے۔ پس میرے گناہوں کو چھپانا اے اللہ! آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

اے اللہ! ہم نے تو اپنے اُوپر ظلم کر لیا، ہم سے تو نالائقیاں ہو گئیں، اب آپ

---

۱۵۴ مرقاة المفاتيح: ۳۲۱/۴، باب ليلة القدر، المكتبة الامدادية، ملتان
۱۵۵ سنن ابن ماجة: ۴۰۹، (۳۸۵۰)، باب الدعاء بالعفو والعافية، المكتبة الرحمانية
۱۵۶ روح المعانى: ۷۱/۳، البقرة، (۲۸۶)، دار احياء الترث، بيروت

کے عفو و مغفرت کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں۔ اگر آپ توبہ واستغفار اور معافی مانگنے کا یہ راستہ نہ رکھتے تو آپ کے گناہ گار بندے کہاں جاتے، لیکن آپ کے کرم نے ہم گناہ گاروں کے لیے توبہ کا ایک ایسا پیارا راستہ رکھ دیا کہ توبہ کرنے والوں کو آپ صرف معاف ہی نہیں کرتے اپنا محبوب بھی بنالیتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ[۱۵۷] اور مضارع سے نازل فرمایا اور مضارع میں حال واستقبال دونوں زمانہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر حال میں تم سے خطا ہوگئی اور تم نے توبہ کرلی تو ہم تمہیں حال میں بھی معاف کردیں گے اور بالفرض اگر مستقبل میں بھی اپنے ضعفِ بشریت سے گناہ کر بیٹھو گے تو مستقبل میں بھی اپنے دائرۂ محبوبیت سے ہم تمہارا خروج نہیں ہونے دیں گے لہٰذا گناہ پر جری تو نہ ہو، گناہ سے جان بچانے میں جان کی بازی لگادو، لیکن اگر کبھی مغلوب ہوجاؤ اور مجھ سے بے وفائی یعنی گناہ کر بیٹھو تو نااُمید نہ ہو، پھر میری چوکھٹ پہ سر رکھ دو، توبہ کے راستے سے پھر میرے پیارے ہوجاؤ، توبہ کرنے والوں سے ہم پیار کرتے ہیں۔

ملّا علی قاری ایک حدیثِ پاک کی شرح میں لکھتے ہیں:

اِنَّ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ نُزِّلُوْا مَنْزِلَۃَ الْمُتَّقِیْنَ[۱۵۸]

گناہوں سے توبہ کرنے والے بھی متقین کے درجے میں کردیے جاتے ہیں۔ احقر کا شعر ہے ؎

یہی ہے راستہ اپنے گناہوں کی تلافی کا
تری سرکار میں بندوں کا ہر دم چشمِ تر رہنا

میرا ایک اور شعر ہے ؎

مایوس نہ ہوں اہلِ زمیں اپنی خطا سے
تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دعا سے

۱۵۷؎ البقرۃ:۲۲۲

۱۵۸؎ مرقاۃ المفاتیح:۱۳۵/۵، باب الاستغفار و التوبۃ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

آگے مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میرے گناہوں کی وجہ سے مجھ سے انتقام نہ لیجیے، کیوں کہ آپ کے انتقام کا کون تحمل کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اَللّٰھُمَّ لَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ**[١٥٩] اے اللہ! مجھے عذاب نہ دیجیے کیوں کہ میں تو پوری طرح آپ کے قبضۂ قدرت میں ہوں، آپ سے بچ کر میں کہاں جا سکتا ہوں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عنوان ہے جلبِ رحمتِ حق کے لیے، جیسے چھوٹا بچہ باپ سے کہتا ہے کہ ابا مجھے نہ ماریے میں تو آپ کا چھوٹا سا بچہ ہوں، آپ کے قبضے میں ہوں تو باپ کو اس کی بے بسی پر رحم آجاتا ہے، تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُمت کو سکھا دیا کہ اپنے رب سے ایسے ہی کہو تاکہ ان کی رحمت کو جوش آجائے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اگر وہ سارے عالم کو بخش دے تو اس کے خزانۂ مغفرت میں ایک ذرّہ کمی واقع نہ ہو، پس میرے ان گناہوں کو بخش دے جن سے اے اللہ! آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور مجھے وہ مغفرت عطا فرما دے جس کی آپ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

ہمیں آپ کی مغفرت کا سہارا ہے، کیوں کہ جس کو آپ معاف فرما دیتے ہیں پھر اس سے انتقام نہیں لیتے۔

اے پناہِ ما حریمِ کوئے تو
من بہ اُمیدے رمیدم سوئے تو

اے خدا! میری آخری پناہ گاہ، میری بے کسی کا واحد سہارا اور میری اُمیدوں کا آخری دروازہ آپ کی بارگاہ ہے، سارے عالم سے اپنی اُمیدوں کو منقطع کر کے میں بڑی اُمید لے کر آپ کے پاس دوڑ کر آیا ہوں، آپ مجھ پر رحم فرمایئے اور میری مدد فرمایئے اور مجھے اس غم سے نجات دیجیے جس میں، میں مبتلا ہوں۔

---

١٥٩ مصنَّف بن ابی شیبۃ: ٧/١٧٧، کلام مطرف بن الشخیر، مکتبۃ الرشد، ریاض

یَا اَحَدَ مَنْ لَّا اَحَدَ لَهٗ وَیَا سَنَدَ مَنْ لَّا سَنَدَ لَهٗ اِنْقَطَعَ الرَّجَاءُ اِلَّا مِنْكَ نَجِّنِیْ مِمَّا اَنَا فِیْهِ وَاَعِنِّیْ عَلٰی مَا اَنَا عَلَیْهِ مِمَّا نَزَلَ بِیْ بِجَاهِ وَجْهِكَ الْكَرِیْمِ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَیْكَ اٰمِیْنَ[۱۶۰]

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے ہیں کہ اے وہ جو کس ہے بے کسوں کا یعنی جو رفیق ہے اس کا جس کا کوئی نہیں اور جو سہارا ہے اس کا جس کا کوئی سہارا نہیں، آپ کے سوا ہر ایک سے میری اُمید منقطع ہوگئی، مجھے اس حال سے نجات دیجیے کہ میں جس میں مبتلا ہوں اور میری مدد کیجیے نازل شدہ بلا پر صدقے میں اپنی ذات پاک کے اور بطفیل حقِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو آپ پر ہے، آمین۔

گر سگی کردیم اے شیر آفریں
شیر را مگمار بر ما زیں کمیں

اے شیر کے پیدا کرنے والے اللہ! اگرچہ فسق وفجور کرکے ہم نے اپنے اعمال میں کتّا پن کیا ہے، اشرف المخلوقات ہوکر کتوں جیسے کمینے کام کیے ہیں اور کتّے تو غیر مکلف ہیں، انہیں بھلے بُرے کی تمیز نہیں، اس لیے ان پر کوئی مواخذہ نہیں، لیکن ہمیں تو آپ نے انسان بنایا، عقل عطا فرمائی، بھلے بُرے کی تمیز دی، اس کے باوجود ہم نے کمینے اور ذلیل اعمال کرکے خود کو مستحقِ عذاب بنالیا، لہٰذا اے ہمارے رب! اے خالقِ شیر! دنیا کی اس کمیں گاہ میں اپنے شیروں میں سے کوئی شیر ہم پر مسلط نہ فرمایعنی ہم پر کوئی عذاب نازل نہ فرمایئے جو ہمیں اس طرح ہلاک کردے جیسے شیر کتّے کو ہلاک کردیتا ہے کہ اگر کتے کی پشت پر شیر اپنا پنجہ رکھ دے تو کتے کی زبان ایک ہاتھ باہر آجاتی ہے۔ پس اے اللہ! ہمارے جرائم کو معاف فرمادیجیے اور اس مستحقِ عذاب پر اپنا عذاب نازل نہ فرمایئے۔

---

[۱۶۰] کنز العمال: ۱۲۰/۲، (۳۴۲۵)، باب الدعاء، ادعیۃ الھم والحزن والکرب، مؤسسۃ الرسالۃ

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۴ر ذوقعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۶ر مئی ۱۹۹۳ء

بروز جمعرات، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

آنچہ در کونین ز اشیا آنچہ ہست
وانما جاں را بہر حالت کہ ہست

اے خدا! دنیا میں جتنی چیزیں ہیں مجھے وہی دکھایئے جو ان کی اصل حالت ہے یعنی اشیاء کی ماہیت مجھے دکھایئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ ہوں اور نظر کچھ اور آئیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

مولانا کی مراد یہ ہے کہ اے اللہ! ہماری شامتِ اعمال سے ہمیں تقلیبِ ابصار میں مبتلا نہ کیجیے کہ حق باطل اور باطل حق نظر آنے لگے، حسنات سیئات اور سیئات حسنات معلوم ہونے لگیں، بلکہ اپنے کرم سے ہر چیز کو اس کی اصلی شکل میں دکھایئے تاکہ حق، حق نظر آئے اور باطل باطل دکھائی دے اور اس طرح حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب آسان ہو جائے۔

آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ
اندر آتش صورتِ آبی منہ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ کے حضور میں تقلیبِ ابصار کے عذاب سے پناہ مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! پانی کو ہمیں آگ کی صورت میں نہ دکھایئے یعنی حسنات کو غیر حسنات اور حق کو باطل نہ دکھایئے اور آگ کو ہمیں پانی نہ دکھایئے یعنی ایسا نہ ہو کہ ہماری شامتِ عمل سے سیئات ہم کو حسنات اور باطل ہم کو حق نظر آنے لگے۔

تکبر وخود بینی اور گناہوں پر مسلسل اصرار کی نحوست کی وجہ سے قلب کی بصیرت فاسد ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بصارت میں فساد آجاتا ہے اور ایسے شخص کو حق

باطل اور باطل حق نظر آنے لگتا ہے اور فانی شکلیں اور گناہ کے مواقع اور دنیائے مردار کی فانی لذتیں اس کو نہایت مہتم بالشان معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا آتش انگیز راستہ اس کو پانی کی طرح ٹھنڈا اور لذیذ معلوم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا راستہ جو پانی کی طرح صاف وشفاف اور حیات بخش ہے اسے آگ کی طرح گرم اور کلفت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ اس تقلیبِ ابصار سے حدیثِ پاک میں پناہ آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ[۱۶۱]

اے اللہ! مجھے حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع بھی نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب کی توفیق بھی نصیب فرما۔

(احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس حدیثِ پاک کی مندرجہ ذیل تشریح حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے حال ہی میں ۱۴۲۰ھ میں بعض اکابر علماء کے سامنے بیان فرمائی جو مضمون کی مناسبت کی وجہ سے یہاں شامل کی جاتی ہے)

اس حدیثِ پاک کا پہلا جملہ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا یہ نعمتِ اولیٰ ہے کہ اے اللہ! حق کا حق ہونا مجھ پر واضح فرمادیجیے، لیکن بعض وقت حق واضح ہوگیا لیکن آدمی اسے قبول نہیں کرتا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے ایک جملہ اور بڑھا دیا: وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ کہ اے اللہ! جب آپ مجھ پر حق واضح فرمائیں تو اس کی اتباع بھی مقدر فرمادیجیے، یہ دوسرا جملہ نعمتِ اولیٰ کا مکمِّل ہے کیوں کہ حق کا ظاہر ہونا نعمت ہے، لیکن اگر اتباع کی توفیق نہ ہو تو نعمت کی تکمیل نہیں ہوئی اور جو مقصد ہے وہ حاصل نہ ہوا اور بلاغتِ کلامِ نبوت دیکھیے کہ وَفِّقْنَا نہیں فرمایا کہ ہمیں توفیق دے دیجیے بلکہ وَارْزُقْنَا فرمایا کہ ہمیں اس کی اتباع کا رزق دے دیجیے، کیوں کہ رزق اپنے مرزوق کو تلاش کرتا ہے جیسا کہ دوسری حدیثِ پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہٗ اَجَلُہٗ[۱۶۲]

رزق بندے کو اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے۔

---

[۱۶۱] التفسیر لابن کثیر: ۲۸۱/۲، البقرۃ (۲۱۳)، مؤسسۃ قرطبۃ

[۱۶۲] شعب الایمان للبیہقی: ۴۱۱/۲، (۱۱۴۷)، باب التوکل باللہ والتسلیم لامر اللہ تعالیٰ فی کل شیء، مکتبۃ الرشد

مطلب یہ ہوا کہ ہم جہاں بھی رہیں اتباعِ حق کے رزق کو ہماری رُوح میں داخل کر دیجیے۔ جسمانی رزق پیٹ میں داخل ہوتا ہے اور توفیقِ اتباع کا رزق رُوح کے اندر داخل ہوتا ہے، لیکن بلاغتِ کلامِ نبوت کا کمال ہے کہ توفیق کو رزق کے لفظ سے تعبیر فرمایا کہ اتباعِ حق کا رزق ہمیں دے دیجیے، کیوں کہ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ نَفۡسًا لَّنۡ تَمُوۡتَ حَتّٰی تَسۡتَکۡمِلَ رِزۡقَھَا[۱۶۳]

کسی نفس کو ہر گز موت نہیں آسکتی جب تک وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وَارۡزُقۡنَا فرما کر اُمت کے لیے یہ نعمت مانگ لی کہ اے اللہ! ہمیں مرنے نہ دیجیے جب تک ہم پوری پوری اتباعِ حق نہ کرلیں۔ جس طرح استکمالِ رزقِ ظاہری کے بغیر موت نہیں آسکتی اسی طرح اے اللہ! استکمالِ رزقِ باطنی یعنی اتباعِ حق کی تکمیل کے بغیر ہمیں موت نہ دے، جب تک اتباعِ حق میں ہم مکمل نہ ہوجائیں ہمیں موت نہ آئے۔

اور حدیثِ پاک کا دوسرا جز ہے: وَاَرِنَا الۡبَاطِلَ بَاطِلًا اور باطل کو ہمیں باطل دکھا وَارۡزُقۡنَا اجۡتِنَابَہٗ اور اس سے اجتناب کی توفیق بصورتِ رزق دے، اجتناب عن الباطل کا رزقِ رُوحانی ہمیں خود تلاش کرلے کہ جس باطل کے نرغے میں جہاں کہیں ہم پھنسے ہوں، اس سے بچنے کی توفیق ہمارے رزق کی طرح وہاں پہنچ جائے اور ہمیں اس باطل سے اجتناب کی توفیق نصیب ہوجائے اور جب تک باطل اور معصیت اور گناہوں کے اعمال سے ہم کو طہارتِ کاملہ، حفاظتِ کاملہ نصیب نہ ہو اے خدا! ہمیں موت نہ آئے حَتّٰی تَسۡتَکۡمِلَ رِزۡقَھَا یہاں تک کہ میرا نفس آپ کے اس رزقِ رُوحانی کو مکمل حاصل نہ کرلے۔ اور حدیثِ پاک میں لَنۡ تَمُوۡتَ کا لفظ آیا ہے کہ ہر گز کوئی نہیں مر سکتا جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے، تو اتباعِ حق اور اجتنابِ باطل کی توفیق کو رزق سے تعبیر فرمانا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت پر رحم ہے کہ بغیر مکمل حق پرستی اور بغیر مکمل اجتناب عن المعاصی کے میری اُمت کو موت ہی نہ آئے۔ حق پرستی کے رزق کا نام اتباعِ حق ہے اور باطل سے پرہیز گاری و بے زاری کے رزق کا نام اجتناب عن المعاصی ہے، جب اس دُعا کی برکت سے حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب رزق کی

۱۶۳ شعب الایمان: ۲/۶۷، (۱۱۸۵)، باب التوکل باللہ عزوجل والتسلیم لامرہ، مکتبۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت

طرح افرادِ اُمت کے لیے مقدر ہو جائے گا تو انہیں موت نہ آئے گی جب تک یہ روحانی رزق مکمل ان کو نہ پہنچ جائے اور اس طرح وہ پاک وصاف ہو کر اور اللہ کے پیار کے قابل ہو کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ (احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جنوبی افریقہ کے ایک شیخ الحدیث جو حضرت والا کی خدمت میں قیام کے لیے آئے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ تشریح بالکل الہامی ہے، ذہن کی رسائی ان معانی تک نہیں ہو سکتی جو حضرت والا نے بیان فرمائے، خصوصاً توفیق کی رزق سے تعبیر کی مدلل تقریر عجیب وغریب ہے، جو نہ کسی کتاب میں دیکھی نہ کسی سے سنی۔ جامع)

حضرت والا نے فرمایا کہ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جو علوم میری زبان سے بیان کرا دیتے ہیں وہ علوم بتاتے ہیں کہ یہ زمینی **مُخْرَجَاتْ** نہیں ہیں آسمانی **مُنَزَّلَاتْ** ہیں۔

میرے پینے کو دوستو سن لو
آسمانوں سے مے اُترتی ہے

الحمد للہ تعالیٰ! مولانا کے اس شعر کی شرح مدلل بالحدیث ہو گئی۔ مولانا نے اس شعر میں تقلیبِ ابصار کے اس عذاب سے پناہ مانگی ہے جس میں آگ پانی اور پانی آگ نظر آنے لگتا ہے یعنی حق باطل اور باطل حق نظر آتا ہے جس کا سبب غلبۂ جاہ یا غلبۂ باہ سے اعراض عن الحق ہے، مثلاً کسی پر حق واضح ہو گیا، لیکن اپنی جاہ و کبر و خود بینی کے سبب کہتا ہے کہ میں کسی مولوی کی بات نہیں مانتا، جانتا ہے مگر مانتا نہیں۔ خواجہ صاحب نے ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا کہ

حق جانتے تو ہیں وہ مگر مانتے نہیں
ضد ہے جنابِ شیخ تقدس مآب میں

حق سے اعراض کا سبب یہاں غلبۂ جاہ ہے جس سے حق کو قبول نہیں کرتا اور باطل اس کو حق نظر آتا ہے۔ اسی طرح کسی حسین کو دیکھ کر نفس کا حرام خوشیوں اور بدمستیوں سے مغلوب ہو جانا اور فانی صورتیں اس کو نہایت مہتم بالشان اور حکومت و سلطنت اور تاج و تخت سے زیادہ عظیم الشان معلوم ہونا یہ تقلیبِ ابصار بوجہ غلبۂ باہ کے ہے۔ غرض ابتلاء خواہ جاہ کے سبب سے ہو یا باہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے، جیسا کہ مولانا رُومی ایک اور شعر میں اللہ تعالیٰ سے اس طرح فریاد کرتے ہیں۔

الغیاث از ابتلایت الغیاث
شد ذکور از ابتلایت چوں اناث

اے خدا! آپ سے فریاد ہے، آپ سے فریاد ہے کہ آپ کے امتحان وآزمایش سے جلال الدین پناہ چاہتا ہے۔ بڑے بڑے مردانِ راہِ خدا جب آپ کی آزمایش میں مبتلا ہوئے تو مونث ثابت ہوئے یعنی امتحان میں فیل ہوگئے اور ان کو حق باطل اور باطل حق نظر آنے لگا اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اسی لیے مولانا بارگاہِ حق میں کس عجیب عنوان سے درخواست کرتے ہیں۔ مولانا کے علوم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کتنا بڑا عارف باللہ تھا۔ فرماتے ہیں ؎

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

اے فریاد خواہوں کے فریادرس! ہمیں اپنی مرضی کے راستے پر چلایئے، ہم کو اپنے علم پر کوئی فخر نہیں، کیوں کہ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو ہمارا علم ہمیں آپ کی نافرمانی کے راستوں سے نہیں بچاسکتا، اسی لیے مشاہدہ ہے کہ بعضوں کے علم و عمل میں کتنے فاصلے ہوتے ہیں، لہٰذا ہم اپنے علم کی وجہ سے آپ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہوسکتے، ہمارا ہر سانس اور ہر لمحۂ حیات آپ کی رحمت کا، آپ کی نصرت و مدد کا، آپ کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔ ہمارا علم ہماری ہدایت کے لیے کافی نہیں بلکہ ہماری ہدایت آپ کے فضل ورحمت پر موقوف ہے۔ پس اے فریاد کرنے والوں کی فریاد سننے والے! ہماری ہدایت کا ارادہ فرمالیجیے اور اپنا وہ فضل ورحمت و مشیت ہمارے شامل حال کردیجیے جس پر آپ نے قرآنِ پاک میں تزکیۂ نفس کی بنیاد رکھی ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ
وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ[۱۶۴]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی پاک نہیں ہوسکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو پاک کردیتا ہے۔

---

[۱۶۴] النور: ۲۱

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۶/ ذوقعدہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۸/ مئی ۱۹۹۳؁ء

بروز ہفتہ، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

از شرابِ قہر چوں مستی دہی
نیست ہا را صورتِ ہستی دہی

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! مسلسل نافرمانی و سرکشی اور گناہوں کے سبب آپ جس سے انتقام لینا چاہتے ہیں اس کو اپنے قہر کی شراب پلا دیتے ہیں یعنی اس کی عقل پر عذاب نازل فرما دیتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ گناہوں میں اس کو بہت نشہ اور مستی محسوس ہوتی ہے اور اس کو اپنے انجام کی بھی پروا نہیں رہتی کہ یہ مستی موجبِ عذاب ہے اور ایسا شخص اپنی جان کے نفع و نقصان سے بے خبر ہو کر فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ کا مصداق ہوتا ہے اور شرابِ قہر کی مستی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دنیائے فانی اس کو نہایت حسین، مہتم بالشان اور پائیدار نظر آتی ہے اور فانی صورتیں، فانی لذتیں اور فانی مزے اس کو حاصلِ زندگی اور حاصلِ کائنات معلوم ہوتے ہیں جن پر اس کی مٹی مٹی ہو کر خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ہو جاتی ہے۔

تو بزن یا ربنا آبِ طہور
تا شود ایں نارِ عالم جملہ نور

اے ہمارے رب! اپنے آبِ رحمت کا ایک چھینٹا اس عالم پر ڈال دیجیے جو شہواتِ نفسانیہ کی آگ میں جل رہا ہے تاکہ شہوت کی یہ آگ نور میں تبدیل ہو جائے۔ یعنی اسبابِ قُرب سے مبدل ہو جائیں۔

گر تو خواہی آتش آبِ خوش شود
ورنہ خواہی آب ہم آتش شود

اے خدا! اگر آپ چاہیں تو آگ ٹھنڈا پانی بن سکتی ہے اور آپ نہ چاہیں تو پانی بھی آپ کے حکم سے آگ بن سکتا ہے۔ یعنی اگر آپ چاہیں تو شر کو خیر بنادیں اور نہ چاہیں تو اسبابِ خیر پر خیر مرتب نہ ہو اور خیر شر بن جائے۔

کوہ و دریا جملہ در فرمانِ تست
آب و آتش اے خداوند آنِ تست

اے خدا! پہاڑ اور سمندر آپ کے تابع اور آپ کے زیرِ فرمان ہیں اور آگ اور پانی سب میں آپ کی مختلف شانوں کا ظہور ہے۔

در عدم کے بود مارا خود طلب
بے طلب کردی عطاہائے عجب

اے اللہ! عدم میں ہمارا وجود نہ تھا، ہمارے پاس زبان نہ تھی جس سے ہم مانگتے، لیکن بغیر طلب کے اور بغیر مانگے ہوئے آپ نے اپنی عطاؤں کے خزانے ہم پر برسا دیے۔ عالمِ عدم میں جبکہ ہمارے جسم و جان ہی نہ تھے تو ہم آپ سے یہ سوال کیسے کرتے کہ ہمیں وجود عطا فرمائیے، لیکن آپ کے کرم نے بغیر سوال ہمیں وجود عطا فرمایا اور بدون سوال ہمیں انسانی قالب عطا فرمایا۔ آپ اگر چاہتے تو ہمیں کتّے سور اور گدھے کے قالب میں پیدا کر سکتے تھے، لیکن آپ کے کرم نے بغیر سوال اور بغیر طلب کے اشرف المخلوقات کے قالب میں پیدا فرمایا یعنی انسان بنایا اور پھر اے اللہ! آپ نے کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ ہمیں کسی کافر یا مشرک کے گھر نہیں پیدا فرمایا اور مسلمان گھرانے میں پیدا فرما کر ایمان جیسی عظیم الشان دولت مفت میں عطا فرمادی جس کے آگے زمین و آسمان کے تمام خزائن اور ساری دنیا کی مجموعی نعمتیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، ایمان عطا فرما کر گویا جنت کا ٹکٹ آپ نے بے مانگے عطا فرمادیا۔ اے اللہ! اگر آپ ہمیں ایمان نہ عطا فرماتے تو ہم کس قدر عظیم خسارے میں پڑ جاتے کہ اگر ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی ہمیں مل جاتی لیکن کفر و شرک کے سبب کتے اور سور سے بھی ہم بدتر ہوتے اور مرنے کے بعد دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔ اور اے اللہ! اگر آپ کی مدد نہ ہوتی تو ہم بُری

صحبت میں پڑ کر مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود نہ جانے کس گمراہی میں پڑ جاتے۔ کتنے لوگ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن آپ کے فضل سے محروم ہونے کے سبب مُرتد اور کافر ہوگئے۔ لہٰذا اے اللہ! یہ آپ کی رحمت اور فضلِ عظیم ہے کہ آپ نے اللہ والوں سے تعلق کی توفیق بخشی اور دین پر عمل نصیب فرمایا اور صحتِ رُوحانی اور جسمانی دونوں عطا فرمائیں اور کتنے امراض اور بیماریوں سے محفوظ فرمایا اور صحت مند جسم عطا فرمایا، معذور ومحتاج نہ بنایا، غرض آپ کی ان نعمتوں کا شمار واحاطہ بھی محال ہے جو بدون مانگے آپ نے اپنے بندوں پر مبذول فرمائیں۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطفِ تو ناگفتۂ ما می شنود

اے اللہ! جب ہم نہیں تھے تو ہمارے پاس تقاضائے سوال اور زبانِ طلب نہیں تھی، لیکن آپ کے کرم سے ہماری بے زبانی بھی خالی نہ گئی اور آپ کے کرم نے ہماری اَن کہی باتوں کو سن لیا۔

جان و ناں دادی و عمرِ جاوداں
سائرِ نعمت کہ ناید در بیاں

اے اللہ! بغیر مانگے آپ نے ہمیں جان بخشی اور جان کی بقا کے لیے روٹی دی اور روٹی سے طاقت پاکر جان جب اے اللہ! آپ کی عبادت میں مشغول ہوئی تو آپ نے اس کو عمر جاوداں عطا فرمائی۔ جنت میں آپ ایسی حیاتِ جاوداں عطا فرمائیں گے جس کے بارے میں آپ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ نبوت سے اپنے بندوں کو بشارت دے دی کہ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ [۱۶۵] جنت میں ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے قلب پر ان کا خیال گزرا۔

۱۶۵؎ صحیح البخاری: ۷۰۴/۲، (۴۷۹۱)، باب قولہ تعالیٰ: فلا تعلم نفس ما اخفی لھم، المکتبۃ المظھریۃ

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! یہ تمام نعمتیں اور نہ جانے کتنی بے شمار نعمتیں آپ نے عطا فرمائی ہیں جو بیان میں نہیں آسکتیں۔

بے طلب تو ایں طلب ماں دادۂ
گنجِ احساں بر ہمہ بکشادۂ

اے اللہ! جب بغیر مانگے ہوئے آپ نے اپنی محبت کی تڑپ ہمیں بخشی اور ہم پر احسان کے خزانے برسا دیے۔

بے شمار وعد عطا بنہادۂ
بابِ رحمت بر ہمہ بکشادۂ

اور آپ کے کرم نے جب اتنے بڑے بڑے انعامات بے مانگے عطا فرما دیے کہ آپ نے خود فرمایا کہ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا [۱٦٦] اگر اللہ کی نعمتوں کو تم شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے۔ پس ہم پر آپ نے اپنی رحمت کے بے شمار دروازے کھول دیے۔

با طلب چوں نہ دہی اے حیّ وودود
کز تو آمد جملگی جود و وجود

جب بے مانگے آپ نے یہ لطف و کرم فرمائے ہیں تو اے زندہ حقیقی اور اے محبت کرنے والے اللہ! مانگنے والوں کو بھلا آپ کیوں کر محروم فرمائیں گے کہ آپ ہی نے ہمارے وجود میں جود کے خزانے رکھ دیے ہیں۔ قوتِ باصرہ، قوتِ سامعہ، قوتِ ذائقہ، قوتِ شامہ، قوتِ لامسہ یعنی آنکھوں میں بینائی کا خزانہ رکھ دیا، کانوں میں شنوائی کا خزانہ رکھ دیا، منہ میں ذائقہ اور گویائی کا خزانہ رکھ دیا، ناک میں سونگھنے کا خزانہ رکھ دیا اور ہاتھوں میں چھونے کا خزانہ رکھ دیا اور یہ تو ظاہری خزانوں کا حال ہے اور باطن میں جو خزانے ہیں وہ ہم کو نظر نہیں آتے۔ جسم کے اندر ایک پورا کارخانہ چل رہا ہے۔ لقمہ نگلنے کے

۱٦٦؎ ابراھیم:۳۴

بعد ہمیں کچھ نہیں کرنا پڑتا، اندر معدے کی مشین خود چالو ہو جاتی ہے، ایک لقمہ سات قسم کے ہضموں سے گزرتا ہے، ہضمِ معدی ہضمِ معوی وغیرہ پھر جگر میں خون بنتا ہے اور جگر دل کو خون سپلائی کرتا ہے اور قلب جسم کی تمام شریانوں کو سپلائی کرتا ہے۔ جسم کے اندر ایک کارخانہ چل رہا ہے اور ہمیں اس کی خبر نہیں۔ تو اے اللہ! جب بغیر مانگے آپ کے یہ الطاف وعنایات ہیں تو مانگنے والوں کو بھلا آپ کیوں نہ عطا فرمائیں گے۔ پس اے اللہ! میں آپ سے اپنے وجود کی تطہیر یعنی تزکیۂ نفس کا سوال کرتا ہوں، تاکہ جب میں بُرائیوں سے پاک ہو جاؤں گا تو آپ کو پا جاؤں گا، کیوں کہ آپ پاک ہیں ناپاکوں کو نہیں ملتے، اسی لیے آپ نے فرمایا: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰہَا[۱۶۷] جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرالیا وہ فلاح پا گیا، مولانا رُومی فرماتے ہیں۔

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی

جب تم زیبا یعنی اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہو جاؤ گے تو اس زیبا حقیقی تک پہنچ جاؤ گے۔

ایں طلب در ما ہم از ایجادِ تست
رُستن از بیداد یا رب دادِ تست

ہمارے اندر جو اے اللہ! آپ کی طلب ہے یعنی ہم جو آپ کو چاہتے ہیں یہ بھی آپ ہی کی عطا ہے۔

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

اور بے وفائی اور ظلم یعنی گناہ سے رہائی اور خلاصی پا جانا یہ سب آپ کی توفیق اور عطا و کرم ہے ورنہ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو کوئی گناہ نہیں چھوڑ سکتا۔ جس کو گناہ چھوڑنے کی توفیق ہو گئی سمجھ لو اس پر اللہ کی رحمت نازل ہو گئی کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

[۱۶۷] الشمس: ۹

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ[۱۶۸]

اے اللہ! مجھ پر وہ رحمت نازل فرما جس کی برکت سے میں گناہ چھوڑدوں۔ اور جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا یہ دلیل ہے کہ یہ اللہ کا طالب ہے۔

بے طلب ہم می دہی گنجِ نہاں
رائیگاں بخشیدۂ جانِ جہاں

اے اللہ! بغیر مانگے ہوئے آپ خشیت و محبت و تقویٰ کی باطنی دولت عطا فرماتے ہیں اور مفت میں اہلِ جہاں کو جان یعنی نسبتِ خاصہ مع اللہ اپنے کرم سے عطا فرماتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے مجاہدات کا ثمرہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اللہ کی عطا کا سبب اللہ کی عطا، ان کے کرم کا سبب ان کا کرم، ان کی رحمت کا سبب ان کی رحمت ہے۔ اللہ کی عطا وکرم کی نسبت اپنے مجاہدات کی طرف کرنا اعراض عن الحق اور عین ناشکری ہے۔

حضرت حکیم الاُمت "بیان القرآن" کے حاشیہ مسائل السلوک میں تحریر فرماتے ہیں:

اِنَّ بَعْضَ الْمُغْتَرِّیْنَ مِنَ الصُّوْفِیَاءِ وَالسَّالِکِیْنَ یُنْسِبُوْنَ کَمَالَاتِھِمْ اِلٰی مُجَاھَدَاتِھِمْ فَھٰذَا عَیْنُ الْکُفْرَانِ[۱۶۹]

بعض صوفیا و سالکین اپنے کمالات کی نسبت اپنے مجاہدات کی طرف کرتے ہیں یہ عین ناشکری ہے۔

ھٰکَذَا اَنْعَمَ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ
بِالنَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی خَیْرِ الْاَنَامِ

اے خدا! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں یہ انعامات ہم پر مبذول فرماتے رہیے یہاں تک کہ ہم جنت میں پہنچ جائیں۔

---

۱۶۸ جامع الترمذی: ۱۹۷/۲، (۳۵۷۰)، باب فی دعاء الحفظ، ایج ایم سعید

۱۶۹ بیان القرآن: ۴/۶، ابراھیم، ایج ایم سعید

اے خدا اے فضلِ تو حاجت روا

با تو یادِ ہیچ کس نبود روا

اے خدا! آپ کا فضل ہی حاجت روائی کرتا ہے، آپ کی یاد کے ساتھ کسی اور کی یاد ناروا ہے یعنی حاجت روائی صرف آپ ہی کے لیے خاص ہے اس میں کسی اور کو شریک کرنا جائز نہیں کیوں کہ آپ کے سوا کوئی بندوں کے کام نہیں بنا سکتا۔

ایں قدر ارشاد تو بخشیدۂ

تا بدیں بس عیبِ ما پوشیدۂ

اے خدا! جو ارشادات وہدایات آپ نے اپنے دین کے ذریعے ہمیں عطا فرمائیں یہاں تک کہ ان ہدایات پر عمل نہ کرنے کے ہمارے عیب کو بھی آپ کے کرم نے چھپایا، اور ہمیں رُسوا نہ فرمایا۔

عظمت تعلق مع اللہ

دامنِ فقر میں مرے پنہاں ہے تاجِ قیصری

ذرّۂ دردِ و غم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

اُن کی نظر کے حوصلے رشکِ شہانِ کائنات

وسعتِ قلبِ عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۷؍ذوقعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۹؍مئی ۱۹۹۳ء

بروز اتوار، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

قطرۂ دانش کہ بخشیدی ز پیش
متصل گرداں ز دریاہائے خویش

اے اللہ! علم کا وہ قطرہ جو آپ نے اپنی طرف سے مجھے بخشا ہے، اس کا اتصال اپنے غیر محدود دریائے علم سے فرمادیجیے یعنی میرے محدود علم کو اپنے علم لا محدود سے ملا دیجیے تاکہ میرا وہ قطرۂ علم صرف کُتب بینی تک محدود نہ رہے بلکہ قُطب بینی سے مشرف ہو کر آپ کے غیر محدود دریائے علم سے متصل ہو جائے۔ جو لوگ صرف کتب بینی سے علم کے حروف اور نقوش حاصل کرتے ہیں ان کے علم کی مثال حوض کی سی ہے جس کا پانی ایک دن ختم ہو جائے گا، اور جو لوگ کُتب بینی کے ساتھ قُطب بینی بھی کرتے ہیں یعنی رسمی علومِ ظاہرہ کی تحصیل کے ساتھ کسی صاحبِ نسبت کی صحبت میں رہ کر اللہ کی محبت حاصل کرتے ہیں، اپنے نفس کی اصلاح کراتے ہیں، گناہوں سے بچنے میں ہر مجاہدہ ومشقت کو، ہر غم کو برداشت کرتے ہیں ان کے علم کی مثال ایسی ہے جیسے کنویں کی گہرائی میں زمین کے اندر سے سوتہ پھوٹ جائے تو اب اس کا پانی کبھی ختم نہیں ہو گا۔ پس جب کوئی عالم کسی اللہ والے کی صحبت کی برکت سے صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے تو اس کے قطرۂ علم کا اتصال حق تعالیٰ کے غیر محدود دریائے علم سے ہو جاتا ہے اور اس کا علم کبھی ختم نہیں ہوتا۔ عالمِ غیب سے اس کے قلب پر ایسے علوم وارد ہوتے ہیں کہ کتب بینی والے حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ یہ علوم اس کو کہاں سے آرہے ہیں جو ہم نے کتابوں میں نہیں پڑھے۔ ان اہلِ ظاہر کو پتا نہیں کہ اس کے علم کا خفیہ رابطہ کس غیر محدود دریائے علم سے ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

خم کہ از دریا در او راہے شود
پیشِ او جیحونہا زانو زند

جس مٹکے کا رابطہ خفیہ طور پر سمندر سے ہو جائے تو اس کے سامنے بڑے بڑے دریائے جیحون و فرات زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں، کیوں کہ ان دریاؤں کا پانی خشک ہو سکتا ہے لیکن اس مٹکے کا پانی کبھی خشک نہیں ہو گا، کیوں کہ اس کے اندر مخفی راستے سے سمندر کا پانی آرہا ہے۔ پس جس کو کسی صاحبِ نسبت کی صحبت سے اللہ کی محبت حاصل ہو گئی اور اپنے علم پر عمل کی توفیق ہو گئی اس کو علم کی رُوح حاصل ہو گئی، کیوں کہ علم کی رُوح عمل ہے، علم اسی وقت علم ہوتا ہے جب اس پر عمل کی توفیق ہو جائے، ورنہ جس کو اپنے علم پر عمل کی توفیق نہیں وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں، مثلاً غضِ بصر کا حکم معلوم ہو گیا لیکن عمل نہیں کرتا تو اس کو ابھی علم حاصل نہیں ہوا، علم کے صرف نقوش حاصل ہوئے، لیکن جب کوئی حسین شکل سامنے آئی اور غضِ بصر کے حکم کو اس نے اپنی آنکھوں پر نافذ کر لیا تو علم غضِ بصر اس کو اب حاصل ہوا۔ معلوم ہوا کہ جو علم مقرون بالعمل نہ ہو علم کہلانے کا مستحق نہیں صرف اضافۂ معلومات اور ذہنی تعیّش ہے۔

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

جو علم اللہ کا راستہ نہ دکھائے یعنی جس علم کے بعد اللہ کا راستہ طے کرنے کی توفیق نہ ہو وہ علم نہیں جہالت ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

اَیُّھَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِی الْمَدْرَسَةِ
کُلُّ مَا حَصَّلْتُمُوْہُ وَسْوَسَةً

اے وہ قوم جو مدرسہ میں تحصیلِ علم میں مصروف ہے جب تک تمہارا علم مقرون بالعمل نہ ہو گا تو یہ تمہارا محض وہم و گمان ہے کہ تمہیں علم حاصل ہو گیا۔

علم نبود الّا علمِ عاشقی
مابقی تلبیسِ ابلیسِ شقی

علم سے مراد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا آجائے، اللہ کے راستے پر چلنا آجائے ورنہ آدمی صرف عالمِ منزل ہوگا، بالغِ منزل نہ ہوگا اور مقصدِ علم بالغ منزلِ مولیٰ ہونا ہے۔ اگر علم کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ نہ ہوا تو یہ ابلیس شقی کی تلبیس ہے۔ مولانا کا یہ شعر دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔ مولانا نے صرف یہ مانگ کر کہ اے اللہ! میرے قطرۂ علم کو اپنے علم کے غیر محدود سمندر سے متصل کردیجیے اس اتصال کا طریقہ اور جملہ لوازماتِ سلوک سب مانگ لیے جس کی تفصیل مولانا ہی کی برکت سے الحمدللہ بیان ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اگلے شعر میں مولانا فرماتے ہیں۔

قطرۂ علم است اندر جانِ من
وارہانش از ہوا و از خاکِ تن

اے خدا! علم کا جو قطرہ آپ نے میری جان کو بخشا ہے وہ میری خواہشاتِ نفسانیہ کی خاک سے آلودہ ہے یعنی اس قطرۂ علم کا نور میرے رذائل نفسانیہ اور عناصرِ اربعہ کے تقاضائے خبیثہ کی ظلمتوں میں چھپا ہوا ہے۔ پس آپ اپنے کرم سے اسے اجزائے خاکی اور ہوائے نفس کی قید سے رہائی دلا کر اپنے دریائے نور سے متصل کردیجیے، کیوں کہ آپ کے نور کے سامنے نفس کی ظلمات نہیں ٹھہر سکتیں اور جب ان ظلمات سے میرا قطرۂ علم پاک ہوجائے گا تب ہی اس کا نور صاف میرے لیے مفید ہوگا۔ پس اے اللہ! جلد از جلد اسے خواہشاتِ نفس سے رہائی دلا دیجیے۔

پیش ازاں کیں خاکہا خسفش کند
پیش ازاں کیں بادہا نشفش کند

ارشاد فرمایا کہ خسف کے معنیٰ ہیں گہن اور نشف کے معنیٰ ہیں چوسنا، پونچھنا،

صاف کرنا۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ قبل اس کے کہ اس قطرۂ علم کو یہ خاک گہن لگادے۔ مولانا یہاں خاک کی جمع خاکہا کیوں لائے؟ اس لیے کہ جسم کی خاک مختلف انواع میں تقسیم ہے: آنکھوں کی خاک حرام نظارے چاہتی ہے، کانوں کی خاک گانے سننا چاہتی ہے، زبان کی خاک اجنبیہ عورت یا اَمرد سے باتیں کرنا چاہتی ہے، ہاتھوں کی خاک حسینوں کو چھونا چاہتی ہے، یہ خاک خاک پرستی چاہتی ہے، ایک مٹی دوسری مٹی کو پوجنا چاہتی ہے، مراد یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانیہ کہیں میرے قطرۂ علم کو بالکل ہی ضایع نہ کردیں، اور دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ قبل اس کے کہ قبر کی مٹی اس قطرۂ علم کو فنا کردے اور قبل اس کے کہ ہوائیں اس کو چوس کر ختم کردیں اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ کا مصداق بنادیں۔

گرچہ چوں نشفش کند تو قادری

کش از ایشاں واستانی وخری

لیکن اے اللہ! خواہشاتِ نفسانیہ اس قطرۂ علم کو اور نورِ تقویٰ کو بالکل فنا کردیں تو بھی آپ قادر ہیں کہ نفس کے چنگل سے اس کو واپس لے کر اس کے نور کو دوبارہ بحال کردیں اور غفلت سے حیاتِ مُردہ کو اپنی یاد سے دوبارہ زندہ کردیں۔

قطرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت

از خزینہ قدرتِ تو کے گریخت

جو قطرہ ہواؤں میں بکھر کر فنا ہوگیا یا خاک میں گر کر ضایع ہوگیا یعنی ہمارا نورِ تقویٰ گناہوں کی ظلمتوں میں چھپ گیا لیکن اے خدا! آپ کے خزانۂ قدرت سے نکل کر وہ کہاں بھاگ سکتا ہے، آپ ہمارے اس نورِ تقویٰ کو شیطان و نفس سے ہمیں دوبارہ واپس دلاسکتے ہیں یعنی توفیقِ توبہ دے کر ظلماتِ معاصی سے چھڑا کر ہمیں دوبارہ اپنی محبت و تقویٰ کا نور عطا فرماسکتے ہیں۔

گر در آید در عدم یا صد عدم
چو بخوانید او کند از سر قدم

اگر اس قطرۂ علم پر سینکڑوں عدم طاری ہو جائیں لیکن اگر آپ اس کو بلائیں گے تو وہ سر کے بل آئے گا، عدم سے پھر وجود پا جائے گا۔

صد ہزاراں ضدّ ضد را می کشد
باز شاں فضلِ تو بیروں می کشد

لاکھوں ضدیں اپنے ضد کو کھینچ رہی ہیں۔ تقویٰ کا ضد فجور ہے۔ تقویٰ کے نور کو ظلماتِ معاصی اپنے طرف کھینچ کر فنا کر رہے ہیں، لیکن آپ کا فضل توبہ واستغفار کی توفیق سے اس کو پھر ظلمات سے باہر کھینچ لیتا ہے کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ [۱۰۷]

اللہ اہلِ ایمان کا ولی ہے، ان کو ظلمات سے نور کی طرف نکالتا رہتا ہے۔

از عدم ہا سوئے ہستی ہر زماں
ہست یارب کارواں در کارواں

عالمِ عدم سے عالمِ وجود میں اے رب ہزار ہا قافلے آپ لا رہے ہیں۔ جس طرح کائنات میں ہر لمحہ ہزاروں بچے پیدا ہو رہے ہیں، عدم سے وجود میں آ رہے ہیں اسی طرح ظلماتِ معاصی میں غرق ہزاروں انسانوں کو توفیقِ توبہ سے آپ حیاتِ ایمانی عطا فرما کر ظلمت سے نور اور عدم سے وجود عطا فرما رہے ہیں۔

خاصہ ہر شب جملہ افکار و عقول
نیست گردد غرق در بحرِ نغول

---

[۱۰۷] البقرۃ:۲۵۷

اور ہر رات کو تمام افکار و عقول اور ہوش و حواس عدم کے بحرِ عمیق میں غرق ہو جاتے ہیں اور نیند سے ان کے وجود پر گویا عدم طاری ہو جاتا ہے۔ مولانا رُومی ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

نیند قیدیوں کو قید خانے سے بے خبر کر دیتی ہے اور بادشاہوں کو اپنی سلطنت سے بے خبر کر دیتی ہے۔

تا زوقتِ صبح چوں اللّٰہیاں
می زنند از بحر سر چوں ماہیاں

لیکن صبح کے وقت وہ افکار و عقول مثل اللہ والوں کے پھر بیدار ہو جاتے ہیں اور عدم کے بحرِ عمیق سے یعنی بے ہوشی کے سمندر سے مچھلیوں کی طرح پھر سر نکالتے ہیں۔

(درسِ مناجاتِ مثنوی کے دوران حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے مثنوی کے چند اشعار کی شرح فرمائی جو اگرچہ مناجات کے نہیں ہیں لیکن نہایت نافع ہیں اس لیے وہ اشعار مع شرح یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں ؎

قوتِ جبریل از مطبخ نبود
بود از درگاہِ خلّاقِ و دود

حضرت جبرئیل علیہ السلام اور جملہ فرشتوں کے اندر جو طاقت ہے وہ ان کو روٹی سے نہیں ملی کیوں کہ کوئی فرشتہ روٹی نہیں کھاتا، ان کی طاقت اللہ کی طرف سے ہے، عطائے حق ہے۔ فرشتے نور سے ہیں، وہ روٹی کے محتاج نہیں، لیکن ان کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جن کے پانچ سو بازو ہیں، انہوں نے اپنا صرف ایک بازو استعمال کیا تھا اور قومِ لوط کی چھ لاکھ کی چھ بستیوں کو اُٹھا کر آسمان تک لے گئے اور اُلٹ دیا:

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ[۱۷۱]

لٰہٰذا اللہ تعالیٰ ہم سب کو رُوحانی طاقت نصیب فرمائے۔ اس رُوحانی طاقت سے ہی انسان نفس اور شیطان کو پچھاڑ سکتا ہے، روٹی کھا کر تو شہوتِ نفس اور شیر بنے گی۔ لٰہٰذا اللہ کے ذکر سے، گناہوں سے بچنے سے اور اللہ والوں کی صحبت سے رُوح میں طاقت آتی ہے اور انسان اس طاقت سے ہی نفس و شیطان کو شکست دے سکتا ہے۔ اگر رُوحانی طاقت نہ ہو گی تو نفس و شیطان اس کو پچھاڑ دیں گے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

دوست مارا از رد ہد منت نہد

رازق مارزق بے منت دہد

ہم کو ہمارے دوست احباب تھوڑا سا پیسہ قرضہ دے دیتے ہیں اور پھر منت اور احسان رکھتے ہیں کہ ہم نے اپنے دوست کی مدد کی تھی، اس کی شادی میں ہم نے دس ہزار روپیہ دیا تھا، زیور بنائے تھے وغیرہ اور ہمارا رزق دینے والا ہم کو بغیر احسان جتائے رزق دیتا ہے۔ کیا کبھی اللہ میاں نے احسان جتلایا کہ ہم نے سورج سے تمہارا غلّہ پکایا اور پھر تم کو روٹی پہنچائی؟ اور یہ روٹی ہم نے تم کو کس طرح پہنچائی کہ سورج، چاند، بادل، ہوا اور پانی کو تمہارا رزق تیار کرنے کی خدمت میں لگا دیا۔ تمہارے ایک لقمے میں ساری کائنات کی خدمات شامل ہیں، اور تمہیں صحت دی کہ جس کی برکت سے تم رزق کھا رہے ہو، تمہارے معدے میں جس سے تم آج کھا رہے ہو السر اور کینسر نہیں پیدا ہونے دیا ورنہ اگر معدے میں کینسر اور السر ہو جاتا تو تم روٹی نہیں کھا سکتے تھے۔ ہمارا رازق کیسا کریم ہے، ہمیں رزق دیتا ہے اور ہم پر کوئی احسان نہیں جتاتا۔

عقل می گوید کہ بر اسباب پر

عشق می گوید مسبّب را نظر

---

[۱۷۱] الحجر: ۷۴

عقل کہتی ہے کہ تم اسباب پر اُڑو اور عشق کہتا ہے کہ سبب کے پیدا کرنے والے پر نظر رکھو۔ اسباب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت کے تابع ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اسباب میں اثر پیدا کر دیتے ہیں اور اسباب کے مطابق نتیجہ بر آمد ہو جاتا ہے اور جب ان کی مشیت نہیں ہوتی تو اسباب کو بے اثر کر دیتے ہیں اور باوجود اسباب کے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور اس کی ایک مثال دیتا ہوں، بہت عجیب علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ روٹی سبب ہے پیٹ بھرنے کا اور پانی سبب ہے پیاس بجھانے کا، لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو ان اسباب کو بے اثر کر دیتے ہیں۔ ایک مرض ہے جس کا نام طبِ یونانی میں ''جوع البقر'' ہے جس میں یہ ہوتا ہے کہ چاہے کتنی ہی روٹیاں کھاتے چلے جاؤ لیکن بھوک ختم نہیں ہوتی۔ اور ایسے ہی ایک اور مرض ہے جس کا نام ''استسقاء'' ہے جس میں آدمی پانی پیتے پیتے مر جاتا ہے لیکن پیاس نہیں بجھتی چاہے ایک حوض پانی پی لے۔ اگر اسباب مؤثر بالذات ہوتے تو روٹیاں ہمیشہ بھوک کو سیر کر دیتیں اور پانی ہمیشہ پیاس کو بجھا دیتا۔ معلوم ہوا کہ اسباب اپنی تاثیر میں حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اسبابِ اپنی صفات کے مظہر ہیں، لیکن ہر مظہر اپنی صفتِ مَظہریت کے ظہور میں ہر وقت محتاج ہے مظہِر کا یعنی اللہ تعالیٰ کا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی شانِ مظہریت اثر انداز نہ ہو گی تو اسباب کی مظہِریت مؤثر نہیں ہو سکتی۔ جیسے برف صفتِ برودت اور ٹھنڈک کا مَظہر ہے اور آگ صفتِ حرارت کی مَظہر ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے نارِ نمرود کو حکم دیا کہ

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ [۱۷۲]

تو آگ نے اپنی صفتِ حرارت چھوڑ دی اور ٹھنڈی ہو گئی اور بجائے جلانے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آرام پہنچانے لگی۔ معلوم ہوا کہ تمام اسبابِ عالم مُسبِّبِ حقیقی کے تابع ہیں، اس لیے اسباب پا کر مُسبِّب سے بے خبر اور مستغنی نہ ہو۔ اسباب تو اختیار کرو کیوں کہ دنیا دار الاسباب ہے، ان اسباب کے پردے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو چھپا لیا، ورنہ نظامِ عالَم درہم برہم ہو جاتا اور عالَمِ غیب عالَمِ غیب نہ رہتا۔ اب بظاہر اسباب

---

۱۷۲ الانبیاء:۶۹

سے نظامِ عالم چلتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن در حقیقت اسباب کے پردے میں ان ہی کا دستِ قدرت کار فرما ہے، اس لیے حکم ہے کہ تدابیر واسباب کو اختیار کرو لیکن ان کو مؤثر بالذات نہ سمجھو۔ اسباب کو اختیار کرکے اعتماد اللہ تعالیٰ پر کرو کہ اگر وہ چاہیں گے تو ان تدابیر واسباب میں اثر ڈال دیں گے اور اگر نہ چاہیں گے تو یہ اسباب ہمارا کام نہیں بناسکتے۔ اسی لیے ایک صحابی نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے اللہ کے بھروسے پر اُونٹ کو کھلا چھوڑ دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُونٹ کو رسّی سے باندھو، پھر رسّی پر بھروسہ نہ کرو، اللہ پر بھروسہ کرو۔ اسی کو مولانا رُومی نے فرمایا۔

گفت پیغمبر بہ آوازِ بلند
بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بھروسے پر اُونٹ کو رسّی سے باندھ دے، لیکن رسّی پر بھروسہ نہ کر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں توکّل کی شرعی تعریف یہ ہے: تَرْکِیْبُ الْاَسْبَابِ دُوْنَ الْاِعْتِمَادِ وَالْاِعْتِمَادُ عَلَی اللّٰہِ۔ اسباب کو اختیار کرنا لیکن ان پر اعتماد نہ کرنا اور اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرنا۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے مِلاتے ہیں سُنّت کے راستے

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۸؍ ذوقعدہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۱۰؍ مئی ۱۹۹۳؁ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

شد صفیرِ بازِ جاں در مرجِ دیں
نعرہ ہائے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن

ارشاد فرمایا کہ دین کی شکار گاہ میں باز شاہی یعنی جاں بازِ الٰہی کی آواز مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کے نعرے ہیں کہ میں فنا ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا اور سوائے اللہ کے کسی اور کی طرف رُخ نہیں کرتا اور بجز رضائے الٰہی کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتا، اور نعروں سے مراد محض زبانی نعرے نہیں بلکہ غیر اللہ سے عملی اعراض اور قول مقرون بالعمل ہے لہٰذا شاہ بازِ حق، جاں بازِ الٰہی اور عاشقِ حق سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر فانی شکلوں پر مرنے لگے اور مثل گدھ کے مُردہ لاشوں کو کھانے لگے اور جس طرح بازِ شاہی مُردہ جانوروں کی لاشوں سے صَرف نظر کرتا ہوا صرف زندہ شیر کا شکار کرتا ہے اسی طرح عاشقِ حق دنیائے مردار اور حسنِ فانی کی طرف رُخ کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے اور صرف زندہ حقیقی حَیٌّ وَقَیُّوْم تعالیٰ شانہٗ کی ذات پاک اس کا محبوب و مطلوب و مقصود ہے۔

باز دل را کز پئے تو می پرید
از عطائے بے حدت چشمے رسید

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ بازِ قلب جو آپ کے لیے آپ کی طرف اُڑ رہا تھا اور آپ کی رضا کے اعمال کے اختیار کرنے اور غیر رضا کے اعمال سے بچنے کے مجاہدات کر رہا تھا آپ کے کرمِ غیر محدود کے صدقے میں اس کو چشمِ بینا عطا ہو گئی یعنی اہل اللہ کی مصاحبت، ذکر اللہ پر مداومت، گناہوں سے محافظت، اسبابِ گناہ سے مباعدت اور سنت

پر مواظبت کی برکت سے اس کی جان نسبتِ خاصہ مع اللہ کے نور سے مشرف ہوگئی۔

رَبِّ اَتۡمِمۡ نُوۡرَنَا بِالسَّاهِرَة
وَاَنۡجِنَا مِنۡ مُّفۡضِحَاتِ الۡقَاهِرَة

اے اللہ! ہمارے نور کو روزِ محشر تام فرما دیجیے اور وہاں کی سخت رُسوائیوں سے ہمیں نجات دیجیے۔

یار شب را روزِ مہجوری مدہ
جانِ قُربت دیدہ رادوری مدہ

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! آدھی رات کے بعد تہجد ومناجات و گریہ وزاری واشکباری کی توفیق عطا فرما کر جس کو آپ نے اپنا دوست بنالیا اس کو جدائی کا دن نہ دکھائیے اور جس جان نے آپ کے قُرب کا مزہ چکھ لیا اس کو دوری کا عذاب نہ دیجیے یعنی گناہ اور نافرمانی کے ان اعمال سے حفاظت بھی مقدر فرما دیجیے جو آپ سے بُعد اور دوری کا سبب بن جاتے ہیں۔

بُعدِ تو مرگے ست بادرد و نکال
خاصہ بُعدے کاں بود بعد از وصال

اے اللہ! آپ کا بُعد اور دوری تو خود ایک موت ہے اور یہ موت بھی ایسی ہے کہ جس کے بعد بھی چین نہیں ملتا بلکہ الم وعقوبت ساتھ ہوتا ہے، خاص کر وہ دوری تو اور زیادہ تلخ اور الم انگیز ہوتی ہے جو لذّتِ قُرب ملنے کے بعد ہو۔ پس زندگی آپ کے تعلق ومحبت کے بعد زندگی کہلانے کی مستحق ہے ورنہ وہ زندگی نہیں موت ہے، جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

اَوَمَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰهُ [۱۷۳]

---

[۱۷۳] الانعام:۱۲۲

کیا وہ شخص جو (بوجہ کفر کے) مردہ تھا پس ہم نے اس کو (ایمان عطا فرما کر) زندہ کر دیا۔

معلوم ہوا کہ ایمانی حیات ہی اصلی حیات ہے اور اللہ سے دوری موت ہے، اور یہ اس وقت ہے جبکہ اللہ کے قُرب کا مزہ چکھا ہی نہ ہو، اور جس کو قُربِ الٰہی کی لذت مل گئ پھر کسی شامتِ عمل سے وہ اللہ سے دور ہو گیا تو نور کے بعد ظلمت کا احساس نہایت شدید ہوتا ہے، جیسے ایک بینا آدمی کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہے تو اس کو ظلمت سے سخت بے چینی و پریشانی ہو گی، بر عکس نابینا کے کہ اگر اندھیرے پر اندھیرے طاری ہوتے رہیں تو نابینا کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ ذاکر ہیں اور اہل اللہ کے تعلق کی برکت سے ہر وقت انوار میں رہتے ہیں ان سے اگر کبھی خطا ہو جاتی ہے تو گناہ کی ظلمت کا احساس ان کو نہایت شدید ہوتا ہے اور ان کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود
گر ز باغِ دل خلالے کم بود

سالک پر غموں کے ہزاروں پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اس کے دل میں باغِ قرب سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے۔ اسی کو مولانا نے وصال سے تعبیر فرمایا کہ وصل و قُرب کے بعد فراق زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

اس کے بر عکس اللہ سے غافل اور نافرمان جو غرق ظلماتِ معاصی ہیں، گناہوں کے مسلسل ارتکاب سے ان کے باطن میں ظلمت پر ظلمت چڑھتی جاتی ہے، لیکن مثل نابینا کے ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے ہر ایک کو بچائے۔

آں کہ دیدستت مکن نادیدہ اش
آب زن بر سبزۂ بالیدہ اش

جس نے آپ کو دیکھ لیا اس کو ایسا نہ ہونے دیجیے کہ جیسے اس نے کبھی آپ کو دیکھا ہی نہ تھا یعنی جو توفیق اعمالِ صالحہ سے آپ کے قُرب سے مشرف ہو گیا اس کو اپنی ناراضگی کے اعمال میں مبتلا نہ ہونے دیجیے، کیوں کہ جس نے آپ کو دیکھا ہی نہیں وہ اگر آپ کی

نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن جو آپ کے قُرب سے مشرف ہوا اس کا دوری کے عذاب میں مبتلا ہونا سخت تعجب و حیرت اور عبرت کی بات ہے کہ قُرب کا مزہ چکھنے والا کس طرح تلخیٔ فراق پر صبر کیے ہوئے ہے۔

گر خفاشے رفت در کور و کبود
بازِ سلطاں دیدہ را بارے چہ بود

اگر چمگادڑ تاریکیوں میں جا کر غلاظت کو چاٹ رہا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن وہ بازِ شاہی جس نے بادشاہ کی نگاہیں دیکھی ہیں اس کو کیا ہوگیا کہ چمگادڑ کی طرح غلاظتوں میں ملوث ہو رہا ہے۔

لہٰذا اے اللہ! جس نے آپ کا روئے زیبا دیکھ لیا یعنی آپ کے قُرب سے مشرف ہوگیا اس کو اپنی دوری اور بُعد سے معذب نہ ہونے دیجیے بلکہ اس کے نوخیز سبزۂ معرفت کی آبیاری کیجیے یعنی توفیقِ نالہ و فغاں و گریہ وزاری و اشکباری سے اس کی محبت و معرفت میں ترقی عطا فرمایئے۔

ہیں مراں از روئے خود او را بعید
آں کہ او یک بار روئے تو بدید

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی کس عاشقانہ انداز سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہے ہیں کہ جس شخص نے ایک بار بھی آپ کا جمال دیکھ لیا اس کو کبھی اپنے پاس سے نہ بھگایئے یعنی اپنے کرم سے آپ نے جس کو ایک بار بھی اعمالِ صالحہ، ذکر و فکر اور اپنی یاد اور محبت کی توفیق دے کر اپنا پیارا بنالیا پھر اس کو اپنے قُرب سے محروم نہ فرمایئے یعنی اس کے نفس کے حوالے نہ فرمایئے کہ گناہوں میں مبتلا ہو کر وہ آپ سے دور ہو جائے اور شقاوت و بد بختی اس کو پکڑ لے۔

دید روئے جز تو شد غلِ گلو
كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ

اے خدا! آپ کے حسن وجمال کے سوا کسی غیر کی طرف رُخ کرنا گلے کا طوق ہے، مصیبت اور غلامی ہے، کیوں کہ آپ کے سوا ہر چیز فانی، باطل اور لاشے ہے۔ یعنی آپ سے صحیح تعلق اور اطاعت وفرماں برداری غیر فانی سکون واطمینان کا سبب ہے کیوں کہ آپ کی ذات پاک باقی، قدیم اور غیر فانی ہے اور آپ کے سوا کسی اور سے دل لگانا بے سکونی، اضطراب اور بے چینی کا ذریعہ ہے کیوں کہ آپ کے علاوہ ہر چیز فانی ہے اور جو چیز علیٰ معرضِ فنا وزوال ہو اس سے حاصل ہونے والا سکون بھی فانی اور باعثِ تشویش واضطراب ہو گا۔

اور ماسویٰ ہر وہ چیز ہے جس سے مقصود اللہ نہ ہو اور جو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ بھی نہ بن سکتی ہو۔ اس میں ہر گناہ ونافرمانی اور اللہ سے غافل کرنے والے اسباب داخل ہیں کیوں کہ یہ بالکل غیر اللہ ہے جو نہ مقصودِ حق ہو سکتا ہے نہ ذریعۂ مقصود بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا وہ چیزیں جن کا مقصود اللہ ہے یا جو ذریعہ اور وسیلہ ہیں وصول الی اللہ کا وہ ہر گز غیر اللہ نہیں اس لیے وہ بھی مقصود ہیں جیسے اللہ والوں سے تعلق، ماں باپ بیوی بچوں اعزا واقربا کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ سب مقصود ہیں کیوں کہ یہ ذریعہ ہیں حق تعالیٰ کی رضا کا اور رضائے حق مقصود ہے اور مقصود کا ذریعہ بھی مقصود ہوتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ جو تعلق لِلْحَقِّ ہوتا ہے وہ بِالْحَقِّ ہوتا ہے یعنی جو تعلق اللہ کے لیے ہے وہ اللہ ہی کا تعلق ہے اس کو غیر اللہ سمجھنا نادانی ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! کیوں کہ آپ کے سوا ہر چیز فانی ہے اس لیے آپ کے سوا کسی اور کو چاہنا اپنے گلے میں مصیبت کا طوق ڈالنا ہے۔

باطل اند و می نمایندم رشد
زانکہ باطل باطلاں رامی کشد

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میری نگاہ غلط بیں میں باطل اور فانی چیزیں مثلاً دنیائے فانی کی رنگینیاں اور حسینانِ مجازی وغیرہ جو اصلاً آپ کے غیر ہیں اپنی ظاہری کشش اور ملمع سازی سے مجھے رُشد وصواب معلوم ہوتے ہیں حالاں کہ یہ سب غیر حق اور باطل ہیں لیکن چوں کہ میرا نفس باطل اور اَمَّارَۃٌ

بِالسُّوْءِ اور مُلْہِمٌ بِالْفُجُوْرِ ہے اس لیے باطل باطل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جس کا علاج اسبابِ فجور سے مکمل دوری اختیار کرنا ہے ورنہ نفس گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا۔

زیں کشش ہائے خدائے راز داں
تو بجذبِ لطفِ خودماں دہ اماں

اے وہ ذاتِ پاک جو عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [۱۷۴] ہے! ہمارے سینوں کے تمام رازوں کی رازداں ہے! باطل کے اس انجذاب سے ہمیں اپنے اس جذبِ خاص کے صدقے میں پناہ دیجیے جو آیت اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ [۱۷۵] میں مذکور ہے۔ بس آپ اپنی صفتِ اجتباء کا عکس ہم پر ڈال دیجیے اور ہمیں اپنی طرف کھینچ لیجیے کیوں کہ جس کو آپ جذب فرمائیں پھر کون اس کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے نہ اس کا نفس نہ ابلیس نہ ابلیس کی گمراہ کن ایجنسیاں غرض دنیا بھر کی کوئی طاقت اس کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔

غالبی بر جاذباں اے مشتری
شاید ار درماندگاں را واخری

اے اللہ! آپ کی نافرمانی پر اُکسانے والا ہمارا نفس امارہ بالسوء اور گناہ میں مبتلا کرنے والے اسباب مثلاً حسن مجازی یہ سب جذب و کشش رکھتے ہیں اور ہمیں اپنی طرف کھینچ رہے ہیں لیکن اے اللہ! آپ سب پر غالب ہیں اس لیے آپ کی قوتِ جذب بھی سب پر غالب ہے لہٰذا اگر ساری دنیا کے جاذب اور اہلِ کشش ہمیں اپنی طرف کھینچنا چاہیں اور ابلیس اور ابلیس کا لشکر اور اس کی گمراہ کن ایجنسیاں اور دنیا بھر کی طاغوتی قوتیں اجتماعاً ہمارے نفس امارہ بالسوء کو مقناطیسی کمک پہنچائیں تب بھی اے اللہ! وہ آپ کی قوتِ جذب پر غالب نہیں آسکتے کیوں کہ آپ غالب ہیں، عزیز ہیں اور عزیز کے معنیٰ ہیں اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّلَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ فِی اسْتِعْمَالِ قُدْرَتِہٖ۔ [۱۷۶] جو ہر چیز پر

---

[۱۷۴] الانعام:۱۲۲

[۱۷۵] الشوریٰ:۱۳

[۱۷۶] صحیح مسلم:۲/۳۴۳،باب فضل الذکر والدعاء والتقرب الی اللہ،ایچ ایم سعید

غالب ہو اور اپنی قدرت کے استعمال میں کوئی اس کو عاجز نہ کر سکے۔ پس اے اللہ! آپ ہم درماندوں اور کمزوروں کے خریدار ہیں شاید کہ آپ ہمیں خرید لیں کیوں کہ آپ نے قرآنِ پاک میں اعلان فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ [۱۷۷] اللہ نے خرید لی ہیں مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال بدلہ میں جنت کے۔ پس اے اللہ! ہماری جانوں کو جذب فرمالیجیے پھر کوئی جاذب ہمیں اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا اور ہم آپ کی طرف کھنچتے چلے جائیں گے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

احقر کا شعر ہے۔

مری بے تابیٔ دل میں ان ہی کا جذب پنہاں ہے
مرا نالہ ان ہی کے لطف کا ممنونِ احساں ہے

☆☆☆☆

دردِ عشقِ حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے

یک زمانے صحبتے با اولیاؔ
جس نے پائی ہے وہی کامل ہوئے

۱۷۷؎ التوبة:۱۱۱

از مناجات خاتمِ مثنوی

۱۹/ ذوقعدہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۱۱/ مئی ۱۹۹۳؁ء

بروز منگل، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خدا اسازندۂ عرشِ بریں
شام رادادی توزلفِ عنبریں

اے خدا! اے عرشِ عظیم کے خالق! وہ عرشِ عظیم جو سارے عالم پر محیط ہے اور ساتوں آسمان اور کرسی جس کی وسعت میں مثل ایک حلقۂ انگشتری کے ہیں ایسی عظیم الخلقت مخلوق کے پیدا کرنے والے اللہ! آپ نے شام کو زلفِ عنبریں عطا فرمائی جس کی تاریکی میں نصف شب کے بعد آپ کے عاشقوں کو آپ کی خوشبوئے قرب ملتی ہے اور لذتِ عبادت ومناجات میں ترقی عطا ہوتی ہے۔ مولانا نے صاحبِ عرشِ عظیم کی عظمت بیان کرنے کے لیے عرشِ اعظم کا تذکرہ فرمایا اور خوشبوئے قربِ محبوب کی رعایت سے شام کو زلفِ عنبریں سے تشبیہ دی۔

روز را با شمع کافور اے کریم
کردۂ روشن تراز عقلِ سلیم

اے کریم! آپ نے دن کو شمعِ آفتاب سے ایسا روشن کر دیا جس کی روشنی اس لحاظ سے عقلِ سلیم سے زائد ہے کہ اس میں اشیاء بداہتاً نظر آجاتی ہیں جبکہ عقلِ سلیم کو حقیقتِ اشیاء تک رسائی کے لیے دلائل وبراہین واستدلال کا سہارا لینا پڑتا ہے اور عقلِ سلیم پر دن کی یہ فضیلت **مِنْ بَعْضِ الْوُجُوْہِ** ہے **مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہِ** نہیں کیوں کہ دن اور عقلِ سلیم دونوں آپ کی مخلوق ہیں اس لیے من بعض الوجوہ نورِ عقل کو نورِ آفتاب پر فضیلت حاصل ہے مثلاً: عقلِ سلیم دلائل واستدلال سے وجودِ باری تعالیٰ کا ادراک کرتی ہے جبکہ دن کی روشنی یہ استدلال نہیں کرسکتی نہ دوسروں کو قائل کرسکتی ہے۔

خوں بنافِ نافہ مشکے می کنی
سنبل و ریحاں چرد پشکے کنی

اے خدا! آپ کی قدرتِ قاہرہ خون جیسی گندی اور نجس چیز کو ایک ہرن کی ناف میں خوشبودار مشک بنادیتی ہے اور دوسرا ہرن سنبل وریحان جیسے خوشبودار پھول چرتا ہے لیکن یہ عمدہ غذا اس کے پیٹ میں مینگنی بن جاتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص سوکھی روٹی کھاتا ہے اور اس روٹی سے جو طاقت پیدا ہوئی اس سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اس سوکھی روٹی سے اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا مشک پیدا فرمارہے ہیں اور ایک شخص کباب قورمہ اور پلاؤ کھا کر اللہ کے رزق سے پیدا شدہ طاقتوں کو اللہ کی سرکشی و طغیانی میں خرچ کررہا ہے۔ یہ خوشبودار عمدہ غذا اس کے اندر نافرمانی کی غلاظت پیدا کررہی ہے۔ ایک غذا ایک شخص کو مشرف بالقرب کررہی ہے اور وہی غذا دوسرے کو معذب بالبعد کررہی ہے۔ اسی غذا سے ایک شخص ولی اللہ بن رہا ہے اور اسی غذا سے دوسرا مردودِ بارگاہ ہورہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے تصرفاتِ عجیبہ اور قدرتِ قاہرہ سے ہمیشہ ڈرتا رہے اور یہ دُعا کرتا رہے: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ[۱۷۸] اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو دین پر قائم فرما۔

قادرا قدرت تو داری بر کمال
اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ حَسْبِیْ ذُوالْجَلَال

اے قادرِ مطلق! تو قدرتِ کاملہ رکھتا ہے، تو ہی میرا رب ہے کہ تو نے رفتہ رفتہ میری پرورش کرکے مجھے اتنا بڑا کردیا۔ ربوبیت کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ کسی چیز کو شَیْئًا فَشَیْئًا درجۂ کمال تک پہنچانا، پس تو ہی میرے لیے کافی ہے اور تو ذوالجلال یعنی صاحب الاستغناء المطلق ہے، ہر ایک سے مستغنی ہے لیکن چوں کہ تو رب بھی ہے اس لیے رحمان ورحیم بھی ہے، تیری ربوبیت شانِ رحمت کے ساتھ ہے۔ پس تیری ربوبیت اور تیری کفایت اور تیری شانِ استغناء کے ہوتے ہوئے مجھے اپنے گناہوں سے مایوسی نہیں بلکہ اُمیدِ

۱۷۸ جامع الترمذی: ۳۶/۲، باب ما جاء ان القلوب بین اصبعی الرحمٰن، ایچ ایم سعید

مغفرت ہے بوجہ گناہوں پر ندامت کے۔

اے خدا قربان احسانت شوم
کانِ احسانی بقربانت روم

اے خدا! میں آپ کے احسانات پر قربان ہو جاؤں کہ آپ احسانات کا مخزن و سرچشمہ ہیں پس میری جان آپ پر فدا ہو جائے۔

معدنِ احسانی و ابرِ کرم
فیضِ تو چوں ابر ریزاں بر سرم

اے معدنِ احسان و ابرِ کرم! آپ کا خزانۂ احسان اور فیضِ بخشش و عطا میرے سر پر مثل ابر باراں کے رحمت کی بارش کر رہا ہے۔

از عدم دادی بہ ہستی ارتقا
زاں سپس ایمان و نورِ اھتدا

آپ نے عدم سے ہمیں وجود کی طرف ترقی دی یعنی عدم سے وجود بخشا اور اس کے بعد ایمان اور نورِ ہدایت بھی عطا فرمایا تاکہ اس زندگی میں اعمالِ صالحہ یعنی امتثالِ اوامر واجتناب عن النواہی کے ذریعے ہماری عبدیت کو عروج وارتقا کی آخری منزل نصیب ہو جائے اور آپ ہماری عبدیت کے سر پر اپنی ولایت ورضامندی کا تاج رکھ دیں۔

اے خدا احسانِ تو اندر شمار
می نتانم با زبانِ صد ہزار

اے خدا! اگر مجھے ایک لاکھ یعنی بے شمار زبانیں عطا ہو جائیں تو بھی میں آپ کے احسانات کو ان زبانوں سے شمار نہیں کر سکتا کیوں کہ آپ کے احسانات بے حد اور بے شمار ہیں اس لیے آپ نے قرآنِ پاک میں فرما دیا کہ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[۱۷۹] اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

[۱۷۹] ابراھیم: ۳۴

من بخواب و پاسبانِ من توئی
من چو طفل و حرزِ جانِ من توئی

جب میں سوتا ہوں تو اے اللہ! آپ ہی میری پاسبانی کرتے ہیں اور میں آپ کے سامنے مثل بچہ کے ہوں پس آپ ہی میری جان کی حفاظت کرتے ہیں اور میرے خورد و نوش ولباس وجملہ ضروریات کی کفالت فرماتے ہیں۔

ہندوستان کے بادشاہ عالمگیر نے ایک بزرگ کو خط لکھا کہ میں حیدر آباد دکن فتح کرنے جارہاہوں ورنہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، پس اگر آپ اپنے بزرگوں کی زیارت کے لیے دِلّی تشریف لائیں تو میں بھی آپ کی قدم بوسی کرلوں گا۔ سبحان اللہ! پہلے بادشاہوں کے قلب میں اہل اللہ کا کیاادب تھا۔ ان بزرگ نے بادشاہ کو جواب تحریر فرمایا کہ:

فقیر رابا بزمِ سلطانی چہ کار۔ کریمے دارم چوں گرسنہ می شوم
مہمانی می کند، چوں بخسپم پاسبانی می کند۔ کریمے مابس باقی ہوس

ترجمہ: فقیر کو بادشاہوں کی بزم سے کیا کام۔ میں ایک کریم رکھتا ہوں، جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو وہ میری مہمانی کرتا ہے اور جب سوجاتا ہوں تو میری پاسبانی کرتا ہے۔ مجھے میرا اللہ بس ہے (یعنی کافی ہے) باقی سب ہوس ہے۔

من بعصیاں صَرفِ وقتِ خود کنم
بینی و از حلم می پوشی برم

میں اپنے اوقاتِ زندگی کو گناہوں میں گزار رہاہوں، جو زندگی آپ کی فرماں برداری کے لیے تھی میں اسے آپ کی نافرمانی میں صَرف کررہاہوں اور آپ یہ سب کچھ دیکھتے ہیں لیکن آپ کا حلم وکرم میری پردہ پوشی کرتا ہے اور مجھے رُسوا نہیں کرتا۔

روزیت را خوردہ عصیاں می کنم
نعمت از تو من بہ غیرے می تنم

آپ کا رزق کھاکر میں آپ ہی کی نافرمانی کرتا ہوں۔ آہ! میں کتنا کمینہ ہوں کہ آپ کی دی

ہوئی روٹی سے میرے جسم میں خون بنا، اسی خون سے میرے جسم میں قوت آئی، وہی خون میری آنکھوں میں جاکر قوتِ باصرہ بنا، کانوں میں جاکر قوتِ سامعہ بنا، ناک میں قوتِ شامہ بنا، زبان میں قوتِ ذائقہ بنا لیکن میں آپ کے دیے ہوئے رزق سے پیدا شدہ قوتوں کو اور آپ کی عطا فرمودہ جملہ نعمتوں کو آپ کی نافرمانی میں صَرف کرتا ہوں۔ نعمت تو آپ کی طرف سے ہے لیکن بجائے آپ پر فدا ہونے کے میں آپ کے غیروں سے دل لگاتا ہوں، ان پر متوجہ اور ملتفت ہوں، یہ میرا انتہائی کمینہ پن اور احسان فراموشی اور دناءت ہے۔ جو ایک لقمہ میں حلق سے اُتارتا ہوں اس میں زمین و آسمان، چاند و سورج، ہواؤں اور بادلوں کی خدمات شامل ہیں، ساری کائنات کی خدمت ایک نوالۂ رزق میں لگی ہے تب یہ نوالہ مجھ تک پہنچا ہے لیکن آہ! میں کس غفلت سے اللہ کا رزق کھاکر کس جرأت و بے حیائی سے گناہ کرتا ہوں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تاتو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری

ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادل ہوا، چاند سورج، زمین و آسمان اللہ نے تیری خدمت میں لگادیے تاکہ جب تو روٹی ہاتھ میں لے تو غفلت کے ساتھ نہ کھائے بلکہ استحضار رہے کہ میری خاطر پوری کائنات کو میری خدمت میں لگادیا گیا تب مجھے یہ روٹی ملی ہے۔ ساری کائنات میری مطیع و فرماں بردار بنادی گئی بس یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری نہ کرے۔

جملہ بینی و نہ گیری انتقام
از درِ حلم وکرم آئی مدام

اے اللہ! آپ ہماری سب بے وفائیاں اور کوتاہیاں اور دناءت وکمینہ پن دیکھتے ہیں، مگر

انتقام نہیں لیتے اور اپنے بندوں سے ہمیشہ حلم و کرم کا معاملہ فرماتے ہیں۔

بر دلِ من سی صد و شصت از نظر
می کنی ہر روز اے ربّ البشر

اے تمام انسانوں کے رب! سال میں تین سو ساٹھ دن ہیں، لیکن آپ کی رحمت پر قربان کہ آپ ہر روز ہمارے دل پر تین سو ساٹھ بار نظرِ کرم فرماتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ بے شمار رحمت ہمارے دلوں پر محیط ہے۔ ان کی رحمت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

لیک من غافل ز لطفِ بے کراں
چشم دارم ہر زماں با ایں و آں

آپ کی تو مجھ پر ایسی نگاہِ کرم ہے لیکن میں ہوں کہ آپ کے لطف بے کراں سے غافل ہو کر ہمہ وقت ہر کس و ناکس پر نگاہ رکھتا ہوں، آپ کے علاوہ دوسروں سے اپنی اُمیدیں وابستہ کرتا ہوں حالاں کہ میری نگاہ تو ہمہ وقت آپ ہی کی طرف لگی رہنی چاہیے تھی، چشم زدن کو مجھے آپ سے غافل نہ ہونا چاہیے تھا۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ترجمہ: اے سالک! اس شہنشاہ حقیقی تعالیٰ شانہٗ سے ایک لمحے کو بھی غافل نہ ہو شاید کہ وہ تیری طرف نگاہِ کرم فرمائے اور غفلت کی وجہ سے تجھے خبر بھی نہ ہو۔ اور عاشق کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

در بزمِ وصالِ تو بہ ہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

عالمِ قرب و حضوری میں جب قلب خاصانِ خدا پر تجلیاتِ خاصۂ الٰہیہ کا انکشاف ہوتا ہے تو پلک جھپکنا بھی گراں معلوم ہوتا ہے بوجہ مُخلِ نظارہ ہونے کے۔ یعنی ایک لمحے کی غفلت بھی باعثِ کلفت ہوتی ہے۔

دوست را بر من نظر شد دوختہ
حیف من با دیگراں دل دوختہ

وہ محبوبِ حقیقی تو مجھ پر اپنی خاص نظرِ عنایت کیے ہوئے ہے لیکن افسوس کہ میں نے اپنا دل غیروں سے لگایا ہوا ہے۔

من گنہ آرم تو ستاری کنی
جرمِ من آرم تو معذاری کنی

میں گناہ کرتا ہوں اور آپ ستّاری وپردہ پوشی فرماتے ہیں۔ میں جرم کرتا ہوں اور آپ اپنے کرم سے معاف فرمادیتے ہیں۔

جرم ہا بینی و خشمے ناوری
اے بقربانت چہ نیکو داوری

اے اللہ! میرے جرائم کو آپ دیکھتے ہیں لیکن اپنا قہر وغضب مجھ پر نازل نہیں فرماتے یہ آپ کا احسان وکرم ہے ورنہ اے اللہ! آپ سے کون بچ کر جاسکتا ہے۔ پس اے میرے مالک! آپ کے اس احسان وکرم پر میں فدا ہوں۔

در مصائب در حوادث ہائے زار
چوں کہ بر من تنگ شد از درد کار

جب مصائب وحوادث وآفات سے زندگی اور زندگی کے اوقات مجھ پر تنگ ہوئے اور میں ضَاقَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَ ضَاقَتۡ عَلَیۡہِمۡ اَنۡفُسُہُمۡ[۱۸۰] کی سخت اُلجھن اور گھٹن میں مبتلا ہوگیا۔

یار و خویشانم مرا بگزاردند
زار در دست غمم بسپاردند

---

[۱۸۰] التوبۃ:۱۱۸

جب مجھ کو میرے دوستوں نے بھی چھوڑ دیا اور مجھ بے کس، کمزور اور حیراں وسرگرداں کو غم کے ہاتھوں میں سپرد کردیا۔

جز تو کے دیگر دراں سختی رسد
در متاعب ہا تو گشتستی مدد

اس وقت آپ کے سوا کون اس سختی میں میری مدد کو آیا، ان سخت حالات میں آپ ہی نے میری مدد فرمائی۔

در رسیدی زود بگرفتی مرا
وا خریدی از ہمہ سختی مرا

آپ کا کرم ہی اس وقت ہماری مدد کو پہنچا اور ہم گرتے ہوؤں کو سنبھال لیا اور تمام سختیوں، مصائب وآفات سے ہم کو خرید لیا یعنی بچالیا۔

چوں شمارم من ز احسانِ تو چوں
گر زباں ہر مو شود لطفت فزوں

اگر میرا ہر بُنِ مو یعنی میرا رُواں رُواں اور بال بال زبان بن جائے تب بھی میں آپ کے احسانات کو شمار نہیں کر سکتا کیوں کہ آپ کا لطف وکرم بے شمار ہے اور زبان محدود۔ اور محدود خواہ کتنی ہی اکثریت میں ہو محدود ہے۔ پس محدود غیر محدود کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے، اس لیے میرا شکر ہمیشہ آپ کے لطف وکرم سے کم ہوگا بلکہ دونوں میں اتنی نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو قطرے کو سمندر سے ہے۔

شکرِ احسان ترا چوں سر کنم
اندریں رہ گو قدم از سر کنم

آپ کے احسان وکرم کا شکر ادا کرنے کے لیے اگر راہِ تشکر میں ہم سر کے بل چلیں تب بھی حقِ شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

جان و گوش و چشم و ہوش و پا و دست
جملہ از دُرہائے احسانت پُر است

ہماری جان اور کان آنکھیں اور ہوش اور ہاتھ پاؤں سب آپ کے احسانات کے موتیوں سے پُر ہیں۔ ہماری جان میں ایمان کا خزانہ رکھ دیا، کانوں میں شنوائی کا خزانہ رکھ دیا، آنکھوں میں بینائی کا خزانہ رکھ دیا وغیر ذالک اور یہ ایسے خزانے ہیں جو نایاب ہیں اور بازارِ دنیا میں دستیاب نہیں۔ لہٰذا ہم میں سے ہر ایک اپنے جسم میں انمول، بے مثل اور نایاب خزانے لیے پھرتا ہے۔ ایسے کریم مالک کے شکر کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔

ایں کہ شکرِ نعمت تو می کنم
ایں ہم از تو نعمتے شد مغتنم

یہ جو میں آپ کا شکر ادا کر رہا ہوں یہ توفیقِ شکر خود ایک نعمت مغتنم ہے یعنی مفت بخشی ہوئی نعمت ہے۔ پس جب یہ توفیق بھی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہوا پھر اس توفیقِ شکر پر شکر واجب ہو گا، لہٰذا ادائے شکر میں تسلسل لازم آتا ہے جو عقلاً محال ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ کوئی آپ کے احسانات کے شکر کا حق ادا کرنے پر قادر نہیں۔

شکرِ ایں شکر از کجا آرم بجا
من کئیم از تست توفیق اے خدا

توفیقِ شکر پر شکر ہم کہاں تک کر سکتے ہیں کیوں کہ ہر شکر دوسرے شکر کو مستلزم ہے جس کا تسلسل عقلاً محال ہے یعنی مسلسل شکر پر قدرت عقلاً محال ہے پس ہم کیا ہیں جو حقِ شکر ادا کر سکیں، لہٰذا آپ کے شکر کا حق ادا کرنے میں ہم عاجز و قاصر ہیں۔ جو کچھ شکر کی توفیق ہے وہ سب آپ کے کرم کی ممنون ہے اگرچہ وہ شکر آپ کی نعمتوں کے مقابلے میں بے حقیقت ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

آج سے تقریباً سات سو سال قبل حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں محبتِ الٰہیہ کی آگ روشن ہوئی جو بعد ازاں حضرت جلال الدین رومی کے سینے میں منتقل ہوئی اور اشعار کی صورت میں مثنوی مولانا روم میں تا قیامت محفوظ ہوگئی۔ آج اسی مثنوی شریف کی شرح رومیٔ ثانی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سارے عالم میں نشر ہورہی ہے اور لاکھوں قلوب کو اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت سے تڑپا رہی ہے۔

پیشِ نظر کتاب "فغانِ رومی" شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا جلال الدین رومی کے مناجاتیہ اشعار کی اپنے مخصوص و منفرد عاشقانہ انداز میں نہایت درد بھری شرح فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مناجاتِ رومی کی ایسی شرح آج تک نظر سے نہیں گزری۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، اس کتاب کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ کے حضور نہ صرف دعا مانگنے کا طریقہ آئے گا بلکہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ بھی لگ جائے گی۔

www.khanqah.org

ناشر

کتب خانہ مظہری

فنِ اسماء الرجال

ائمہ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ

حدیث پرکھنے کے اصول

سلسلۂ اسناد

اسنادِ عالی

فنِ جرح و تعدیل

وضعِ حدیث

رواۃ



ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

اور جو کچھ کہ دے تم کو رسول پس لے لو اس کو اور جو کچھ کہ منع کرے تم کو اس سے پس باز رہو

فنّ اسماء الرّجال

ائمہ حدیث کا عظیم الشّان کارنامہ

(یعنی)

تاریخِ رجال حدیث کی تدوین و تحقیق، کتب اسماء الرجال سے استفادہ کا طریقہ، اہم و مشہور کتب رجال پر تبصرہ و تعارف

مؤلفہ

مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری

پروفیسر حدیث جامعة الامارات (العین)

بانی و سرپرست

جامعہ اسلامیہ مظفر پور، قلندر پور، اعظم گڈھ، یوپی

نام کتاب — فن اسماء الرجال، ائمہ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ
مؤلف — ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری
کتابت و ڈیزائن — نور الہدیٰ مظاہری اکبر پوری
باہتمام — حبیب الرحمن قاسمی استاذ جامعہ ہذا
سن طباعت بار دوم — ۲۰۰۰
تعداد — تین ہزار
ناشر — شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ
قیمت — پچاس روپے ۵۰

بلال آرٹ پریس (اردو پرنٹرز) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲

ملنے کے پتے

(۱) جامعہ اسلامیہ مظفر پور، قلندر پور، اعظم گڈھ، یوپی پن ۲۷۶۳۰۲
(۲) مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔
(۳) صدیقی کتاب گھر نزد چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند
(۴) کتب خانہ عزیزیہ، بازار جامع مسجد دہلی۔

فہرست مضامین فنّ اسماءُ الرّجالُ

دوسرا ایڈیشن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اس ناچیز نے آج سے ۲۷ سال پہلے "فن اسماء الرجال" کے عنوان پر اُردو میں ایک مختصر رسالہ تالیف کیا تھا، جو اہلِ علم میں بیحد مقبول ہوا، عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی، بعض اہل علم کا اس کی طباعت پر اصرار تھا، مگر یہ کام مؤخر ہوتا رہا۔

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس ناچیز نے عربی زبان میں "علم رجال الحدیث" کے عنوان پر مفصل کتاب لکھی ہے، جس کو اس موضوع کا ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا قرار دیا گیا ہے، اور مختلف عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں مرجع کے اصول پر استعمال ہوتی ہے، تین مرتبہ طبع ہو چکی ہے، چوتھی مرتبہ طباعت کی تیاری ہو رہی ہے، آخری مرتبہ "مکتبۃ الایمان" مدینہ منورہ نے شائع کیا ہے۔

اس کتاب پر حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہٗ کے علاوہ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر اور شیخ احمد عبدالعزیز المبارک چیف جسٹس ابوظبی کے مقدمات بھی ہیں خیال تھا کہ اس کتاب کو اردو میں منتقل کر دیا جائے لیکن اس کام کے لئے نہ وقت ہے نہ ہی ضرورت کہ یہ کتاب علماء وفضلاء کے لئے خاص ہے، ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے، فن اسماء الرجال سے تعارف کے لئے یہ اردو رسالہ کافی ہے۔

اس لئے عزیزی مولوی حبیب الرحمٰن قاسمی کی زیر نگرانی "جامعہ اسلامیہ" مظفر پور کی طرف سے اس کو شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نافع ومقبول بنائے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

تقی الدین ندوی

مقدمہ

از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

حکمتِ الٰہی کی یہ ایک عجیب کارفرمائی ہے کہ ایک نبیٔ امّی کو ایک ایسی امت عطا ہوئی جس نے علم کی خدمت و اشاعت ہی نہیں، اور علوم کی تکمیل و توسیع ہی نہیں بلکہ جدید علوم کی وضع و تدوین کا ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی مثال گزشتہ تاریخ اور سابقہ امتوں میں نہیں مل سکتی، اس نے تصنیف و تالیف کے میدان میں ساری گزشتہ اقوام اور ملتوں کو پیچھے چھوڑ دیا، اور اتنا بڑا علمی ذخیرہ اور اتنا عظیم اور وسیع کتب خانہ اس کی محنتوں اور کاوشوں سے وجود میں آیا، جس کا سرسری جائزہ لینا بھی آسان نہیں، جس نبیؐ کو قرآن مجید میں "امّی" کے لقب سے کئی بار یاد کیا گیا اور جس کے متعلق یہ صراحت کی گئی:۔

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ	اور نہیں تھا تو پڑھتا پہلے اس سے کوئی
کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ	کتاب اور نہ لکھتا تو اس کو اپنے داہنے
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔	ہاتھ سے اس وقت البتہ دھوکا کھاتے
(سورۂ عنکبوت ع ٥)	جھوٹے۔

اس کو ایسی امت کا عطا ہونا جو اپنے علمی شغف و انہماک اور علم سے عشق اور اپنی بلند ہمتی اور خدمتِ علم میں اپنے ایثار اور قربانی میں بے نظیر ہو، محض اتفاقی امر نہیں بلکہ قدرتِ الٰہی کا ایک بڑا معجزہ اور ظاہر بیں اور مادہ پرست انسانوں کے لئے ایک بڑا سبق اور انسانی تاریخ کے صفحات پر ایک روشن علامت استفہام ہے کہ ایسا کیوں اور کس طرح ہوا؟ عارف شیرازی نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ،

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

لیکن یہ معجزانہ عمل صرف سلبی معجزہ نہ تھا اور اس کا دائرہ صرف قدیم ذخیرہ پر خط نسخ پھیر دینے میں محدود نہ تھا، بلکہ یہ ایک عظیم الشان تعمیری، ایجابی و احیائی معجزہ بھی تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اتنے ذخیرہ کو جو اپنی زندگی اور بقا کی صلاحیت اور افادیت کو کھو چکا تھا، بے کار نہیں کیا، جتنا اس نے دنیا کو کار آمد، لازوال اور حیات بخش ذخیرہ عطا کیا۔ اس نے اگر چند ملتوں کے ان چند کتب خانوں پر پانی پھیر دیا جن کے نقوش نہ صرف یہ کہ اپنی آب و تاب کھو چکے تھے بلکہ دنیا کی غلط فہمی اور گمراہی کا ذریعہ بنے ہوئے تھے، تو اس نے اس کے مقابلے میں دنیا کو وہ کتب خانے عطا کیے، جو حقائق ابدی، علوم صحیحہ، اور ہدایت ربانی پر مشتمل تھے اور جو کسی زمانے میں خزاں رسیدہ اور از کار رفتہ نہیں ہو سکتے۔

ان علوم اسلامیہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن کی وضع و تدوین کا سہرا اس امت کے سر ہے، اور جن کے ظہور میں آنے کا سبب و محرک قرآن مجید کا فہم اور تعلیماتِ نبوی کی حفاظت تھا۔

"علماء اسلام نے مختلف ملکوں اور عہدوں میں ان علوم کی تاریخ نشو و ارتقاء اور علماء اسلام کی تصنیفات کے تذکرہ اور تعارف میں ضخیم و مفصل کتابیں لکھی ہیں، جن میں دورِ اوّل کی "الفہرست لابن الندیم" اور دورِ متوسط کی "کشف الظنون" للچلپی بہت مشہور ہیں، جہاں تک ہمارے ملک ہندوستان کا تعلق ہے، مولانا حکیم سید عبد الحئیؒ کی کتاب "معارف

العوارف فی انواع العلوم والمعارف" جسے "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کے نام سے دمشق کی سرکاری اکیڈمی "المجمع العلمی العربی" نے شائع کیا ہے، ایک نظر ڈال لینی کافی ہے، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ صرف ایک ملک میں مختلف اسلامی علوم پر علماءِ اسلام نے کتنا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔

جہاں تک علمی وفنی اصطلاحات کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں بھی سب سے بڑا کام ہندوستان ہی میں انجام دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ عبدالنبیؒ احمد نگری کی کتاب "دستور العلماء" اور قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ کی کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" کا نام لینا بالکل کافی ہے جو اس موضوع پر بلادِ عربیہ میں بھی سب سے بڑا مرجع اور ماخذ سمجھی جاتی ہیں، یوں تو تمام علوم علماءِ اسلام کی بلند ہمتی اور ذوقِ جستجو کے شاہد ہیں، لیکن بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ علماءِ اسلام نے اپنی سب سے بڑی ذہانت اور محنت جس علم پر صرف کی، اور جس میں انہوں نے اپنی ذہنی کاوش اور علمی موشگافیوں کا سب سے بڑا ثبوت دیا، وہ فنِ حدیث ہے،

کسی صاحبِ نظر کا مقولہ ہے کہ اسلامی علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم جو نیم پختہ رہی ایک قسم جو پختگی کے کمال کو پہونچ گئی اور ایک قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی اور گویا پختہ ہو کر بالکل کھری ہو گئی، اور ان کے الفاظ میں "نضج واحترق" اس تیسری قسم میں انہوں نے حدیث کو شمار کیا ہے، جو اپنے کمال وارتقاء کے آخری منازل تک پہونچکر نشانہ کو پار کر گیا، اور اس میں اب کسی آدمی کے لئے کوئی بات پیدا کرنا اور عامیانہ الفاظ میں کوئی نئی کوڑی لانا تقریباً ناممکن ہو گیا، نہ صرف فن روایت اور متن حدیث بلکہ متعلقاتِ علمِ حدیث، اسماء الرجال، فن جرح وتعدیل، اصولِ حدیث اور علل حدیث میں محدثین اور نقادِ حدیث نے جو باریکیاں پیدا کی ہیں، جن موشگافیوں سے کام لیا ہے، جس ذہانت، نکتہ وری اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے، اس کا کچھ اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق بحثوں پر نظر ڈالنے ہی سے ہو سکتا ہے، جن میں اکثر مشہور اور مستند مصنفین کا نام پیشِ نظر کتاب میں آ گیا ہے اور جا بجا ان کے اقتباسات اور تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔

قدرتی طور پر فن حدیث سے متعلق ساری کتابیں عربی میں تھیں، اور وہی عالم اسلام کی تصنیفی اور علمی زبان رہی ہے، اور ان کتابوں کا حلقہ بھی اہلِ فن اور اہلِ درس تک محدود رہا ہے، ہماری اُردو زبان جس میں دینیات کا بڑا ذخیرہ منتقل ہوگیا ہے اور جو اسلامی تصنیفات کے لحاظ سے عربی کے بعد مسلمانوں کی دوسری زبان کہی جا سکتی ہے، عرصہ ہوا اس نے فارسی کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ اس زبان میں زیادہ تر حدیث کے متون کے تراجم ہوئے حدیث کی تاریخ و تدوین یا محدثین کے سیر و تراجم پر کتابیں لکھی گئیں، لیکن رجال فن جرح و تعدیل شرائطِ قبول حدیث، علل و اسقام حدیث، فن اسناد، مختلف ائمۂ حدیث کے معیار صحت و ضعف موضوعات وغیرہ پر بہت کم توجہ کی گئی، جس سے وہ اُردو داں حضرات یا ضعیف الاستعداد طلباء مدارس فائدہ اٹھا سکتے، جو کسی وجہ سے ان مآخذ سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے۔

عزیز گرامی مولوی تقی الدین ندوی سلمہٗ تعلیم یافتہ طبقہ کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پہلے "محدثین عظامؒ" کے نام سے ایک متوسط کتاب لکھی، جس میں محدثینؒ کرام کی شخصیتوں اور اجمالی طور پر ان کے علمی کارناموں کا تعارف ہوا، اب فن اسماء الرجال اور فنونِ حدیث پر وہ دوسری کتاب پیش کر رہے ہیں۔ جس میں اس فن کی معتمد کتابوں کا بڑا قابل قدر اور لائق استفادہ خلاصہ، ان کی تحقیقات کے نتائج آگئے ہیں۔

عزیز موصوف نے دار العلوم ندوۃ العلماء اور مظاہر علوم میں رہکر محنت و ذوق کے ساتھ حدیث پڑھی اور اس کا مطالعہ کیا، پھر کچھ عرصہ بقیۃ السلف برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں رہ کر ان کے علمی ذخیروں اور ذاتی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، اور ان کے درس میں بھی شرکت کی، تدریسی صلاحیت اور ذوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو تصنیفی صلاحیت و ذوق بھی عطا فرمایا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک ایسا مدرس جس نے سالہا سال تک کسی فن کی تعلیم دی ہو، اس فن کی مشکلات، طلباء کی صحیح ضرورتوں، ان کے ذہن اور ان کی استعداد سے واقف ہو سکتا ہے، اور اس فن کی چھپی ہوئی اور نکھری ہوئی تحقیقات کو پیش کر سکتا ہے۔ ان سب کی خصوصیات کی بنا،

پر اس کی امید ہے کہ یہ کتاب عربی داں تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اس فن کے تعارف، اور اس سے اجمالی واقفیت کا ذریعہ، اور طلباء مدارس کے لئے معاون و رہنما ثابت ہوگی ۔

اللہ تعالیٰ اس سے تمام قارئین اور طلباء مدارس کو نفع پہونچائے، اسلاف کی گرانقدر اور بے نظیر خدمات کی قدر ان کے دل میں پیدا ہو، اور اس فن کے اصل ماخذ اور قدیم مراجع کے مطالعہ کا شوق ان کے سینہ میں موجزن ہو۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی

سہ شنبہ، ۳؍ شوال المکرم ۱۳۸۸ھ

۲۴؍ دسمبر ۱۹۶۸ء

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ! یہ کتاب جو فنِ اَسماء الرجال، جرح تعدیل اور اس کے متعلقات کے تعارف اور اصول وضابطے کے بیان پر مشتمل ہے، آخری باب میں اس فن کی اہم ومشہور کتابوں کا اجمالی تعارف بھی ہے اور ان کے مطبوع ومخطوط ہونے کی نشاندہی ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کا ابتداءً خیال فاضل گرامی مولانا مناظر احسنؒ گیلانی کی کتاب "تدوین حدیث" کے مقدمہ سے پیدا ہوا، جس میں انھوں نے اس فن پر اپنے ایک مقالہ کا ذکر کیا ہے، مگر افسوس کہ وہ منظر عام پر نہ آسکا۔

چونکہ عرصہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناچیز کو حدیثِ پاک کے پڑھنے وپڑھانے کا موقع عطا فرمایا ہے، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ طلباء کو فنِ جرح وتعدیل کے اصول وضابطے اور اس فن کی مشہور واہم کتابوں سے متعارف کرایا جائے، تاکہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ کا سلیقہ پیدا ہوسکے، اور وہ اس بحرِ ناپیدا کنار سے مستفید ہوسکیں۔

میرے پیشِ نظر خصوصیت سے مدارس عربیہ کے طلبا رہیں، مگر ساتھ ہی اس کی بھی رعایت ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بھی یہ کتاب مفید ثابت ہو' اور مسلمانوں کے اس عظیم کارنامہ کا جو انہوں نے علم حدیث کی حفاظت وصیانت کی ضرورت کے تحت ایجاد کیا' اس کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

یورپ کے مستشرقین اور ان کے مشرقی تلامذہ ومقلدین کی عرصہ سے ناپاک کوشش ہے کہ علم حدیث جو درحقیقت قرآن کا بیان وشرح ہے' اس کو ایک صدی بعد کی ایجاد ثابت کیا جائے، تاکہ اسلام کا نظام اور اس کا پورا تمدن ومعاشرہ ایک مجہول حقیقت بن کر رہ جائے، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ فن رجال جرح وتعدیل کے ضابطے اور محدثین کی اس سلسلہ میں غیر معمولی دیانت داری اور ان کی جانفشانیوں کا اجمالی مرقع پیش کر دیا جائے۔

اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے' اس کی اجمالی فہرست اخیر کتاب میں درج کر دی گئی ہے۔

میرے استاد ومرشد حضرت مولانا محمد زکریا[1] صاحب شیخ الحدیث مدفیوضہم (جن کی توجہ وبرکت سے یہ کتاب پیش کی جارہی ہے) نے اس کتاب کی تکمیل کے لئے خصوصیت سے تاکید فرمائی اور اس کے بیشتر حصے کو پڑھوا کر سنا، اور اس کی تکمیل پر اظہارِ مسرت فرمایا، اور خصوصیت سے دعائیں دیں۔

ہمارے مخدوم ومحترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے اس کتاب کو اپنے رسالہ "الفرقان" میں کئی قسطوں میں شائع فرمایا، جس سے علمی حلقوں میں اس کی اشاعت ہوئی، جس پر تہہ دل سے ممنون ہوں۔

یہ ناچیز اپنے مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا بھی ممنون ہے

---

[1] افسوس کہ یکم شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ کو حضرت والا عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

کہ انہوں نے از راہِ شفقت اس کے لئے مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ۔

میں ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں کسی نوع کا تعاون کیا ہے ۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرفِ قبولیت و دوام عطا فرمائے اور اس ناچیز کی لغزشوں و سیئات سے درگزر فرما کر مزید حدیث پاک کی خدمت کا موقع عطا فرمائے ، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ہ

فقط والسّلام

تقیُ الدّین ندویُ مظاہریُ

مظاہر علوم سہارنپورُ

یوم جمعہ ۱۵ ر رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فنِ اسماء الرجال پوری علمی دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیّبہ بلکہ ہر اس چیز اور ہر اس شخص کے حالات کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی آپؐ کی ذاتِ مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک عجوبہ ہے۔

جن لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کو روایت کیا، انھیں رواۃِ حدیث یا راویانِ حدیث کہا جاتا ہے، جن میں صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے راویانِ احادیث و آثار داخل ہیں۔ ان کے مجموعۂ احوال کا نام "فنِ اسماء الرجال" ہے۔ جب حدیث و سنّت کے سرمایہ کی تدوین ہو چکی، تو ان رواۃِ حدیث کے حالات بھی قلمبند کیے گئے، ہر راوی کا نام، اس کی کنیت، اس کا لقب، کہاں کے رہنے والے تھے، ان کے آباء و اجداد کون تھے؟ کس مزاج و طبیعت کے تھے، حافظہ کیسا تھا، تقویٰ اور دیانت کے لحاظ سے کیا درجہ اور معیار تھا، کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا، طلبِ علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کی خاک چھانی، کن لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا، غرض ان ہزارہا ہزار راویانِ حدیث کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیائے قدیم و

جدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں، ڈاکٹر اسپنگر نے جس کی اسلام دشمنی مشہور ہے "الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ" کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے:۔

"کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے[۱]"

صرف طبقۂ اول کے راویانِ حدیث یعنی صحابۂ کرام کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات میں ایک لاکھ سے زائد تھی، اگرچہ ان کتابوں میں جو صحابۂ کرامؓ کے تذکرہ میں لکھی گئیں اور محفوظ ہیں، قریباً صرف دس ہزار کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ حافظ سیوطی نے لکھا ہے:۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور واقعات کا کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا، یعنی انہوں نے روایتِ حدیث کی خدمت انجام دی[۲]"

سلسلۂ اسناد حدیث کے دو جزو ہوتے ہیں، ایک متن حدیث، یعنی حدیث کا اصل مضمون جن الفاظ میں بھی راوی نے بیان کیا ہو، اور دوسرا جزو اسناد یعنی بالترتیب ان لوگوں کے اسماء جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

سلسلۂ اسناد اس امت کا خصوصی امتیاز ہے، حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ:۔

"ثقہ راوی کا اپنے اوپر والے ثقہ راوی سے حدیثِ نبویؐ کو اس طرح روایت کرنا کہ کڑی سے کڑی جڑی ہو (درمیان میں انقطاع نہ ہو) یہ وہ نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہؐ کو نوازا ہے[۳]"

تاریخ کو چھوڑیئے، دنیا میں قرآن مجید کے علاوہ جو الہامی کتابیں مشہور و معروف ہیں

---

[۱] خطبات مدراس بحوالہ مقدمہ اصابہ [۲] تدریب الراوی طبع جدید ص۴۰۲ [۳] تدریب طبع قدیم ص۱۸۳

انہی کی سند کا حال دیکھ لیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ آج موجود ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مصنفین کے بیان کے مطابق وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال کے بعد وہ کتابی شکل میں مدون ہوئی ہے۔

عیسائی دنیا کا بڑا حصہ آج صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، ان چار انجیلوں میں سے ایک کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا ہے، بلکہ انہوں نے کسی سے سُن کر حالات کا یہ مجموعہ لکھا ہے، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جا رہا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے (یعنی متّی، مرقس، یوحنّا، لوقا) ان کی طرف یہ نسبت صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے جس درجہ کا علمی ثبوت چاہیئے، واقعہ یہ ہے کہ موجود نہیں ہے[۱] یہی حال دوسروں کے الہامی نوشتوں کا ہے اور ہمارے ہاں ضعیف حدیثوں تک کی سند موجود ہے اور اس سند کے ضعف و عدم ضعف پر دلائل قائم ہیں، بلکہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ اسناد کو حدیث کا جزو بنا دیا گیا ہے اور بلا اسناد کے حدیث کو قابلِ قبول ہی نہیں سمجھا گیا۔ امت کے جلیل القدر امام عبد اللہؒ بن مبارک کا ارشاد ہے:۔

الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء[۲]	اسناد جزو دین ہے، اگر اسناد کی پابندی نہ ہو تو جس کے جو جی میں آئے کہدے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایکدن امام زہریؒ نے ایک حدیث بیان کی میں نے عرض کیا، اسی کو بغیر سند کے پھر بیان فرما دیجئے، انھوں نے فرمایا "تم بغیر زینے کے کوٹھے پر چڑھنا چاہتے ہو۔"

اسی طرح سفیانؒ ثوری نے اسناد کو مومن کا سلاح (ہتھیار) قرار دیا ہے[۳]۔

راویانِ حدیث کی پہلی صف یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث و

---

[۱] خطبات مدراس ص۳۶ [۲] اخرجہ مسلم فی مقدمتہ ص۱۲ [۳] تدریب ص۱۸۳ طبع قدیم

سنت کے اولیں رُواۃ یعنی صحابہ کرامؓ جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، انکی راست گفتاری اور صدق مقال پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل، رزانت و متانت پر ان کے کارنامے شاہدِ عدل ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علیٰ رؤس الاشہاد بار بار اعلان فرمایا کہ:-

"جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کو قصداً منسوب کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے[1]"

صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ کسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے وقت کانپ جاتے تھے[2]

بعض صحابہؓ کا معمول تھا کہ جس وقت حدیث بیان کرنے کے لئے بیٹھتے تھے تو کوئی حدیث بیان کرنے سے پہلے "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا" والی حدیث ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں راوی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی حضرت ابوہریرہؓ کا دوامی دستور تھا کہ:-

یبتدأ حدیثہ قال رسول اللہ	جب وہ حدیث بیان کرنا شروع کرتے
الصادق المصدوق ابوالقاسم	تو پہلے فرماتے کہ اللہ کے رسولؐ صادق و
صلی اللہ علیہ وسلم من	مصدوق ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم
کذب علیّ متعمدًا	نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ پر قصدًا
فلیتبوأ مقعدہٗ من	جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں
النار۔	تیار کرلے۔

قرآن وحدیث میں ان حضرات صحابہؓ کے عادل ہونے کی شہادت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ[3]

---

[1] صحیح بخاری باب اثم من کذب علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [2] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمہ ابن مسعودؓ ص۱۵ [3] بقرۃ آیۃ ۱۱۰

دوسری جگہ فرمایا:-
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[1] الخ
ان آیات کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث[2] ہے "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي"[2] اسی لئے علامہ نووی نے امت کا اجماع نقل کیا ہے:-

کلھم عدول ومتأولون	یعنی صحابۂ کرامؓ سب کے سب عادل
فی حروبھم وغیرھا	ہیں اور آپس کی لڑائیوں وغیرہ میں تاویل
ولم یخرج شئ من ذٰلك	کرنے والے تھے، اور ان میں سے کوئی
احدا منھم من العدالۃ	چیز ان میں کے ایک شخص کو بھی عدالت
لانھم مجتھدون	سے خارج نہیں کرسکتی، کیونکہ وہ مجتہد
اختلفوا فی مسائل من	تھے، اجتہاد کے مواقع پر ان حضرات
محل الاجتھاد کما یختلف	کا اختلاف ہوا ہے جیسے ائمہ مجتہدین کا
المجتھدون[3]	اختلاف ہوتا ہے۔

امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ان حضرات صحابہؓ کی عدالت میں غور و فکر نہ کرنے کا سبب یہی ہے کہ یہی حضرات دراصل شریعت کے حامل ہیں، پس اگر ان کی روایت میں بھی توقف کیا جائے تو شریعت آپ ہی کے عہد کے ساتھ منحصر ہو کر رہ جائے گی، اور آپؐ کے وصال کے بعد دین و شریعت کی بنیاد باقی نہیں رہے گی[4]۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے بعد کے رواۃ کی طرح صحابۂ کرامؓ پر جرح و تنقید کو ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ یہ پوری جماعت عادل و ثقہ ہے ؎

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

---

[1] آل عمران آیت ۱۴۳ [2] اخرجہ الشیخان [3] شرح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳ باب فضائل الصحابہ
[4] تدریب الراوی طبع قدیم ص ۲۰۴

بہر حال صحابۂ کرامؓ کی پوری جماعت پوری امت میں ممتاز و افضل ہے، مگر ان کے آپس میں مختلف درجات تھے، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ نبیؐ کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں پیدا کیا گیا، بشریت کے تقاضے سے بعض باتوں کا ان سے صدور ہوا، جیسے حضرت ماعزؓ اسلمیؓ[1]، نعمانؓ بن عمرو انصاری، مغیرہؓ بن شعبہ اور وحشیؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ و امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم، تاریخ و حدیث کی کتابوں میں واقعی ان سے بڑی بڑی لغزشوں کا تذکرہ ملتا ہے، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر ان صحابۂ کرامؓ کی طرف کسی زمانے میں اس جرم کے انتساب کی جرأت نہیں کی گئی کہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صحابی نے کوئی غلط بات منسوب کر دی تھی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:-

و اللہ ما کنا نکذب ولا کنا ندری ما الکذب[4]	واللہ نہ ہم جھوٹ بولتے تھے اور نہ جانتے تھے کہ کذب کسے کہتے ہیں۔

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

لیس کلنا کان یسمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لنا ضیعۃ و اشغال ولکن الناس لم یکونوا یکذبون یومئذ فیحدث الشاھد الغائب[5]	ہم میں سے سب ہی لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو نہیں سن سکتے تھے، ہمارے پاس جائدادیں اور بہت سے مشاغل تھے، لیکن اس دور میں لوگ (صحابۂ کرامؓ) جھوٹ نہیں بول سکتے تھے (حضورؐ کی حدیث کو) حاضر غائب تک پہنچاتا تھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۳۱۲ [2] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص ۲۹۳ [3] حوالہ مذکور ج ۴ ص ۲۸۴ [4] الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامی ص ۱۲ واوردہ السیوطی فی مفتاح الجنۃ ص ۲۵ [5] المحدث الفاصل ج ۳ ص ۳۲ و ۳۳ والجامع الاخلاق الراوی ص ۱۲

حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔

"ہم لوگ (یعنی صحابۂ کرامؓ) باہم ایک دوسرے کو متہم نہیں کرتے تھے[1] یعنی ہم میں سے کوئی دوسرے کے بارہ میں یہ بدگمانی نہیں کرتا تھا کہ وہ دانستہ غلط بیانی کر رہا ہے حالانکہ ہیں بکثرت ایسی مثالیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں کہ اس اعتراض کے سوا دوسری قسم کی تنقیدوں کا ان میں آپس میں رواج تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث سنائی "توضؤا مما غیرت النار[2]" (آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کر لیا کرو" الخ حضرت ابن عباسؓ نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کیا گرم پانی استعمال کرنے سے بھی وضو کروں؟

"حضرت ابن عباسؓ کا مطلب یہ تھا کہ ابوہریرہؓ کو اس بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اسی طرح "ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ" (گھر والوں کے رونے سے مُردے پر عذاب ہوتا ہے) اس حدیث کو حضرت عمرؓ اور ان کے صاحب زادے ابن عمرؓ بیان کرتے تھے، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے سُنا، تو اس پر آپ نے اعتراض کیا، مگر کن الفاظ میں' فرمایا۔" رحم اللہ عمر وابن عمر ماھما بکاذبین ولا مکذبین ولا متزیدین[3]" (رحم کرے اللہ عمرؓ اور ابن عمرؓ پر نہ تو یہ دونوں غلط بیانی سے کام لینے والے ہیں اور نہ جھوٹ منسوب کرنے والے ہیں' اور نہ بڑھا کر بات بنانے والے ہیں' بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۳/۲ [2] رواہ ابن ماجہ باب الوضوء مما غیرت النار [3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۱

[4] اس پر ایک نہایت لطیف تقریر حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی ہے' ملاحظہ ہو الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۲۲۷۔

ان احادیث میں اختلاف کا منشا کیا ہے؟ اس کی تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شروح حدیث فتح الباری وعمدۃ القاری وغیرہ۔ یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا باہم مرادِ معنیٰ کی تعیین میں اختلاف بھی ہوا ہے[1] مگر کسی صحابیؓ نے دوسرے صحابی پر کذب علی النبیؐ کا الزام نہیں لگایا، جب فاطمہؓ بنت قیس کی طلاق والی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو فاروق اعظمؓ نے اس کو قرآن وسنت نبویؐ کے خلاف سمجھتے ہوئے بھی بھول چوک اور نسیان سے آگے کی کوئی بات ان کی روایت کے متعلق نہیں کہی، بلکہ فرمایا۔

لا نترك كتاب الله وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم بقول امرأة لا ندري احفظت او نسيت[2]	اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنت کو کسی ایک عورت کے بیان کی وجہ سے ہم نہیں چھوڑیں گے، جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ اسے بات ٹھیک ٹھیک یاد رہی یا بھول گئی۔

اسی لئے علمائے امت کا اتفاق ہے کہ اگر ایک صحابیؓ دوسرے صحابی کے لئے کَذَبَ فُلَانٌ کہے تو اس سے جھوٹ کے معروف معنیٰ مراد نہیں ہوتے، بلکہ اس کے معنی خطاءِ اجتہادی کے ہیں، ابن حبان کتاب الثقات میں تحریر فرماتے ہیں،

اهل الحجاز يطلقون كذب في موضع اخطأ۔	اہلِ حجاز کا محاورہ ہے کہ وہ اَخطَأَ کی جگہ کَذَبَ بولتے ہیں[3]

علامہ خطیب بغدادی صحابۂ کرامؓ کے فضائل ومناقب میں بہت سی آیات و احادیث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں،

وجميع ذلك تقتضى القطع	یہ سارے دلائل (جو بیان کیے گئے)

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عین الاصابہ فیما استدرکتہ عائشہ علی الصحابہؓ

[2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۱ [3] مقدمہ فتح الباری ص ۴۲۶

بتعديلهم ولا يحتاج
احد منهم مع تعديل
الله له الى تعديل احد
من الخلق على انه لو
لم يرد من الله عزو
جلّ ورسوله فيهم
شئی مما ذكرنا لاوجبت
الحال التى كانوا عليها
من الجهاد والهجرة
والنصرة وبذل المهج
والاموال وقتل الآباء
والاولاد والمناصحة فی
الدين وقوة الايمان و
اليقين القطع بتعديلهم
والاعتقاد لنزاهتهم وانهم
افضل من جميع الخالفين
بعدهم والمعدلين
الذين يجيئون فی بعدهو
هٰذا مذهب كافة
العلماء[1] الخ

ان کی عدالت کے قطعی طور پر مقتضی
ہیں، ان میں کا ایک فرد بھی اللہ تعالٰی
کے عادل قرار دینے کے بعد مخلوق کی
تعدیل کا محتاج نہیں ہے۔ ان صحابۂ
کرامؓ کے متعلق اگر اللہ اور رسول کے
وہ ارشادات وارد نہ بھی ہوئے ہوتے
جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور جن میں
ان کی مدح اور تعریف و توثیق کی گئی
ہے، تب بھی ان کے جو حالات تھے
یعنی راہِ خدا میں جہاد، ہجرت و نصرت
جان و مال کی قربانی اللہ کی رضا کیلئے
اپنے آباء و اجداد اور اولاد و اقاربؓ
کے قتل پر بھی آمادہ ہو جانا اور دین کی
خیر خواہی اور اللہ و رسول کی وفاداری
اور ایمان و یقین کی قوت، تو جو شخص بھی
ان کے ان حالات کو پیشِ نظر رکھے گا وہ
قطعی طور سے ان کے عادل ہونے (یعنی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
وہ غلط باتوں کا انتساب نہیں کرسکتے تھے)
اور ان کے پاک دامن ہونے کا فیصلہ
کرے گا اور یہ کہ یہ حضرات تمام بعد میں آنے والوں اور بعد کے عدالت بیان
کرنے والوں سے افضل ہیں، اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

---

۱ الکفایۃ فی فنون الروایۃ ص ۴۹

ابو زرعہ رازی جماعت صحابہ کی عدالت کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ میں سے کسی فرد کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لئے کہ رسولؐ برحق ہیں، قرآن برحق ہے اور جو کچھ رسولؐ لاتے ہیں وہ برحق ہے۔ ان سب کے ہمارے لئے صحابۂ کرامؓ ناقل ہیں۔ یہ زنادقہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ کتاب وسنت کو باطل کر دیں، اس لئے یہ خود بدرجۂ اولیٰ مجروح ہیں[1] بلکہ ان حضرات صحابۂ کرام کی موجودگی میں اہل بدعت کا زور نہ چلتا تھا، جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور فتنہ دب کر رہ جاتا۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں قتادہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مورق کہنے لگے :۔

ذهب اليوم نصف العلم (آج نصف علم اٹھ گیا) جب ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیوں کر؟ تو کہنے لگے کہ :۔

كان الرجل في اهل الاهواء اذا خالفنا في الحديث قلنا تعال الى من سمعه من النبي صلے الله عليه وسلم[2]	جب اہل بدعت میں سے کوئی شخص کسی حدیث کے بارے میں ہماری مخالفت کرتا تو ہم اس سے کہا کرتے کہ آؤ ان کے پاس چلو جنہوں نے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔

بصرہ کے صحابہ میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کا انتقال ۹۳ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے۔

---

[1] فتح المغیث ص۳۷۵ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضرات صحابہؓ اپنے ماں، باپ، بیوی، بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے حدیث و سنت کے سرمایہ کی تعامل و توارث اور حفظ و کتابت کی راہ سے پاسبانی کی، اور ان حضرات نے دین کی اس امانت کو اپنے شاگردوں یعنی تابعین تک بے کم و کاست پہنچایا۔

راویانِ حدیث کی دوسری صف یعنی تابعینؒ

تابعینؒ ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں مگر آپؐ کی زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبویؐ کے آخر میں پیدا ہوئے ہوں، اس لئے آپ سے فیضیاب نہ ہو سکے ہوں، یا آپ کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے ہوں، یہ سب تابعین میں داخل ہیں[1]

یہ جماعت تابعین "وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ" کا مصداق ہے، یہ طبقہ اگرچہ صحابۂ کرامؓ کے مرتبہ پر نہیں مگر ان کا نمونہ ضرور ہے، انہوں نے صحابہؓ کی زندگی کو اپنایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقائع، حالات اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں بلیغ اہتمام کیا، صحابۂ کرامؓ سے ان تمام روایات، واقعات اور حالات کو پوچھ پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جا کر، بوڑھے، جوان، مرد، عورت سے تحقیق کر کے حدیث و سنت کے ذخیرے کی حفاظت کی۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطار بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دن رات ایک کر کے گوشہ گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، امام مکحول دمشقی جلیل القدر تابعی ہیں، اپنی تعلیمی رُوداد بیان کرتے ہیں۔

اعتقت بمصر فلم ادع بها   میں مصر میں غلامی سے آزاد کیا گیا، آزاد

---

[1] توجیہ النظر ص ۱۷۳

علما الاحويته فيما ارى	ہونے کے بعد مصر میں علم (مراد علم
ثم اتيت العراق ثم	حدیث) کا جو ذخیرہ تھا، جہاں تک
المدينة فلم ادع بهما	میرا خیال ہے، اس پر میں حاوی ہوگیا
علما الاحويته فيما	پھر عراق پہونچا، اس کے بعد مدینہ
ارى ثم اتيت الشام	منورہ حاضر ہوا، ان دونوں شہروں
فغربلتها[1]	میں جو علم پھیلا ہوا تھا اس کو بھی میں

نے جہاں تک میں سمجھتا ہوں سمیٹ لیا، پھر شام آیا اور یہاں کے علم کو میں نے چھلنی میں چھان لیا۔

علم حدیث کی طلب میں اور اس کے ساتھ شغف کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک شہر میں ہزارہا طالبین ہوتے تھے، محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی ہیں، بیان فرماتے ہیں

قدمت الكوفة وبها اربعة	میں کوفہ آیا تو وہاں حدیث کے ہزارہا
آلاف يطلبون الحديث[2]	طالب علم موجود تھے۔

محدث حاکم نیشاپوری نے "معرفۃ علوم الحدیث" کی "النوع التاسع والاربعین" میں زیر عنوان "معرفة الائمة الثقات المشهورين فى التابعين واتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ والمذاكرة والتبرك بهم وبذكرهم فى الشرق الى الغرب" (یعنی تابعین اور تبع تابعین میں سے ان مشاہیر ائمہ ثقات کا تعارف جن کی حدیثیں حفظ و مذاکرہ کے لئے اور ان سے اور ان کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لئے مشرق سے لے کر مغرب تک یعنی سارے عالم اسلامی میں جمع کی جاتی ہیں) بلاد اسلامیہ کے ان تمام ائمہ ثقات تابعین و تبع تابعین کے نام گناتے ہیں، جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے تھے، اور اس عنوان کے تحت آسکتے تھے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۲۷۵ [2] تدریب ص ۲۷۵

حضرات تابعین کے جو حالات تذکرہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے حدیث و سنت کی تحصیل میں ہر طرح کی قربانیاں دیں اور علم کی جو دولت انھیں اپنے اساتذہ یعنی صحابۂ کرامؓ سے ملی تھی اور حدیث و سنت کا جو سرمایہ تعامل و توارث اور حفظ کتابت کی راہ سے منتقل ہو کر ان حضرات کے پاس آیا تھا، اس کو انھوں نے پورے حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ یعنی تبع تابعین کے حوالہ کیا۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ طبقۂ تابعین میں انتہائی تحقیق و تفتیش اور غایت درجہ تنقید کے بعد بھی کوئی راوی کاذب نہیں ملا۔[۱]

حافظ سخاوی حدیث "مرسل" کے باب میں فرماتے ہیں:۔

ان احتمال الضعف بالواسطۃ	ضعف کا احتمال واسطے میں جہاں
حیث کان تابعیا لاسیما	تابعی ہوں، بالخصوص کذب کی بنیاد پر
بالکذب بعید جدا، فانہ	بہت ہی بعید ہے، کیونکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اثنیٰ	صلے اللہ علیہ وسلم نے تابعین کے عصر
علیٰ عصر التابعین وشھد	کی مدح کی ہے اور صحابہؓ کے بعد انکے
لہٗ بعد الصحابۃ بالخیریۃ	زمانے کے لئے بھی بھلائی کی شہادت
کما تقدم بحیث استدل	دی ہے۔ چنانچہ اس سے قرون ثلاثہ
بذلک علیٰ تعدیل اھل	(صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعین کے ادوار)
القرون الثلاثۃ وان	کی عدالت پر استدلال کیا گیا ہے اگرچہ
تفاوتت منازلھم بالفضل[۲]	فضیلت کے لحاظ سے ان کے درجات

میں تفاوت ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

---

[۱] حجیت حدیث ص۱۲۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ [۲] فتح المغیث ص۵۶

"پہلی صدی ہجری جو صحابہؓ و تابعین کے دَور میں گزری، اس میں حارث اعور اور مختار کذاب جیسے اِکّا دکّا اشخاص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایہ شخص کا تقریباً وجود نہ تھا، پھر پہلی صدی گزر کر جب دوسری آئی تو اس کے اوائل میں اوساط تابعین کی ایک جماعت ہوئی جو زیادہ تر حدیث کو زبانی یاد رکھنے اور اپنے ذہن میں محفوظ رکھنے کے لحاظ سے ضعیف سمجھی گئی"[1]

حافظ سخاوی فرماتے ہیں:۔

"خلف بن خلیفہ آخری تابعی ہیں جن کے بعد تابعین کے وجود سے بزم عالم خالی ہوگئی اور ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے"[2]

فِتنہ کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر دَور خلافت میں تقدیر الٰہی سے کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ فتنوں نے سر نکالا اور اسلام کے خلاف ایک عجیب و غریب تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کا بانی عبداللہ بن سبأ یہودی تھا جو اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتا تھا، اس کا خاص نصب العین یہ تھا کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ صحابہ کرامؓ میں سے نہ تو کوئی اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا دوست تھا اور نہ ہی (معاذ اللہ) آپؐ سے انھیں کوئی عقیدت تھی۔ ظاہر بات ہے کہ جماعت صحابہؓ سے اگر اعتماد اٹھ جائے تو دین کا سارا ایوان ہی مسمار ہو کر رہ جائے گا، اس فتنے نے زور پکڑا، بالآخر اسی کے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں مسلمان خانہ جنگیوں میں مبتلا ہوگئے۔ موقع پاکر یہ سبائی پارٹی حضرت علیؓ کی فوج میں گھل مل گئی۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جنگ "جمل" کا واقعہ مطلقاً پیش نہ آتا۔ اگر یہ سبائی جماعت صلح کو جنگ سے بدلنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی جنگ "جمل" کے بعد صفین و خوارج وغیرہ کی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس موقع سے

---

[1] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ صـ۱۶۳ [2] فتح المغیث صـ۳۹۶

فائدہ اٹھاکر یہ سبائی جماعت اپنے خیالات اور بے سروپا روایات پھیلاتی رہی [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "اول من کذب عبد اللہ بن سبا" [2] روایات کے سلسلہ میں جس شخص نے جھوٹ چلایا' وہ عبداللہ بن سبا تھا) یعنی اس نے سب سے پہلے جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کی کوشش کی ، بالآخر حضرت علیؓ اس سازش سے واقف ہوئے اور آپ تک عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کی باتیں پہنچائی گئیں حضرت والا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا :-

فمالی ولھذا الخبیث الاسود "	اس سیاہ کالے خبیث سے مجھے کیا علاقہ)

اور اعلان عام کر دیا کہ جو اس طرح کی باتیں کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی ، بالآخر حضرت علیؓ نے اس جماعت سے دارو گیر میں سختی سے کام لیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :-

قد احرقهم علیؓ فی خلافته [3]	یعنی ان لوگوں کو حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں آگ میں ڈلوادیا۔

فی الواقع یہ لوگ حضرت علیؓ کے خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے [4]

اس جماعت کے نمائندے کوفہ' بصرہ' شام' مصر و حجاز ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری قوت سے اس فتنے کو دبایا اور لوگوں کو اس جماعت کی سازش سے آگاہ کیا۔ علامہ ذہبی نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قاتلهم الله ای عصابة بیضاء سودوا وای حدیث من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم افسدوا [5] ۔	خدا انھیں ہلاک کرے، کتنی روشن جماعت کو انہوں نے سیاہ کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو انہوں نے بگاڑا۔

---

[1] ماخوذ از تدوین حدیث صـ۳۰ از مولانا گیلانیؒ [2] لسان المیزان صـ۲۸۹ ج ۳ [3] لسان المیزان ۲۸۹/ج۳ [4] حوالہ مذکور ۲۸۰/ج۳ [5] تذکرۃ الحفاظ صـ۱۲ ج ۱ ،

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

"دَورِ صحابہؓ میں بعد کے ادوار کے مقابل میں بہت کم فتنے تھے، لیکن جتنا زمانہ عہدِ نبوت سے دور ہوتا گیا، اختلاف و گروہ بندی کی کثرت ہوتی چلی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوئی بدعت کھل کر سامنے نہیں آئی، مگر ان کی شہادت کے بعد لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے اور دو مقابل کی بدعتوں کا ظہور ہوا، ایک خوارج کی بدعت جو (معاذ اللہ) حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے اور دوسری روافض کی بدعت جو حضرت علیؓ کی امامت اور عصمت کی مدعی تھے بلکہ روافض میں سے بعض ان کی نبوت کے اور بعض اُلوہیت تک کے قائل تھے[1]"

اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقوں کے ظہور کی تاریخ بیان ہے، ان فرق ضالہ میں سب سے زیادہ وضعِ حدیث کا کام روافض نے انجام دیا ہے۔ وضع حدیث اور اسکے اسباب پر مفصل کلام مصطفےٰ سباعی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب "السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي" میں کیا ہے، اگر کوئی اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہو تو اسے اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ظہورِ فتنہ کے بعد روایتِ حدیث میں احتیاطی تدابیر صحابۂ کرامؓ اور تابعینِ عظامؒ نے پوری قوت سے اس فتنہ کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی، سبائی پارٹی جو جھوٹی حدیثوں کا دُھواں فضا میں پھیلانے کے لئے کوشاں تھی، چونکہ اس کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ہوگیا تھا، اس لئے اس فتنہ کے رُونما ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے صحیح و غلط کے درمیان امتیاز پیدا

---

[1] المنتقیٰ فی منہاج الاعتدال ص ۳۸۶

کرنے کے لئے ایک عمومی ضابطہ بیان فرمایا، جس کو علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے:۔

حدثوا الناس بما یعرفون	لوگوں سے انھیں باتوں کو بیان کرو
ودعوا ما ینکرون الخ	جنھیں وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ آشنا نہ ہوں، ان کو بیان نہ کرو۔

حافظ ذہبی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"حدیثوں کے پرکھنے کے لئے یہ ایک معیار و کسوٹی ہے کہ منکر و واہی احادیث کے بیان کرنے سے باز رہا جائے۔ خواہ فضائل سے متعلق ہوں یا عقائد و رقاق سے، اور اس سے واقفیت رجال کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں[1]"

اللہ رب العزت جس نے اپنے دین کو قیامت تک اپنی اصلی و صحیح صورت میں باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس کا یہ فیصلہ کہ اس کے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام اہل اہواء وملحدین کی دست بُرد سے محفوظ رہے۔ اس لئے امت میں ایسے لوگوں کو اس کی حفاظت کے لئے پیدا فرمایا، جنہوں نے حق و باطل صحیح و موضوع میں تفریق قائم کی اور ان مفسدین کے فتنے سے حدیث و سنت کے سرمایہ کی پاسبانی کی۔ صحابہؓ و تابعینؒ اور بعد کے ائمہ نے عہد صحابہؓ سے تدوین سنت کے زمانہ تک جو کوششیں صرف کی ہیں، انھیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

بہرحال فتنہ کے بعد علماء امت نے روایت حدیث کے سلسلے میں خصوصیت سے رجال کی تحقیق اور اسناد کا خصوصی التزام کیا۔

اسناد کا التزام اور رجال کی تحقیق ظہور فتنہ کے رونما ہونے کے بعد راویان حدیث کے حالات معلوم کرنے کی بھی ضرورت پڑی۔ محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲

لم يكونوا يسألون عن	لوگوں سے اسناد کے بارے میں نہیں
الاسناد فلما وقعت الفتنة	پوچھا جاتا تھا لیکن جب فتنہ پھیلا تو
قالوا سموا لنا رجالكم	حدیث بیان کرنے والوں سے کہا جانے
فينظر الى اهل السنة فيؤخذ	لگا کہ اپنے راویوں کے نام بتاؤ اگر وہ
حديثهم و ينظر الى	اہل سنت میں سے ہیں تو ان کی روایات
اهل البدع فلا يؤخذ	قبول کی جائیں گی اور اگر وہ اہل بدعت
حديثهم [۱]	میں سے ہیں تو ان کی روایات قبول نہیں
	کی جائیں گی۔

صحابۂ کرامؓ و تابعین جس صدق و امانت اور اخلاص کے مقام پر تھے' اس کی بنا پر ہر وقت اسناد کا التزام نہیں رکھتے تھے، کبھی سند کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے اور کبھی ترک کر دیتے تھے، مگر حدیث کی کتابوں میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ صحابۂ کرامؓ ظہور فتنہ سے پیشتر بھی اکثر اسناد کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت براءؓ بن عازب سے یہ حدیث بیان کی۔

عن فاطمة اخبرته ان رسول الله صلى الله
عليه وسلم امرها ان تحل فحلت ونضحت البيت
بنضوح [۲]

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نقل کرتے تھے، جن کو وہ براہ راست نہیں سن سکتے تھے۔

صحابۂ کرامؓ بھی آپس میں ایک دوسرے کے واسطے سے حدیثوں کو روایت کیا کرتے تھے [۳] نیز عربوں کی خصوصیات میں سے تھا کہ وہ اکثر زمانۂ جاہلیت میں بھی اشعار

---

[۱] مقدمہ صحیح مسلم ص۱۱ [۲] السنۃ قبل التدوین ص۲۲۲ بحوالہ الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع [۳] البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص۱۰۹ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص۴۳۶

وحکایات کو سند کے ساتھ نقل کرتے تھے [1]

اس لئے حدیثوں کو بھی صحابہؓ و تابعینؒ عام طور پر اسناد کے ساتھ ہی بیان کرتے اور کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے مگر ظہور فتنہ سے پہلے اسناد میں تحقیق و تفتیش کی چنداں ضرورت نہ تھی اور نہ ان کا التزام تھا، لیکن اس کے بعد اس کا خصوصیت سے التزام کیا جانے لگا۔

امام مسلم نے اپنے صحیح کے مقدمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ :۔

"بُشیر بن کعب عدوی ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کچھ حدیثیں بیان کرنے لگے مگر حضرت عباسؓ کا یہ حال تھا کہ :۔

لا یأذن لحدیثه ولا ینظر الیه ۔	ابن عباس نہ ان کی حدیثوں کی طرف کان لگاتے تھے اور نہ کوئی توجہ فرماتے تھے۔

بُشیر کو تعجب ہوا ۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے بُشیر کے سامنے اپنا ایک حال ان الفاظ میں بیان کیا :۔

انا کنا اذا سمعنا رجلا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ابتدرته ابصارنا و اصغینا الیه آذاننا فلما رکب الناس الصعب والذلول لم ناخذ من الناس إلا ما نعرف ۔	ایک زمانہ ہم پر ایسا گزرا ہے کہ جب ہم سنتے کہ کوئی آدمی قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہہ رہا ہے تو ہماری نگاہیں فوراً اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور ہم ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات کو سنتے تھے پھر جب لوگ ہر سرکش (اونٹ) اور غیر سرکش پر سوار ہونے لگے (یعنی غلط و صحیح

---

[1] مصادر الشعر الجاہلی ص۲۵۸

میں تمیز جاتی رہی اور رطب و یابس ہر طرح کی باتیں بیان کرنے لگے) تو اب ہم صرف انھیں حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جنہیں ہم خود جانتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول کی شرح مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی ہے:۔

ای ما یوافق المعروف او	یعنی جو جانی پہچانی ہوئی روایتوں کے
نعرف فیہ امارات الصحۃ	موافق ہوں یا ان میں صحت کی نشانیاں
وسمات الصدق [1]	اور سچائی کی علامتیں پائی جائیں۔

ابن عباسؓ کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہور فتنہ اور روایت میں تساہل کے بعد عام طور پر صحابہ کرامؓ نے روایات کے بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں حزم و احتیاط اور تحقیق کی روش اختیار کرلی تھی تاکہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے کا پوری طرح سدِ باب ہو جائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کے تلامذہ یعنی تابعین جنھوں نے اپنے اساتذہ سے روایتیں کی ہیں، اسی اصول کی پابندی کرنے لگے۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔

ھٰذا الحدیث دین فانظروا	یہ حدیث دین ہے، پس خوب غور کرلو
عمّن تاخذون دینکم۔	ان لوگوں کے بارے میں جن سے تم دین حاصل کر رہے ہو [2]

شعبی نے ربیع بن خثیم سے روایت کی کہ ربیع نے روایت بیان کی:۔

من قال لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ الخ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ربیع بن خثیم سے دریافت کیا کہ آپ سے اس حدیث کو کس نے بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عمرو بن میمون اَوْدی نے، اس کے بعد میری ملاقات

---

[1] فتح الملہم ص۱۲۸ ج ۱ [2] مقدمہ صحیح مسلم ص۱۱ وشمائل ترمذی ص۳۰

عمرو بن میمون اودی سے ہوئی، میں نے عرض کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے، پھر میری ملاقات ابن ابی لیلیٰ سے بھی ہوئی، تو میں نے دریافت کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں [1]

یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں:

وهذا اول من فتش عن الاسناد [2]	یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسناد کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام لیا۔

تابعین اور تبع تابعین اکثر باہم احادیث کا مذاکرہ بھی کرتے تھے اور یہ حضرات صرف ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے تھے جو جانی و پہچانی ہوتی ہوں، اور ان کو ترک کر دیتے جو نہیں پہچانی جاتی تھیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں:-

"ہم حدیث کو سنتے تھے اور اس کو اپنے اصحاب کے سامنے اسطرح پیش کرتے تھے جیسے کھوٹے درہم کو صراف کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن کو وہ حضرات پہچانتے تھے انھیں ہم قبول کرتے ورنہ ترک کر دیتے تھے [3]"

اعمش کہتے ہیں:-

"ابراہیم نخعی حدیث کے صرّاف تھے، میں بہت سے لوگوں سے حدیثوں کو سنتا، پھر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان روایات کو ان کے سامنے پیش کرتا، چنانچہ زید بن وہب وغیرہ کے یہاں مہینے میں ایک دو مرتبہ حدیث کے سلسلے میں حاضری ہوتی اور

---

[1] مقدمۃ التمہید از عبدالبر مالکی ص۱۴ [2] المحدث الفاضل ص۲ [3] الجرح والتعدیل ص۲۱ ج ۱

ابراہیم نخعی کی خدمت میں حاضری سے مشکل ہی سے ناغہ ہوتا۔[۱]

اسنادِ عالی کی اہمیت

محدثین نے علو اسناد کو ایک قابلِ فخر چیز سمجھا ہے کیونکہ روایت میں جس قدر واسطے کم ہوں گے، اسی قدر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قرب زیادہ ہوگا، نیز راویوں کی کمی کی وجہ سے ان کی چھان بین بھی نسبتاً کم کرنی پڑے گی اور خطا و نسیان کا احتمال بھی کم ہوگا۔ اس لئے ائمہ فن کے ہاں اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور ان کے تذکروں میں علو اسناد کا ذکر خصوصیت سے کیا جاتا ہے، بلکہ خاص خاص ائمہ کی عالی سندوں کو تو علماء نے مستقل اجزاء میں علیحدہ مدون کیا ہے اور یہ فن کا ایک مخصوص شعبہ بن گیا۔

امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا کہ اسناد عالی کے طلب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا! اسناد عالی طلب کرنا سلف کی سنت ہے، کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ آپ سے علم حاصل کرنے اور حدیثیں سُن لینے کے باوجود مدینہ منورہ کا سفر کرتے تھے اور وہاں جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھتے تھے اور حدیثیں لکھتے تھے۔[۲]

کثیر بن قیس تابعی کہتے ہیں:۔

"میں دمشق میں حضرت ابو الدرداءؓ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا دفعۃً ایک شخص نے ان سے آکر عرض کیا، ابو الدرداء! میں مدینۃ الرسولؐ سے چل کر آپ کے پاس آیا ہوں اور کسی دنیوی حاجت اور ضرورت سے نہیں آیا، صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں، جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں ـــــــ حضرت ابو الدرداء نے جب یہ سُنا تو فضیلتِ علم کے بارے میں پہلے ایک

---

[۱] الجرح والتعدیل ص۱۴۴ ج۱ [۲] مناقب الامام احمد از ابن جوزیؒ ص۲۰۳

حدیث اس شخص کو سنائی، پھر جس حدیث کے سننے کے لیے سفر
کیا تھا اس کو سنایا۔

خطیبؔ بغدادی نے عبید اللہ بن عدی سے جو کبار تابعین میں سے ہیں نقل کیا ہے،

"مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، دل میں خدشہ آیا کہ کہیں خدانخواستہ ان کا انتقال ہو گیا تو پھر براہ راست ان سے وہ حدیث نہ سن سکوں گا، بس فوراً ہی سفر شروع کر دیا اور ان کی خدمت میں عراق پہنچ کر دم لیا۔"[۲]

دارمی نے ابو العالیہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ :۔

"ہم بصرہ میں بعض صحابۂ کرام کی روایات (بالواسطہ) سنتے، مگر جب تک مدینہ منورہ جا کر خود ان کی زبان سے نہ سن لیتے ہمیں چین نہ آتا۔"[۳]

حفاظ حدیث کے تذکروں میں جہاں ان کی علمی رحلتوں کا تذکرہ ہے، وہاں اسکی بکثرت مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

راویانِ حدیث کی تیسری صف تبع تابعینؒ اس طبقہ کی روایات تمام تر تابعین سے ہیں، جنہوں نے حدیثِ نبوی کے ساتھ صحابۂ کرامؓ وخلفائے راشدینؓ کے احکام و فیصلے کو بھی محفوظ رکھا تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ و تابعین کے بعد اس طبقے کے بارے میں خیر و بھلائی کی شہادت دی ہے، فرمایا :۔

خیر امتی قرنی ثم الذین	میری اُمت میں سب سے بہترین
یلونھم ثم الذین یلونھم[۴]	میرے دَور کے لوگ (یعنی صحابۂ کرامؓ

---

[۱] جامع ترمذی ج۲ ص۹۳ [۲] فتح الباری ج۱ ص۱۵۹ [۳] سنن دارمی ج۱ ص۴۳ [۴] اخرجہ الترمذی ج۲ ص۴۵

ہیں)، پھر وہ جو ان کے بعد ان سے متصل ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ جو ان کے بعد اُن سے متصل ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

اس طبقے میں بیشک کذب کا ظہور ہوا، اور اہلِ اہوا، نے حق و باطل اور صدق و کذب کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی، مگر حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی شریعت کی حفاظت کے لیے طبقہ تبع تابعین میں اصحاب بصیرت ائمہ و فقہاء امصار کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا جنہوں نے بالقاء ربّانی و بتائید یزدانی ہر راوی کے حالات معلوم کئے اور جرح و تعدیل کے ذریعہ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر کے رکھ دیا، جیسے امام مالک، عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، سفیان بن سعید ثوری، شعبہ بن حجاج عتکی، ابن جریج وغیرہ۔

اسی طبقۂ تبع تابعین میں یحییٰ بن سعید قطان، عبد اللہ بن مبارک، محمد بن حسن شیبانی ابراہیم بن طہمان کا شمار ہے[۱]۔

ان حضرات نے حدیث و سنت کے سرمایہ کی پوری طرح پاسبانی کی، خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لئے لایا گیا، تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھے تو قتل کر دو گے لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے چالو کر دی ہیں، ہارون رشید نے فوراً جواب دیا:-

فاین انت یا عـدو اللہ عن	اے دشمنِ خدا! تو أبو اسحٰق فزاری اور
أبی اسحٰق الفـزاری و	ابن مبارک سے بچکر کہاں جا سکتا ہے
ابن المبارك؟ ینخلانها	جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک
فیخرجانها حرفاً حرفاً[۲]	حرف نکال پھینکیں گے۔

حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ:-

"تبع تابعین میں آخری شخص جس کا قول قبول کیا جاتا تھا ان کا انتقال ۲۲۰ھ کے حدود میں ہوا ہے، اسی زمانہ میں بدعتوں

۱؎ معرفۃ علوم الحدیث ص۳۶ ۲؎ معرفۃ علوم الحدیث ص۳۶

کا کھلے عام ظہور ہوا، معتزلہ نے اپنی زبانوں کو دراز کیا، فلاسفہ نے سر اٹھایا، اور اہلِ علم کو خلق قرآن کے مسئلے میں ابتلاء پیش آیا، حالات میں بہت زیادہ تغیر آگیا، اس وقت تک برابر انحطاط ہی ہو رہا ہے، اللہ ہی حفاظت فرمائے[۱]

فن جرح و تعدیل اب تک جو تفصیل کی گئی، اس سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی کہ روایتِ حدیث کی خدمت جن بزرگوں نے انجام دی وہ ثقاہت و عدالت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے کہ آپؐ کی تعلیمات کو اس طرح محفوظ کیا گیا کہ از ابتدا تا انتہا روایت کرنے والوں کا ایک جانا بوجھا اور پرکھا پرکھایا سلسلہ ہے، حدیثوں کے پرکھنے کے دو معیار ہیں، ایک معیار درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قوانین، اور دوسرا معیار روایت، علم حدیث کے سلسلے میں محدثین نے پینسٹھ سے زائد علوم ایجاد کئے ہیں[۲] ان میں سے بعض کا تعلق درایت سے ہے اور بعض کا روایت (اسناد) سے، جن علوم کا تعلق اسناد سے ہے، ان میں علم جرح و تعدیل سب سے مہتم بالشان ہے اور فن اسماء الرجال سے ان کا بہت گہرا تعلق ہے، حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے اس کو علم حدیث کا بڑا زینہ قرار دیا ہے اور صاحب کشف الظنون نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے[۳]

ھو علم یبحث فیہ عن جرح الرواۃ و تعدیلھم بالفاظ مخصوصۃ و عن مراتب تلك الالفاظ[۴]	یہ ایسا علم ہے کہ جس میں راویانِ حدیث کی جرح و تعدیل سے مخصوص الفاظ میں بحث کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے مراتب سے بھی گفتگو کی جاتی ہے۔

محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنے ایک لکچر میں کہا ہے کہ اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ

---

[۱] فتح المغیث ص۳۹۹ [۲] مقدمہ ابن صلاح ص۶ [۳] معرفۃ علوم الحدیث ص۵۲ [۴] کشف الظنون ۳۹/۳ و تاریخ الخلفاء ص۱۹۴

وسلم کے اقوال و افعال پوری احتیاط سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد صرف مستند چیزوں کو تسلیم کیا جاتا ہے اور بعد میں آنے والے ماہرین فن اگلے لوگوں کے کام پر نظر ثانی کرتے، ہر حدیث کی سند دیکھتے اور اس میں کوئی کمزوری پاتے تو اس روایت کو کمزور کہہ دیتے۔[1]

جرح و تعدیل کی شرعی حیثیت رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل کا معاملہ بہت پرخطر ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ جرح کرنے والا ہوائے نفسانی سے خالی ہو، تاکہ کسی مسلم پر افتراپردازی یا بے جا تعریف لازم نہ آئے، کیونکہ دونوں باتیں شریعت میں مذموم ہیں۔ اس کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی راوی کو بغیر غور و فکر و واقفیت کے عادل قرار دے دیا گیا تو پھر اندیشہ ہے کہ کہیں اس زمرہ میں شامل نہ ہو جائے جس پر مشہور حدیث " من روی حدیثا وھو یظن انہ کذب"[2] میں وعید آئی ہے، اور اگر بے احتیاطی سے جرح کردی تو بے قصور مسلمان کی آبروریزی کی، اور اس پر ایسا بدنما داغ لگا دیا جس کا عار ہمیشہ باقی رہے گا، نیز اللہ و رسول کے ساتھ آدمی کی حق تلفی بھی ہوگی جو آخرت میں نقصان دہ اور دنیا میں ناراضگی اور منافرت کا سبب ہے، اگر اس سے مقصود اللہ و اس کے رسولؐ اور اس کے دین اور مومنین کی خیر خواہی ہے تو یہ بیشک حق ہے اس پر ثواب بھی ملے گا، چنانچہ ابوتراب نخشی نے (اپنی سادگی) میں امام احمد کو اس سے منع کیا اور کہا کہ غیبت نہ کیجیے تو امام احمد نے جواب دیا، " ویحك ھٰذہ نصیحۃ" آپ کیا فرما رہے ہیں! یہ غیبت نہیں ہے یہ تو عین خیر خواہی ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:-

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔	اگر تم لوگوں کے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کرلو۔

---

[1] اسلامی کشکول صہ۸۱ بحوالہ دی کلچر سائڈ آف اسلام [2] اخرجہ الترمذی صہ۹۱ ج ۲

نیز ایک منافق کے متعلق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بئس اخو العشیرۃ (یہ قبیلہ کا بُرا آدمی ہے) اور تعدیل کے سلسلے میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے" ان عبد اللہ بن عمر رجلٌ صالحٌ" (عبد اللہ بن عمرؓ ایک صالح آدمی ہیں) اس لیے علمائے محدثین و محققین نے غیبت اور جرح میں فرق کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس پر اجماع ہے کہ یہ نہ صرف جائز بلکہ بضرورت واجب ہے[1]

امام ترمذی تحریر کرتے ہیں "جس اہل علم نے رجال پر کلام کیا ہے اور رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے، ان کو اس پر (واللہ اعلم) مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نے آمادہ کیا، کیونکہ ان حضرات کے بارے میں بیجا تنقید اور غیبت کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا، نیز ان حضرات نے جن رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے وہ یا بدعتی ہیں، یا حدیث میں متہم ہیں، یا یہ لوگ مغفل تھے اور کثرت سے خطا کا صدور ہوتا تھا، پس ان حضرات ائمہ نے دین کے ساتھ خیر خواہی اور کامل احتیاط کے ساتھ بہ پیش نظر ان رواۃ کے حالات کو بیان کیا ہے[2]

علامہ نووی فرماتے ہیں :-

جرح رواۃ الحدیث ھو جائز بالاجماع بل واجب للحاجۃ[3]	یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رواۃ حدیث پر جرح جائز ہے بلکہ دینی ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔

فن جرح وتعدیل کا آغاز

جرح وتعدیل کا سلسلہ دورِ صحابہؓ ہی میں شروع ہو چکا تھا، خوارج و روافض کے ظہور کے بعد تحقیق و تفتیش ہی کے بعد روایت قبول کی تھی، حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ :-

"میں نے اپنی تصنیف "کتاب المزکین لرواۃ الاخبار" میں جن صحابہ و تابعین و ائمہ سے جرح و تعدیل ثابت ہے، ان کو دس

---

[1] ماخوذ از فتح المغیث ص۴۷۹ [2] کتاب العلل ص۱ [3] ریاض الصالحین الاولیٰ ص۳۲۹

طبقات پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کے چار افراد کو لیا ہے طبقۂ
اولیٰ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید
بن ثابتؓ ہیں، ان حضرات نے جرح و تعدیل اور روایات کی
صحت وسقم پر بحث کی ہے اور دسویں طبقہ میں ابواسحاق ابراہیم
بن حمزہ اصبہانی، ابوعلی نیشاپوری، ابوبکر محمد بن عمر بن سلمہ بغدادی
اور ابوالقاسم حمزہ بن علی کنانی مصری ہیں[1]"

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ :۔

"رجال پر کلام بہت سے صحابۂ کرامؓ نے کیا ہے، تابعین کے عہد
میں اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا[2]"

امام ترمذی فرماتے ہیں :۔

"بہت سے ائمۂ تابعین نے رجال پر کلام کیا ہے. جیسے حسن
بصری و طاؤس نے معبد جہنی پر اور سعید بن جبیر نے طلق بن حبیب
پر، ابراہیم نخعی و عامر شعبی نے حارث اعور پر کلام کیا ہے[3]"

پہلی صدی کے بعد جب دوسری صدی آئی تو اسلام میں مزید بہت سے نئے نئے فرقے پیدا
ہوئے، حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں طبقۂ رابعہ کے ختم پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے
بنی عباس کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی .... اسی
زمانے میں بصرہ میں عمرو بن عبید عابد اور واصل بن عطا
نمایاں ہوئے، جنہوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال کی طرف
دعوت دی اور خراسان میں جہم بن صفوان نمودار ہوا، جو تعطیل
صفات باری تعالیٰ اور خلق قرآن کا داعی تھا اور اسی کے بالمقابل

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص۵۲ [2] فتح المغیث ص۴۷۹ [3] کتاب العلل ص۱

خراسان میں مقاتل بن سلیمان مفسر پیدا ہوا جس نے اثبات صفات میں اتنا غلو کیا کہ تجسیم تک نوبت پہنچادی، آخر علماء تابعین اور ائمہ سلف ان مبتدعین کے خلاف اٹھے اور انھوں نے لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا"[1]

حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں :۔

"جب تابعین کا دور اخیر آیا یعنی ۱۵۰ھ کے قریب قریب تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق و تضعیف پر (باقاعدہ) کلام کیا چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ :۔

ما رأیت اکذب من جابر الجعفی۔ — میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا آدمی نہیں دیکھا۔

اور اعمش نے ایک جماعت کی تضعیف کی اور دوسروں کی توثیق کی، اور شعبہ نے رجال کے بارے میں غور و فکر سے کام لیا یہ بڑے محتاط تھے، اور بجز ثقہ تقریباً کسی سے روایت نہ کرتے تھے، امام مالک کا بھی یہی حال تھا۔

اور اس دور کے مسلّم لوگوں میں سے کہ جب وہ کسی کے بارے میں کچھ کہہ دیں، تو ان کی بات مان لی جاتی ہے۔ معمر، ہشام دستوائی، اوزاعی، سفیان ثوری، ابن الماجشون، حماد بن سلمہ اور لیث وغیرہ ہیں، پھر ان کے بعد دوسرا طبقہ ابن المبارک، ہشیم، ابواسحٰق فزاری، معافی بن عمر موصلی، بشر بن المفضل اور ابن عیینہ وغیرہ کا ہے۔ بعد کو ان ہی کے ہم زمان ایک اور طبقہ ابن علیہ ابن وہب، اور وکیع جیسے حضرات کا ہے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ، ص ۱۵۱ و ص ۱۵۲

پھران ہی کے دَور میں دو ایسے شخص جو حدیث کے واقف اور
اس فن میں حجت گزرے ہیں، تنقید رجال کے لئے اٹھے، یہ یحییٰ
بن سعید قطان اور عبد الرحمٰن بن مہدی تھے، سو جس کو یہ دونوں
مجروح کہہ دیں، اس کی جرح مندمل نہیں ہوتی، اور جس کی یہ دونوں
توثیق کر دیں وہ مقبول ہے اور جس کے متعلق ان کے باہم اختلاف
ہو (اور ایسے بہت کم اشخاص ہیں) اس کے بارے میں اجتہاد سے
کام لینا پڑتا ہے[1]"

اس کے بعد حافظ موصوف نے مشہور ائمہ جرح و تعدیل کی ایک فہرست پیش کی ہے دونوں
کا سلسلہ اپنے استاد شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی پر ختم فرمایا ہے۔

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ:۔

"ان ائمہ جرح و تعدیل میں سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ
بن حجاج نے کیا، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے
کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عراق میں محدثین کے بارے میں تحقیق
و تفتیش سے کام کیا، اور ضعفاء و متروکین سے اجتناب اختیار
کیا اور اس فن میں لوگوں کے مقتدے بن گئے۔ ان کے بعد اہل عراق
نے ان کی پیروی کی۔"

صالح بن جزرہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ نے کیا، پھر ان کی پیروی یحییٰ
قطان نے کی، پھر احمد و یحییٰ (ابن معین) نے[2]

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے رجال پر شعبہ بن حجاج اور یحییٰ بن
سعید قطان نے کلام کیا، اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں حضرات

---

[1] فتح المغیث ص۴۷۹ [2] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۹۷ بحوالہ تہذیب التہذیب۔

نے باقاعدہ جرح و تعدیل کو فن کی حیثیت دی، اور اس کو مدوّن کیا[1]

تاریخ رجالِ حدیث کی تدوین اس سے پہلے ہم نے جو تفصیل بیان کی، اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ پہلی صدی جو صحابۂ کرامؓ اور اکابر تابعینؒ کے دور میں گزری، اس میں جرح و تعدیل کی چنداں ضرورت نہ تھی، اس زمانے میں حدیثوں کے تمام تر روایت کرنے والے صحابۂ کرامؓ تھے، جو عادل و ثقہ تھے، ان میں سے کسی فرد نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی غلط بیانی نہیں کی، کبار تابعین کے عہد میں برائے نام ضعف پایا گیا، البتہ اوساط تابعین میں بلاشبہ ضعیف راویوں کی ایک جماعت ملتی ہے مگر ان کا ضعف بھی کذب و بددیانتی کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ قلت ضبط، حافظہ کے ضعف، یا روایت میں تساہلی کی بنا پر تھا، بہرحال اس دور تک کسی دروغ گو یا ضعیف الروایہ شخص کا وجود بہت کم تھا اس لئے تاریخ رجال حدیث کو قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی، لیکن جب دوسری صدی کے وسط میں بعض لوگوں نے کذب بیانی سے کام لیا تو ائمۂ محدثین نے باقاعدہ جرح و تعدیل سے کام لیا، اور تاریخ کی روشنی میں ان کے بیانات کو جانچا اور پرکھا۔

چنانچہ سفیانؒ ثوری م ۱۶۰ یا ۱۶۱ھ فرماتے ہیں:۔

لما استعمل الرواۃ الکذب	جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا
استعملنا لھم التاریخ[2]	تو ہم نے اُن کیلئے تاریخ استعمال کی۔

قاضی حفص بن غیاث فرماتے ہیں:۔

اذا اتھمتم الشیخ فحاسبوہ	جب تم لوگ کسی شیخ کو متہم خیال کرو
بالسنین[3]	تو سنین کے حساب سے اسکی جانچ کرو۔

(یعنی شیخ کے سِن اور جس سے روایت کر رہا ہے اس کے سِن کو معلوم کرکے حساب لگالو

---

[1] تدریب ص ۲۶۳ [2] و [3] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۷ و ص ۹ والکفایہ ص ۱۱۹

کہ اس نے اس سے ملاقات بھی کی ہے یا ویسے ہی ان سے روایت کا دعویٰ کر رہا ہے۔

حسان بن زیاد کہتے ہیں :۔

"کذابین کے مقابلے میں تاریخ سے بہتر کوئی چیز مددگار نہیں ہو سکتی یہ اس طرح کہ پہلے اس راوی سے دریافت کیا جائے کہ تم کب پیدا ہوئے؟ جب وہ اپنا سال ولادت ہم سے بیان کر دے اور جس شخص سے وہ روایت کر رہا ہے اس کا سن وفات ہمیں معلوم ہو تو پھر ہمیں اس کے جھوٹ سچ کا پتہ چل سکتا ہے[1] چنانچہ اسمٰعیل بن عیاش نے ایک مرتبہ ایک شخص سے امتحاناً سوال کیا کہ بتاؤ تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں حدیث لکھی تھی؟ کہنے لگا ۱۱۳ھ میں، اس پر اسمٰعیل نے اس شخص سے کہا کہ تم تو اس بات کے مدعی ہو کہ خالد کی وفات کے سات سال کے بعد تم نے اس سے حدیث سُنی ہے[2]"

حافظ ابن عبدالبر مالکی جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں :۔

ویلزم صاحب الحدیث ان یعرف الصحابة المؤدين للدين عن نبيهم صلى الله عليه وسلم ويعنى بسيرهم وفضائلهم ويعرف احوال الناقلين عنهم وايامهم و اخبارهم حتى يقف على العدول منهم من	اور صاحب حدیث کے لئے ضروری ہے کہ ان صحابۂ کرامؓ سے واقفیت بہم پہنچائے جو اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کے ناقل ہیں، اور ان کی سیرتوں اور ان کے فضائل سے اعتناء کرے، اور جو لوگ صحابہ سے نقل کرتے چلے آئے ہیں، ان کے بھی حالات، روزمرہ کے واقعات، اور ان کی اخبار سے باخبر ہو

---

[1] الاعلان بالتوبیخ ص۹ [2] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۹

غیر العدول[1] — تاکہ ان میں عادل اور غیر عادل سے واقف ہو جائے۔

محدثین کرام نے اسی ضرورت کے تحت "رجالِ حدیث" کے حالات کو قلمبند کیا، اور اس کو مدوّن و مرتب کیا ہے۔

مشہور مستشرق "اوم متز" اپنی کتاب "اسلامی تہذیب چوتھی صدی ہجری میں" میں لکھتا ہے :-

> "ناقدینِ حدیث نے شروع ہی سے راویانِ حدیث کے حالات اور اسماء کو ضبط کرنے، اور ان کے بارے میں ثقہ ہیں یا ضعیف حکم لگانے میں خصوصی توجہ کی، پھر ان لوگوں نے اس اساس پر نظر ڈالی جس پر یہ حکم مبنی ہے، یعنی راوی کے وہ صفات جس کا پورے طور پر ایک ثقہ محدث میں پایا جانا ضروری ہے اور اس کی واقفیت جرح و تعدیل ہی سے ہو سکتی ہے۔ نیز محدثین کو سند متصل کی ضرورت نے یہاں تک پہنچایا کہ وہ راویانِ حدیث کی زندگی سے بحث کرنے اور ان پر حکم لگانے کے علاوہ انکی کامل تاریخ مرتب کریں، اس طرح تیسری صدی ہجری میں تاریخ کی کتابیں وجود میں آئیں جیسے تاریخ البخاری و طبقات ابن سعد"[2]

لیکن واقعہ ہے کہ دوسری صدی کے اختتام اور تیسری صدی کے آغاز ہی میں باقاعدہ تاریخ رجال حدیث و فن جرح و تعدیل پر کتابیں لکھی گئیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ فن جرح و تعدیل کے سب سے پہلے مصنف امام یحییٰ بن سعید قطان م ۱۹۸ھ ہیں جن کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ان کی مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا[3]

علامہ طاہر جزائری لکھتے ہیں[4]

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۹ [2] مجلہ دعوۃ الحق دسمبر ۱۹۶۶ء رباط (مراکش) [3] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲

"جن لوگوں نے سب سے پہلے (یحییٰ بن سعید قطان کے بعد) فن جرح وتعدیل پر تالیف کی اور کلام کیا، اس طبقہ میں یحییٰ بن معین م ۲۲۱ھ احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ اور محمد بن سعد کاتب الواقدی وصاحب الطبقات م ۲۳۰ھ وعلی بن المدینی م ۲۳۴ھ ہیں۔ ان کے بعد امام بخاری ومسلم وابوزرعہ رازی وابوحاتم رازی وابوداؤد سجستانی آئے، ان حضرات کے بعد بکثرت لوگوں نے طبقۃ بعد طبقۃ ساتویں ہجری کے اواخر تک رجال پر کتابیں تالیف کیں، اور اس پر بحث کی، اور اسکا اہتمام کیا، یہاں تک کہ کتب حدیث میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات میں اس کی تاریخ بسہولت نہ معلوم ہو سکے[1]..........

جرح وتعدیل پر تین طرح کی کتابیں لکھی گئی ہیں، بعض لوگوں نے صرف ثقات کے ذکر پر اکتفا کیا، جیسے ابن حبان البستی کی "کتاب الثقات" (جو چھپ گئی ہے) اور قاسم بن قطلوبغا کی "کتاب الثقات" جو چار جلدوں میں ہے اور تیسری خلیل بن شاہین کی "کتاب الثقات" طبع ہو چکی ہے۔

بعض لوگوں نے صرف ضعیف راویوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا، اس موضوع پر امام بخاری، امام نسائی، ابن حبان، دارقطنی، عقیلی، ابن الجوزی اور ابن عدی نے کتابیں لکھی ہیں۔ ابن عدی کی کتاب اس میں سب سے زیادہ جامع ہے، انھوں نے اپنی کتاب میں ان سب رواۃ کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، جن پر کسی نوع کا کلام کیا گیا ہے، اگرچہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہوں، اسی طرح انھوں نے بعض ائمہ متبوعین کا ذکر بھی کر دیا ہے، کیونکہ ان کے مخالفین نے ان کی زندگی میں کلام کیا تھا بعض مصنفین

---

[1] توجیہ النظر ص ۱۱۸

نے ثقات وضعفاء دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، اس میں امام بخاری کی "التاریخ الکبیر" "التاریخ الاوسط" "التاریخ الصغیر" ابن حبان کی "کتاب الجرح و التعدیل" اور ابن حاتم رازی کی کتاب "الجرح والتعدیل" (طبع ہوچکی ہے) ہے، طبقات ابن سعد (طبع ہوچکی) اس باب میں سب سے بہتر کتاب ہے، حافظ ابن کثیر کی کتاب ہے "التکمیل فی معرفۃ الثقات والمجاھیل" اس میں مصنف نے علامہ مزی کی تہذیب اور حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال دونوں کو مع اپنے زوائد کے جمع کیا ہے جو ایک محدث اور بعد میں آنے والے فقیہ کے لئے بہت مفید ہے[1]

جرح وتعدیل میں محدثین کی دیانتداری

محدثین کرام نے راویانِ حدیث کی تحقیق وچھان بین میں انتہائی دیانت داری وحق گوئی کی مثال قائم کی ہے، اس میں انھوں نے اپنے باپ، بیٹے کسی کی رعایت نہیں کی، جو راوی قابل تنقید تھا، اس پر نقد کیا اور جو قابلِ توثیق تھا، اس کی ثقاہت کو بیان کیا۔ علی بن مدینی جو امام بخاری کے بھی شیخ ہیں ان سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کے متعلق کسی اور سے دریافت کرو، جب لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنے سر کو جھکا لیا پھر سر کو اٹھا کر فرمایا، کہ دین کا معاملہ ہے، میرے والد ضعیف راوی ہیں۔

امام وکیع بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، امام داؤد صاحب السنن نے اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ کذاب ہے[2]

زید بن انیسہ کہتے ہیں کہ میرے بھائی سے نہ روایت کرو (کیونکہ وہ ضعیف ہے)[3]

---

[1] توجیہ النظر ص۱۱۸ [2] فتح المغیث ص۴۱۸ [3] مقدمہ صحیح مسلم ص۲۰

[4] اگرچہ علامہ ذہبی نے توثیق کی ہے اور اس کو جرح مبہم قرار دیا ہے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج۲ ص۴۳

مسعودی م ۱۵۴ھ ایک محدث ہیں، امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ اپنی تحریری یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، توانھوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کردی۔[1]

یہی معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار صرف اس معاوضہ میں پیش کرنا چاہا کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عادل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں یعنی ان کے متعلق خاموش رہیں، انھوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرادیا اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا۔[2]

کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط و دیانت داری کی مثال پیش کرسکتی ہے؟

محدثین کا وجدانی ملکہ ان محدثین کرام کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وہ نور باطن اور وجدانی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کسی راوی کی روایت سننے، دیکھنے کے ساتھ ہی سمجھ جاتے تھے کہ یہ راوی جھوٹا ہے یا سچا، روایت صحیح ہے یا ضعیف و موضوع، حافظ ابن قیم سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر سند کے دیکھے ہوئے حدیث موضوع کا علم ہو جائے؟ تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑا عظیم القدر سوال ہے، بغیر سند کے دیکھے ہوئے وہی شخص حدیث کو پہچان سکتا ہے کہ جس کے گوشت و پوست میں حدیث سرایت کرچکی ہو، اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات، و اوامر و نواہی، اور آپ کے مرغوبات و مرضیات ہر وقت اس کی نظر کے سامنے ہوں، گویا کہ وہ حضور پُر نور کی مجلس مبارک میں صحابۂ کرامؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، ایسا شخص حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھے ہوئے سمجھ جاتا ہے کہ یہ ارشاد نبوی ہے یا نہیں؟ یہ ایسا ہے کہ جس طرح فقہائے حنفیہ یا فقہائے شافعیہ طرز کلام سے پہچان لیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے یا امام شافعیؒ کا۔[3]

صراف (سنار) جس طرح سونا دیکھ کر کھرے کھوٹے کا اندازہ کرلیتا ہے، اسی طرح

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۱۱ ۔ والاعلان بالتوبیخ ص ۱۶۶ [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴
[3] قواعد التحدیث ص ۱۴۷

یہ حضرات محدثین بھی حدیث پاک سے اشتغال اور طول ممارست کی وجہ سے غلط و صحیح میں امتیاز کر لیتے تھے[1]

ربیع بن خثیم ایک جلیل القدر تابعی ہیں، فرماتے ہیں :۔

ان من الحدیث حدیثا له	بیشک بعض حدیثی روایتوں میں روشنی
ضوء کضوء النهار و	ہوتی ہے دن کی روشنی کی مانند،
ان من الحدیث حدیثا	اور بعض میں ایک تاریکی ہوتی ہے،
له ظلمة کظلمة اللیل	رات کی تاریکی کے مانند جس سے ہم اس
نعرفه بها[2]	کا (صحیح و غلط) ہونا پہچانتے ہیں ۔

عبد الرحمٰن بن مہدی نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت ایک الہام ہے بسا اوقات اگر تم کسی عالم سے جو حدیث کی علت بیان کرتا ہے دلیل طلب کرو، تو وہ دلیل نہیں پیش کر سکتا[3]

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں :۔

"حدیث منکر کو سنکر محدث کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قلب اس سے نفرت کرتا ہے[4]"

شیخ ابوالحسن علی بن عروہ حنبلی "کتاب الکواکب" میں فرماتے ہیں کہ :۔

" جس کی فطرت سلیم ہو اور قلب اس کا نور تقویٰ سے منور ہو، اور صدق و اخلاص اس کا مزاج ثانی بن چکا ہو، سنتے ہی اس کو جھوٹ و سچ کا پتہ چل جاتا ہے ۔ بعض بزرگانِ دین نے فرمایا کہ جب کوئی جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کلام پورا ہونے سے پہلے ہی میں اس کی مراد کو سمجھ جاتا

---

[1] تدریب طبع قدیم ص۸۹ و مقدمہ فتح الملہم ص۵۵ بحوالہ فتح المغیث [2] معرفۃ علوم الحدیث ص۶۲ والمحدث الفاصل ص۶۳ [3] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۳ [4] الباعث الحثیث ص۹۰

ہوں (کہ وہ جھوٹا ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے
وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۔ اے نبی صلے اللہ علیہ
وسلم! ہم نے آپ کو ایسا خاص نور فراست عطا کیا
ہے کہ آپ اس کے ذریعہ منافقین کو ان کے لب و لہجہ
سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ نفاق کی بات ہے[1]"

حافظ بلقینیؒ کا ارشاد ہے :۔

"اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان کی چند
سالوں تک خدمت کرے گا تو وہ اس کی ان تمام چیزوں
سے واقف ہو جائے گا جو اسے پسند ہیں یا ناپسند پس اگر
کوئی دعویٰ کرے کہ وہ فلاں چیز کو ناپسند کرتا ہے جس کے
بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ پسند کرتا ہے تو فقط اس کی
بات سنتے ہی سے اس کی تکذیب کر دے گا[2]"

علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں :۔

"محدثین کرام کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کا تعلق اکثر
حدیث کے متن اور اس کے الفاظ سے ہوتا ہے، جس کا حاصل
یہ ہے کہ ان حضرات محدثین کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے
الفاظ کے کثرتِ استعمال سے ایک خاص ذوق و ملکہ حاصل
ہو جاتا ہے جس سے وہ حضورؐ کے الفاظ اور دوسروں کے
الفاظ میں تمیز کر لیتے ہیں[3]"

حدیث کے پرکھنے کے اصول و ضابطے

ائمہ محدثین نے اپنے وجدانی ذوق و ملکہ سے جو انھیں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف

---

[1] قواعد التحدیث ص۱۴۸ [2] تدریب ص۹۹ [3] توضیح الافکار ج ۲ ص۹۴

سے دیا گیا تھا، حدیث کے متن واسناد دونوں کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے ایسے اصول وضابطے مرتب کئے کہ مستشرقین یورپ اور ان کے تلامذہ وخوشہ چیں منکرین حدیث بھی اس میں کوتاہی کا الزام نہیں لگا سکتے۔

وضعِ حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق متنِ حدیث سے ہے

محدثین کرام نے جس طرح راویوں کی صداقت و دیانت کو ایک لازمی امر قرار دیا ہے، اسی طرح چند ایسی علامتیں مقرر کی ہیں کہ اگر وہ یا ان میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے تو حدیث قابلِ قبول نہ ہوگی، ان میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) جو حدیث ایسی ہو کہ اس کے معنی کی رکاکت وقارِ نبویؐ کے خلاف ہو، وہ قابلِ قبول نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ رکاکت کا تعلق صرف معنیٰ سے ہے اور اسی کو وضعِ حدیث کا سبب قرار دیا گیا ہے، اگرچہ الفاظ میں رکاکت موجود نہ ہو، اس لئے کہ دین محاسن پر مشتمل ہے، اور معنوی رکاکت اس کے خلاف ہے، اور اگر صرف الفاظ ہی میں رکاکت موجود ہو تو مجرد اس کو وضعِ حدیث کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا، ممکن ہے کہ راوی نے بالمعنی روایت کی ہو، اور فصیح الفاظ کو غیر فصیح میں تبدیل کر دیا ہو، لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ ان کے الفاظ حضورؐ کے الفاظ ہیں تو البتہ اس کو کاذب قرار دیا جائے گا۔[۱]

(۲) جو روایت قرآن، حدیث متواتر یا اجماعِ قطعی کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں۔[۲]

(۳) جو عقلِ سلیم کے خلاف ہو اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو، وہ قابلِ قبول نہیں۔

(۴) اگر کوئی تاریخی واقعہ صحیح اور متواتر ذرائع سے معلوم ہے، اور کوئی روایت اس کے خلاف ہے تو وہ روایت قابلِ قبول نہیں۔

---

[۱] الباعث الحثیث ص۹۰ [۲] توضیح الافکار ج ۲ ص۹۶

(۵) اگر کوئی روایت مشاہدات کے خلاف ہو تو وہ قابل قبول نہیں۔

(۶) جس حدیث میں کسی معمولی نیکی پر غیر معمولی اور مبالغہ کے ساتھ ثواب بتلایا گیا ہو یا معمولی گناہ پر بہت بڑی وعید بیان کی گئی ہو، جیسا کہ صوفیاء و قصاص سے عام طور پر ہوتا ہے[۱] وہ صحیح نہیں۔

(۷) جس روایت میں ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو جو اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں آدمی اس کی روایت کرتے، مگر اس کے باوجود صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی، اس صورت میں اس راوی کی یہ روایت قابلِ قبول نہیں۔

(۸) جو حدیث انبیاء علیہم السلام کے قول سے مشابہت نہ رکھتی ہو، وہ قابلِ قبول نہیں...... بہر حال وہ تمام روایتیں جن میں مذکورہ بالا علتوں میں سے کوئی ایک علت بھی پائی جاتی ہو، وہ محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔[۲]

وضعِ حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق اسناد سے ہے

(۱) راوی کذاب ہو اور کذب میں مشہور ہو اس کے علاوہ اور کوئی ثقہ راوی اس کو روایت نہ کر رہا ہو (محدثینِ کرام نے کذابین اور اس کی تاریخ معلوم کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور اس میں ایسا استقصاء کیا ہے کہ کوئی کذاب نہیں بچ سکا ہے۔)

(۲) واضع خود اپنے وضع کا اعتراف کرے، جیسے ابو عصمہ، نوح بن ابی مریم نے فضائلِ وضو میں بہت سی احادیث کے وضع کا اعتراف کیا ہے[۳]، اور اس طرح کی بہت سی دوسری مثالیں موجود ہیں۔

(۳) راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو، یا اس کی وفات کے بعد پیدا ہو، یا جس جگہ سماع کا دعویٰ کر رہا ہو، وہاں کبھی گیا ہی نہ ہو، جیسے مامون بن احمد ہروی نے دعویٰ کیا کہ اس نے ہشام بن عمار سے سنا

---

[۱] المنار ص۱۹ [۲] ماخوذ از فتح المغیث ص۱۱۲ و تدریب الراوی ص۹۹ طبع قدیم [۳] تدریب الراوی ص۱۰۲

ہے، حافظ ابن حبان نے اس سے پوچھا کہ کب تم شام میں داخل ہوئے؟ تو اس نے کہا کہ ۲۵۰ھ میں، اس پر حافظ ابن حبان نے فرمایا، ہشام جس سے تم روایت کر رہے ہو اس کا انتقال تو ۲۴۵ھ میں ہو چکا ہے[1] اسی طرح عبداللہ بن اسحاق کرمانی نے محمد بن ابی یعقوب سے حدیث روایت کی حافظ ابو علی نیشاپوری اس کے پاس آئے اور اس کا سن ولادت معلوم کیا تو اس نے ۲۵۱ھ بتایا۔ حافظ ابو علی نے کہا کہ محمد بن یعقوب تو تمہاری ولادت کے نو سال پہلے وفات پا چکے تھے، اسی طرح محمد بن حاتم کشی نے عبد بن حمید کے واسطے سے حدیث بیان کی تو حاکم ابو عبداللہ نے کہا کہ اس شیخ نے عبد بن حمید کی وفات کے تیرہ سال بعد اس سے حدیث سنی ہے[2]

(۴) کبھی وضع کا اندازہ راوی کے حال اور اس کے ذاتی رجحانات سے لگایا جا سکتا ہے، مثلاً حاکم نے سیف بن عمر تمیمی سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ سعد بن طریف کے پاس تھے کہ اس کا لڑکا مکتب سے روتا ہوا آیا، تو سعد نے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس لڑکے نے بتایا کہ استاد نے مارا ہے۔ اس پر سعد نے کہا کہ آج میں ان لوگوں کو رسوا کروں گا۔ چنانچہ ایک حدیث بنا ڈالی:۔ حدثنی عکرمۃ عن ابن عباس مرفوعاً، معلموا صبیانکم شرارکم، اقلھم رحمۃ للیتیم واغلظھم علی المساکین[3]۔

یا مثلاً محمد بن حجاج نخعی جو ہریسہ بیچا کرتا تھا، اس نے ہریسہ کی فضیلت میں ایک حدیث بنا ڈالی[4]

اسناد پر نقد کے اصول وضابطے

محدثین کرامؒ نے راویان حدیث کے نقد کے لئے کچھ ایسے اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں

---

[1] میزان الاعتدال ص۲۲ ج۳ [2] میزان الاعتدال ج۲ ص۴۷ [3] تدریب ص۱۱۵
[4] میزان ص۴۰ ج۳

جن سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ کس راوی کی حدیث قابلِ قبول ہے اور کس کی قابلِ ترک، اور کس کی حدیث لکھی جائے گی اور کس کی چھوڑ دی جائے گی، ان متروکین کی اہم قسمیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) وہ لوگ جن کے متعلق ثابت ہوجائے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرکے بیان کرتے ہیں، اس پر اجماع ہے کہ ایسے لوگوں کی روایت نہیں لی جائے گی اور یہ کذب علی النبی اکبر الکبائر ہے بلکہ علماء کی ایک جماعت نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے، اور ایک دوسری جماعت نے اس کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

نیز اس میں بھی اختلاف، کہ ایسا شخص اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قابلِ قبول ہوگی یا نہیں ؟ امام احمد بن حنبل اور ابوبکر حمیدی جو امام بخاری کے شیخ ہیں، ان کی رائے ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، لیکن علامہ نووی اس کی توبہ اور اس کے بعد اس کی روایت کو بھی قابلِ قبول قرار دیتے ہیں، ابوالمظفر سمعانی کا مسلک ہے کہ جو شخص ایک حدیث میں کاذب ثابت ہوجائے، اس کی اس سے پہلے کی بھی ساری مرویات ناقابلِ اعتبار ہوجاتی ہیں [۱]

(۲) جو لوگ عام بول چال میں راست گفتاری کے پابند نہ ہوں اور غلط بیانی سے پرہیز نہ کرتے ہوں (اگرچہ حدیث نبوی کے بارے میں ان کا جھوٹ علم و تجربہ میں نہ آیا ہو) ان کی روایت بھی قابلِ قبول نہیں، امام مالک کا ارشاد ہے :-

لا یوخذ العلم عن اربعۃ	چار آدمیوں سے یہ علم نہیں حاصل
رجل معلن بالسفہ وان	کیا جائے گا، ایک وہ آدمی جس کی
کان یروی الناس، ورجل	بیوقوفی آشکارا ہو، اگرچہ وہ بہت
یکذب فی احادیث الناس	زیادہ روایت کرنے والا ہو، اور

---

[۱] اختصار علوم الحدیث ص۱۰۱

وان کنت لا اتهمه ان یکذب علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب ھوی یدعو الناس الی ھواہ وشیخ لہ فضل وعبادۃ اذا کان لایعرف ما یحدث بہ [1]	دوسرا وہ آدمی جو لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو، اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس پر جھوٹ بولنے کی تہمت نہ ہو، تیسرا وہ مبتدع جو اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، اور چوتھے وہ شخص بھی جو اگرچہ صاحب فضل وعبادت ہو، مگر اپنی بیان کردہ حدیث کی اس کو معرفت نہ ہو، تو اس سے بھی حدیث نہ قبول کی جائے گی۔

عام گفتگو میں جس شخص کا کذب ثابت ہو چکا ہو، ایسا شخص اگر اپنے کذب سے توبہ کرلے اور اس کے بعد اس کی عدالت بھی ثابت ہو جائے، تو جمہور علماء کے نزدیک اس کی توبہ قابلِ قبول ہوگی، اور اس کی خبر پر بھی اعتماد کیا جائے گا، البتہ ابوبکر صیرفی کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی روایت اس کے کذب کی وجہ سے چھوڑی جائے گی، اس کے توبہ کر لینے کے بعد بھی اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی [2]

(۳) اصحاب البدع والاھواء؟ ——— اس پر تو ائمہ حق کا اتفاق ہے کہ کسی مبتدع کی حدیث جب کہ اس کی بدعت موجبِ کفر ہو، یا وہ کذب کو حلال سمجھے، خواہ اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچتی ہو، اس کی روایت قابلِ قبول نہیں ——— مبتدعین کی ان قسموں کے علاوہ باقی کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ جو مبتدع اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، اس کی بھی روایت قابلِ قبول نہیں، حافظ ابن کثیر فرماتے

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۳۲، والکفایہ ص ۱۱۶ [2] الباعث الحثیث ص ۱۰۲

ہیں کہ متقدمین و متاخرین کا اس میں اختلاف رہا ہے، اور جس پر اکثر لوگ ہیں، وہ یہ ہے کہ داعی و غیر داعی کے درمیان تفصیل ہے۔ یہی امام شافعیؒ سے بھی صراحۃً نقل کیا گیا ہے مگر ابن حبان نے اس پر نقل کیا ہے کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک قاطبۃً اس سے استدلال جائز نہیں۔

ولا اعلم فیہ اختلافاً۔ (اور مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں)

لیکن ابن حبان کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ امام بخاریؒ نے عمران بن خطان خارجی سے جو عبدالرحمٰن بن ملجم (حضرت علیؓ کے قاتل) کا مداح تھا، روایت کی تخریج کی ہے، حالانکہ عمران خارجیت کا بہت بڑا داعی تھا، نیز امام شافعیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اہل اہواء (مبتدعین) کی شہادت میں قبول کروں گا، سوائے روافض میں فرقہ خطابیہ کے، کیونکہ وہ اپنے موافقین کے لئے جھوٹی شہادت کو جائز سمجھتے تھے[1]

امام عبدالقاہر بغدادی نے اپنی کتاب "الفرق بین الفرق" میں نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ اخیر زندگی میں اہل اہواء کے بارے میں اپنی رائے سے ہٹ گئے تھے، اور استثناء میں معتزلہ کا بھی اضافہ کر لیا تھا[2] مبتدعین کے بارے میں ائمہ حدیث کا یہ اصول تو معلوم اور معروف ہے کہ ان کی وہ روایت قبول نہیں کی جائے گی، جس سے ان کی بدعت کی تائید ہوتی ہو، اسی طرح کسی ایسے مبتدع کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی جس کا تعلق کسی ایسے گروہ سے ہو جو اپنی اغراض کے لئے دروغ بیانی کو مباح سمجھتا ہو، اسی لئے ایسے اہل بدعت کی جو صدق و امانت میں مشہور تھے، وہ روایتیں قبول کر لی گئی ہیں، جن کا ان کی بدعات سے کوئی تعلق نہیں ہے، جیسے عمران بن خطان[3]

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک صغریٰ، دوسری کبریٰ، بدعت صغریٰ جیسے شیعیت جس میں غلو و زیادتی ہو (مثلاً حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی صرف تفضیل کا عقیدہ ہو) اس طرح کی شیعیت تو بہت سے تابعین و

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۹۹، ۱۰۰ و تدریب ص ۲۲۰ [2] الفرق بین الفرق ص ۳۵۸ [3] الباعث الحثیث ص ۱۰۱

تبع تابعین میں ان کے تدین و تقوے اور صدق و امانت کے باوجود تھی، اگر ان لوگوں کی حدیث کو رد کر دیا جائے تو بہت سے آثار نبویؐ کا سرمایہ ختم ہو جائے گا، اور اس صورت میں کھلی ہوئی خرابی ہے۔

بدعت کبریٰ جیسے رفض کامل اور اس میں غلو، مثلاً حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی تنقیص کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا، تو اس طرح کے لوگوں کی روایات ہرگز قابل استدلال نہیں، اور نہ ان کا کوئی مقام ہے، بلکہ اس جماعت کا ایک آدمی بھی میرے سامنے ایسا نہیں ہے جو سچا اور قابل اعتماد ہو، بلکہ کذب بیانی ان کا شعار اور تقیہ و نفاق ان کا محبوب مشغلہ ہے، پھر ایسے لوگوں کی روایات کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، حاشا و کلاّ، غالی شیعی سلف کے زمانہ میں اور ان کی اصطلاح میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاویہؓ اور اس جماعت پر جس نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تنقید کی اور بُرا بھلا کہا۔ ہمارے زمانے میں اور ہماری اصطلاح میں غالی وہ ہے جو ان اکابر کی تکفیر کرتا ہو، اور حضرات شیخینؓ سے بیزاری اختیار کرتا ہو، (معاذ اللہ) پس وہ گمراہ و مفتری ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، تشیع متقدمین کے عرف میں نام ہے شیخینؓ کی تقدیم و تفضیل کے ساتھ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دینے کا۔[2]

(۴) زنادقہ و فساق اور وہ مغفل لوگ جو اپنی روایات کا مطلب نہیں سمجھتے اور نہ ان میں ضبط اور فہم کے صفات پوری طرح موجود ہیں، یہ بھی متروکین میں داخل ہیں۔[3]

وہ لوگ جنکی روایات میں توقف کیا جائیگا ایسے لوگوں کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) جن کی جرح و تعدیل میں اختلاف ہو۔

(۲) جن سے بکثرت خطار کا صدور ہو، اور ان کی اور ائمہ ثقات کی روایت میں

---

[1] میزان ص ۴ ج ۱ [2] مقدمہ فتح الملہم ص ۶۵ بحوالہ مقدمہ فتح الباری [3] اختصار علوم الحدیث ص ۹۸

فرق و اختلاف ہو۔

(۳) نسیان کی کثرت ہو۔

(۴) حافظہ خراب ہو۔

(۵) اخیر عمر میں اختلاط پیدا ہو گیا ہو۔

(۶) وہ راوی جو ثقات وضعفاء ہر ایک سے روایت لے لیتا ہو۔

مصطفےٰ سباعی مرحوم لکھتے ہیں۔

"ان مضبوط و محکم بنیادوں پر ان حضرات ائمہ نے نقد احادیث اور صحیح و سقیم میں امتیاز کرنے کے لئے اپنی انتہائی کوششوں کو صرف کیا، بلاشبہ یہ ایسے بے داغ اصول ہیں جن کی قوت و گہرائی اور کفایت کا کوئی منصف انکار نہیں کرسکتا، پھر ہمارے علماء نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ متن (واسناد) کے تمام علل سابقہ سے محفوظ ہونے کے بعد اس حیثیت سے بھی اس پر نقد کیا کہ آیا اس میں اضطراب، شذوذ و اعلال تو نہیں ہے۔ ایسے ہی انہوں نے اس پر غور کیا کہ اس میں قلب یا غلطی اور ادراج کا امکان تو نہیں ہے"[1]

ان کے بہت سے شواہد و امثلہ کے لئے ملاحظہ ہو تدریب الراوی و توجیہ النظر وغیرہ کتب اصول۔

جرح و تعدیل میں ائمہ حدیث کے اختلاف کی حقیقت

حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے جو محکم قاعدے اور ضابطے محدثین کرام نے مرتب کیے ہیں، ان پر کسی طرح اعتراض کی گنجائش نہیں البتہ

---

[1] السنۃ ص ۱۱۵ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی۔

جو لوگ اس مقدس فن سے ناآشنا ہیں اور جن کا مقصد ہی اس فن کو مشکوک بنانا ہے، اُن کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کسی ایک راوی کی صداقت وعدالت میں دو محدثوں کا بھی اتفاق نہیں، اگر ایک محدث اس کو ثقہ قرار دیتا ہے تو دوسرا ضعیف، یا اس کے برعکس معاملہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے اس دعوے پر علامہ ذہبی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے، علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

لم یجتمع اثنان من علماء هٰذا الشان علی توثیق
ضعیف ولا علی تضعیف ثقة [1]

مگر واقعہ یہ ہے کہ حافظ ذہبی کے الفاظ پر معمولی غور کرنے سے اس مفہوم کی تردید ہوتی ہے جو ان لوگوں نے مراد لیا ہے۔

مصطفےٰ سباعی مرحوم لکھتے ہیں :-

"حافظ ذہبی کے کہنے کی غرض یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل نقد رجال میں نہایت تثبت واحتیاط سے کام لیتے ہیں، وہ ایسا نہیں کرتے کہ ایک راوی جو ضعف میں مشہور ہو اس کی توثیق کردیں یا کسی ایسے راوی کو جو تثبت اور صدق میں مشہور ہے اس کو ضعیف قرار دیدیں، البتہ ان حضرات کا اختلاف ان راویانِ حدیث کے بارے میں ہوا ہے جو ضعف وثقاہت میں مشہور نہ ہوں۔ الغرض یہ حضرات راوی کا اسی حیثیت سے تذکرہ کرتے ہیں جو اس میں حقیقت ہوتی ہے، حافظ ذہبی نے اپنے قول "علی توثیق ضعیف ولا علی تضعیف ثقة" سے اگر وہی مراد لیا ہوتا، جو ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے سمجھا ہے، تو الفاظ یہ ہوتے" مالم یجتمع اثنان علی

---

[1] تدریب طبع جدید ص ۲۰۲

توثیق راو ولا علی تضعیفہ" جو رواۃ ضعف یا ثقاہت میں مشہور نہیں ہیں، ان کے بارے میں ائمۂ فن کا اختلاف ہوا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں[1]

(۱) کبھی یہ اختلاف اہل سنت والجماعت رواۃ کے بارے میں واقع ہوا ہے اور یہ اختلاف عام طور پر ائمۂ جرح و تعدیل کے نقطہائے نظر کے اختلاف پر مبنی ہے جو ان میں باہم ایک راوی کے صدق وکذب یا اس کی عدالت و فسق اور اس کے حفظ ونسیان میں ہوا کرتا ہے۔

(۲) کبھی یہ اختلاف اہل بدعت رواۃ کے بارے میں ہوا ہے، اس صورت میں ائمہ جرح و تعدیل نے مجرد مذہبی اختلاف کی بنا پر نقد نہیں کیا ہے بلکہ اپنے مخالف پر جرح اسوقت کی ہے جب اس کی بدعت کفر کی طرف داعی ہو، یا وہ صحابۂ کرامؓ پر تنقیدیں کرتا ہو، یا وہ اپنی طاعت کی طرف داعی ہو، یا داعی تو نہیں ہے مگر اس کی بدعت اس کے باطل عقیدہ کے موافق ہو، ان سب صورتوں میں راوی کی عدالت مشکوک سمجھی جائے گی۔ فی الواقع جرح کا مدار راوی کے صدق وثقاہت پر ہے نہ کہ مجرد مذہبی اختلاف پر۔ کتب ستہ وغیرہ کتابوں میں مبتدعہ کی ایک جماعت سے روایت کی تخریج کی گئی ہے، جن کے بارے میں تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، جیسے عمران بن خطان خارجی اور ابان بن تغلب شیعی، حافظ ذہبی، ابان

---

[1] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ص۲۴۵ و میزان الاعتدال ج ۱ ص۲

بن تغلب کوفی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں "شیعی لکنہ صدوق فلناصدقہ وعلیہ کذبہ"

اہل بدعت رواۃ کی روایت محدثین کرام نے جن شرائط کے ساتھ قبول کی ہے اس پر تفصیلی گفتگو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

جرح کے معتبر ہونے کیلئے اسباب کا بیان کرنا ضروری ہے

کسی راوی پر جرح و نقد کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اسباب بیان کئے جائیں، محدثین کرام نے مستقل ضابطہ بنا دیا ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقد کی جرح میں غلطی وعصبیت بھی شامل ہو جاتی ہے جس میں حقیقت و واقعیت نہیں ہوتی، جیسے اہل حدیث اور اہل رائے کا باہم اختلاف مشہور ہے کہ اہل حدیث اجتہاد کے باب میں اہل رائے سے متفق نہ تھے اس لئے بہت سے ائمہ رائے کو ضعفاء میں شمار کر دیا ہے، حتیٰ کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ پر ان کے زہد و تقویٰ اور جلالتِ شان کے باوجود بہت سے لوگوں نے کلام کیا ہے، اسلئے تعدیل کے مقبول ہونے کے لئے اسباب کا بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسباب جرح کا بیان کرنا اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ بسا اوقات جرح کرنے والا ایسی چیز کو جرح کا سبب قرار دیتا ہے جو موجبِ جرح نہیں ہوتی، مجھے ایک شخص پر جرح کی خبر پہنچی تو میں نے ناقد سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے اس کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تھا، اب اس کے کپڑے ناپاک ہوئے ہوں گے، اور اسی حالت میں اس نے نماز پڑھی ہوگی تو صدوق کہاں رہا؟ میں نے اس سے کہا کہ تم نے انھیں کپڑوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا؟ تو اس نے جواب دیا نہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی جرح لغو و باطل ہے[1] نیز اس کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممکن ہے کہ کسی عذر کی بنا پر رہا ہو۔

---

[1] الکفایہ ص۱۰۸

حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

بخلاف الجرح فانه لایقبل	برخلاف جرح کے یہ قابل قبول نہیں
إلّا مفسّرًا لاختلاف الناس	جب تک کہ مفصل نہ ہو، اس لئے
فی الاسباب المفسقة	کہ فاسق بنانے والے اسباب میں
فقد یعتمد الجارح شیئًا	لوگوں کا اختلاف ہے، کبھی جرح
مفسقا فیضعفه ولا یکون	کرنے والا ایک چیز کو موجب فسق سمجھ
کذلك فی نفس الامر	کر جرح کر دیتا ہے اور حقیقتِ حال
او غیره و لهٰذا شرط	اس کے خلاف ہوتی ہے، اسی لئے
بیان السبب فی الجرح	بالاتفاق سبب جرح کا بیان کرنا ضروری
بغیر خلاف[1]	قرار دیا گیا۔

اس سلسلے میں حافظ بن صلاح لکھتے ہیں کہ کوئی جرح مقبول نہیں جب تک کہ اس کا سبب نہ بیان کیا جائے، کیونکہ بسا اوقات جارح ایسی جرح کرتا ہے جو موجب جرح نہیں ہوتی، فلابدّ من بیان سببه لینظر هل هو جرح ام لا[2] خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ شیخین وغیرہ حفاظ حدیث کا یہی مسلک ہے[3]

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ جرح مبہم صرف ان رواۃ کے بارے میں معتبر ہوگی، جس کی پہلے کسی محدث نے توثیق کی ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ بن حجر فرماتے ہیں کہ جس راوی کی کسی امام فن نے توثیق کی ہے، اس کے بارے میں کسی کی بھی جرح اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگی جب تک کہ مفسر نہ ہو، اور اگر اس راوی کی ثقاہت ثابت ہو چکی ہو تو اس کو زائل کرنے کے لئے واضح دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ ائمۂ فن نے اس راوی کی دیانت و روایت کا پورا اندازہ لگا کر اور پرکھ کر فیصلہ

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص۱۰۱ [2] مقدمہ ابن صلاح طبع قدیم ص۳۸

[3] الکفایہ ص۱۰۹ ولسان المیزان ج ۱ ص۱۵ و تدریب ص۲۰۲ ۔

کیا ہوگا، ان کے فیصلے کو باطل کرنے کے لئے صریح دلیل چاہیے، البتہ اگر کسی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی ہے تو پھر ماہر فن کی جرح مبہم قبول کی جائے گی [۱] امام بیہقی اور محمد بن نصر مروزی وغیرہ ائمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ جس آدمی کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں کسی کی جرح اس وقت قبول کی جائے گی جب وہ واضح طور پر اس کا سبب بھی بیان کردے [۲]

معاصرانہ رقابت و رنجش کے سبب جرح مردود ہے

اگر کسی قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ معاصرانہ رقابت یا رنجش یا خفگی کے سبب جرح کی جا رہی ہے تو یہ جرح بالاتفاق ناقابلِ قبول ہے مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

الجرح اذا صدر من تعصب	جرح جب تعصب یا عداوت یا باہمی
اوعداوۃ اومنافرۃ اونحو	منافرت وغیرہ سے صادر ہو تو وہ
ذلك فھوجرح مردود ولا	غیر معتبر ہے اور اس طرح کی جرح
یؤمن الا المطرود [۳]	سے شاید ہی کوئی محفوظ رہ سکا ہو۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ معاصرین کی ایک دوسرے پر تنقید ناقابلِ التفات ہے جب کہ ثابت ہو جائے کہ یہ جرح عداوت یا مسلک کے اختلاف یا حسد کی بنا پر ہو رہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے صرف وہی لوگ اس طرح کی جرح سے محفوظ رہ سکتے ہیں ، انبیا علیہم السلام و صدیقین کے سوا اور کسی کا تنقید سے محفوظ رہنا میرے علم میں نہیں ہے ۔ اگر میں چاہوں تو اس پر کئی کاپیاں سیاہ کر سکتا ہوں [۴]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ذاتی رنجش اور بعض نے اپنے معاصرانہ

---

[۱] تدریب ص ۲۰۴ [۲] فتح المغیث ص ۱۳۰ [۳] الرفع والتکمیل طبع جدید ص ۱۸۲
[۴] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۲

رقابت کے سبب جرح کی ہے، اور بعض ادنیٰ درجہ کے راوی نے اپنے سے اعلیٰ اور افضل اور کامل الضبط ثقہ راوی پر جرح کردی ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں فکل هٰذا لا یعتبر، ایسی تمام جرحیں غیر معتبر ہیں[۱]، مشہور مقولہ ہے "المعاصرۃ سبب المنافرۃ" اس لیے جب ایک معاصر عالم دوسرے پر نقد کررہا ہو تو دیکھنا چاہیے کہ یہ جرح معاصرانہ رقابت کے سبب تو نہیں ہورہی ہے، کیونکہ بشری تقاضے سے کبھی اس طرح کی رقابت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی یہ رقابت باہمی رنجش و عداوت تک پہنچ جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی فرماتے ہیں کہ رنجش و خفگی کی بناء پر جرح کا مرض عام طور پر دو معاصر عالموں کے درمیان زیادہ ہوتا ہے، بالخصوص متاخرین علماء میں اکثر مراتب میں تنافس اس کا سبب ہے، اسی لیے حافظ ابن البر مالکی نے جامع بیان العلم میں ایک مستقل باب قائم کرکے معاصرین کی آپس کی تنقیدوں کو جمع کردیا ہے ......

دو معاصرین کے آپس کی جرح قابل قبول نہ ہوگی، جب تک کہ جرح پر واضح دلیل نہ قائم ہو، اور اگر ان دونوں کے درمیان عداوت ثابت ہوجائے تو وہ جرح بدرجۂ اولیٰ قابلِ رد ہوگی[۲]

تنبیہ ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جرح و تعدیل کی کتابوں میں عام طور پر جرح کا سبب نہیں بیان کیا گیا ہے، بلکہ اکثر ان مصنفین نے فلانٌ ضعیفٌ فلانٌ لَیْسَ بِشَیٍٔ، وَهٰذا حَدِیثٌ ضَعِیفٌ پر اکتفا کیا ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے راوی کا مشکوک ہونا معلوم ہوگیا، اس لیے اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا، غور و فکر اور تحقیق کے بعد اگر شبہ کا ازالہ ہوجائے تو اس راوی کی روایت قبول کرلی جائے گی، صحیحین کے بہت سے رُواۃ کے بارے میں ایسا ہی ہوا ہے[۳]

---

[۱] مقدمہ فتح الباری ص۴۳۶ .... [۲] فتح المغیث ص۴۹۲ [۳] تدریب ص۲۰۳

جرح مبہم تعدیل پر مقدم ہے اگر جرح مبہم ہے، اس کے اسباب بیان نہیں کئے گئے ہیں، تحقیق و جستجو کے بعد بھی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی، جس سے راوی کی عدالت ساقط ہو جائے تو ایسی صورت میں جن ائمہ نے اس راوی کی عدالت کو بیان کیا ہے، ان کے بیان کو ترجیح دی جائے گی۔ مولانا عبد الحئی لکھنوی لکھتے ہیں "جرح غیر مفسر تعدیل پر مقدم نہیں بلکہ غیر مفسر جرحوں پر خود تعدیل مقدم ہے[1]

جن ائمہ کی امامت کو امت نے تسلیم کر لیا ہے ان پر کسی کی جرح معتبر نہیں علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا ضابطہ ہر جگہ نہیں استعمال نہیں کیا جائے گا، بلکہ جس راوی کی عدالت و ثقاہت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں مدح و توثیق کرنے والوں کی کثرت ہو، اس کے ناقدین قلیل ہوں اور کوئی ایسا قوی قرینہ موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جرح مذہبی تعصب کی بنا پر کی گئی ہے تو یہ جرح غیر معتبر ہے .... کسی ناقد کی جرح اس شخص کے حق میں مقبول نہ ہوگی جس کی طاعات معصیت پر غالب ہوں اور مذمت کرنے والوں کے مقابلہ میں مادحین کی کثرت ہو، اس کی توثیق کرنے والے ناقدین سے زائد ہوں، اور کوئی مذہبی تعصب یا دنیاوی تنافس کا ایسا قوی قرینہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہی اس جرح کا باعث بنا، جیسا کہ معاصر علماء میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ سفیان ثوری وغیرہ کا امام اعظم ابو حنیفہؒ پر، اور ابن ذئب وغیرہ کا امام مالک پر، اور ابن معین کا امام شافعیؒ پر، اور امام نسائی کا امام احمد بن صالح پر، اسی طرح ہے۔ اگر ہر جگہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا ضابطہ برتا جائے تو کوئی بھی ایسا نہیں جو تنقید سے محفوظ رہ سکے[2]

---

[1] ظفر الامانی ص ۲۸۱ [2] مقدمہ اوجز المسالک ص ۶۵ بحوالہ الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۹، ۱۰

حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں :۔

"جن ائمہ کو امت نے اپنا امام بنا لیا ہو، ان پر کسی کی تنقید معتبر نہ ہوگی"[1]

جرح وتعدیل کا منصب

اوپر جو ہم نے تفصیل بیان کی ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جرح وتعدیل کا کام کس قدر نازک و دشوار ہے۔ یہ منصب ہر عالم کو بھی نہیں حاصل ہو سکتا، بلکہ یہ کام تو فی الواقع انھیں ائمہ کا تھا جو اس فن میں کامل مہارت و امامت کا مقام رکھتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان حضرات ائمہ کو اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفاظت و پاسبانی کے لئے پیدا فرمایا تھا، آج کے موجودہ دور میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اپنی ناقص و محدود عقل سے حدیثوں کو پرکھنے وجانچنے کی کوشش کر رہے ہیں جو نہ صرف فنِ حدیث سے ناواقف بلکہ اسلام کے اصول ومبادی سے ناآشنا ہیں، یہ درحقیقت یورپ کے مستشرقین کے تلامذہ اور مقلدین ہیں، مستشرقین نے جو زہر انھیں اسلام کے خلاف پلایا ہے اسی کا یہ لوگ مختلف انداز میں اظہار کر رہے ہیں، چنانچہ احادیث کی صحت وسقم کا اپنی جہالت کے باوجود فیصلہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے اور یہ صریح گمراہی وضلالت ہے، یہ لوگ اپنی ناپاک کوشش کے ذریعہ اسلام میں شک وتذبذب پیدا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ جرح وتعدیل کا منصب ان حضرات کے علاوہ جو دیانت وتقویٰ، حفظ واتقان اخلاص وللٰہیت کے علاوہ اس فن پر کامل عبور رکھتے ہوں اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں علمِ حدیث کے تہتر انواع بیان کئے ہیں اور ہر نوع کی مختلف قسمیں ہیں، ابوحاتم بن حبان نے صرف حدیث ضعیف کے اُنچاس

---

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۹۵

اقسام بتائے ہیں [1] اس سے اس کی اہمیت و دشواری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ہر فن کے مسائل میں اہل فن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے علم حدیث کی حفاظت وصیانت کے لئے ایسے لوگوں کو کھڑا کیا جنہوں نے علم حدیث کی تحصیل اور اس کے رجال وعلل وغوامض کی معرفت میں اپنی زندگیاں فنا کردیں، پس ایسے اصحاب معرفت اور ایسے کامل متبحرین کے نقش قدم کی پیروی اور ایسے حفاظ وقت کے پاس کثرتِ صحبت و رفاقت وجودتِ فہم اور دائمی طور پر مطالعہ سنن کی معرفت کا باعث ہوسکتی ہے، نیز بغیر لزوم صحبت و کثرتِ مطالعہ اور بدون امعانِ نظر و وسعت حافظہ کے ان کے فیصلوں اور رجال وعلل کا سمجھنا اور سنن نبوی کی معرفت حاصل ہونا دشوار ہے" [2]

علامہ ذہبی لکھتے ہیں :-

"جرح وتعدیل کا منصب کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی دائمی طلب وجستجو، کثرتِ مذاکرہ، راتوں کی بیداری ذکاوت وفہم کے ساتھ ساتھ تقویٰ ومضبوط دینداری اور انصاف پسندی، علمائے وقت کی خدمت میں حاضر باشی اور کمال ضبط کے اوصاف سے متصف نہ ہو" [3]

مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں :-

"ناقدِ فن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو، جرح وتعدیل کے

---

[1] ظفر الامانی ص ۶۵ [2] فتح المغیث ص ۹۹ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴

اسباب سے واقف ہو، انصاف پسند و خیر خواہ ہو، متعصب
و متکبر نہ ہو، کیونکہ متعصب کا قول غیر معتبر ہے[1]"

علامہ نووی رقمطراز ہیں :۔

انما یجوز الجرح لعارف به اما	جرح صرف ماہر فن کا حق ہے، اگر
اذا لم یکن الجارح من اھل المعرفۃ	جارح اہل معرفت میں نہیں ہے اس
فلا یجوز له الکلام فی احد[2]	کے لئے کسی پر نقد جائز نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

وان صدر من غیر عارف	جرح اگر ایسے شخص سے صادر ہو، جو
بالاسباب لم یعتبر	اسباب جرح سے ناواقف ہے تو وہ
به[3]	جرح غیر معتبر ہے۔

ائمۂ جرح و تعدیل کے درجات

ائمۂ جرح و تعدیل کے مختلف درجات ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ناقدین فن کے ہر طبقے میں متشدد و متوسط دونوں طرح کے حضرات رہے ہیں۔

طبقۂ اولیٰ میں شعبہ و سفیان ثوری ہیں، مگر شعبہ سفیان سے سخت ہیں۔

طبقۂ ثانیہ میں یحییٰ بن سعید قطان و عبد الرحمٰن بن مہدی ہیں مگر یحییٰ عبد الرحمٰن سے سے سخت ہیں۔

طبقۂ ثالثہ میں یحییٰ بن معین و امام احمد بن حنبل ہیں، مگر یحییٰ امام احمد سے سخت ہیں۔

طبقۂ رابعہ میں ابو حاتم و امام بخاری ہیں، مگر ابو حاتم، امام بخاری سے سخت ہیں[4]

حافظ سخاوی نے علامہ ذہبی کا قول نقل کیا ہے جس سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں :۔

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۵۴ [2] مقدمہ شرح مسلم از نووی ص ۲۰
[3] شرح نخبہ [4] مقدمہ زہر الربی علی المجتبیٰ از سیوطی ص ۱

"ایک جماعت ان ائمہ کی ہے جو جرح میں تشدد اور تعدیل میں تثبت و احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ راوی کی دو تین غلطی پر بھی نقد کر دیتے ہیں، یہ جب کسی راوی کی توثیق کریں، تو اس کے قول کو دانتوں سے پکڑ لو، اور جب کسی راوی کو ضعیف قرار دیں، تو غور کر لو کہ آیا اس کے فیصلے کی کسی امام نے موافقت کی ہے؟ اگر کسی امام نے موافقت کی ہے، اور کسی ماہر فن نے توثیق بھی نہیں کی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ راوی ضعیف ہے اور اگر اس کی کسی امام نے توثیق کی ہے تو ایسے راوی کے بارے میں محدثین کا ضابطہ ہے کہ اس کے بارے میں جرح اس وقت مقبول ہوگی جب کہ مفسر ہو، مثلاً ابن معین نے کسی راوی کو ضعیف قرار دیا اور امام بخاری وغیرہ اس کی توثیق کر رہے ہوں تو مجرد ابن معین کے ضعیف کہہ دینے کی وجہ سے وہ راوی ضعیف نہیں سمجھا جائے گا، جب تک کہ وہ ضعف کا سبب نہ بیان کریں"

دوسری جماعت ان ائمہ کی ہے جو تسامح و تساہل سے کام لیتے ہیں، جیسے امام ترمذی، وحاکم، حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حزم بھی اسی جماعت میں شامل ہیں، چنانچہ انہوں نے بھی ابو عیسیٰ ترمذی، ابوالقاسم بغوی، اسمٰعیل بن صفار، ابو العباس اصم وغیرہ مشہور ائمہ کو بھی مجہول قرار دے دیا ہے۔[۸۵]

تیسری جماعت ان حضرات کی ہے جو نقطۂ اعتدال کو ملحوظ

---

۸۵ حافظ ابن حزم نے سنن ترمذی و ابن ماجہ کو نہیں دیکھا تھا، اور ان کے زمانے میں یہ دونوں کتابیں اندلس میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ سیر اعلام النبلاء از ذہبی

رکھتے تھے، جیسے امام احمد و دارقطنی وابن عدی [1]

اسی طرح بعض اعتدال پسند ائمہ نے بھی بعض شہروں یا بعض مذاہب کے رُواۃ پر نقد میں تشدد سے کام لیا ہے، جیسے علامہ ذہبی وحافظ ابن تیمیہؒ کا اکابر محققین صوفیاء پر نقد[2] اسی طرح علامہ ذہبی نے اشاعرہ پر انتہائی تشدد سے نقد کیا ہے[3] اس طرح کی تنقیدیں بھی بحث وتحقیق کی محتاج بن جائیں گی۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ ان متشددین کے فیصلہ کو قبول کرنے میں عجلت نہ کرنی چاہیے اور نہ اس کی صحت کا قطعی فیصلہ کرنا چاہیے، جب تک کہ دیگر ائمۂ فن اور کبار ناقدین نے موافقت نہ کی ہو[4]

رواۃ کے بیان احوال میں محدثین کا طریقۂ کار چونکہ احکام شریعت کا مدار نقل و روایت پر ہے، اس لئے ناقلین حدیث کے حالات بیان کرنے میں حفاظ حدیث نے نہایت غور و فکر سے کام لیا ہے، ان حضرات کا مقصد صحیح وسقیم کی معرفت ہے، اس لئے ان کے حالات کو بیان کرنے میں انتہائی اعتدال و احتیاط سے کام لیا ہے، ان لوگوں نے صرف انھیں امور سے بحث کی ہے، جس کا تعلق راوی کی عدالت یا اس کے حفظ و اتقان سے ہے اور ان کے بحث کا اندازہ خالص علمی ہے، ان کے اس طریقۂ بحث کا مندرجہ ذیل امور سے لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) کسی راوی پر حکم لگانے میں اس کی خوبیوں اور نقائص دونوں پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے بھائی کے نقائص کو ذکر کرو، اور اس کی خوبیوں کو نظر انداز کر دو تو اس پر ظلم ہوگا[5] اس سلسلے میں ان حضرات کی امانت داری اس درجہ پر پہونچی ہوئی تھی، اگر خود اپنی تحقیق کے خلاف کسی محدّث کی صحیح بات پہنچ جاتی تو اس کو

---

[1] فتح المغیث ص۴۸۳ [2] الیواقیت والجواہر ج ۱ ص۸ [3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص۱۹۰ [4] تحفۃ الکملۃ علی تحفۃ الطلبۃ ص۹ [5] السنۃ قبل التدوین بحوالہ الجامع الاخلاق الراوی و السامع ص۱۶۱

تسلیم کرنے میں انھیں انکار نہ تھا، شعبہ بن حجاج نے ایک حدیث روایت کی، ان سے کہا گیا کہ آپ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے، توانہوں نے دریافت فرمایا کہ کس نے اختلاف کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سفیان ثوری نے، توشعبہ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو، کیونکہ سفیان مجھ سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں [۱]

(۲) ان حضرات نے حکم لگانے میں انتہائی دقتِ نظر کا ثبوت دیا ہے، انھوں نے راوی کے پورے حالات زندگی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، راوی کے کلام میں کس زمانے سے اختلاط پیدا ہوا، اس کے وہم کا سبب کیا ہے، راوی میں ضعف کا تعلق دین سے ہے یا حفظ و اتقان سے، ان ساری تفصیلات کا ریکارڈ ان لوگوں نے ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

(۳) جرح و نقد میں ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، جو راوی وضعِ احادیث کرتا تھا، یا کذب علی النبیؐ کا مرتکب تھا، اس کے بارے میں فلاں وضاع یا کذّاب یا یفتری الکذب علے الصحابۃ رضی اللہ عنہم وغیرہ الفاظ استعمال کرتے تھے جو راوی کی حقیقتِ حال کے اظہار کے لئے ضروری تھے، لیکن بعض حضرات ان الفاظ سے بھی احتراز کرتے تھے اور صرف (لم یکن مستقیم الحدیث) وغیرہ الفاظ کہتے تھے [۲]

امام مزنی فرماتے ہیں کہ میرے استاد امام شافعیؒ نے ایک دن سُنا کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فلاں کذاب، تو فرمایا! ابراہیم! (جو امام مزنی کا نام تھا) اس کے لئے اچھے الفاظ استعمال کیا کرو، کذاب کے بجائے "حدیث لیس بشیٔ" کہا کرو [۳]

(۴) راوی کی عدالت بیان کرنے میں اس کے اسباب نہیں بیان کرتے تھے کہ فلاں تہجّد گزار ہے، یا اخلاق فاضلہ کا حامل ہے، لوگوں کو اذیت نہیں پہنچاتا، بلکہ

---

[۱] حوالہ مذکور ص۱۱۷ اس کی امثلہ کے لئے ملاحظہ ہو الکفایہ ص۱۳۵ و تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۵۲، ۱۵۱

[۲] مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص۲۱ الجرح والتعدیل ص۱۸، ۱۹ [۳] الاعلان بالتوبیخ ص۷

ثبتٌ، ثقۃٌ، صدوقٌ وغیرہ سے اس کی عدالت کو بیان کر دیا ہے لیکن عام طور پر جب راوی کی جرح بیان کرنا ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی بیان کر دیتے ہیں، جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، لیکن جب ایک سبب جرح کے لئے کافی ہوا ہے تو دیگر اسباب سے گریز کیا ہے۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں لا یجوز التجریح بشیئین اذا حصل بواحد[1]

الفاظ جرح و تعدیل کے مراتب

جن راویانِ حدیث نے روایت کی خدمت انجام دی ہے ان میں اپنے علم و حفظ و ضبط کے لحاظ سے باہم تفاوت ہے، بعض لوگ اعلیٰ مقام پر، بعض ان سے کمتر درجہ پر، اور بعض ایسے بھی ہیں جن سے وہم ہو جاتا تھا، یا ان کی عدالت و امانت کے باوجود ان سے سہو و خطاء کا صدور بھی بکثرت ہو جاتا تھا، اور ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ناجائز طور پر راویانِ حدیث کی صف میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے، جن کے معاملہ کو ائمہ جرح نے واضح فرمایا ہے، اس لئے ائمہ فن نے ہر درجے کے راوی کے لئے ایک معیار مقرر کیا ہے اور اس کے لئے مخصوص الفاظ ہیں، اگرچہ جرح و تعدیل کے ساتھ ہی ان الفاظ کے استعمال کا آغاز ہو چکا تھا، مگر سب سے پہلے ان الفاظ جرح و تعدیل کو ابو محمد عبد الرحمٰن بن حاتم رازی المتوفی ۳۲۷ھ نے مرتب کر کے پیش کیا[2]

ان کے بعد کے ائمہ فن نے ان الفاظ کی تشریح یا تفریع، یا ایسے امور پر تنبیہ کی ہے جن کا تعلق اس سے کسی حیثیت سے ہے، اصول حدیث یا بعض رجال کی کتابوں میں ان کو تفصیل یا اجمال سے ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ سندی نے شرح نخبہ میں اور حافظ سخاوی نے (شرح الالفیہ[3]) میں نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے، چھ[4] درجے الفاظ جرح کے اور

---

[1] و [2] فتح المغیث ص۳۲۵ [3] شرح الالفیہ ص۱۵۶، ص۱۶۰

چھ درجے الفاظ تعدیل کے ہیں، اور ہر درجہ کے لئے ایک قاعدہ کلیہ ہے ۔

مراتب الفاظ تعدیل

(۱) الفاظِ تعدیل میں سب سے ارفع لفظ یہ ہے کہ کسی راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی جائے جس میں مبالغہ کے معنی پائے جائیں، یا افعل کے صیغہ سے اس کی تعدیل کی گئی ہو جیسے اوثق الناس اضبط النّاس، والیہ المنتھی فی التثبت، اور اسی درجہ میں لا اعرف لہ نظیرًا فی الدنیا ہے ۔

(۲) توثیق ایسی صفت کے ساتھ کی گئی ہو، جو راوی کی توثیق و عدالت پر دلالت کرے، خواہ اسی لفظ کو مکرر لایا گیا ہو، یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ ہو جیسے ثقة ثقة، ثقة مأمون، ثقة حافظ ۔

(۳) توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو، جو راوی کی عدالت کے ساتھ اس کے ضبط کو بھی ظاہر کر رہا ہو جیسے ثبت، متقن، حجة، امام ۔

(۴) ایسے لفظ سے راوی کی توثیق کی گئی ہو کہ اس میں ضبط و اتقان ظاہر نہ ہو رہا ہو، جیسے صدوق، مأمون، لا بأس بہ ۔

(۵) راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو، جو راوی کی صداقت کی طرف اشارہ کرے، مگر اس کے ضبط پر دلالت نہ کرے، یہ چوتھے مرتبہ کے قریب قریب ہے مگر اس کا درجہ اس کے بعد ہے، جیسے محلة الصدق، صالح الحدیث ۔

(۶) ایسے لفظ سے توثیق کی گئی ہو کہ راوی مجروح ہونے کے قریب پہنچ جائے جیسے پانچویں درجہ کے الفاظ کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ کر دیا گیا ہو، یا شیخ لیس ببعید من الصواب، صُوَیلحٌ صدوق اِنشاء اللہ ۔

الفاظِ جرح کے مراتب

(۱) جو لفظِ جرح مبالغہ پر دلالت کرے جیسے اکذب الناس، رکن الکذب ۔

(۲) جرح کذب یا وضع کے سبب کی گئی ہو جیسے کذّاب، وضّاع یہ الفاظ بھی مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں مگر ان کا مرتبہ پہلے درجہ کے بعد ہے ۔

(۳) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جس سے راوی کا مُتّہمْ بالکذب یا متہم بالوضع ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے متہم بالکذب ومتہم الوضع ویسرق الحدیث، اسی درجہ میں یہ الفاظ بھی ہیں، ھالك، متروك، لیس بثقة۔

(۴) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جو راوی کے ضعف شدید کو ظاہر کرے، جیسے رُدّ حدیثہٗ، طرح حدیثہ، ضعیف جدا، ولیس شئ، لایکتب حدیثہ۔

(۵) اس درجہ میں وہ تمام الفاظ داخل ہیں جو راوی کے ضعیف ہونے یا اس کے حفظ کے اضطراب پر دلالت کریں، جیسے مضطرب الحدیث، لایحتج بہ ضعّفوہ، ضعیف، لہٗ مناکیر۔

(۶) راوی پر ایسے وصف کے ساتھ جرح کی گئی ہو، جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرے، لیکن تعدیل سے بھی قریب ہو، جیسے لیس بذلك القوی، فیہ ضعف، غیرہٗ أوثق منہٗ۔

ائمۂ فن کی مخصوص اِصطلاحات کتب اسماء الرجال سے استفادہ کے لئے ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات اور ان کے درجات کا جاننا ضروری ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

"ثم اصطلاحات لاشخاص ینبغی التوقیف علیھا"[1]
یعنی بعض محدثین کی مخصوص اصطلاحات ہیں جن سے واقفیت ضروری ہے۔"

اس کی تفصیلی بحث کے لئے مولانا عبدالحئی لکھنوی کی کتاب "الرفع والتکمیل" کا مطالعہ نہایت مفید ہے، ہم یہاں چند باتوں کی طرف اجمالی اشارہ کر رہے ہیں۔

(۱) **امام یحیٰ ابن معین کی مخصوص اصطلاحات** میزان الاعتدال وغیرہ کتابوں میں بعض راویانِ حدیث کے

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص۱۰۵

بارے میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے " انہٗ لیس بشئ " اس سے کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ ابن معین نے اس راوی پر کوئی قوی جرح کردی ہے، بلکہ ابن معین کی یہ مخصوص اصطلاح ہے، اس سے مراد ان کی یہ ہوتی ہے کہ اس راوی کی حدیثیں قلیل ہیں۔[۱]

ابن ابی خیثمہ نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کہ آپ کسی راوی کے بارے میں فرماتے " فلان لیس بہ بأس " " فلان ضعیف " تو اس کا کیا مطلب ہے، تو ابن معین نے جواب دیا کہ جب میں (لیس بہ بأس) کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے اور جب (ضعیف) کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نہ اس کی حدیث لکھنے کے قابل ہے۔[۲]

ابن معین جب کسی راوی کے بارے میں " یکتب حدیثہ " فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی ضعفاء کی جماعت میں شامل ہے۔[۳]

(۲) امام بخاری کے قول فیہ نظرٌ وفلانٌ سکتوا عنہ کا مطلب

امام بخاری جب کسی راوی کے حق میں " فیہ نظرٌ " و " فلانٌ سکتوا عنہ " امام صاحب کا یہ قول ان لوگوں کے حق میں ہے جن کی حدیثوں کو لوگوں نے ترک کردیا ہے۔[۴] اسی طرح امام بخاری جب کسی راوی کے حق میں " منکر الحدیث " فرمائیں، تو ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس راوی سے روایت جائز نہیں[۵] اور جب اسی لفظ کو امام احمد وغیرہ کسی راوی کے حق میں فرمائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ راوی ناقابل استدلال ہے بلکہ اس کا اطلاق اس حدیث غریب پر کرتے ہیں جس کا کوئی متابع نہ ہو۔[۶]

(۳) روی المناکیر ومنکر الحدیث میں فرق

روی المناکیر، یروی المناکیر، وفی حدیثہ نکارۃ کے درمیان اور

۱؎ مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۴۲ ۲؎ فتح المغیث ص ۱۵۹ ۳؎ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳
۴؎ شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ص ۱۱۱ ج ۲ ۵؎ میزان الاعتدال طبع جدید ج ۱ ص ۲۱۲

منکر الحدیث کے درمیان فرق ہے، پہلے تینوں الفاظ میں سے اگر کوئی لفظ کسی راوی کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر قابلِ لحاظ جرح کردی گئی اور "منکر الحدیث" اگر کسی راوی کو کہا گیا ہے تو اس سے اس پر قابلِ لحاظ جرح شمار نہ ہوگی [1]

اسی طرح علماء متقدمین اور متاخرین کے درمیان 'ھٰذا حدیث منکر' کہنے میں فرق ہے، متقدمین اس سے راوی کا متفرد ہونا مراد لیتے تھے، اگرچہ راوی ثقہ ہو، اور متاخرین اس کا اطلاق اس روایت پر کرتے ہیں جب ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے [2]

(۴) علامہ ذہبیؒ کی اصطلاحات "میزان الاعتدال" میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں 'میں کہوں (مجہول) اور اس قول کی نسبت کسی کی طرف نہ کروں تو جان لینا چاہیے کہ وہ ابو حاتم کا قول ہے [3]

اور اگر میں کسی راوی کے حق میں "فیہ جھالۃ، او نکرۃ، یجھل لایعرف یا اسی طرح کے الفاظ استعمال کروں اور قائل کو نہ لکھوں تو یہ خود میرا اپنا قول ہوتا ہے جس طرح ثقۃٌ، صدوقٌ، صالحٌ، لیّنٌ، وغیرہ الفاظ کسی کی طرف منسوب نہ ہوں تو وہ میرا قول ہے، اور میرا ہی اجتہاد ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میزان میں تمام غیر معروف رواۃ کا استیعاب نہیں کیا ہے بلکہ اس طرح کے بہت سے حضرات کا ذکر کیا ہے لیکن ابو حاتم جن رواۃ کے حق میں مجہول کہتے ہیں' ان کا استیعاب ہے [4]

(۵) ابو حاتم کے مجہول کہنے کا مطلب ابو حاتم کے کسی راوی کو مجہول کہنے اور دیگر محدثین کے مجہول کہنے میں فرق ہے [5]، اس

---

[1] فتح المغیث ص ۱۴۳ [2] میزان ج ۱ ص ۵ [3] میزان ج ۱ ص ۹۰

[4] مقدمہ فتح الباری ص ۱۴۴ ج ۲ ۔ [5] ابو حاتم مجہول سے مجہول الحال ہونا مراد لیتے ہیں اور دیگر محدثین اس سے مجہول العین ہونا مراد لیتے ہیں ۔

لئے ابو حاتم اگر کسی راوی کو مجہول کہیں تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے جب تک کہ دوسرے ائمۂ نقد نے ان سے اتفاق نہ کیا ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ "حکم بن عبد اللہ بصری" کو ابو حاتم نے مجہول کہا، حالانکہ وہ مجہول نہیں ہیں، ان سے چار ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور امام ذہلی نے ثقہ قرار دیا[1]

(۶) امام احمد بن حنبلؒ کی اصطلاح

حافظ ذہبی "یونس بن ابو اسحٰق عمرو السبیعی" کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے یونس بن اسحاق کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "کذا و کذا" حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ استقراء کے بعد معلوم ہوا کہ اس طرح کے الفاظ میں راوی کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے[2]

(۷) ابن القطانؒ کی اصطلاح

ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الملک فاسی م ۶۲۸ھ "ابن القطان" سے مشہور ہیں، ان کا قول "میزان الاعتدال" میں بعض رواۃ کے حق میں نقل کیا گیا ہے، ما لم یعرف له حال لم تثبت عدالته یہ ابن قطان کی خاص اصطلاح ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس راوی کے کسی معاصر امام یا شاگرد سے اس کی کوئی توثیق منقول نہیں، اگرچہ وہ راوی فی نفسہٖ ثقہ ہو[3]

(۸) یحییٰ بن سعید قطان کے ترکہ کہنے کا مطلب

یحییٰ بن سعید قطان کا قول اگر "تہذیب التہذیب" یا "میزان" میں کسی راوی کے بارے میں "ترکہ یحییٰ" اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ راوی نا قابل استدلال ہو گیا، امام ترمذیؒ نے "کتاب العلل" میں صراحت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی متہم بالکذب نہیں، صرف اس کے حافظہ کے کمزوری کے سبب اس راوی سے روایت ترک کر دی ہے[4]

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۱۲۳ ج ۲ [2] میزان ج ۳ ص ۳۳۹ [3] میزان ج ۱ ص ۱۹۰

[4] کتاب العلل للترمذی

(۹) محدثین کے کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہنے کا مطلب

محدثین کرام جب کسی حدیث کے بارے میں ھذا حدیث صحیح الاسناد، یا حسن الاسناد، فرماتے ہیں، یہ ان کے حدیث صحیح یا حسن کہنے سے فروتر ہے، کیونکہ کبھی کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہا جاتا ہے، حالانکہ وہ حدیث اپنے شاذ یا معلل ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوتی[۱] مگر جب کسی معتمد مصنف نے "صحیح الاسناد" کہا ہے اور اس کی کوئی علت قادحہ نہیں بیان کی اور نہ ہی کوئی جرح کی، تو بظاہر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ حدیث فی نفسہ صحیح ہے کیونکہ علت و جرح کا نہ ہونا ہی اصل ہے۔ بظاہر اس مصنف نے تلاش و تفتیش کے بعد ہی فیصلہ کیا ہوگا۔

(۱۰) کسی حدیث کے صحیح یا حسن یا ضعیف کہنے کا مطلب

جب محدثین کرام کسی حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کا فیصلہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر اسناد کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے، نفس الامر میں قطعی طور پر صحت کا فیصلہ نہیں ہے، اس لئے ثقہ راوی سے بھی خطا و نسیان کا امکان ہے، اسی طرح "حدیث ضعیف" کا مطلب بھی یہی ہے کہ حدیث میں صحت کے شرائط نہیں پائے گئے، نہ یہ کہ نفس الامر میں وہ حدیث باطل ہے، اس لئے کہ جھوٹے راوی سے بھی صدق کا اور کثیر الخطاء سے صواب کا بھی امکان ہے۔

(۱۱) محدثین کرامؒ کے لایصح ولایثبت فرمانے کا مطلب

جب کسی حدیث کے بارے میں "لایصح" یا "لایثبت" کہا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ حدیث موضوع ہے یا ضعیف ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ عدم ثبوت سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا[۲] حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "حدیث کو "لایصح" کہنے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا[۳]

---

[۱] مقدمہ ابن صلاح ص۴۳ [۲] تذکرۃ الموضوعات للقاری ص۸۲ [۳] شرح الفیہ للعراقی ج ۱ ص۱۵

ممکن ہے وہ حدیث حسن یا حسن لغیرہ ہو۔[1]

ان اصطلاحات کا علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کے طالب علم کے لئے جاننا ضروری ہے ، ورنہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ میں بہت سی غلطیوں کا امکان ہے، تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کا رسالہ "الرفع والتکمیل" مع تعلیق عبدالفتاح ابوغدہ ۔

حدیث کی تصحیح و تضعیف کا مقام

جرح و تعدیل کے جو قاعدے ضابطے اوپر بیان کئے گئے کتب اسماء الرجال سے استفادہ کے لئے ان کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔

ان اصولوں کی روشنی میں محدثین کرام نے جس روایت کو صحیح یا حسن ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے، اس کی علت و سبب کو معلوم کیا جا سکتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان اصولوں کو سامنے رکھ کر تمام ذخیرۂ احادیث پر ہر شخص رائے زنی کرنے لگے ، کیونکہ مجرد اسناد کو دیکھ کر اس دور میں حدیث کی تصحیح و تحسین دشوار ہے ۔ شیخ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ نے تو علماء متاخرین کو انکی ضعف نظر کی بنا پر اس کی اجازت نہیں دی ہے ، فرماتے ہیں :۔

فقد تعذر فی هذه الاعصار	صرف اسانید کے اعتبار پر اس زمانے
الاستقلال بادراك الصحيح	میں مستقل طور سے حدیث صحیح کا
بمجرد الاسانيد (الی) قال	ادراک دشوار ہے ، اس لئے بالآخر
الامر فی معرفة الصحيح و	حدیث کے صحیح و حسن کی معرفت میں
الحسن الی الاعتماد علی ما	ائمہ متقدمین کے فیصلہ پر اعتماد کرنا
نص عليه ائمة الحديث[3]	پڑے گا ۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں کہ اس کا دروازہ شیخ ابن صلاح اس لئے بند کرنا چاہتے

---

[1] القول المسدد ص ۳۹ [2] نتائج الافکار ص ۲۳ [3] مقدمہ ابن صلاح طبع قدیم ص ۹

ہیں کہ متاخرین میں ایسے لوگ جری نہ ہوجائیں جو ایسے نازک مباحث پر کلام کرنے کی اہلیت اور کتب حدیث کی سند وعلل اور اس کے مطالب کے کشف و ایضاح کی صلاحیت نہیں رکھتے، اور وہ وظائف و ذمہ داریاں نہیں ادا کر سکتے جو انکے مطالعہ و ممارست کا حق ہے[1]

لیکن علامہ نووی نے شیخ ابن صلاح سے اختلاف کرتے ہوئے تصحیح کی اجازت دی ہے، وہ فرماتے ہیں الاظهر عندی جوازه لمن تمکن و قویت معرفته[2] میرے نزدیک ایک ایسے محدث کے لئے جو فن پر قادر ہو اور معرفت کی اس میں پوری صلاحیت ہو، تو اس کے لئے تصحیح کی اجازت ہے علامہ عراقی نے لکھا ہے کہ اسی پر محدثین کا عمل ہے[3]

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کام نہایت دشوار و نازک ہے، امام علائی (۷۶۱ھ) علامہ ابن جوزی کی کتاب "الموضوعات" پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ موصوف نے اپنی کتاب الوضوعات میں نہایت تشدد سے کام لیا ہے ...... علمائے متاخرین کے لئے کسی حدیث پر فیصلہ نہایت دشوار ہے، اس میں کلام کی گنجائش ہے، برخلاف ائمہ متقدمین کے جن کو حق تعالیٰ نے علم حدیث میں تبحر اور حفظ کی وسعت عطا فرمائی تھی، جیسے شعبہ و قطان اور ان کے صاحبزادے وغیرہ اور ان کے تلامذہ جیسے امام احمد و ابن المدینی وابن راہویہ، اور ایک جماعت پھر ان کے تلامذہ امام بخاری و مسلم وابوداؤد و ترمذی ونسائی اور یہ سلسلہ دارقطنی و بیہقی کے دور تک رہا۔ لم یجئ بعدهم مساو ولا مقارب، ان کے برابر کا، یا ان کے ہم پلہ اور کوئی نہیں ہوا ....

فمتیٰ وجدنا فی کلام احد	پس جب ہم متقدمین میں سے کسی کے
من المتقدمین الحکم به کان	کلام میں کسی حدیث پر فیصلہ پائیں گے

---

[1] فتح المغیث ص۱۷ [2] تدریب الراوی ص۴۹ [3] شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ج۱ ص۶۶

متعمدًا لما اعطاهم الله الحفظ العزيز و ان اختلف النقل عنهم عدل الى الترجيح[۱]	تو وہ قابل اعتماد ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت زیادہ حفظ کی دولت عطا فرمائی تھی اور اگر ان میں اختلاف ہوگا تو ترجیح کا راستہ اختیار کیا جائیگا۔

اگرچہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اس میں نظر قائم کی ہے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک حدیث کی کسی متقدم محدث نے تضعیف کی ہے، مگر دلائل و شواہد کی بنا پر علماء متاخرین نے اس کی تصحیح کی ہے، یا اس کے برعکس معاملہ ہے لیکن جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ جرح و تعدیل کا منصب ہر عالم کو بھی نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح حدیث کی تصحیح و تضعیف کے فیصلہ کا حق بھی ہر شخص کو نہیں دیا جاسکتا۔

جن کتابوں میں صحیح و حسن وضعیف ہر طرح کی روایات ہیں، ان سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:۔

بالجملة فالسبيل واحد لمن اراد الاحتجاج بحديث السنن لاسيما سنن ابن ماجة و مصنف ابى بكر بن شيبة و عبدالرزاق مما الامر فيه اشد او بحديث من المسانيد لان هذه كلها لم يشترط جامعوها الصحة والحسن الخ	خلاصہ یہ کہ اس شخص کے لئے ایک ہی راستہ ہے جو کتب سنن بالخصوص سنن ابن ماجہ اور مصنف ابی بکر و مصنف عبدالرزاق (جس کا معاملہ زیادہ دشوار ہے) یا مسانید کی کسی حدیث سے استدلال کرنا چاہے کیونکہ ان کتابوں کے مصنفین نے صحت و حسن کا التزام نہیں رکھا ہے۔

وہ راستہ یہ ہے۔ اگر نقل و تصحیح حدیث کی اہلیت ہے تو ان دونوں (صحیح

---

[۱] ظفر الامانی ص۲۷ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۸۷

وحسن) میں سے کسی سے استدلال جائز نہیں جب تک اس کی پوری واقفیت نہ ہو، اور اگر اپنے اندر اہلیت نہیں ہے تو اس میں کسی اہل کی پیروی کرنی چاہیے، ورنہ رات میں لکڑی چننے والے کی طرح ان سے استدلال پر اقدام نہ کرے، کیونکہ غیر شعوری طور پر ہو سکتا ہے کہ حدیث باطل سے استدلال کرنے لگے [۱]

بہر حال حدیث کی تنقید و تحقیق صرف ماہرین فن ہی کا حق ہے، موجودہ دور میں آزاد خیالی اور معمولی عربی جاننے والوں کے لئے کسی طرح حدیث پر رائے زنی جائز نہیں قرار دی جا سکتی۔

مولانا عبد الحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:۔

ولا تبادر بتقليد من لا	جو لوگ حدیث کو نہیں سمجھتے اور اس
يفهم الحديث ولا اصوله	کے اصول و فروع سے ناواقف ہیں
ولا يعرف فروعه الى	ان کی تقلید جلدی سے نہ کرنے لگو،
تضعيف الحديث وتوهينه	کہ صرف مبہم اقوال اور غیر مفسر جروح
بمجرد الاقوال المبهمة	سے حدیث کو ضعیف و کمزور قرار
والجروح غير المفسرة [۲]	دے دیا۔

---

[۱] الرفع والتکمیل ص ۲۸ [۲] الرفع والتکمیل ص ۳۸

فنِ اسماء الرّجال میں

ائمہ کی اہم و مشہور کتابیں

اس آخری باب میں ہم اجمالی طور پر ائمہ فن کی مشہور اور اہم کتابوں کا تعارف کر رہے ہیں، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علماء امت نے علمِ حدیث کی حفاظت وصیانت کے لئے کس قدر مشقتیں برداشت کی ہیں، نیز ہر کتاب کے تعارف کے ساتھ اس کی نشان دہی بھی کی گئی ہے کہ ان میں کون سی کتابیں مخطوط ہیں اور کون سی چھپ کر شائع ہوگئی ہیں جس کی خاص طور سے اہلِ علم کو ضرورت رہتی ہے، اور اسی طرح بعض ان کتابوں کا بھی ذکر آگیا ہے جو اگرچہ آج نایاب ہیں، مگر اپنے موضوع پر اہم قرار دی گئی ہیں، اس سلسلے میں "الرسالۃ المستطرفۃ" ابوجعفر کتانی اور علامہ زرکلی کی "الاعلام" اور استاذ عمر رضا عجالہ کی "معجم المؤلفین" خصوصیت سے میرے پیشِ نظر رہی ہے۔

① حالاتِ صحابہ پر اہم و مشہور کتابیں

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی، مگر

عام طور سے کتابوں میں صرف انھیں حضرات کے تراجم ملتے ہیں جنہوں نے نقلِ حدیث اور روایت کی خدمت انجام دی ہے یا کسی حدیث میں ذکر آگیا ہے۔

(۱) مَعرفة من نزل من الصحابة سائر البلدان :

از امام ابوالحسن علی بن عبداللہ المدینی (المولود ۱۶۱ھ وفات ۲۳۴ھ)[۱]

(۲) کتاب المعرفة :

از ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ مروزی (المولود ۲۲۰ھ وفات ۲۹۳ھ) یہ کتاب ۱۵۵ اجزا میں حالات صحابہؓ کے تعارف میں تھی[۲]۔

(۳) کتاب الصحابةؓ :

از امام محمد بن حبان ابوحاتم بستی (المولود ۲۷۰ھ وفات ۳۵۴ھ)[۳]

(۴) الاستیعابُ :

از ابویوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری قرطبی مالکی (المولود ۳۶۸ھ وفات ۴۶۳ھ) مصنف نے یہ نام اس خیال سے رکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں ان تمام صحابہ کا استیعاب کر لیا ہے جن کا ذکر کہیں آیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات کے تراجم مصنف سے چھوٹ گئے ہیں، اس کتاب میں صرف (۳۵۰۰) صحابۂ کرام کے تراجم ہیں۔ ہندوستان میں دو جلدوں میں اور مصر سے چار جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

"الاستیعاب" پر بہت سے علماء نے ذیل میں لکھا ہے بالخصوص ابن فتحون اندلسی

---

[۱] الرسالۃ المستطرفۃ ص۹۵ [۲] الرسالۃ المستطرفۃ ص۹۵ و معجم المصنفین ج۱ ص۱۳۵ [۳] الاعلام ص۳۰۶

المتوفی ۵۱۷ھ اور ابوالحجاج یوسف بن محمد بن معلد المتوفی ۵۵۵ھ کے ذیل مشہور ہیں۔

(۵) اسد الغابة فی معرفة الصحابة:

از مؤرخ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد (ابن الاثیر) (المولود ۵۵۵ھ وفات ۶۳۰ھ) (۷۵۵۴) صحابۂ کرامؓ کے تراجم پر یہ کتاب مشتمل ہے، اس کتاب میں مصنف سے تسامح بھی ہوا ہے، مصر سے ۱۲۸۶ھ میں طبع ہو چکی ہے، اس کا اردو میں حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے ترجمہ بھی کیا ہے۔

(۶) تجرید اسماء الصحابة:

از حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی (المولود ۶۷۳ھ وفات ۷۴۸ھ) ہندوستان میں ۱۳۱۰ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۷) الاصابة فی تمییز الصحابة:

از حافظ شہاب الدین احمد بن علی عسقلانی (ابن حجر) (المولود ۷۷۳ھ وفات ۸۵۲ھ) یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت مشہور اور جامع قرار دی گئی ہے، ابتدا کی چھ جلدوں میں اسماء صحابہ ہیں جن کی تعداد (۹۴۷۷) ہے اور ساتویں جلد کنیٰ پر مشتمل ہے، اس میں (۱۲۵۷) کنیتیں ہیں، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور آٹھویں جلد صحابیات کے تراجم پر مشتمل ہے جن کی تعداد (۱۵۴۵) ہے حیدرآباد دائرۃ المعارف سے بھی چھپ چکی ہے، اور مصر سے بھی طبع ہو چکی ہے۔

(۸) الریاض المستطابة فی جملة من روی فی الصحیحین من الصحابة:

از شیخ یحییٰ بن ابوبکر عامر یمنی (المولود ۸۱۶ھ وفات ۸۹۳ھ) اس میں ان صحابۂ کرامؓ کا تذکرہ ہے جن سے صحیحین میں روایت ہے، مصنف نے حروف تہجی کے لحاظ

سے اس کو مرتب کیا ہے، یہ نہایت مفید رسالہ ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں ہندوستان میں چھپ چکا ہے۔

(۹) دُرّ السحابة من دخل مصر من الصحابة :

از حافظ جلال الدین سیوطی (و ۸۴۹ھ م ۹۱۱ھ) یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جو "حسن المحاضرہ" کے ساتھ مصر سے چھپ چکا ہے اور اب علیحدہ سے بھی طبع ہو گیا ہے

(۱۰) البدر المنیر فی صحابة البشیر النذیر :

از شیخ محمد قائم بن صالح سندی حنفی قادری، ان کا سن وفات متعین طور سے معلوم نہ ہوسکا، البتہ ۱۱۴۵ھ سے قبل مصنف باحیات تھے، انہوں نے اپنی کتاب میں ان صحابۂ کرام کا ذکر کیا ہے جن کی صحابیت کسی روایت یا اور کسی ذریعہ سے معلوم ہوسکی ہے، اس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے کتب خانہ "دار الکتب المصریۃ" میں موجود ہے۔

② تاریخ رجال کی اہم کتابیں

(۱) تاریخ الرواۃ :

از امام یحییٰ بن معین (المولود ۱۵۸ھ المتوفی ۲۳۳ھ) مصنف نے اس کو حروف معجم پر مرتب کیا تھا[۱] معجم المصنفین کے مصنف نے ان کی دو اور کتابوں "معرفۃ الرجال" اور "التاریخ والعلل" کا بھی ذکر کیا ہے[۲]۔ جو جامعہ ام القریٰ سے احمد نور سیف کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔

---

[۱] الرسالۃ المستطرفۃ ص ۹۶ [۲] معجم المصنفین ج ۱۳ ص ۲۳۲

(۲) التاریخ :

از امام احمد بن محمد حنبل (المولود ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ)[۱]

(۳) التاریخ الکبیر :

از امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (المولود ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ) یہ نہایت جامع کتاب ہے، اس کو مصنف نے حروف معجم کی ترتیب پر مرتب کیا ہے اور عہد صحابہ سے اپنے دور تک تقریباً چالیس[۲] ہزار رجالِ حدیث کے حالات قلمبند کئے ہیں، ان میں مرد، عورت، ضعیف و ثقہ سب شامل ہیں۔

امام موصوف نے اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کی چاندنی راتوں میں اس عظیم الشان کتاب کو تصنیف فرمایا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ اس میں بھی امام صاحب کو (بہ لحاظ جامعیت) شرف اولیت حاصل ہے، ان کے بعد جن لوگوں نے تاریخ رجال، اسماء، وکُنٰی پر کتابیں لکھی ہیں، سب ان کے خوشہ چین ہی ہیں[۳] حرف اول کے بعد کتاب میں ترتیب قائم نہ رہ سکی، نیز جرح و تعدیل سے بہت کم تعرض کیا ہے، البتہ جب صحابی کا نام آیا ہے تو اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

آٹھ ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدر آباد سے طبع ہو چکی ہے، نیز مصنف کی التاریخ الوسط و التاریخ الصغیر بھی ہے، التاریخ الصغیر ہندوستان میں ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔

(۴) الهدایة والارشاد فی معرفة اهل الثقة والسداد :

از ابو نصر احمد بن محمد بن حسین کلاباذی (المولود ۳۰۶ھ وفات ۳۹۸ھ) اس میں

---

[۱] الاعلام ج ۱ ص ۱۹۲ [۲] رسالۃ المستطرفۃ ص ۱۳۹

مصنف نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن سے امام بخاری نے "اپنی صحیح" میں روایات کی تخریج کی ہے، اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

(۵) تاریخ نیشابور

از محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری کی کتاب ہے جو ابن البیع سے مشہور ہیں' ان کی ولادت ۳۲۱ھ اور وفات ۴۰۵ھ میں ہوئی، علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں "میرے نزدیک یہ نہایت مفید کتاب ہے' جو شخص اس کتاب پر نظر ڈالے گا' وہ مصنف کے مختلف فنون پر عبور کی شہادت دے گا"[۱]

(۶) تارِیخ بَغدادُ

یہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بغدادی شافعی (و ۳۹۲ھ م ۴۶۳ھ) کی جلیل القدر اور نہایت مفید و مشہور کتاب ہے، اس میں مصنف نے بغداد کی شخصیات اور وہاں آنے والوں کا تذکرہ اور مختلف فوائد لکھے ہیں، اسکو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، اس میں ثقات' ضعفاء و متروکین کا ذکر ہے، یہ کتاب (۷۸۳۱) حضرات کے تذکروں پر مشتمل ہے، قاہرہ سے ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۱ء) میں چودہ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

(۷) الجمع بین رجال الصحیحین

یہ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی جو قیسرانی شیبانی سے مشہور ہیں (المولود ۴۴۸ھ المتوفی ۵۰۷ھ) مصنف نے اس کتاب میں ابو نصر کلاباذی اور ابوبکر احمد بن علی اصبہانی کی کتابوں سے صحیحین کے رجال کو جمع کر دیا ہے، دو جلدوں میں ہندوستان

---

[۱] الرسالۃ المستطرفۃ ص۹۹

میں ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۸) المغنی فی اسماء رجال الحدیث :

شیخ محمد طاہر پٹنی۔ یہ تقریب التہذیب کے حاشیہ پر ۱۳۲۰ھ میں حیدر آباد میں چھپ چکی ہے۔

(۹) تاریخ دمشق:

از حافظ ابو القاسم علی بن حسین (ابن عساکر) دمشقی (و ۴۹۹ھ م ۵۷۱ھ) یہ نہایت عظیم الشان اور جامع کتاب تھی، اسّی سے زائد جلدوں میں تھی، اس کی ۳۷ جلدیں قاہرہ کے مشہور کتب خانہ" دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے، شیخ عبد القادر بدران نے اس کی اسانید و مکررات کو حذف کر کے اختصار کیا ہے اور اپنی اس مختصر کا نام "تہذیب تاریخ ابن عساکر" رکھا ہے، اس کی سات جلدیں دمشق سے ۱۳۲۹ھ میں شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ دمشق کا اکثر حصہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰) کتاب الکمال فی اسماء الرجال:

از ابو القاسم عبد الکریم بن محمد رافعی قزوینی (المولود ۵۵۷ھ وفات ۶۲۳ھ) یہ قزوین کی خصوصیات اور وہاں کے اخبار و آثار اور جو صحابۂ کرام و تابعین وہاں وارد ہوئے، ان کے حالات اور وہاں کے ممتاز اہل علم و درس کے تذکروں پر مشتمل ہے مصنف نے حرف معجم کی ترتیب پر اس کو مرتب کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ چار جلدوں میں" دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

(۱۱) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال،

از حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن عبد الرحمٰن مزی دمشقی (المولود ۶۵۴ھ

وفات ۷۴۲ھ) یہ کتاب درحقیقت حافظ عبد الغنی مقدسی کی "الکمال فی اسماء الرجال" جو صحیحین اور سنن اربعہ کے رجال پر مشتمل ہے، اس کی تہذیب ہے، علامہ مزی نے اپنی تہذیب میں راویانِ علم و حاملانِ آثار اور ہر جماعت کے اکثر اہل علم کا تذکرہ حروف معجم پر مرتب کیا ہے، پھر اخیر میں عورتوں کا تذکرہ لکھا ہے۔ مصنف کو اس کتاب کی تالیف میں ۷۰۵ھ سے ۷۱۲ھ تک کا عرصہ لگ گیا۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے، اس کا قلمی نسخہ" دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے، اور اب طبع ہو چکی ہے۔

حافظ علاء الدین مغلطائی (المولود ۶۹۰ھ وفات ۷۶۲ھ) نے حافظ مزی کی تہذیب الکمال کا ۱۳ جلدوں میں استدراک لکھا ہے، اور ان کی کتاب کا نام "اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" ہے۔[۱]

(۱۲) تذہیب تہذیب الکمال:

از حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (المولود ۶۷۳ھ وفات ۷۴۸ھ) اس میں مصنف نے علامہ مزی کی "تہذیب الکمال" کا اختصار کیا، پھر اس اختصار کا بھی اختصار کیا ہے، اور اس کا نام ہے "الکاشف عن رجال الکتب الستۃ"۔ اس میں صرف ان رواۃ کا تذکرہ ہے جن کی روایات کی تخریج صحاح ستہ میں کی گئی ہے، اور ان کی وفیات کا تذکرہ ہے، جن کتابوں میں ان کی روایت ہے ان کے رموز بھی بتادیتے ہیں۔ حروف تہجی پر مصنف نے اس کو مرتب کیا ہے، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے کتب خانہ میں" الکاشف" کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

(۱۳) تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والاعلام:

از علامہ ذہبی، مصنف نے اس کتاب میں حوادث و وفیات دونوں کو ذکر کیا

---

[۱] معجم المؤلفین ج ۱۲ ص ۳۱۳

ہے، اور سنین کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، اس کی ابتدا پہلی صدی ہجری سے ہوئی ہے اور انتہا (۷۰۰ھ) پر ہے، مصنف نے اس کو ستر طبقات پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کے لئے دس سال رکھے ہیں، البتہ ہر طبقہ کے اسماء کو حروف تہجی کے لحاظ سے اور حوادث کو سنین کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، یہ کتاب ۳۵ جلدوں میں تھی۔ اس کی ۲۴ جلدیں "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہیں، صرف ۵ جلدیں مصر سے ۱۳۶۷ھ میں طبع ہو سکی ہے۔

علامہ موصوف نے اپنی تاریخ کے کئی اختصار خود کئے ہیں جس میں "سیر اعلام النبلاء" جو چار جلدوں میں ہے، اس کی تین جلدیں مصر سے طبع ہو چکی ہیں۔

(۱۴) التذکرۃ برجال العشرۃ :

از محمد بن علی بن حمزہ حسینی دمشقی (المولود ۷۱۵ھ المتوفی ۷۶۵ھ) مصنف نے اپنے شیخ علامہ مزی کی کتاب "تہذیب الکمال" میں چار کتابوں کے رجال کا مزید اضافہ کیا ہے، وہ کتابیں یہ ہیں، موطا، مسند شافعیؒ، مسند احمد، مسند ابی حنیفہ للحسین بن محمد بن خسرو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے سامنے یہ کتاب موجود تھی، اس کا ذکر تعجیل المنفعۃ کے مقدمہ میں کیا ہے۔

(۱۵) تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ :

از حافظ ابن حجر عسقلانی، حیدر آباد سے ۱۳۲۴ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۱۶) تہذیب التہذیب :

از حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (المولود ۷۷۳ھ وفات ۸۵۲ھ) اس میں مصنف نے علامہ مزی کی "تہذیب الکمال" کی تلخیص کی ہے، اور بہت سے فوائد کا اضافہ کیا ہے، حیدر آباد دکن سے دو مرتبہ ۱۲ جلدوں میں شائع ہو چکی

ہے، مگر آج کل نایاب ہو رہی ہے لیکن اہل علم میں بہت زیادہ متداول بھی ہے۔ تہذیب الکمال میں بڑے بڑے ان فقہاء و محدثین کا تذکرہ ہے جو امام اعظم ابوحنیفہؒ یا ان کے اصحاب میں سے کسی کے شاگرد ہیں، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے ذکر کو حذف کر دیا ہے، اسی وجہ سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ "رجال حنفیہ کو جس قدر نقصان حافظ نے پہنچایا اور کسی نے نہیں۔

(۱۷) تقریبُ التہذیبُ:

یہ بھی حافظ ابن حجر کی کتاب ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" سے اختصار کیا ہے، ہندوستان میں ۱۲۹۰ھ میں دو جلدوں میں چھپ چکی ہے، اس کے حاشیہ پر شیخ محمد طاہر پٹنی کی "المغنی فی اسماء رجال الحدیث" بھی ہے اب تو متعدد بار قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔

(۱۸) اسعاف المبطأ برجال المؤطا:

حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب ہے، ہندوستان و مصر دونوں جگہوں سے چھپ چکی ہے۔

③ کتب طبقات

یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے رجال کے مختلف طبقات قائم کئے ہیں اور ان کے حالات طبقۃً بعد طبقۃٍ اپنے عہد تک بیان کیا ہے، اس طرز پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے مشہور و اہم حسب ذیل ہیں:۔

(۱) الطبقات الکبریٰ:

از مؤرخ محمد بن سعد بن منیع کاتب واقدی (المولود ۱۶۸ھ والمتوفی ۲۳۰ھ) ابن سعد نے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی، اس کے بعد صحابۂ کرام کے تراجم طبقات کے لحاظ سے لکھے، پھر تابعین اور ان کے بعد کے علماء کے حالات اپنے عہد تک لکھے ہیں، یہ اپنے موضوع پر نہایت عمدہ و بہترین کتاب ہے۔ تاریخ و رجال کے اہم و مستند ترین مصادر میں اس کا شمار ہے۔ اس کی آخری جلد عورتوں کیلئے مخصوص ہے، سب سے پہلے لندن میں ۱۳ جلدوں میں طبع ہوئی، اب مصر و بیروت سے بھی آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے، آخری جلد میں مصنف نے تراجم کی مفصل فہرست بھی لکھ دی ہے جس سے مراجعت میں سہولت رہتی ہے۔

(۲) طبقات الرواۃ:

از حافظ ابو عمرو خلیفہ بن خیاط شیبانی عصفری (م ۲۴۰ھ) جو امام بخاری کے شیوخ میں ہیں۔ یہ کتاب آٹھ اجزاء پر مشتمل ہے، اس کا قلمی نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق اور دار الکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

(۳) طبقاتُ التابعینْ:

امام مسلم بن حجاج قشیری (المولود ۲۰۲ھ المتوفی ۲۶۱ھ)

(۴) کتابُ التابعینْ:

از حافظ محمد بن حبان بستی (المولود ۲۷۰ھ المتوفی ۳۵۴ھ) مصنف کی اتباع التابعین اور "تباع التابعین" یہ دونوں کتابیں بھی پندرہ ۱۵ اجزاء میں تھیں [1]

(۵) طبقات المحدثین والرواۃ:

---

[1] الاعلام، ج ۶ ص ۳۰۶

از حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصبہانی (المولود ۳۳۶ھ المتوفی ۴۳۰ھ) [1]

(۶) طبقات الحفاظ یا تذکرۃ الحفاظ :

از حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے اور دائرۃ المعارف حیدر آباد سے مکرر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے، یہ صحابہ سے لے کر مؤلف کے دَور تک کے حفاظِ حدیث کے تذکرہ پر مشتمل ہے، گیارہ طبقات قائم کئے ہیں۔

دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ حاملان علم نبوی کی عدالت بیان کرنے والوں کا تذکرہ ہے جن کے اجتہاد پر توثیق و تضعیف اور تصحیح و تزئیف (کھوٹ بیان کرنا) میں رجوع کیا جاتا ہے"۔ حافظ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا ترجمہ نہیں لکھا کہ جو علم حدیث میں حافظ شمار نہ کیا جاتا ہو، چنانچہ ابن قتیبہ کے متعلق جو لغت و عربیت کے مشہور امام ہیں اور علم حدیث میں بھی ان کی بعض تصنیفات موجود ہیں، یہ لکھتے ہیں :۔

ابن قتیبۃ من اوعیۃ العلم	ابن قتیبہ علم کا مخزن ہیں، لیکن حدیث
لکنہ قلیل العمل بالحدیث	میں ان کا کام تھوڑا ہے۔ اس لئے میں
فلم اذکرہ ۔	نے ان کا ذکر نہیں کیا ۔

اور خارجہ بن زید اگرچہ فقہاء سبعہ میں شمار کئے جاتے ہیں لیکن ان کے متعلق بھی صاف تصریح کر دی ہے کہ چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے، اس لئے میں نے ان کو حفاظِ حدیث میں شمار نہیں کیا، اسی طرح ان لوگوں کا تذکرہ بھی اس کتاب میں نہیں لکھا کہ جو اگرچہ حدیث کے حافظ تھے مگر محدثین کے نزدیک متروک الروایۃ خیال کئے جاتے تھے، چنانچہ ہشام بن کلبی اور واقدی وغیرہ کے حافظ حدیث ہونے کے باوجود متروک الرواۃ ہونے کی وجہ سے ان کو حفاظ حدیث میں نہیں شمار کیا ہے۔

---

[1] الاعلام ج ۱ صفحہ ۱۵۱

(٧) ذیل تذکرۃ الحفاظ :

از ابوالمحاسن حسینی دمشقی المتوفی ٧٦٥ھ، یہ حافظ ذہبی کی مذکورہ بالا کتاب کا ذیل ہے اور اس میں اُن حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے جن کا ذکر حافظ ذہبی سے رہ گیا ہے، یہ کتاب دمشق سے طبع ہو چکی ہے۔

(٨) لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ :

از حافظ تقی الدین بن فہد المتوفی ٨٧١ھ، یہ کتاب بھی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے دمشق سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(٩) طبقات الحفاظ :

از حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ٩١١ھ، یہ حافظ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص ہے، لیکن کہیں کہیں تراجم میں مفید اضافے کئے گئے ہیں، عرصہ ہوا یورپ سے طبع ہو چکی ہے۔

(١٠) ذیل طبقات الحفاظ :

از حافظ سیوطی، یہ بھی حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے۔ اس میں حافظ ذہبی کے معاصرین سے لے کر اپنے دَور تک کے حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے، دمشق سے یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے۔

نوٹ :۔ حسینی، ابن فہد، اور سیوطی ان تینوں کے ذیول "مجموعہ تذکرۃ الحفاظ" کے نام سے محدث کوثری کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ دمشق کے مطبع التوفیق سے ١٣٤٧ھ میں ایک ضخیم جلد کے اندر شائع ہوئے ہیں۔

④ اسماء وکنیٰ والقاب پر اہم تصنیفات

محدثین کرام نے جس طرح راویانِ حدیث کے تراجم واحوال پر کتابیں تصنیف کیں، اسی طرح ان حضرات نے اس ضرورت کے پیش نظر کہ باہم ان کے ناموں میں اشتباہ و التباس نہ پیدا ہو سکے، اسماء وکنیٰ والقاب پر بکثرت کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند کتابوں کا اجمالی تعارف ہم یہاں کر رہے ہیں۔

(۱) الاسامی والکنیٰ :-

از علی بن عبداللہ بن جعفر مدینی (المولود ۱۶۱ھ والمتوفی ۲۳۴ھ) یہ آٹھ اجزاء پر مشتمل تھی۔[1]

(۲) الاسماء والکنیٰ :-

از امام احمد بن حنبلؒ (و ۱۶۴ھ م ۲۴۱ھ)

(۳) الکنیٰ :-

اس نام کی بہت سے ائمہ امام بخاری و امام نسائی وعبدالرحمن بن ابی حاتم وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

(۴) کتاب الکنیٰ والاسماء :-

از امام مسلم بن حجاج (المولود ۲۰۴ھ والمتوفی ۲۶۱ھ)

(۵) الکنیٰ والاسماء :-

از ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعد انصاری دولابی (المولود ۲۲۴ھ المتوفی ۳۲۰ھ) یہ بڑی جامع کتاب ہے، ہندوستان میں دو جلدوں میں ۱۳۲۲ھ و ۱۳۲۳ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۶) الاسماء والکنیٰ:۔

از حاکم کبیر ابو احمد محمد بن احمد نیشاپوری (المولود ۲۸۵ھ والمتوفی ۳۷۸ھ) یہ کتاب ۱۴ جلدوں میں تھی۔

(۷) فتح الباب فی الکنیٰ والالقاب:۔

از ابو عبداللہ محمد بن اسحاق ابن مندہ اصبہانی (المولود ۳۱۵ھ والمتوفی ۳۹۵ھ) یہ البانیہ سے مستشرق دی ودنج کی تعلیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

(۸) المؤتلف والمختلف فی اسماء نقلۃ الحدیث:

(۹) المشتبہ فی النسبۃ:

یہ دونوں کتابیں امام ابو محمد عبدالغنی بن سعید اسدی مصری (المولود ۳۳۲ھ و المتوفی ۴۰۹ھ) کی تصنیف ہیں اور دونوں ایک جلد میں ہندوستان میں ۱۳۲۶ھ میں طبع ہو چکی ہیں۔

(۱۰) الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنیٰ والانساب

از حافظ امیر ابو نصیر علی بن ہبۃ اللہ بن جعفر (ابن ماکولا) بغدادی (و ۴۲۱ھ م ۴۸۶ھ) یہ نہایت قیمتی کتاب ہے، مصنف نے عبدالغنی ازدی کی دونوں کتابوں اور خطیب

بغدادی کی کتب کو پیش نظر رکھا ہے، مؤرخ ابن خلکان نے اس کو بے نظیر کتاب قرار دیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ حیدر آباد سے طبع ہو رہی ہے، اب تک ۵ جلدیں چھپ چکی ہیں۔

(۱۱) المستدرك على الاكمال لابن ماكولا :

از حافظ محمد بن عبد الغنی بغدادی (ابن نقطہ) المتوفی ۶۲۹ھ۔

(۱۲) المشتبه فى اسماء الرجال :

از حافظ محمد بن احمد عثمان ذہبی (المولود ۶۷۳ھ م ۷۴۸ھ) یہ کتاب متقدمین ابن ماکولا، ابن نقطہ، ابن یعلی فرضی وغیرہ متقدمین کی کتابوں کا خلاصہ ہے۔ نیز علامہ موصوف نے بھی خود اضافہ کیا ہے، یہ کتاب لندن سے ۱۸۶۳ھ و ۱۸۸۱ھ میں دکتور مستشرق "دوجونغ" کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

(۱۳) تحفة ذوى الارب فى شكل الاسماء والنسب :

از ابن خطیب دہشہ محمد بن احمد ہمدانی (المولود ۷۵۰ھ المتوفی ۸۳۴ھ) مصنف نے ۸۲۴ھ میں اس کو تالیف کیا تھا، لندن سے ۱۹۰۵ء میں البانی زبان میں مقدمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

(۱۴) نزهة الالباب فى الالقاب :

از حافظ ابن حجر عسقلانی، اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

⑤ انساب پر اہم و مشہور کتب

(۱) ما اتفق من اسماء المحدثین وانسابھم غیر ان فی بعضہ زیادۃ حرف واحد

از ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی (المولود ۳۹۲ھ المتوفی ۴۶۳ھ) اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

(۲) اقتباس الانوار والالتماس الازھار فی انساب الصحابۃ و رواۃ الآثار:

از محمد عبداللہ بن علی لخمی اندلسی جو رشاطی سے مشہور ہیں (المولود ۴۶۶ھ المتوفی ۵۴۲ھ) یہ نہایت عمدہ و بہتر کتاب تھی، اور اہل علم نے اس کی تلقی بھی کی ہے۔[1]

(۳) الانساب المتفقۃ فی الخط المتماثلۃ فی النقط والضبط:

از شیخ محمد بن طاہر مقدسی (المولود ۴۴۸ھ المتوفی ۵۰۷ھ) ان کے شاگرد محمد بن ابوبکر اصبہانی نے اس پر ذیل لکھا ہے، اور یہ دونوں لندن سے ۱۸۶۵ء میں ایک جلد میں طبع ہو چکی ہیں۔

(۴) الانساب:

از تاج الاسلام سعید عبدالکریم بن محمد بن ابو المظفر تیمی سمعانی (المولود ۵۰۶ھ المتوفی ۵۶۲ھ) اس کتاب میں مصنف نے رجال کے انساب، اور جن کے تراجم لکھے ہیں، ان کے حالات اور ان کے بارے میں ائمہ فن کے جرح یا تعدیل کے اقوال

---

[1] رسالۃ المستطرفہ ص ۹۴

نیز ان کے شیوخ وتلامذہ کا ذکر بھی کیا ہے، حروف معجم پر کتاب کی ترتیب رکھی ہے، مشہور مستشرق مارج لیوس کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۱۲ء میں لندن سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۵) اللباب:

از علی بن محمد شیبانی جزری (المولود ۵۵۵ھ المتوفی ۶۳۰ھ) مصنف نے سمعانی کی انساب کا اختصار کیا ہے اور کچھ اضافے بھی کئے ہیں، تین جلدوں میں مصر سے ۱۳۵۶ھ و ۱۳۵۹ھ میں .... طبع ہو چکی ہے۔

⑥ کتب جرح وتعدیل

اس فن پر علماء نے مختلف طرز پر کتابیں لکھی ہیں:-

(۱) بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں صرف کذابین وضعفاء کو ذکر کیا ہے۔

(۲) اور بعض حضرات نے صرف ثقات کے حالات پر کتابیں لکھی ہیں۔

(۳) اور بعض ائمہ نے ثقات وضعفاء، دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

اس فن کی چند مشہور اور اہم کتابیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) الجرح والتعدیل[۱]:

از امام احمد بن حنبل (المولود ۱۶۴ھ المتوفی ۲۴۱ھ) یہ انقرہ سے دو جلدوں میں ۱۹۶۳ء میں طبع ہو چکی ہے۔

---

[۱] معجم المصنفین، ج ۱ ص ۹۶

(۲) الضعفاء[1]:

از محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم برقی زہری المتوفی ۲۴۹ھ۔

(۳) الجرح والتعدیل والضعفاء:

از ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب سعدی جوزجانی ۲۵۹ھ۔

(۴) الضعفاء:

از امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (المولود ۱۹۴ھ المتوفی ۲۵۶ھ) یہ امام بخاری کی "التاریخ الصغیر" کے ساتھ ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔

(۵) تاریخ الضعفاء والمتروکین:

از امام حافظ ابو عبدالرحمٰن احمد بن علی نسائی (المولود ۲۱۵ھ المتوفی ۳۰۳ھ) اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، یہ بھی التاریخ الصغیر کے ساتھ مطبع انوار محمدی الہ آباد (ہند) میں ۱۳۲۵ھ میں یہ مجموعہ طبع ہوا تھا، امام نسائی کی اس کتاب کے اخیر میں امام موصوف کا ایک مختصر سا رسالہ رجال پر دوسرا بھی ہے، امام نسائی نے اپنی کتاب میں بہت سے ثقات کو ضعیف کہہ دیا ہے حتی کہ ان میں امام اعظم ابو حنیفہ کو بھی شمار کر دیا ہے، ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے امام موصوف کے تشدد سے فائدہ اٹھا کر الحاقی عبارتوں کا اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں امام صاحب کا ذکر الحاقی ہے[2]۔

(۶) الجرح والتعدیل:

---

[1] الاعلام ج ۲ ص ۹۳ [2] ما تمس الیہ الحاجۃ ص ۴۷

از عبدالرحمٰن بن ابو حاتم بن ادریس حنظلی رازی (المولود ۲۴۰ھ المتوفی ۳۲۷ھ)
یہ رجال حدیث کی جرح وتعدیل کے لئے مستند ترین نہایت مہتم بالشان کتاب ہے۔ مصنف نے جرح وتعدیل کے باب میں ائمۂ فن کے اقوال کو تلاش کیا اور اس کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے، بالخصوص اپنے والد ابو حاتم رازی اور حافظ ابو زرعہ رازی کے اقوال وآراء کو بکثرت نقل کیا ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب اپنے فن میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ پوری کتاب (۱۸۰۵۰) تراجم پر مشتمل ہے۔ ہر راوی کی جرح وتعدیل صحیح اسانید سے ذکر کیا ہے، ایک جلد میں کتاب کا مقدمہ لکھا ہے، جس کا نام ہے (تقدمة المعرفة لكتاب الجرح والتعديل) اس میں علم جرح وتعدیل کی اہمیت اور ائمۂ فن کے حالات لکھے ہیں۔ اس کتاب سے علم حدیث کا کوئی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا، حیدرآباد دائرۃ المعارف سے ۹ جلدوں میں ۱۳۷۳ھ میں کتاب طبع ہو کر شائع ہو چکی، جس میں جلد اول مقدمہ کے لئے مخصوص ہے، مصنف کی "علل الحدیث" بھی قاہرہ سے ۱۳۴۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۷) الثقات:

از ابو حاتم بن حبان بستی (المتوفی ۳۵۴ھ) اس کا ناقص قلمی نسخہ "دار الكتب المصرية" میں موجود ہے، البتہ علامہ نور الدین ہیثمی (۸۰۷ھ) نے اس کتاب کو حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، ان کی کتاب کا نام ہے "ترتيب كتاب الثقات" اس کا قلمی نسخہ مکمل دو جلدوں میں "دار الكتب المصرية" میں موجود ہے اور اب دس جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن حبان نے اپنی کتاب میں تساہل سے کام لیا ہے، مگر علامہ سیوطی نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان کی خاص اصطلاح ہے کہ وہ حدیث حسن کو بھی صحیح کہتے ہیں "لا مشاحة في

الاصطلاح[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" میں کتاب الثقات سے بہت استفادہ ونقل کیا ہے ۔

(۸) الکامل فی معرفۃ ضعفاء المحدثین وعلل الحدیث :

ازحافظ کبیر ابو احمد عبد اللہ بن محمد بن عدی جرجانی (المتوفی ۳۶۵ھ) انھوں نے اپنی کتاب میں ہر اس راوی کا ذکر کیا ہے جس پر کسی محدث نے کلام کیا ہے خواہ وہ رجال صحیحین ہی کے کیوں نہ ہوں، البتہ یہ اپنے موضوع پر جامع اور اہم کتاب قرار دی گئی ہے ۔ علماء متاخرین نے بکثرت اس سے نقل واستفادہ کیا ہے ۔ اس لئے "میزان الاعتدال" وغیرہ میں کسی ثقہ راوی پر ابن عدی کی جرح کو دیکھ کر فیصلے میں عجلت نہ کرنی چاہیئے بلکہ مزید تحقیق وتفتیش کی ضرورت ہے ، اس کتاب کا ناقص نسخہ ـــــ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے مگر اب یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ۔ علامہ کوثری نے ابن عدی کی اس کتاب میں ایک نقد لکھا ہے جس کا نام رکھا ہے " ابداء وجوہ التعدی فی کامل ابن عدی "۔

(۹) المدخل :

از امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیشاپوری (المولود ۳۲۱ھ المتوفی ۴۰۵ھ) مصنف نے کتاب کے ایک حصہ میں مجروحین رواۃ پر تفصیلی کلام کیا ہے ۱۹۳۲ء میں حلب سے طبع ہو چکی ہے ۔

(۱۰) کتاب الضعفاء المتروکین ۔ او اسماء الضعفاء الواضعین :

از ابو الفرج عبد الرحمن بن علی : ابن الجوزی (المولود ۵۱۰ھ المتوفی ۵۹۷ھ) مصنف

---

[1] تدریب ص۱۱۹

نے اپنی کتاب میں ان ضعفاء کا ذکر کیا ہے جو وضع حدیث کرتے تھے، یا ان پر ائمۂ فن نے جرح کی ہے۔ نیز کتاب کی ترتیب حروف تہجی پر رکھی ہے، اس کا قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

(۱۱) میزان الاعتدال:

از حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (المولود ۶۷۳ھ المتوفی ۷۴۸ھ) مصنف نے اپنی اس کتاب میں "ابن عدیؒ" کا طریقہ اختیار کیا ہے بلکہ ابن عدی کی کتاب کا خلاصہ درج کر دیا ہے، چنانچہ بہت سے رواۃ کے بارے میں الفاظ جرح نقل کئے ہیں، حالانکہ ان کا شمار ثقات میں ہے اور وہ جرح سے محفوظ ہیں، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں اس کی صراحت بھی کر دی ہے کہ ابن عدی وغیرہ مؤلفین نے بعض ثقات پر معمولی جرح کی ہے، اس کو میں نے بھی اس کتاب میں نقل کیا ہے، مگر میرا مقصد یہ ہے کہ بعد میں مجھ پر استدراک نہ کیا جائے، ورنہ وہ میرے نزدیک ضعیف نہیں ہیں، چنانچہ بہت سی جگہوں پر مصنف نے ابن عدی وغیرہ سے اختلاف کیا ہے اور اپنی مستقل رائے کو بھی بیان کر دیا ہے مگر علامہ موصوف کا محققین، صوفیاء، و اولیائے امت پر نقد غیر معتبر ہے جب تک کہ دیگر اعتدال پسند ائمہ نے ان کی تائید نہ کی ہو[۱] اسی طرح میزان الاعتدال کے بعض نسخوں میں امام اعظمؒ کا ذکر آگیا ہے۔ مولانا عبد الرشید نعمانی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے[۲] مصر سے ۱۳۲۵ھ میں تین جلدوں میں شائع ہوئی تھی اور اب بیروت سے نہایت عمدہ صورت میں شائع ہو چکی ہے، پوری کتاب میں (۱۰۹۰۷) تراجم ہیں۔

---

[۱] الرفع والتکمیل ص۱۲۹

[۲] ماتمس الیہ الحاجۃ ص۳۴

(۱۲) رسالۃ فی رواۃ الثقات المتکلم فیھم بما لا یوجب ردھم :

یہ بھی حافظ ذہبی کا ایک رسالہ ہے جو مصر سے ۱۹۰۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(۱۳) نثل الھمیان فی معیار المیزان :

از سبط ابن العجمی مصنف نے علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال پر استدراک کیا ہے اس کا قلمی نسخہ مؤلف ہی کے قلم کا لکھا ہوا " دار الکتب المصریۃ" میں موجود ہے۔

(۱۴) الاغتباط بمعرفۃ فی من رمی بالاختلاط :

(۱۵) التبیین لاسماء المدلسین :

(۱۶) الکشف الحثیث علی من رمی بوضع الحدیث :

یہ تینوں رسالے " برہان الدین ابراہیم بن محمد حلبی سبط ابن العجمی (المتوفی ۸۴۱ھ) کے ہیں، پہلے دونوں رسالے حلب سے طبع ہو چکے ہیں۔

(۱۷) لسان المیزان :

از حافظ ابن حجر عسقلانی (المولود ۷۷۳ھ المتوفی ۸۵۲ھ) حافظ ذہبی کی "میزان" کے بہت سے ان رواۃ کو حذف کر دیا ہے جن سے ائمہ ستہ نے روایت کی تخریج کی ہے اور " تہذیب الکمال" میں جن رواۃ کا ذکر ہے، ان کو بھی حذف کر دیا ہے اور بقیہ میزان الاعتدال کو کتاب میں شامل کر لیا ہے اور کافی اضافے بھی کیے ہیں، اس میں (۱۴۳۴۳) تراجم ہیں، ہندوستان میں ۱۳۲۹ھ میں " دائرۃ المعارف" حیدر آباد سے چھ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۸) **طبقات المدلسین:**

یہ بھی حافظ ابن حجر کی کتاب ہے، مصر سے ۱۳۲۲ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۹) **الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستة:**

از زین الدین قاسم بن قطلوبغا (المولود ۸۰۲ھ المتوفی ۸۷۹ھ) یہ چار جلدوں میں تھی[1]

⑦ کتب موضوعات

(۱) **تذکرة الموضوعات:**

از ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی (و ۴۴۸ھ م ۵۰۷ھ) مصنف نے حروف تہجی پر اس کو مرتب کیا ہے اور اس میں حدیث موضوع کے علاوہ اس راوی کو ذکر کیا ہے جس کو ائمہ فن نے مجروح قرار دیا ہے۔ مصر سے ۱۳۲۳ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۲) **الموضوعات فی الاحادیث المرفوعات:**

از ابو عبداللہ حسین بن ابراہیم ہمدانی جوزقی (م ۵۴۳ھ)[2]

(۳) **الموضوعات الکبریٰ:**

از ابو الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی (المولود ۵۰۸ھ المتوفی ۵۹۷ھ) یہ چار[3]

---

[1] و [2] الرسالة المستطرفة ص۱۱۱ و ص۱۱۳

جلدوں میں تھی، اس کی دوسری اور چوتھی جلد کا قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔ اس میں مصنف نے مختلف کتابوں سے حدیثوں کو جمع کیا ہے اور ان کا موضوع ہونا بیان کیا ہے، بالخصوص 'الکامل لابن عدی' 'الضعفاء لابن حبان' والعقیلی والازدی اور تفسیر ابن مردویہ' طبرانی کی تینوں معاجم' خطیب بغدادی اور ابونعیم وغیرہ کی تصنیفات سے جمع کیا ہے، مگر علامہ موصوف نے بہت سی حدیثوں کے وضع کے فیصلے میں تشدد سے کام لیا ہے،

علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں بہت سی ایسی احادیث کو موضوع کہہ دیا ہے، جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ ضعیف ہیں، علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ ابن جوزی نے بہت سی قوی وحسن روایات کو بھی کتاب الموضوعات میں داخل کر دیا ہے[1] شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ ابن جوزی کا نقد روایات میں تشدد اور حاکم کے تساہل نے ان دونوں کی کتابوں کے نفع کو مشکل بنا دیا ہے، اس لئے کہ ان دونوں کی کتابوں کی ہر حدیث میں تساہل کا امکان ہے، پس ناقل کو ان دونوں سے نقل میں احتیاط کی ضرورت ہے، مجرد ان دونوں کی تقلید مناسب نہیں[2]

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب " القول الحسن فی الذب عن السنن" میں ان سب کا جواب دیا ہے، جامع ترمذی اور دیگر صحاح وغیرہ پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات وجوابات معلوم کرنے کے لئے " التعقبات علی الموضوعات" (جو چھپ چکی ہے) کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۴) المغنی عن الحفظ والکتاب بقولهم لم یصح شئ فی هذا الباب،

از حافظ ضیاء الدین ابوحفص عمر بن بدر موصلی حنفی (المتوفی سنہ ۶۲۳ھ) قاہرہ میں چھپ چکی ہے۔

---

[1] لامع الدراری ص۳۳ [2] التعقبات علی الموضوعات ص۱

(۵) تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص:

از حافظ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) مصنف نے اپنی کتاب کے نویں فصل میں زین الدین عبدالرحیم عراقی المتوفی ۸۰۶ھ کی کتاب "الباعث علی الخلاص عن حوادث القصاص" کی تلخیص کی ہے اور دسویں فصل میں اس پر استدراک کیا ہے، مصر سے ۱۳۵۱ھ میں یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

(۶) اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة:

از حافظ جلال الدین سیوطیؒ، مصنف نے ابن جوزی کی کتاب "الموضوعات" کا اختصار کیا ہے اور اس پر استدراک کیا ہے اور اضافے بھی کئے ہیں۔ مصر سے ۱۳۱۷ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

(۷) ذیل اللآلی المصنوعة:

(۸) النکت البدیعات:

(۹) التعقبات علی الموضوعات:

یہ تینوں کتابیں علامہ سیوطیؒ کی ہیں، اور ہندوستان میں طبع ہو چکی ہیں۔

(۱۰) تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشنیعة الموضوعة:

از ابوالحسن علی بن محمد (ابن عراق) کنانی (المتوفی ۹۶۳ھ) یہ نہایت جامع ومفید کتاب ہے۔ حافظ سیوطیؒ کی "اللآلی" پر اضافہ واستدراک بھی کیا ہے، مصر سے ۱۳۷۵ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۱۱) تذكرة الموضوعات،

(۱۲) قانون الاخبار الموضوعة والرجال الضعفاء:

از جمال الدین محمد بن طاہر بن علی پٹنی (المتوفی ۹۸۶ھ) یہ دونوں رسالے ایک ساتھ قاہرہ سے ایک جلد میں طبع ہو چکے ہیں۔

(۱۳) الفوائد المجموعة فی احادیث الموضوعة:

از قاضی ابو عبداللہ محمد بن علی شوکانی (المولود ۱۱۷۳ھ المتوفی ۱۲۵۵ھ) سلف کی کتابوں سے مصنف نے استفادہ کیا ہے، مگر بعض روایتوں کے وضع کے فیصلے میں تشدد سے کام لیا ہے، مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اپنی کتاب "ظفر الامانی" میں اس پر نقد کیا ہے، مصر سے یہ کتاب ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) میں چھپ چکی ہے۔

(۱۴) تحذیر المسلمین فی الاحادیث الموضوعة علی سید المرسلینؐ:

از عبداللہ محمد بشیر ظافر مالکی ۱۳۲۵ھ اس میں مصنف نے ان روایتوں کو ذکر کیا ہے جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو گئی ہیں اور حروف تہجی پر اس کو مرتب کیا ہے، مقدمہ کتاب میں کتب موضوعات کا تعارف بھی کرایا ہے، مصر سے ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ء) میں چھپ چکی ہے۔

(۱۵) الموضوعات الکبیر:

از ملا علی قاری (۱۳۰۱ھ) میں ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۶) رسالة للامام الصنعانی:

(۱۷) **اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل له او باصله موضوع،**

للشیخ محمد بن ابی المحاسن الحسنی۔ یہ رسالہ اوپر والے رسالہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

(۱۸) **الاحادیث المرفوعة فی الاخبار الموضوعة:**

از مولانا عبد الحیؒ لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ عرصہ ہوا لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے۔

نوٹ: علماء کی بہت سی ایسی بھی تالیفات ہیں جن میں ان روایات کو جمع کیا گیا ہے جو لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں، اسی طرح ان کا مقام و درجہ، قوی ہیں یا ضعیف یا موضوع، ان باتوں کو بھی ان کتابوں میں بیان کیا گیا ہے، ان کتابوں میں خصوصیت سے حافظ سخاوی کی المقاصد الحسنة زیادہ اہم ہے۔

(۱) **المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الالسنة:**

از حافظ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (المولود ۸۳۱ھ المتوفی ۹۰۲ھ) اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے جس طرح کی ابواب پر ترتیب دی ہے، نہایت عمدہ و مفید کتاب ہے، ۱۹۵۶ء میں مصر سے اور ہندوستان و بغداد سے شائع ہو چکی ہے۔

ہم نے کتب اسماء الرجال و جرح و تعدیل کے تعارف میں اختصار و اجمال سے کام لیا ہے، بہرحال اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو محفوظ رکھنے کے لئے کیا غیر معمولی کوششیں صرف کی ہیں۔ بس اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوششوں کو قبول فرمائے اور اس ناکارہ کی سیئات کو درگذر فرما کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و

اتباع کی دولت سے نوازے، اور اس کتاب کو حیات جاوداں عطا فرما کر مزید حدیث پاک کی خدمت کا موقع عطا فرمائے، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خَادِمُ الْحَدِيْثِ النَّبَوِيِّ

تقی الدین ندوی مظاہری

روز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ ہجری

کتاب کے اہم مراجع ومصادر

۱۔ اختصار علوم الحدیث، حافظ ابن کثیر
۲۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ: حافظ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی
۳۔ الاعتدال فی مراتب الرجال، حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ مع تعلیق عبد الفتاح ابو غدہ } از مولانا ابو الحسنات عبد الحیؒ لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ)
۵۔ الأعلام، از خیر الدین زرکلی
۶۔ البدایۃ والنہایۃ، ابو الفدا عماد الدین اسمٰعیل بن کثیر
۷۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، از حافظ ابن کثیر
۸۔ تدریب الراوی، حافظ جلال الدین سیوطیؒ
۹۔ تذکرۃ الحفاظ، حافظ شمس الدین ذہبی
۱۰۔ تہذیب التہذیب، حافظ ابن حجر عسقلانی
۱۱۔ توجیہ النظر الی اصول الاثر، شیخ طاہر جزائری
۱۲۔ تدوین حدیث، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
۱۳۔ التعقبات علی الموضوعات، حافظ سیوطی

۱۴۔ تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی۔
۱۵۔ تذکرۃ الموضوعات، ملّا علی قاری
۱۶۔ تحفۃ الکملۃ علیٰ تحفۃ الطلبۃ، مولانا عبدالحی لکھنوی
۱۷۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار، محمد بن اسماعیل امیر صنعانی
۱۸۔ جامع ترمذی، از امام ترمذی
۱۹۔ جامع بیان العلم وفضلہ، حافظ ابن عبدالبر مالکی
۲۰۔ الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم
۲۱۔ خطبات مدراس، علامہ سید سلیمان ندویؒ
۲۲۔ سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ
۲۳۔ صحیح بخاری، امام محمد بن اسمٰعیل بخاری
۲۴۔ صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج۔
۲۵۔ سنن دارمی،
۲۶۔ السنۃ قبل التدوین، محمد عجاج خطیب
۲۷۔ سیر اعلام النبلاء، علامہ ذہبی
۲۸۔ السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی: ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی مرحوم
۲۹۔ شرح الفیۃ الحدیث، حافظ عراقی
۳۰۔ شرح نخبۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی
۳۱۔ شمائل ترمذی، امام ترمذی
۳۲۔ ریاض الصالحین، علامہ نووی
۳۳۔ الرفع والتکمیل (مع تعلیق عبدالفتاح ابوغدۃ) مولانا عبدالحی لکھنویؒ
۳۴۔ الرسالۃ المستطرفۃ، ابوجعفر کتانی
۳۵۔ ظفر الامانی: مولانا عبدالحی لکھنویؒ
۳۶۔ الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ، علامہ تاج الدین سبکی

۳۷۔ الطبقات الکبریٰ: ابن سعد

۳۸۔ عین الاصابة فیما استدرکته عائشة علی الصحابة، للسیوطی۔

۳۹۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری، حافظ ابن حجر عسقلانی

۴۰۔ فتح الملہم، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

۴۱۔ فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث: حافظ سخاوی

۴۲۔ فواتح الرحموت، مولانا عبد العلی بحر العلوم

۴۳۔ الفرق بین الفرق، عبد القاہر بن محمد بغدادی

۴۴۔ الکفایة فی علم الروایة، خطیب بغدادی

۴۵۔ کشف الظنون، علامہ چلپی

۴۶۔ کتاب العلل، امام ترمذی

۴۷۔ قواعد التحدیث، علامہ جمال الدین قاسمی

۴۸۔ القول المسدّد فی الذّب عن المسند، حافظ ابن حجر عسقلانی

۴۹۔ لسان المیزان، حافظ ابن حجر عسقلانی

۵۰۔ لامع الدراری شرح بخاری، از حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۵۱۔ مفتاح الجنة، جلال الدین سیوطی

۵۲۔ مسند امام احمد؛

۵۳۔ ھدی الساری مقدمة فتح الباری، حافظ ابن حجر عسقلانی

۵۴۔ معرفة علوم الحدیث، حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری

۵۵۔ المنتقی فی منہاج الاعتدال، { حافظ ابن تیمیہ
حافظ ذہبی نے منہاج السنہ کا اختصار کیا ہے }

۵۶۔ مصادر الشعر الجاهلی، دکتور صارم الدین اسد

۵۷۔ مناقب احمد: علامہ ابن جوزی

۵۸۔ مقدمة تحفة الاحوذی: مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری

۵۹۔ میزان الاعتدال، علامہ ذہبی
۶۰۔ علوم الحدیث، مقدمہ ابن صلاح
۶۱۔ مقدمہ اوجز المسالک، حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۶۲۔ مانمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجۃ، مولانا عبدالرشید نعمانی
۶۳۔ مقدمۃ زہر الربیٰ علی المجتبیٰ، حافظ جلال الدین سیوطی
۶۴۔ معجم المصنفین، عمر رضا کحالہ،
۶۵۔ نتائج الافکار، امیر یمانی
۶۶۔ الیواقیت والجواہر، شیخ عبدالوہاب شعرانی

مُصنِّف
اور اسکی اہم مصنفات

1. الامام البخاری (عربی) — دمشق
2. الامام ابوداؤد المحدث الفقیہ " — "
3. الامام مالک ومکانتہ کتابہ الموطا " — ابوظبی
4. علم رجال الحدیث — القاہرہ
5. کتاب الزہد الکبیر للامام البیہقی (تحقیق وتعلیق) — کویت، ابوظبی
6. اعلام المحدثین بالہند (عربی) — ابوظبی
7. دراسۃ الکتب السیرۃ القدیمۃ ومصادرہا الاولیٰ — دوحہ، قطر
8. تحقیق ہوامش "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" ۲۰ جلدوں میں — القاہرہ
9. لمحۃ عن تعریف اہم مراجع السنۃ (عربی) — ابوظبی
10. تحقیق وتعلیق "التعلیق الممجد" از علامہ عبدالحی لکنوی ۳ جلدوں میں (عربی) — بیروت
11. تحقیق وتعلیق "ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی" از علامہ لکنوی (عربی) — بیروت
12. تحقیق وتعلیق "اوجز المسالک" حضرت شیخ الحدیث ۱۶ جلدوں میں (زیر طبع)
13. محدثین عظام اور انکے علمی کارنامے (اردو) — لکھنؤ، کراچی
14. فن اسماء الرجال — لکھنؤ
15. صحبتے با اولیاء (یعنی حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے ملفوظات) (اردو) — لکھنؤ، کراچی
16. چاند کی تسخیر (اردو، انگریزی) — گجرات
17. اسباب زلزلہ (گجراتی زبان میں) — "
18. مستشرقین اور علم حدیث — معارف اعظم گڈھ

ان کے علاوہ دیگر مقالات ورسالے ہیں جنکا ذکر اختصار کے پیش نظر حذف کیا جارہا ہے

صاحبِ کتاب

نام
ڈاکٹر تقی الدین الندوی

ولادت
۲۴، دسمبر ۱۹۳۴ء

جائے ولادت
مظفرپور، قلندرپور، اعظم گڈھ، یوپی

تعلیم
مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، پی، ایچ، ڈی ۱۹۷۶ء جامعہ ازہر

تدریس ومناصب
حدیث ومختلف اسلامی علوم کی تدریس، شیخ الحدیث فلاح دارین گجرات، استاذ حدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ، قاضی مستشار علمی محکمہ شرعیہ ابوظبی از ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۲ء، از ۱۹۸۲ء تا حال درجہ بدرجہ استاذ وپروفیسر حدیث العین یونیورسٹی

رکن
مجلس شوریٰ • ندوۃ العلماء، لکھنؤ
• دارالمصنفین اعظم گڈھ • مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بانی وسرپرست
جامعۃ اسلامیۃ
مظفرپور، قلندرپور، اعظم گڈھ، یوپی

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

فقہائے گجرات
اور اُن کی فقہی خدمات

مرتب:

عبدالقیوم راجکوٹی

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک، گجرات انڈیا

تفصیلات

اسم کتاب:......................................فقہائے گجرات اور ان کی فقہی خدمات

مرتب:............مفتی عبدالقیوم راجکوٹی (معین مفتی دارالافتاء جامعہ ڈابھیل)

طباعت:............ بہ موقع فقہی سمینار ہانسوٹ ضلع بھروچ ۱۲ تا ۱۵ فروری ۲۰۱۰ء

اجمالی فہرست

☆☆☆

اللہ تعالی نے جن کو تفقہ عطا کیا انہوں نے ہر عہد میں امت کی رہنمائی کی اور بدلتے ہوئے حالات میں انفرادی اور اجتماعی امور میں واضح ہدایات پیش کیں۔ پندرہ سو سال کی اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ فقہاء نے ہر دور میں اپنا خون جگر جلا کر اور قرآن وسنت کے بحر معانی میں ڈوب کر مسائل کا حل پیش کیا اور اصول وقواعد فقہیہ مرتب کیے، نیز احکام کے استنباط میں پوری زندگی قربان کر دی، اللہ کے ان بندوں کا پیش کردہ عظیم فقہی وعلمی سرمایہ امت کا بیش قیمت اور قابل فخر سرمایہ ہے۔ (قاضی مجاہد الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

(فتاوی قاضی)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از مرتب: عبدالقیوم راجکوٹی

یہ جوکہا گیا ہے: "تهيج صغيرات الامور كبيرها" بالکل صحیح ہے۔

رابطۂ ادب اسلامی جمبوسر، گجرات بمناسبت سہ روزہ مذاکرۂ علمی میں ۶ تا ۸/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، جس کی شروع کی تین نشستوں میں پڑھے گئے بعض مقالوں کے اہم اقتباسات سنے، اندازہ ہوا کہ مقالہ نگار حضرات نے گجرات کے مفسرین، محدثین اور صوفیاء کی علمی و ادبی خدمات کو اپنے اپنے انداز میں اجاگر فرمایا۔ گجرات کے فقہاء کی علمی خدمات پر مستقل کوئی مقالہ ان نشستوں میں نہیں سنا، اپنے اس قلبی احساس کو رقعہ میں لکھ کر صدر مجلس کی خدمت میں پیش کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: "گجرات کے فقہائے کرام کی علمی و ادبی خدمات پر اب تک کسی نے مقالہ پیش نہیں کیا، صدر صاحب سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس احساس کو حاضرین کی خدمت میں پیش فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ سامعین اہل علم کی توجہ اس تشنہ گوشہ کی طرف بھی ہو جائے"۔

صدر صاحب نے احقر کا احساس ظاہر کرتے ہوئے مجھ ہی کو مکلّف بنایا کہ تو ہی لکھ دے۔ اسی حکم کی تعمیل میں اپنے مقام پر آکر گجراتی فقہاء کی علمی خدمات کے مظان کی طرف رجوع کیا، بالخصوص حضرت مولانا عبدالحی حسنی ندویؒ (م ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) کی کتاب "نزہۃ الخواطر" کا مطالعہ کیا، تو متعدد شہروں کی

طرف منسوب کئی گجراتی فقہاء نظر سے گزرے، ان کے صحیح حالات اور واقعات زندگی، ان کی علمی ودینی خدمات اور تصنیفی کارنامے دنیا کے سامنے کرنا، جن میں نئی نسل اوراہل ذوق کے لیے استفادہ ورہنمائی اورادبی شہ پاروں کا وافر سامان ہے، یہ کام تو کسی دیدہ ور، وسیع النظر اورکہنہ مشق مصنف کا ہے، یہ راقم اس کا اہل نہیں۔

اس تحریر کے ذریعہ سرِ دست گجراتی فقہاء کی تعارفی فہرست پیش کرنا مقصود ہے۔جن لوگوں کی رسائی ''نزہۃ الخواطر'' تک نہیں اور نہ ان کے مشاغل ایسی ضخیم کتاب کی ورق گردانی کی اجازت دیتے ہیں، ایسے حضرات کم ازکم اس تحریر سے حضرات فقہاء کے اسمائے گرامی اوران کی فقہی تصانیف سے واقفیت حاصل کرلیں، شاید یہ واقفیت ان کے لیے کسی علمی و تصنیفی امر کے لیے پیش خیمہ ثابت ہو۔وما ذلك على الله بعزيز.

واضح رہے کہ اس تحریر میں صرف مرحومین فقہاء اوران کی فقہی تصانیف کی نشان دہی کی گئی ہے، موجودہ فقہاء اوران کی فقہی خدمات کا ذکرنہیں کیا ہے۔

اس مختصر تحریر میں فقہاء اوران کی فقہی تصانیف کا تذکرہ ہے، اس سے نمایاں طور پر واضح ہوتا ہے کہ علمائے گجرات نے علوم قرآن وحدیث وتصوف کی طرح فن فقہ میں بھی اپنے نقوش وآثار ثبت کئے، ان کی بعض مصنفات گجرات و بیرون گجرات میں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں۔

علمائے اسلام اوراکابر فقہاء کی یادگار کتابوں کے وہ قلمی نقوش ان لائبریریوں اوراکاڈمیوں سے نکال کر منصۂ شہود پر لانا وقت کا اہم تقاضہ اورفریضہ ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے یورپ کے کتب خانوں میں بزرگان امت کی ان یادگاروں کو دیکھ کر اپنے تأثرات کو ذیل کے تحسّر بھرے اور درد انگیز الفاظ میں نظم کیا ہے:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

اللہ تعالیٰ اس تحریر کو قبول فرمائے، اور دارالافتاء کے جن طلباء نے اس کی تیاری میں تعاون فرمایا ہے انھیں مزید خدمات علمیہ و دینیہ کے لیے موفق فرمائے۔ آمین

فقط والله الموفق. ربّنا تقبّل منّا انّك انت السميع العليم بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم.

احقر: عبدالقیوم راجکوٹی

معین مفتی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک

۱۵/ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گجرات کے فقہاء وقضاۃ تاریخ کے تناظر میں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے چار سال بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وارد ہند ہونے کا ثبوت تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے، یہ حضرات صحابہؓ جہاد کی غرض سے ہندوستان آئے، تھانہ اور بھروچ کی بندرگاہوں کو فتح کیا، دارالخلافہ سے ان علاقوں کے عمال وولاۃ کا تقرر رہوا، ان میں بہت سے والی حضرات خود قضاء وافتاء کا کام بھی انجام دیا کرتے تھے۔ راقم کو اپنی ناقص جستجو میں اس عہد زریں میں کسی قاضی یا صاحب فتوی بزرگ کا پتہ نام کی تعیین کے ساتھ معلوم نہ ہوسکا، تاہم اتنی بات تو یقینی ہے کہ ان معرکوں میں شریک ہونے والے حضرات نے گجرات میں رہتے ہوئے احادیث مبارکہ کا مذاکرہ ضرور کیا ہوگا، کیوں کہ ان حضرات کا ہر قول وعمل سنت رسول ﷺ کی روشنی میں ہوا کرتا تھا۔

اسی امر کی طرف مشہور مؤرخ قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی یہ عبارت مشیر ہے:

وهكذافى ايام عمر بن الخطابؓ الى خاتمة الدولة الاموية كانت تكون جماعة من رواة الاحاديث والآثارفى الغزوات والولايات وانهم وان لم يحدثوهافى الهند فى هذاالوقت على طريق الرواية فمن الطبيعى ان يحدثوهافيمابينهم على طريق المذاكرة كماهو دأب الصحابة والتابعين. (العقدالثمين فى فتوح الهندومن وردفيهامن الصحابة والتابعين، ۲۸۲) (اودھ میں افتاء کے مراکز ص:۸۰)

۱۵۹ھ میں خلیفۃ المہدی باللہ عباسی کے دورخلافت میں عبدالملک شہاب مسمعیؒ بڑی جماعت کے ساتھ باربد(اب بھاڑبھوت جوشہر بھروچ سے کچھ فاصلہ پرواقع ہے) آئے وہاں قیام کاارادہ بھی کیا،لیکن ایک مہلک وبا پھیل جانے کے نتیجہ میں ایک ہزار کے قریب افراد انتقال کرگئے،ان سب کی قبریں بھاڑبھوت میں ہیں،جن میں ابوبکرابن صبیح السعدی البصریؒ بھی تھے جن کوتابعی ہونے کاشرف حاصل تھا۔

فاضل چلپیؒ صاحب کشف الظنون کی رائے میں مسلمانوں میں یہ پہلا شخص ہےجس نے کتاب تصنیف کی ہے۔ھواول من صنف فی الاسلام (گجرات کے علمائے حدیث وتفسیر:ص:۲)،(یادایام:ص:۴۶)

علامہ بلاذریؒ نے''حضرت ابوبکرابن صبیحؒ''کوفقہائے محدثین میں شمارکیا ہےاور''فتوح البلدان''میں ایک جگہ آپ کو''الفقیہ''کےلقب سے یادکیاہے۔ (اسلامی ہندکی عظمت رفتہ:ص:۱۳۸)

یوں کہنا بیجانہ ہوگاکہ ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے آغوش محبت میں اسلام کاسب سے پہلا مصنف مدفون ہے جوبقول علامہ بلاذری فقیہ بھی ہے۔

محمدابن قاسمؒ نے ہندوستان میں فاتحانہ قدم رکھاتو جگہ جگہ مسلمانوں کو بسایا،قاضیوں کاتقررکیا،مگرساتھ ساتھ مقامی ہندوؤں اوربدھسٹوں کووہ تمام مراعات دیں جواہل کتاب یہودونصاری کوشریعت اسلامیہ میں حاصل تھیں،حتی کہ بعض

علاقوں میں ہندوراجاؤں نے اپنے علاقوں میں مسلمان قضاۃ اورحکام مقرر کیے، یہ ان راجاؤں کی وسعت ظرفی اور مذہبی رواداری کی بات ہے۔

قاضی اطہر مبارکپوریؒ رقمطراز ہیں: یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ خالص غیراسلامی ماحول اورغیرمسلم حکومت میں اسلامی احکام وقوانین کا نفاذ ہوتا تھا اور راجوں مہاراجوں نے اپنی طرف سے مسلمان حاکم اور قاضی مقرر کرر کھے تھے جو ان کے علاقہ کے مسلمانوں کے امور ومعاملات اسلامی قانون کے مطابق حل کرتے تھے۔اسی عہد کو''ہنرمند''اورعہدیدارکو''ہنرمن'' کہتے تھے۔یہ اسلامی عدالت ہوتی تھی۔(اودھ میں افتاء کے مراکز،ص:۸۱)

چنانچہ''عجائب الہند''میں بزرگ بن شہریارلکھتاہے کہ چیمور(گجرات) میں عباس ابن ماہان،راجہ کی طرف سے مسلمانوں کے ہنرمن یعنی قاضی تھےاور شہرکے مسلمانوں کے معاملات انہی کے پاس جاتے اوروہ اسلامی احکام وقوانین کی روسےان کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔(ایضاً ۸۲)

آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا اقتدارقائم ہونے کےفوراًبعد جس سرعت سےعلوم دینیہ کی ترقی وترویج عمل میں آئی،اس کا ایک اہم سبب سلاطین اورامرائے گجرات کی علم دوستی ہے،شاہان گجرات نے اپنی ڈیڑھ دوسوسالہ زمانۂ فرماں روائی میں جس قدرعلوم وفنون کی سرپرستی کی ہے،دہلی کی ۶۰۰ سالہ تاریخ اس کی نظیرنہیں پیش کرسکتی،یہ صرف ان کی قدردانی اورحوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ گجرات کے چند بڑےشہرمثلاً احمدآباد،پٹن،بھروچ اورسورت توملک حجاز کا حصہ

معلوم ہونے لگے تھے۔شیرازویمن اوردیگرممالک اسلامیہ کے چیدہ وبرگزیدہ علماءنے گجرات میں آکربودوباش اختیارفرمائی جن کے فیوض سے چنددنوں میں گجرات مالامال ہوگیااورخودگجرات میں اس پایہ کے علماء پیداہوئے جن کے فیوض علم کی آبیاری سے اب تک ہندوستان کی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں۔(یاد ایام بحوالۂ مؤمن قوم۴۲)

علماء گجرات میں محدثین،مفسرین ومتصوفین کے حالات اوران کی تصانیف کا تذکرہ باربارسنااوران کی بعض تصانیف کی اشاعت ہندوبیرون ہند میں ہوئی،لیکن گجرات کے فقہاءاورقضاۃ کا تذکرہ بہت کم سننے میں آیا،حالانکہ فقہاءگجرات اورقضاۃ کی ایک طویل فہرست ہے،ان کی سوانح اورحالات زندگی لکھے جائیں توکئی دفتر درکارہوں گے،ان کی فقہی خدمات اورفتاویٰ سے طویل عرصہ تک ایک عالم مستفید ہوا،ان کی تصانیف قلمی نسخوں کی صورت میں کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں،بعض تصانیف تواہم اورفن فقہ کے جوہرکی حیثیت کی حامل ہیں،مگرافسوس!کہ ہم گجراتی ان فقہاءکے نام اوران کی فقہی کتابوں سے ناواقف ہیں،عوام توعوام خواص کے حلقوں میں بھی ان سے ناواقفیت پائی جاتی ہے،لہٰذااس مقالہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہم اپنے گجراتی فقہاءکے شروع سے اب تک کے اسماء،مناصب اوران کی فقہی خدمات کانزدیک سے جائزہ لیں اور ان فقہاءکی فراموش شدہ دولت علمی سے واقف ہوکرفائدہ اٹھائیں تاکہ گجرات میں علم فقہ میں جوکچھ پیش رفت ہوئی ہےاس کاخاکہ ہمارےسامنےآئے۔

اس مقالہ میں گجرات کے فقہاء،مفتیان اور قضاۃ کے اسماء اوران کی جائے خدمت کی نشاندہی کی گئی ہے،ان کے احوال زندگی سے تعرض نہیں کیا،جن کوان کے احوال وسوانحی خاکوں سے واقفیت حاصل کرنا مطلوب ہووہ مأخذ کی طرف مراجعت کرلیں،البتہ ان فقہاء نے فن فقہ میں کوئی کتاب تصنیف کی ہو یا کسی فقہی کتاب کی شرح تحریرفرمائی یا حاشیہ تحریرفرمایا ہوتواس کی ضرورنشاندہی کی ہے،تاکہ تحقیق وجستجو کے بعداس موضوع پرکام کرنے والوں کے لیے کتابوں کی یہ نشاندہی مشعل راہ ثابت ہو۔

اسلامی حکومتوں میں جب تک اسلامی قانون جاری رہااوراسلامی حکومتیں کسی نہ کسی حدتک دین کی ذمہ داری محسوس کرتی رہیں،اس وقت تک ایک طرف محکمۂ عدلیہ قضاءکانظام جاری رہااوردوسری طرف علماءامت کے ذریعہ ہروقت افتاء کاکام ہوتارہا،اسلامی حکومتیں دارالافتاءکی طرح دارالقضاءکی سرپرستی بھی کرتی رہیں، اسی وجہ سے فقہاءکی تصریح کے مطابق قاضی کے لیےعلوم فقہ سے واقفیت ضروری اورشرط کے درجہ میں ہے،لہٰذاہرقاضی کے لیےفقہ سے شناوری ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ سے دریافت کیاگیاکہ آدمی کے لیےفتوی دینااورقاضی بننا کب جائزہے؟توآپ نے جواب دیا:جب آدمی حدیث شریف اورقیاس سے پوری طرح واقف ہوجائے اوروہ امام اعظمؒ کےاقوال کوپوری طرح جانتاہواوروہ اس کوخوب محفوظ ہوں۔(شرح عقودرسم المفتی:ص:۱۳۰)

امام ابویوسفؒ باوجودجلالت شان کے ہمیشہ سفروحضرمیں جامع صغیر

ساتھ رکھتے تھے اور علی رازیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اس کتاب کو سمجھ لے وہ احناف میں فہیم ترین آدمی ہے۔اور احناف جب تک اس کتاب میں امتحان نہیں لیتے تھے کسی کو عہدۂ قضاء پر فائز نہیں کرتے تھے۔(شرح عقود رسم المفتی :ص:۹۶)

قاضی کے لیے فقہ سے واقفیت کی شرط کی بناء پر اس مقالہ میں گجرات کے قاضیوں کو فقہاء کی فہرست میں جگہ دی گئی ہے۔علمی اصطلاح میں کہا جا سکتا ہے کہ قاضی اور فقیہ میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر قاضی فقیہ ضرور ہوگا،لیکن فقیہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عملاً قاضی بھی ہو۔

اس مقالہ کا سب سے بڑا مأخذ،قابل اعتماد تصنیف حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ (م.۱۳۴۱ھ) کی ''نزہۃ الخواطر'' ہے،جواب ''الإعلام بمن فی تاریخ الھند من الأعلام'' کے نام سے طبع ہوئی ہے،جس میں مصنفؒ نے ساڑھے چار ہزار سے زیادہ علماء،فضلاء،ملوک وامراء اور ہندوستان کی مشہور شخصیتوں کے حالات اوران کی خدمات دینیہ وعلمیہ محفوظ کردی ہیں،اس کتاب میں گجراتی علماء،فقہاء،محدثین،متصوفین اور ملوک وسلاطین وغیرہ کا ذکر ہے۔

علماء گجرات میں بکثرت ایسی شخصیتیں گذری ہیں جن کو متعدد علوم وفنون اور اصناف کمال میں دخل اور مشارکت رہی ہے،ان کے احوال زندگی اور خدمات دینیہ کے پیش نظر ان کی شخصیت جامع علوم وکمالات نظر آتی ہے۔

ليس على الله بمستنكر	أن يجمع العالم في واحد

ایک ہی وقت میں ایک عالم فقیہ بھی تھا،محدث ومفسر بھی،اصولی اور متکلم

بھی، ماہر مدرس اور کامیاب مصنف بھی؛ لیکن اس جامعیت کے باوجود کوئی نہ کوئی ایک ذوق اس پر ایسا غالب رہا اور ایک فن اس کی علمی زندگی میں ایسی مرکزی حیثیت کا حامل رہا جو اس کے لیے اس کے زمانہ اور طبقہ میں اس کا مابہ الامتیاز بن گیا، اس میں اس کے معاصرین پر امتیاز سب کو تسلیم تھا۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' نے جس شخصیت کا ترجمہ وتعارف تحریر فرمایا ہے اس کے خاص موضوع اور امتیازی امر کو ابتدائی تعارفی کلمات میں سمودیا ہے، مثلاً ''فلان الفقیه''... ''فلان المتکلم'' لکھا تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان کی شخصیت کا مابہ الامتیاز وصف اور فن جو ان کی علمی زندگی میں مرکزی حیثیت کا حامل رہا اور ان کی شخصیت کی معرفت کے لیے کلید کی حیثیت رکھتا ہے، یہی ہے۔ اسی خصوصیت کے پیش نظر راقم نے اپنی تحریر میں نزہۃ الخواطر سے صرف انہی گجراتی فقہاء کو شمار کیا ہے جن کے تراجم میں الفقیه .....جیسے القاب لکھے گئے، کیونکہ یہ تحریر فقہاء گجرات کے موضوع سے متعلق ہے، دیگر خصوصیات وفن میں ماہرین علماء کو بیان کرنا اس کا موضوع نہیں۔ یہاں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا ایک قیمتی ملفوظ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے ''نزہۃ الخواطر'' کی خصوصیت کے متعلق بیان فرمایا:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''حیات عبدالحی''میں رقمطراز ہیں:

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو کہ ابن خلکان کی کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس کی ''وفیات

الاعیان'' کوعلماء نے ہرزمانہ میں حرز جان بنایاہے؟ راقم نے اپنے محدود علم ومطالعہ کی بناء پر کچھ عرض کیا، فرمایا کہ ابن خلکان کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس کا ترجمہ لکھتا ہے اس کے اصل موضوع اور امتیازی علم کا تعین ابتدائی تعارفی عبارت ہی میں کرادیتا ہے، مثلاً ''فلان النحوی''، ''فلان الجدلی''، ''الفقیہ'' پھر جتنا غور ومطالعہ کیا جائے اس کو اس جگہ سے ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ ''یہی خصوصیت مولانا عبدالحی صاحبؒ کی نزہۃ الخواطر میں ہے''۔
(حیات عبدالحیؒ، از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ: ص:۳۰۳)

فقہاء گجرات کو ''نزہۃ الخواطر'' میں متعدد نسبتوں سے تعبیر کیا گیا ہے، الگجراتی، احمد آبادی، السورتی، البروجی، النہروالی، الفتنی۔

نہروالا کی مردم خیز سرزمین پر بڑے بڑے علماء، مشائخ اور اصحاب طریقت مقیم رہے ہیں۔ نہروالی اور فتنی ایک ہی جگہ سے نسبت ہے، نہروالا خطہ کو آج کل ''پٹن'' کہا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے جو عبارت جہاں سے لی ہے اس کا حوالہ لکھ دیا ہے، البتہ عربی عبارت کا ترجمہ طوالت کے خوف سے ترک کردیا ہے۔ مقالہ کے قاری اہل علم ہوں گے، ان کو ترجمہ کی ضرورت بھی نہیں۔

☆☆☆

ہر عہد اور ہر علاقہ میں محقق اور صاحب نظر علماء فریضۂ افتاء کو انجام دیتے رہے ہیں، اہل علم نے لکھا ہے کہ اس امت کے سب سے پہلے مفتی خود حضور اکرم ﷺ تھے؛ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

”واول من قام بھٰذاالمنصب الشریف سیدالمرسلین ﷺ“

(اعلام الموقعین ۱/ ۱۱)

☆☆☆

آٹھویں صدی کے فقہاء

(١) شیخ حسین بن عمر عریضی، غیاث پوری، چشتیؒ (م٧٩٨ھ ١٣٩٦ء)

دہلی سے آکر پٹن میں بس گئے تھے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کا حاشیہ تحریر فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر: ٣٣/٢)

(٢) شیخ عثمان ابن داؤد ملتانی، چشتیؒ (م٧٣٦ھ ١٣٣٥ء)

اپنے دور کے ہر فن کے ماہر عالم تھے، ہدایہ کے حافظ تھے۔

کان علیماً کبیراً بارعاً فی الفقه والاصول والتصوف وکان یحفظ الهدایة فی الفقه. (نزہۃ الخواطر: ٧٣/٢)

(٣) شیخ کمال الدینؒ (م٧٥٦ھ، ١٣٥٥ء)

آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کے خلیفۂ اعظم اور آپ کے خواہر زادہ بھی تھے، آپ علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ (مشائخ احمد آباد، ٩٦/١)

(۴) مولانا یعقوب پٹنیؒ (م٧٩٨ھ ١٣٩٦ء)

بڑے صالح اور فقیہ تھے، حال ووجد والے بزرگ تھے، خراسان کے بادشاہوں کی نسل سے تھے، پٹن آکر بس گئے تھے اور پٹن ہی میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ١٧۴/٣)

نوویں صدی کے فقہاء

(۱) قاضی اسماعیل اصفہانیؒ (م۸۶۵ھ ۱۴۶۱ء)

بچپن میں اپنے والد صاحب کے ساتھ اصفہان سے ہجرت کرکے گجرات آئے تھے، پہلے بھروچ کے قاضی رہے پھر سلطان محمود (ثانی) کے دور میں احمد آباد کے قاضی رہے، احمد آباد میں انتقال ہوا۔

احد العلماء المبرزين فى الفقه والاصول. (نزهة الخواطر، ۳/۳۱)

(۲) شیخ تاج الدین نہروالیؒ (پٹنی)

پٹن میں شیخ حسام الدینؒ کے مقبرہ میں درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے، ایک عالم آپ کے علوم سے مستفید ہوا۔

احد العلماء المبرزين فى الفقه و العربيه. (نزهة الخواطر ۳/ ۴۵)

(۳) قاضی حماد الدین گجراتیؒ

نہروالہ (پٹن) کے فقیہ اور قاضی القضاۃ تھے، حنفیہ کی مشہور کتاب ''الفتاوی الحمادیہ'' آپ ہی کے حکم سے مفتی رکن الدین ناگوریؒ نے تالیف فرمائی تھی (اس کتاب کا ذکر اسی مقالہ میں آگے آرہا ہے) کتاب کے شروع میں مصنفؒ نے قاضی حماد الدینؒ کی وقیع الفاظ میں تعریف کی ہے۔ (نزہۃ الخواطر۳/۵۱)

(۴) شیخ حسین بن محمد بھروچیؒ

شیخ کمال الدین قزوینی بھروچیؒ کے مرید اور فقیہ تھے، بڑے بڑے علماء اور مشائخ آپ سے مستفید ہوئے۔

احد العلماء المبرزين فى الفقه و التصوف(نزهة الخواطر ٣/ ٥٦)

(۵) شیخ حسین بن محمد گجراتیؒ (م۸۰۷ھ،۱۴۰۴ء)

فقیہ تھے، گجرات کے مشہور مشائخ میں آپ کا شمار ہے۔نوساری میں شیخ نصیر بن جمال نوساریؒ کی صحبت اختیار کررکھی تھی، احمد آباد میں آپ کی قبر ہے۔

(۶) شیخ خوندمیر پٹنیؒ (م۸۷۴ھ،۱۴۶۹ء)

فقیہ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ ہیں،پٹن سے احمد آباد ہجرت کرکے آ گئے تھے۔ويفيد. إلخ(نزهة الخواطر٣/ ١١١)

(۷) مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوریؒ

آپ صاحب ''فتاویٰ حمادیہ'' کے صاحب زادہ ہیں،پٹن کے مفتی تھے، ''فتاویٰ حمادیہ'' کی تدوین میں آپ کا بھی حصہ ہے جیسا کہ کتاب کے دیباچہ میں ہے۔(نزہۃ الخواطر،۳/ ۶۸)

(۸) شیخ رضی الدین عثمان گنج علمؒ (م۷۷۰ھ ۱۳۶۸ء)

علم وفضل میں غیر معمولی دست گاہ رکھتے تھے اوراسی بناپر گنج علم کے لقب سے مشہور ہوئے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے حضرت موصوف کے ایک فتوے کی تائید میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس سے ان کی جلالت شان اور علمی منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم نے لکھا ہے:اصاب فيما اجاب الاستاذ الاجل المرشدالكامل الاكمل شيخ الشيخ رضى الدين گنج (مشائخ احمد آباد)

(۹) مفتی رکن الدین نا گوریؒ

احد الفقهاء المبرزين في الفقه و الاصول كان مفتياً بمدينه نهروالا.

پٹن کے مفتی قاضی حماد الدین بن محمد اکرمؒ کے حکم سے آپ نے اورآپ کے صاحب زادہ داؤد نے ۲۰۴ کتب فقہ، اصول، حدیث اور تفسیر کی مدد سے ''فتاویٰ حمادیہ'' کی تصنیف فرمائی، فتاویٰ حمادیہ کی پہلی عبارت ہے: الحمدلله نور قلوب العارفين بنور التوحيد و الايمان. (نزہۃ الخواطر،۱۷/۳)

پٹن کے مدرسہ کنز المرغوب میں فتاویٰ حمادیہ کی پہلی جلد کا ناقص نسخہ ہے، احمد آباد کے مشہور کتب خانہ ''پیر محمد شاہ'' میں اس کی کامل دو جلدیں محفوظ ہیں، نہایت ہی مستند فتاویٰ ہیں، سنا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین نے ''فتاویٰ حمادیہ'' سے استفادہ کیا ہے۔

(۱۰) شیخ سراج الدین بن علامہ کمال الدین دہلوی ؒ (م ۸۱۷ھ، ۱۴۱۴ء)

دہلی سے آکر پٹن کو اپنا وطن بنا لیا تھا، اپنے دور کے فقیہ تھے، پٹن میں مدفون ہیں۔

(۱۱) مولانا صدر جہاں گجراتیؒ

احد العلماء المبرزين فی الفقه والاصول والكلام۔ (نزہۃ الخواطر۸۹/۳)

(۱۲) شیخ صلاح الدین گجراتیؒ (م۸۹۵ھ ۱۴۹۰ء)

آپ کے والد نومسلم تھے، شیخ احمد بن عبد اللہ مغربیؒ کے ہاتھ پر اسلام لائے، اس وقت آپ بطن مادر میں تھے، بعد پیدائش شیخ احمدؒ نے ہی آپ کا نام صلاح الدین رکھا، حصول علم کے بعد بڑا درجہ پایا۔

الشیخ الصالح الفقیه (الی قوله)حتی بلغ رتبة الکمال فی العلم و المعرفة.(نزهة الخواطر،۳/۹۱)

(۱۳) شیخ عبد اللطیف پٹنیؒ

بڑے عالم اور فقیہ تھے، ملتان سے آکر پٹن میں رہنا پسند کر لیا تھا، بڑے زاہد و متوکل تھے،آپ نے نو کتابیں تصنیف کی ہیں،ان کے نام معلوم نہیں ۔(نزہۃ الخواطر۳/۹۴)

(۱۴) شیخ عبد اللطیف گجراتیؒ (م۸۸۹ھ ۱۴۸۴ء)

آپ داور ملک سے مشہور تھے، بڑے نیک اور فقیہ تھے، بادشاہ محمود بن محمد آپ کا فدائی تھا، آپ کی بابرکت صحبت سے اس نے لایعنی امور سے اجتناب کر لیا تھا، آپ بڑے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے ۔(نزہۃ الخواطر،۳/۹۴)

(۱۵) شیخ عثمان حسینی گجراتیؒ (م۸۶۳ھ ۱۴۵۹ء)

شیخ صالح اور فقیہ تھے، سرزمین گجرات میں شہرت یافتہ مشائخ میں آپ کا شمار ہے،عثمان پور (احمد آباد) میں ایک مدرسہ بنایا تھا، سلطان محمود بن محمدؒ کی اکثر کتابیں اسی مدرسہ میں رہتی تھیں ۔(نزہۃ الخواطر،۳/۹۹)

(۱۶) قاضی علم الدین شاطبیؒ (م۸۶۰ھ ۱۴۵۶ء)

شیخ صدرالدین حسینی بخاریؒ کے مرید تھے، گجرات میں علماء اور مشائخ کی بڑی جماعت آپ سے مستفید و مستفیض ہوئی۔

احد العلماء المبرزین فی القراءۃ والتجوید والفقہ والعربیۃ.

(نزہۃ الخواطر ۳/۱۰۸)

(۱۷) قاضی عمادالدین گجراتیؒ (م۸۸۹ھ ۱۴۸۴ء)

بڑودہ کے قاضی تھے، سلطان محمود شاہ ثانی کے ایماء پر ایک جہاد میں شہید ہوئے۔ظهير الشرع السعيد الشهيد. (نزہۃ الخواطر ۳/۱۱۰)

(۱۸) شیخ غوث الدین گجراتیؒ (م۸۹۵ھ ۱۴۹۰ء)

آپ بغداد سے تشریف لائے تھے اور احمد آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی، احمد آباد میں بہت بڑے مدرسہ کے بانی ہیں۔

كان عالما كبيرا محدثا فقيها زاهدا يدرس (نزہۃ الخواطر ۳/۱۱۱)

(۱۹) قاضی کمال الدین ناگوریؒ (پٹنی)

مشائخ چشتیہ میں سے ہیں، گجرات میں بڑی مقبولیت تھی، جم غفیر آپ سے مستفید ہوا۔

العالم الفقيه.....احدالمشائخ الچشتية. (نزہۃ الخواطر ۳/۱۲۳)

(۲۰) شیخ محمد بن حسین پٹنیؒ

اصلاً سندھی تھے، صوفی تھے، سندھ میں اپنے والد صاحب سے علم حاصل کرکے گجرات آئے تھے، پٹن میں انتقال ہوا۔

کان ممن تفردفی الفقه والحدیث والتصوف.(نزهة الخواطر ۳/ ۱۳۵)

(۲۰) قاضی محمد اکرام گجراتیؒ

پٹن کے قاضی تھے، صاحب فتاویٰ حمادیہ نے کتاب کے شروع میں قاضی محمد اکرامؒ کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے:

الامام العالم ونعمان الثانی وناقد المعقول والمنقول.(نزهة الخواطر ۳/ ۱۵۷)

(۲۱) شیخ محمود بن عبداللہ بخاری ثم گجراتیؒ (م۸۸۰ھ ۱۴۷۵ء)

گجرات کے مشہور شیخ اور فقیہ تھے، کثیر تعداد میں لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔(نزہۃ الخواطر۳/۱۵۹)

(۲۲) شیخ مودود بن محمد گجراتیؒ (م۸۱۱ھ ۱۴۰۸ء)

صوفی، زاہداور فقیہ تھے، پٹن میں رہتے تھے، کبار مشائخ چشتیہ میں شمار ہے۔(نزہۃ الخواطر۳/۱۷۰)

دسویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ اللہ بخش گجراتیؒ (م۹۷۰ھ ۱۵۶۲ء)

شیخ محمد غوث گوالیریؒ کے مرید تھے۔

احد العلماء المبرزين فى الفقه والاصول والعربية،درس وافاد زمانا. (نزہۃ الخواطر،۳۹/۴)

(۲) شیخ بدرالدین گجراتیؒ (م۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء)

اپنے والد بزرگوار جلال الدینؒ سے علوم حاصل کئے،صاحب کشف وکرامات بزرگ وفقیہ تھے۔

كان عالماً فقيهاًصوفياً. (نزہۃ الخواطر،۵۱/۴)

(۳) قاضی برہان الدین گجراتیؒ

اپنے دور کے مشہور عالم ہیں،آپ کے ذریعہ گجرات میں خوب علم کی اشاعت ہوئی۔

العالم، المحدث،الفقيه، القاضي برهان الدين النهر والى. (ایضا۵۵/۴)

(۴) شیخ بہاءالدین گجراتیؒ (م۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی،حضرت عمرؓ کی نسل سے تھے، صالح اورفقیہ تھے، برہان پورمیں آپ کی خانقاہ تھی، وہیں انتقال ہوا۔(ایضا۶۲/۴)

(۵) شیخ پیرمحمد گجراتیؒ (م۹۹۹ھ ۱۵۹۱ء)

فقیہ تھے،حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اولاد میں سے ہیں۔(ایضا۶۶/۴)

(۶) شیخ جمال الدین بن محمود گجراتیؒ (م۹۰۴ھ ۱۴۹۸ء)

یکے از مشائخ چشتیہ،فقیہ تھے، گجرات میں پیدا ہوئے،احمدآباد کے کفار نے شہید کردیا تھا،بعض کتب کے مصنف بھی ہیں۔(نزہۃ الخواطر،۴/۷۷)

(۷) قاضی جگن گجراتیؒ (م تقریباً۹۲۰ھ ۱۵۱۴ء)

گجرات کے مشہور حنفی فقیہ ہیں،زندگی بھر علوم حاصل کرتے رہے،فقہ میں آپ کی مشہور کتاب ''خزانۃ الروایات'' ہے،مگراس کتاب میں رطب ویابس کی آمیزش ہے،اس لیے بتصریح علماء اس کتاب کا شمار کتب غیر معتبرہ میں ہے۔ (نزہۃ الخواطر۴/۸۲)

(۸) شیخ حسن بن احمد گجراتیؒ (م۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء)

احمدآباد مولد ہے،علامہ کمال الدین دہلویؒ کی اولاد میں ہیں۔

كان عالماً كبيراً بارعاً فى الفقه والاصول والعربية والتصوف والتفسير وله مصنفات عديدة. (نزہۃ الخواطر،۴/۸۷)

(۹) شیخ سعید حبشیؒ (م۹۹۱ھ ۱۵۸۳ء)

متعصب حنفی فقیہ تھے،احمدآباد میں مدفون ہیں۔

كان فقيهاً مشاركاً فى كثير العلوم والفنون. (ایضاً۴/۱۲۵)

(۱۰) شمس الدین محمد بن محمد گجراتیؒ (م۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء)

گجرات ہی میں مولد ومدفن ہے۔

كان من العلماء المبرزين فى الفقه و الاصول و العربية. (نزہۃ الخواطر۴/۳۱۳)

(۱۱) قاضی صدرالدین لاہوریؒ (م ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء)

بڑے محقق کثیر المطالعہ عالم تھے، اہل علم کے لیے کشادہ ظرف تھے، کثرت سے روتے تھے، شاہ تیمور نے بھروچ میں منصب قضاء پر فائز کیا تھا، بھروچ میں انتقال ہوا۔

کان من العلماء المبرزين فى الفقه والكلام والاصول والعربية. (نزہۃ الخواطر ۴/۱۵۷)

(۱۲) سید شیخ عبداللہ حضرمی ثم احمد آبادیؒ (م ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء)

تریم میں پیدا ہوئے، متعدد ملکوں میں متعدد علماء سے علم حاصل کرنے کے بعد احمد آباد میں آئے تھے، تمام علوم عربیہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، فرائض، حساب میں یگانۂ روزگار تھے، احمد آباد میں ۳۲ سال قیام رہا اور یہیں انتقال ہوا۔ (مشائخ احمد آباد ۲/۱۹۲)

(۱۳) شیخ عبدالملک گجراتیؒ (م ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء کے بعد)

احمد آباد مولد ہے، احمد آباد کے کبار علماء میں آپ کا شمار ہے، حافظ قرآن تھے، صحیح بخاری شریف لفظاً ومعنیً ازبر تھی۔

جيدة فى الفقه والحديث والتفسير والعربية. (نزہۃ الخواطر ۴/۲۱۸)

(۱۷) شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ (م۹۸۶ھ ۱۵۷۸ء)

علامہ پٹنیؒ کے والد اور دادا کا شمار پٹن کے امیر اور بزرگ تاجروں میں ہوتا ہے، آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی، پندرہ سال کی عمر میں معقول و منقول، اصول وفروع سے فارغ التحصیل ہوئے، پھر درس و تدریس میں مشغول رہے، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا مبارک سلسلہ بھی جاری کیا، ''مجمع البحار'' کے علاوہ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں، فقہ میں ''احکام بئر'' رسالہ لکھا جو غالبًا کنویں کے احکام ومسائل پر مشتمل ہے، آپ کے فتاویٰ ''مجموعہ فتاویٰ'' چار جلدوں میں ہیں، پتہ نہیں یہ مجموعہ کہاں ہے۔ (مأخوذ از ''ملک المحدثین علامہ محمد بن طاہر پٹنی گجراتی'')

(۱۸) شیخ محمود بن بابو گجراتیؒ (م۹۴۳ھ ۱۵۳۶ء)

سید محمد بن عبداللہ بخاریؒ کے شاگرد ہیں، اپنے دور کے بڑے عالم وفقیہ تھے۔ انتفع به خلق كثير. (نزهة الخواطر ٤ / ٣٣٤)

(۱۹) قاضی محمود بن حامد گجراتیؒ (م۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء)

مشہور عارف باللہ، حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہیں، کبار مشائخ میں شمار ہے، صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، فقیہ، زاہد اور قاضی تھے، احمد آباد کے قریب پیرپور میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ۴/۳۳۵)

(۲۰) ملک محمود بن پیارو گجراتیؒ (م۱۰۰۰ھ ۱۵۹۲ء)

گجرات کے علم دوست بادشاہ تھے، آپ کے والد ماجد برہان پور

میں وزیر تھے۔ کان جید المشارکة فی الفقه والحدیث. احمد آباد میں مدفون ہیں۔(نزہۃ الخواطر ۳۳۵/۴)

(۲۱) قاضی محمود گجراتیؒ

موربِ(احمد آباد) میں پیدا ہوئے، طویل عرصہ تک درس و تدریس میں مصروف رہے، فقیہ اور قاضی تھے۔(نزہۃ الخواطر ۳۴۸/۴)

(۲۲) قاضی نجم الدین گجراتیؒ (م ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء)

محمود شاہ ثانی کے دور میں قاضی القضاۃ تھے۔ الشیخ العالم الفقیه قاضی القضاة بگجرات. (نزہۃ الخواطر ۳۷۳/۴)

(۲۳) شیخ نصیر الدین گجراتیؒ (م ۹۱۰ھ ۱۵۰۴ء)

احمد آباد مولد و مدفن ہے، فقیہ اور چشتی سلسلہ کے شیخ ہیں۔(نزہۃ الخواطر ۳۷۴/۴)

(۲۴) علامہ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ (م ۹۹۸ھ ۱۵۹۰ء)

چانپانیر (گجرات) میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے کبار علماء سے علم حاصل کیا، کثیر التصانیف عالم ہیں، علم فقہ واصول میں یہ تصانیف ہیں:

(۱) حاشية علی هداية الفقه للمرغينانی (۲) حاشية علیٰ شرح الوقايه (۳) حاشية علیٰ التلويح (٤) حاشية علیٰ اصول البزدوی (٥) حاشية علیٰ الشرح العضدی و علیٰ المختصر لابن الحاجب.

آپ کا مزار احمد آباد میں ہے۔(نزہۃ الخواطر ۳۸۵/۴، ۳۸٦)(مشائخ احمد آباد، ۲۹۲/۱)

گیارہویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ ابوسعید گجراتیؒ (م ۱۰۹۹ھ)

قاضی عبدالوہاب پٹنیؒ کے داماد تھے، دہلی میں منصب قضاء پر فائز رہے۔

تاریخ وسیرت نگاری میں مرجع کی حیثیت رکھنے والی کتاب نزہۃ الخواطر میں حضرت مولانا عبدالحئؒ نے آپ کا ذکران الفاظ میں فرمایا ہے:الشيخ العالم الفقيه القاضي. (نزہۃ الخواطر ۵/۱۹)

(۲) شیخ بابو بن شیخ حسینی گجراتیؒ (م ۱۰۰۷ھ)

پٹن میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے علماء سے تحصیل علم کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، گجرات میں بڑی تعداد نے آپ سے علم حاصل کیا۔

العالم الفقيه الفتني الگجراتي أحد الرجال المعروفين بالفضل والكمال. (نزہۃ الخواطر ۵/۸۷،۸۸)

(۳) شیخ تاج الدین گجراتیؒ (م ۱۰۰۹ھ)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نسل سے ہیں، بہار سے پٹن آئے تھے، صحاح ستہ کے حافظ تھے، پٹن میں وفات پائی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث (نزہۃ الخواطر ۵/۹۸)

(۴) شیخ جعفر بن علی گجراتیؒ (م ۱۰۶۸ھ)

حضرموت سے گجرات آئے تھے، حصولِ علم کے لیے متعدد ملکوں کا سفر کیا، قبولیتِ عامہ حاصل تھی۔ ہندوستان کے بادشاہ شاہ جہاں نے بھروچ کے کئی

گاؤں آپ کوتحفۃً دیے تھے۔متعدد فنون میں تصنیفات چھوڑیں۔

برع في التفسير والفقه والحديث والتصوف والعربية إلخ.

(نزہۃ الخواطر ۵/۱۰۷)

(۵) شیخ سلیمان کردیؒ

کُردِستان سے ہندوستان آئے، اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے علم حاصل کر کے گجرات آئے، اوریہیں رہ کر درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کرلیا۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث. (نزہۃ الخواطر ۵/۱۵۹)

(٦) مفتی عبدالکریم گجراتیؒ (م ۱۰۱۴ھ)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، پٹن میں آپ کا گھرانہ علم وتصوف میں معروف تھا، ۹۹۹ھ مدرسہ سلطانیہ مکۃ المکرّمہ میں خطیب مقرر ہوئے۔کئی کتابوں کے مصنف ہیں، مفتیٔ مکہ بھی رہے۔مکہ میں انتقال ہوا، جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں۔

كان عارفا بالفقه خبيرا بأحكامه وقواعده مطلعا علىٰ نصوصه. (نزہۃ الخواطر ۵/۲۴۵)

(۷) قاضی عبدالوہاب گجراتی (م ۱۰۸۷ھ)

علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی اولاد میں ہیں، متعدد جگہوں میں منصبِ قضاء پر فائز رہے، دہلی میں انتقال ہوا۔

الشيخ العالم الفقيه قاضي القضاة عبدالوهاب الحنفي الأحمدآبادي. (نزہۃ الخواطر ۵/۲٦۷)

(۸) السید غضنفر بن جعفر گجراتیؒ

پٹن کے باشندے تھے، اپنے دور کے علامہ اور محدث تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث والعربية. (نزہۃ الخواطر ۳۰۱/۵)

(۹) شیخ کمال محمد العباسی الگجراتیؒ (م ۱۰۱۳ھ)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، علامہ وجیہ الدین علوی کے شاگرد ہیں، بڑے عبادت گزار عالم تھے۔

الشيخ العالم الكبير المفتي أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر ۳۱۶/۵)

(۱۰) قاضی محمد شریف گجراتیؒ

گجرات میں درس وتدریس سے علم کی اشاعت کی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۳۷۵/۵)

(۱۱) شیخ محمود بن محمد گجراتیؒ (م ۱۰۴۰ھ)

احمد آباد مولد ومدفن ہے، احمد آباد کے صلحاء وفقہاء میں آپ کا شمار ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۳۹۷/۵)

بارہویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ ابوالحسن ویلورویؒ

اصلاً احمد آباد کے تھے، بعد میں ویلور (مدراس) ہجرت کر کے تشریف لے گئے، مشائخِ چشتیہ میں آپ کا شمار ہے۔

له مصنفات في الفقه والعقائد والتصوف (نزہۃ الخواطر ۵/۶)

(۲) قاضی ابوالفرح گجراتیؒ

فقیہ تھے، عالمگیر کے دور میں احمد آباد کے قاضی رہے۔ (نزہۃ الخواطر ۱۶/۶)

(۳) شیخ جلال الدین گجراتیؒ (م ۱۱۴۰ھ)

آپ نے اپنے والد ماجد سے علمِ ظاہر و باطن حاصل کیا، زندگی کے اخیر دور میں ایک مرض میں ابتلاء کی وجہ سے میوہ پر گزارہ کر لیتے تھے۔ دو رِسالے تصنیف فرمائے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والتصوف (نزہۃ الخواطر ۵۶/۶)

(۴) قاضی شیخ الاسلام گجراتیؒ (م ۱۱۰۹ھ)

احمد آباد کے مشہور مفتیان میں آپ کا شمار ہے، حق بات ظاہر کرنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے، زاہد اور متقی بزرگ تھے، عہدۂ قضاء آپ کو پیش کیا گیا؛ مگر قبول نہ کیا۔

أحد مشاهير الفقهاء الحنفية انتهت إليه الإمامة في العلم والعمل. (نزہۃ الخواطر ۱۱/۶)

(۵) عارف باللہ سید حضرت پیر مشائخؒ

(مومن قوم کے پیر) (بارہویں صدی کے مجدد)

دیوان مشائخ کی بارہویں اور تیرہویں کتاب عبادت جلد اول ودوم (بزبان گجراتی) فقہ میں آپ کی اہم تصنیف ہے، علاقۂ پالنپور اور کاٹھیاواڑ میں بسنے والی مومن قوم میں آپ کی بڑی خدمات ہیں۔ (مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں)

(۶) قاضی عبدالحمید گجراتیؒ

فضل وصلاح سے آراستہ بزرگ، بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے۔ احمد آباد مولد ومدفن ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۱۴۲/۶)

(۷) قاضی عبدالرسول گجراتیؒ (م ۱۱۳۰ھ)

احمد آباد سے جانبِ مغرب میں واقع کپر نج (کپڑونج) میں پیدا ہوئے، ''دھولکا'' اور ''احمد نگر'' میں منصبِ قضاء پر فائز رہے۔ درس وتدریس بھی کرتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر ۱۴۸/۶)

(۸) قاضی عبداللہ گجراتیؒ (م ۱۱۰۹ھ)

احمد آباد کے قاضی تھے، اسلامی ریاست کے متعدد عہدوں پر فائز رہے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۱۶۵/۶)

(۹) خواجہ فیض الحسن سورتیؒ (م ۱۱۵۱ھ)

سورت مولد ومدفن ہے، فضل وصلاح میں مشہور عالم وفاضل ہیں، فنِ فقہ

اوراصولِ فقہ میں ممتاز تھے۔آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "الفتاوی النقشبندیة" سے موسوم ہے۔فقہ کی مشہور کتاب "خلاصة الکیداني" کی شرح "فرُّخشاھی" کے نام سے لکھی۔(نزہۃ الخواطر ۶/۲۲۷،۲۲۸)

(۱۰) شیخ محمد بن جعفر گجراتیؒ (م ۱۱۱۱ھ)

احمد آباد کے علماء سے حصولِ علم کے بعد درس وتدریس میں لگ گئے۔ جلالین کے طرز پر تفسیراور مشکوۃ کی شرح "زینة النکات" تصنیف فرمائی۔احمد آباد میں مدفون ہیں۔العالم، الفقیه. (نزہۃ الخواطر ۶/۲۵۷)

(۱۱) مولانا محمد حسین شافعی گجراتی

گجرات کے ماہر فقہاء میں آپ کا شمار ہے،آپ نے بہ ذاتِ خود امام نوویؒ کی مشہور کتاب "کتاب المنهاج" کی ۱۱۵۸ھ میں کتابت فرمائی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۲۹۹)

(۱۲) قاضی محمد شفیع گجراتیؒ

سلطان عالمگیرؒ کے دور میں ۱۱۰۱ھ میں احمد آباد کے اطراف میں میرٹھ کے قاضی بنائے گئے تھے۔

أحد العلماء المبرزین في الفقه والأصول، وولی القضاء بمیرٹھ من أعمال أحمدآباد. (نزہۃ الخواطر ۶/۳۱۹)

نوٹ: "میرٹھ" احمد آباد کا کوئی دیہات ہوگا،مشہور شہر میرٹھ (یوپی) مراد نہیں۔(مرتب)

(۱۳) مولانا محمد فاضل سورتیؒ (م ۱۱۲۹ھ)

حجاز کے قبیلہ ''بنو عبید'' سے نسبت ہے، گجرات میں پیدا ہوئے، شیخ زین العابدین احمد آبادی کے شاگرد ہیں۔ تجارت کے ساتھ ساتھ تصنیف کا سلسلہ جاری رہتا، آپ کی من جملہ تصانیف کے فنِ فقہ میں ''حاشية الدرر'' ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۳۴۲)

(۱۴) سید معظم شاہ سورتیؒ (م ۱۱۳۵ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے علماء سے علم حاصل کیا، معروف فقیہ تھے۔

أحدالعلماء المبرزين في الفقه والأصول(نزهة الخواطر ٦/ ٣٧٤)

(۱۵) قاضی نظام الدین گجراتیؒ (م ۱۱۶۵ھ)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، اسی شہر کے علماء سے علم حاصل کرنے کے بعد ممتاز عالم ہوئے، احمد آباد میں منصب قضاء پر بھی فائز رہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کا ایک رسالہ قہوۃ کے متعلق ہے۔

الشيخ العالم الفقيه......فاق أقرانه في كثير من العلوم والفنون إلخ. (نزہۃ الخواطر ۶/۳۸۵)

(۱۶) قاضی نور الحق گجراتیؒ

گجرات کے مشہور فقہاء میں شمار ہے، عالمگیرؒ کے دورِ حکومت میں منصب قضاء پر فائز رہے، نیز ''ماندہ'' مقام کے محتسب بھی۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۳۸۹)

(۱۷) شیخ نور الدین گجراتیؒ (م ۱۱۵۵ھ)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، ''گلستاں'' اپنی والدہ سے سات روز میں پڑھ لی،

دیگر علوم علمائے احمد آباد سے حاصل کر کے ممتازِ عصر ہو گئے۔ بڑے زاہد و عابد تھے، سلاطین کے ہدایا قبول کرنے سے گریز کرتے تھے، بڑے وسیع النظر عالم تھے جیسا کہ اُن کی تصانیفِ کثیرہ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں تصنیف فرمائی، ''شرح وقایہ'' کا حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ احمد آباد میں اپنے مدرسہ کے قریب مدفون ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ۳۹۱/۶)

تیرہویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ ابراہیم بن عبدالاحمد سورتیؒ (م ۱۲۸۲ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اِسی شہر میں حصولِ علم کے بعد بڑے عالم ہوئے۔ بمبئ میں جامع الکبیر کے خطیب اور ''مدرسہ محمد یہ'' میں مدرس رہے۔ آپ شافعی المسلک عالم تھے،فقہِ شافعی میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۵)

(۲) شیخ احمد بن محمد گجراتیؒ (م ۱۲۵۵ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے والد سید محمد ہادی سے حصولِ علم کے بعد درس وتدریس میں لگ گئے۔ آپ کے علم سے علماء کی ایک جماعت مستفید ہوئی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۳۲)

(۳) قاضی اخی بن محمد سین سورتیؒ

سورت کے مشہور فقیہ عالم ہیں۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۴۹)

(۴) شیخ اسماعیل سورتیؒ (م ۱۲۸۷ھ)

سورت کے مشہور فاضل وقاری ہیں، حصولِ علم کے بعد درس وتدریس کے ذریعے خلقِ کثیر کو مستفیض کیا۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۶۵)

(۵) مفتی جمال الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۶ھ)

سورت میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی، اپنے والد ماجد سے فنِ فقہ حاصل کیا، بعدہٗ افتاء اور قضاء میں اُن کے جانشیں مقرر ہوئے، بعد میں اِس منصب سے الگ ہوگئے، اور عبادت اور افادہ میں اوقات صَرف کرتے تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول (نزہۃ الخواطر ۷/۱۲۱)

(۶) شیخ رحمت اللہ لاجپوریؒ (م ۱۲۶۴ھ)

سورت کے قریب ''لاجپور'' گاؤں کے باشندہ تھے، قرآن شریف قرأتِ سبعہ میں تلاوت کرتے، اُس وقت اِن کے جیسا اُس جگہ کوئی قاری نہ تھا۔ درس وتدریس میں طویل عرصہ تک مشغول رہے، دو حج کیے، دوسری مرتبہ حج کے سفر سے واپسی میں غرقِ آب ہوئے اور انتقال فرماگئے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۱۷۴)

(۷) شیخ سراج الدین گجراتیؒ (م ۱۲۱۳ھ)

''چانپانیر'' کے باشندہ ہیں، اپنے عصر کے علماء سے تحصیلِ علم کے بعد تدریسی خدمات میں لگ گئے، متعدد علماء کے استاذ ہیں، احمد آباد میں قبر ہے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۷/۱۹۶)

(۸) سید شرف الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۶ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، علمائے وقت سے علم حاصل کیا، بعد فراغت

اپنے وقت کے شیخ مانے گئے، سورت میں مدفون ہیں۔

أحدالعلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۷/۲۰۷)

(۹) مولانا صالح بن خیرالدین سورتیؒ

سورت میں پرورش پائی، اپنے والد بزرگوار سے طویل عرصہ تک تحصیلِ علم کے بعد سورت ہی میں منصبِ قضاء پر فائز ہوئے، تادمِ آخر اِسی منصب پر قائم رہے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث (نزہۃ الخواطر ۷/۲۱۸)

(۱۰) شیخ صدیق بڑودویؒ

بڑودہ میں پیدا ہوئے، گجرات کے علماء سے تحصیلِ علم کے بعد حج کا سفر کیا، مدینہ منورہ کو اپنا مَسکَن بنالیا۔ بڑے نیک، صالح اور فقیہ عالم تھے۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۲۲۱)

(۱۱) قاضی عبدالاحد سورتیؒ (م ۱۲۲۵ھ)

(اصل نام احمد تھا)، قبیلۂ باعکظہ سے تھے، شیخ عبداللہ حسینی لاہوری ثم سورتی کے شاگرد تھے، علمِ ادب وبلاغت اورفنِ شعر کے شناور تھے۔ شہر بھروچ میں منصبِ قضاء پر فائز رہے۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۲۳۰)

(۱۲) شیخ عبدالرحمٰن گجراتیؒ

قبیلۂ باعکظہ سے تھے، سورت میں نشو ونما پائی، شافعی المسلک تھے، اپنے والد ماجد اور دیگر علمائے وقت سے علوم حاصل کیے، بعد میں حیدرآباد تشریف لے گئے، وہیں انتقال ہوا۔

كان من العلماء المبرزين في الفقه والأصول (نزہۃ الخواطر ۲۵۳/۷)

(۱۳) مفتی عبداللہ سورتیؒ

اپنے چچا محدثِ سورت شیخ خیرالدین سورتی سے علم حاصل کیا، بعدہٗ سورت میں منصبِ افتاء پر فائز ہوئے اورتا دمِ حیات اِسی منصب پر قائم رہے۔

العالم الفقيه، أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول؛ (إلىٰ أن قال:) ثم ولي الإفتاء بمدينة سورت. (نزہۃ الخواطر ۳۰۱/۷)

(۱۴) شیخ غلام احمد سورتیؒ (م ۱۲۷۶ھ)

مولد ومسکن اور مدفن سورت ہے، اپنے والد سے علمِ فقہ وحدیث حاصل کیا، بعدہٗ تادمِ حیات تدریس وافادہ میں لگے رہے۔

العالم الفقيه، أحد الفقهاء الحنفية. (نزہۃ الخواطر ۳۴۵/۷)

(۱۵) قاضی غلام علی سورتیؒ (م ۱۲۹۱ھ)

اپنے والد صاحب کے بعد منصبِ افتاء وقضاء پر فائز رہے، درس وتدریس کا بھی مشغلہ تھا۔ سورت ہی میں انتقال ہوا۔

أحد الفقهاء الحنفية ولى الإفتاء والقضاء بعد والده (نزہۃ الخواطر ۳۵۶/۷)

(۱۶) شیخ محمد سورتیؒ (م ۱۲۲۸ھ)

اپنے دور کے مشہور عالم فاضل ہیں، انگریز کے دور میں منصبِ افتاء پر فائز تھے، طویل عرصہ تک بہ ذریعۂ افتاء خلقِ خدا کی رہنمائی کی، متعدد علماء نے

آپ سے علم حاصل کیا۔

ولی الإفتاء في المحكمة العدلية الإنكليزية بسورت. (نزہۃ الخواطر ۷/۴۱۱)

(۱۷) سید محمد بن زین سورتیؒ

سورت کے ماہر فقیہ ہیں، اپنے والد اور دیگر علماء سے علم کی تحصیل کی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۷/۴۱۶)

(۱۸) شیخ محمد شاکر سورتیؒ (م ۱۲۴۰ھ)

شیخ عبداللہ حسینی لاہوری کے شاگرد ہیں، اِن سے سورت ہی میں پڑھا، پھر زندگی کے آخری دَم تک درس وتدریس کرتے رہے۔

أحد الفقهاء المعروفين (نزہۃ الخواطر ۷/۴۴۳)

(۱۹) شیخ محمود بن عبدالقادر سورتیؒ (م ۱۲۸۶ھ)

قبیلۂ باعکظہ سے تھے، سورت مولد ہے، اپنے چچا ابراہیم باعکظہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا، تجارت بھی کرتے تھے۔

كان من العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۴۶۶)

(۲۰) مولانا مراد اللہ لکھنویؒ (م ۱۲۸۱ھ)

لکھنؤ کے حنفی عالم اور فقیہ تھے، لکھنؤ میں تدریس کے بعد بڑودہ آ گئے، اور بڑودہ میں ایک مدت تک درس وتدریس کی۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۴۷۰)

(۲۱)مفتی مصلح الدین سورتیؒ

سورت کے مفتی تھے،تادمِ آخر بہ ذریعۂ افتاءخدمات انجام دیں۔

الفاضل المفتي أحد الفقهاء الحنفية ولی الإفتاء ببلدته. (نزہۃ الخواطر ۷/۴۸۳)

(۲۲)مفتی نظام الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۰ھ)

سورت مولدومسکن ہے، اپنے والد صاحب سے پڑھا، درس وتدریس کے ساتھ افتاءکےفرائض انجام دیتے رہے۔

العالم المفتي، أحد الفقهاء الحنفية، (إلیٰ قوله:) ثم ولی الإفتاء ببلدة سورت. (نزہۃ الخواطر ۷/۵۰۳)

چودہویں صدی کے فقہاء

(۱)مولانا مفتی ابراہیم صاحب مانگرولیؒ (کاٹھیاواڑ)

(م۱۳۹۵ھ،۱۹۷۵ء)

اصل وطن احمد آباد تھا،ایک بزرگ کے اشارہ پر مانگرول تشریف لائے تھے،حضرت مفتی سہول صاحب بھاگلپوریؒ (مفتی دارالعلوم دیوبند) سے خاص تعلق تھا،حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی حکمت عملی سے شرک وبدعت کو ختم کیا،آپ اپنے زمانہ کے مشہور عالم دین اور فقیہ تھے۔

(۲)مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب جام نگریؒ (م۱۳۹۰ھ ۱۹۷۱ء)

(مدرسہ ابراہیمیہ عربیہ جام نگر کے مہتمم)

دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل اور حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ ناصرآباد (بلوچستان) سے جام نگر تشریف لائے تھے،بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے۔آپ فقیہ وقت تھے،شہر جام نگر اور اس کے اطراف میں آپ کی بزرگی اور فقاہت مسلم تھی۔سوَراشٹر جو بدعات ورسومات کا منبع ہے اس کے باوجود ایک وقت ایسا تھا کہ جام نگر اور اس کے قرب وجوانب میں آپ کے فتوے اور فیصلے حرف آخر سمجھے جاتے تھے۔

(۳) قاضی احمد لاجپوری (م۱۳۰۹ھ)

سورت میں پیدا ہوئے،اپنے دَور کے اساتذہ سے پڑھا،پھر ''پارچول'' گاؤں کے قاضی مقرر ہوئے،فصیح وبلیغ شاعر بھی تھے۔

أحد الأفاضل المشهورين. (نزهة الخواطر جديد۸/ ۱۱۸۳)

(۴) مولانا احمد میاں صوفی صاحب لاجپوریؒ (م ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء)

آپ کو تصنیف وتالیف کا شوق طالب علمی کے زمانہ سے ہوگیا تھا، چند تصانیف یادگار چھوڑیں، فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے تھے، آپ کے بعض فتاویٰ لاجپور میں موجود ہیں۔

(۵) مولانا مفتی احمد بزرگ صاحب سملکیؒ

(م ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۲ء) (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

سورتی جامع مسجد رنگون (برما) میں ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۱ء فروری تک افتاء کی خدمت انجام دی، پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ تا ذی قعدة ۱۳۵۴ھ اہتمام کی ذمہ داریوں کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی، رنگون اور ڈابھیل کی کل مدت ٦ سال ہوتی ہے، آپ کے فتاویٰ عام فہم ہوتے، ہر شخص بہ آسانی سمجھ لیتا، رنگون کے فتاویٰ سقوط رنگون کے بعد ضائع ہوگئے، مگر ڈابھیل کے فتاویٰ محفوظ ہیں، اس کی ترتیب وتخریج کا کام جاری ہے۔

(٦) مفتیٔ اعظم برما وگجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ (م ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۸ء)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے زیر تربیت فتاویٰ نویسی کی مشق کرنے سے آپ کو افتاء سے کافی مناسبت ہوگئی تھی، مفتی کا لفظ آپ کے نام کا جزو بن گیا تھا اور مفتی گجرات کا خطاب بھی آپ کو عطاء کیا گیا،

زندگی کے آخری لمحات تک فتاویٰ تحریر فرماتے رہے، اس میں آپ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، لوگوں کو آپ کے فتاویٰ پر کامل اعتماد تھا، جواب کا اعتبار پیدا کرنے کے لیے عام طور پر کتب فقہ کے حوالہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی، وفات تک ۴۳ سال کی مدت میں کل فتاویٰ کی تعداد ۳۵ ہزار ہوتی ہے۔

آپ کے گجراتی فتاویٰ کی پانچ ضخیم جلدیں ''فتاویٰ سنگرہ'' کے نام سے منصۂ شہود پر آچکی ہیں، جسے آپ کے جانشین مولانا مفتی عباس صاحب بسم اللہ زیدمجدہم نے حسن ترتیب سے مزین کیا ہے، باقی گجراتی فتاویٰ اور رنگون وڈابھیل کے اردو فتاویٰ پر کام جاری ہے۔ مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے فتاویٰ پر ہندوستان کے بڑے علماء نے بھی اطمینان ظاہر فرمایا ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے آپ کا فتوی دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس آدمی کے فتاویٰ سے تفقہ کی بو آرہی ہے۔ (تاریخ جامعہ: ۲۸۳)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ (سابق مفتی اعظم پاکستان) نے اپنے ایک شاگرد سے نصیحت کے طور پر فرمایا تھا: ہمارے ساتھی مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب بڑے اونچے فقیہ ہیں، ان کے فتاویٰ دیکھتے رہنا۔ (اجلاس صدسالہ، جامعہ ڈابھیل: ص: ۱۳۲)

(۷) مولانا مفتی اسماعیل گوراصاحب راندیریؒ (م ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء)

سورتی جامع مسجد رنگون (برما) میں واقع دارالافتاء کے صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۳۸۴ھ میں جامعہ ڈابھیل کے صدر مفتی منتخب

ہوئے۔ مفتی صاحب اپنی خداداد قابلیت میں ہند و بیرون ہند میں مشہور تھے، بہت ہی خوبیوں کے مالک اورتواضع کے پیکر تھے،آپ کے فقہی جوابات ’’قلّ ودلّ‘‘ کے مصداق ہوتے، گجرات کے مشہوررسالہ ’’مسلم گجرات‘‘ میں آپ کے فتاویٰ چھپتے تھے، قیام ڈابھیل کے تمام فتاویٰ جامعہ ڈابھیل کے دارالافتاء میں محفوظ ہیں۔

(۸) حضرت مولانا مفتی اکبر صاحبؒ (م جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء)

حضرت مولانا نذیر صاحبؒ (م رمضان ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء) کے برادر خورد ہیں، ان دونوں بھائیوں کے فتاویٰ پالنپور کے علاقوں اور دینی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے،فتاویٰ تفصیل کے ساتھ حوالوں سے مزین ہوتے۔ (مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں)

(۹) مولانا انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ)

’’ودوان‘‘ (کشمیر) میں پیدا ہوئے، کشمیر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، بعدِ فراغت مدرسہ امینیہ دہلی پھر دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعدہٗ ۱۳۴۶ھ میں جامعہ ڈابھیل گجرات منتقل ہوگئے، اور پانچ سال وہاں خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۲ھ میں مرضِ بواسیر میں انتقال ہوا اور دیوبند میں مدفون ہیں۔

آپ اپنے دَور کے محدث اور فقیہِ عصر تھے، آپ کا حافظہ ضربُ المثل تھا، بہ قول مولانا سید احمد رضا بجنوری: ’’پوری بخاری شریف کے گویا حافظ تھے‘‘۔ درسِ حدیث کے دوران مسائلِ فقہیہ سے متعلق جس ژرف نگاہی، دیدہ وری، بالغ

نظری اور دقیقہ رسی سے گفتگو کرتے اُس سے محسوس ہوتا کہ فقہِ حنفی کے مسائل خود بہ خود احادیث سے نکل رہے ہیں۔

آپ کی تصانیف اور درسی افادات کی تعداد بہت ہے، فنِ فقہ سے متعلق حسبِ ذیل تصنیفات ہیں:

[۱]تعلیقات علیٰ فتح القدیر (إلیٰ کتاب الحج)

مندرجہ ذیل رسائل قیامِ ڈابھیل کے دوران تصنیف فرمائے۔

[۲]نیل الفرقدین في مسئلة رفع الیدین(عربی): اِس میں محققانہ انداز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ، نماز میں رفعِ یدین میں اختلاف محض اولویت کا ہے۔ کُل صفحات ۱۴۵/ ہیں۔

[۳]بسط الیدین في نیل الفرقدین(عربی): یہ ۶۵/صفحات کا رسالہ "نیل الفرقدین" کا تکملہ وضمیمہ ہے۔

[٤]کشف الستر عن صلاة الوتر(عربی): ۱۰۰/صفحات پر مشتمل ہے، جس میں نمازِ وتر کی بابت اپنے متبحرانہ انداز میں ایسی مدلل بحث کی ہے کہ منصِف مزاج شخص کے لیے احناف کے نقطۂ نظر کی تائید کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

علامہ کشمیری کے علوم کی اشاعت تصنیفات کے ذریعے "مجلسِ علمی ڈابھیل" سے خوب ہوئی۔

الکشمیري أحد کبار الفقهاء الحنفیة وعلماء الحدیث الأجلاء. (نزہۃ الخواطر جدید ۱۱۹۸/۸)

(۱۰) مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنیؒ (م ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء)

جامعہ ڈابھیل میں ۱۳۴۶ھ تا ۱۳۶۲ھ تدریسی خدمات انجام دیں۔اسی دوران ''زاد الفقیر'' کا حاشیہ ''مستزاد الحقیر'' کے نام سے تحریر فرمایا، شیخ ابن ہمامؒ صاحب فتح القدیر کا جو مرتبہ فقہاء میں ہے وہ محتاج بیان نہیں، ''زادالفقیر'' حضرت شیخ کی وہ نادرونایاب کتاب ہے جس میں آپ نے ابواب الطہارۃ وابواب الصلاۃ کے تمام ضروری واہم مسائل وجزئیات کونہایت شرح وبسط سے جمع فرمایا ہے۔کتب فتاویٰ میں حضرت شیخ کی اس کتاب کے حوالے بیشتر موجود ہیں۔عہد قدیم کے اندر بعض ممالک میں یہ کتاب درساً بھی پڑھائی جاتی رہی ہے،مگراس کے باوجود اب تک یہ کتاب طبع نہ ہوسکی تھی۔''مجلس علمی'' نے حضرت العلامہ مولانا محمد انورشاہ صاحب قدس سرہٗ کے امروارشاد پراس کی طباعت کاانتظام کیا اورمزیدافادہ کے خیال سے جناب مولانا محمد بدر عالم صاحبؒ استاذ الفقہ والحدیث (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) سے اس کاتحشیہ کرایا۔حضرت علامہ کشمیریؒ کی حیات مبارکہ میں تحشیہ کا کام شروع کر دیا تھا، مگراختتام پذیرہونے سے پہلے علامہ کشمیریؒ کا ۱۳۵۲ھ میں وصال ہوگیا۔کتاب کے مقدمہ میں حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ تحریرفرماتے ہیں:

''فإنی قد کنت شرعت فی تعلیق رسالة الشیخ ابن الهمام المسماة بزاد الفقیرفی حیاة الشیخ العلامة الاواه السیدمحمدانور شاه نوّرالله ضریحهٗ، وکان قصوی منیتی وغایة بغیتی ان اکملهٗ فاقدمه لحضرته العالیة کی تقرعینه ولا یحزن،ولیکن حشیشاًفی ید الغریق یوم

القيامة،ولكن لقلة بضاعتى وقصورباعى على ماعانيه من شواغل المدرسة مازلت اترددواحيل الامرمن اليوم على الغد،فمضى على هذاالحال برهة مااجدفرصة ....فلماكدت اَنْ اُهَنِّأَ نفسى بتكميلهٖ فإذا الشيخ قدمضى لسبيلهٖ".(زاد الفقير مع حاشية مستزاد الحقير:۲)

شروع کتاب میں حضرت علامہ شبیراحمد عثمانیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزازعلی صاحبؒ کی تقاریظ بھی ہیں،مجلس علمی ڈابھیل سے کتاب طبع ہوئی۔

(۱۱)مولانا برکت اللہ سورتیؒ

سورت کے حنفی فقیہ عالم ہیں،حدیث وفقہ شیخ محمد سعید عظیم آبادی سے حاصل کیا،سورت میں درس وتدریس میں مصروفِ عمل رہے،متعدد علماء کے استاذ ہیں۔

أحدالعلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر جدید۸/۱۲۰۳)

(۱۲)قاضی سیدرحمت اللہ لاجپوری محدث راندیرؒ(م۱۳۴۲ھ)

سورت میں پیدا ہوئے،آپ کے جدِ امجد گجرات کے بڑے عالم تھے، فارسی وعربی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور شیخ پیرمحمد سے حاصل کی، پھر بھوپال چلے گئے،وہاں کبارِعلماء سے پڑھا۔

قاضی صاحب حاویٔ معقول ومنقول، جامعِ فروع واصول،ادیبِ لبیب اور گجرات کے مایۂ ناز محدث تھے،قراءت سبعہ،فقہ اور اصولِ عربیہ سے خاص مناسَبت تھی، پچاس سال "دارالعلوم اشرفیہ راندیر" میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

درس وتدریس وافتاء کے ساتھ تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق تھا، نوشتہ فتاویٰ کے علاوہ کئی مفید تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں،جن کی فہرست درج ذیل ہے:

[۱] كحل البصر في ذكر وقت العصر

[۲] كحل العينين في ترك رفع اليدين

[۳] سبع سنابل في تصريح المسائل

[٤] غنية المهتدي في حكم قراءة المقتدي

[٥] ترتيب المسائل في أقوى الدلائل

[٦] تلك عشرة كاملة

[۷] تحقيق المسائل عن عمدة الوسائل

[۸] نور العينين

[۹] هداية البرايا في أحكام الضحايا

[۱۰] اسلامی ضرورت اوراوقاف کی فاضل آمدنی

(ماخوذ از: ذکر صالحین، جلد اول ص: ۱۷۵ غیر مطبوعہ)

(۱۳) حضرت صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ (م ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء)

باغِ عارف کا پہلا حصہ:

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر فرمایا تھا:

حضرت صوفی صاحب صرف ولیٔ کامل ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑے عالم بھی ہیں کہ گجرات میں جن کی نظیر ملنی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔(مقدمہ باغ عارف ۲۲)

(۱۴) مفتی سید شمس الدین بڑودویؒ (م ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۸ء)

آپ نے جامعہ حسینیہ راندیر-سورت میں دوسری مرتبہ ۱۳۶۰ھ سے ۱۳۶۳ھ تک تدریس کی ہے اور اس زمانہ میں تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمات بھی انجام دی ہیں، اللہ تعالی نے آپ کو قوت تحقیق واستنباط اور تعمق نظر کی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ (سوانح مولانا سید شمس الدین بڑودویؒ: ص:۲۲)

(۱۵) مولانا مفتی صدیق صاحب بڑودویؒ

سورتی جامع مسجد رنگون (برما) میں ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۵ء تک ایک سال فتاویٰ نویسی کی، مزید تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۱۶) مفتی عبدالحمید شافعی سورتیؒ (م ۱۳۰۸ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے والد اور دیگر علماء سے حصولِ علم کے بعد ''مدرسہ محمدیہ بمبئ'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ فنِ فرائض اور حساب میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، متعدد اشخاص نے اِن سے فیض اٹھایا۔ بمبئ میں انتقال ہوا۔

أحد كبار الفقهاء. (نزہۃ الخواطر جدید ۱۲۶۵/۸)

(۱۷) علامہ محمد عبدالحی کفلیتویؒ (م ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء)

اپنے دور کے علامہ تھے، علوم دینیہ میں بیش بہا ذخیرہ تالیف فرمایا، آپ کی تصنیف کردہ کتابیں ۲۳ ہیں، جن میں فقہ کے موضوع پر حسب ذیل ہیں:

(۱) اجابة السائل عن القنوت فی النوازل ...(اردو) ...مصائب کے وقت قنوت پڑھنے کا حکم۔

(۲)القول المجلّی: عیدگاہ میں نمازِعیدین کی مسنونیت کے موضوع پر۔
(۳)نسیم الصبا: سود کی حرمت کے بیان میں۔
آخرحیات میں رویت ہلال کے بارے میں ٹیلیگراف کی خبر کا اعتبار کیا جائے یانہیں؟اس سلسلے میں بہ زبان عربی ایک سوال مرتب کرکے ہندوستان، عرب،استنبول کے علما کے جوابات حاصل کیے،لیکن اس کے شائع ہونے سے پہلے ہی پیام صادق آپہنچا۔

(۱۸)مفتی سید عبدالحی قاضی صاحب لاجپوریؒ

(حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے خسر صاحب)
افریقہ (ڈربن ناٹال) میں فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں۔

(۱۹) شیخ عبدالقادر سورتیؒ

مولد سورت ہے،شافعی المسلک فقیہ ہیں،اپنے دَور کے مشہور علماء اور شیخ محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری سے علم حاصل کیا،حرمین شریفین کے کبارِعلماء سے بھی فیض اٹھایا، بعدمیں بمبئی میں مقیم ہوگئے تھے۔فنِ فقہ میں ”تحفة المشتاق في أحكام النكاح والإنفاق“نامی کتاب تصنیف کی۔
الشيخ العالم الفقيه، كان من العلماء الأتقياء. (نزہۃ الخواطر جدید۸/۱۲۸۷)

(۲۰)مولانا علی محمد تراجوی سورتیؒ (م ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء)

تقریبا دوسال سورتی جامع مسجد رنگون (برما) کے صدر مفتی رہے،آپ

کے فتاویٰ محفوظ نہیں ہیں، وہاں کے مشہور رسالہ ''المحمود'' میں شائع ہوتے تھے، اس سے آپ کی سوانح میں نمونہ کے طور پر چند فتاویٰ نقل کیے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ''فخر گجرات'' ص:۱۳۰ تا ۱۴۵۔

(۲۱) سید عماد الدین سورتیؒ (م ۱۳۱۰ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، علمائے مصر سے حصولِ علم کے بعد بمبئی تشریف لے گئے، وہیں انتقال ہوا۔ متعدد علوم کے ماہر تھے۔

أحدالعلماء المبرزين في النحو والعربية والفقه والكلام. (نزہۃ الخواطر جدید ۱۳۱۴/۸)

(۲۲) مولانا غلام محمد صادق صاحب راندیریؒ (م ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء)

آپ کی تالیفات کی تعداد ۲۴ ہے، آپ نے عقائد وفقہ کی بہت سی کتابوں کا گجراتی میں ترجمہ کیا اور چھپوا کر شائع کیا، فقہ میں بہشتی زیور اور زبدۃ المناسک کا ترجمہ کیا۔

(۲۳) مولانا غلام نبی صاحب تاراپوریؒ (۱۳۷۶ھ ۱۹۵۶ء)

سورتی جامع مسجد رنگون (برما) میں افتاء کے منصب پر ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۴ء ایک سال فائز رہے۔

(۲۴) مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیریؒ (م ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۴ء)

آپ نے رنگون (برما) میں سورتی جامع مسجد میں دارالافتاء قائم کیا، جس میں ایک قابل مستند مفتی رہ کر عوام کی رہنمائی فرماتے رہے۔ (البلاغ بمبئی، شمارہ ۷-۸)

(۲۵) شیخ محمد بن ہاشم سورتیؒ (م ۱۳۱۰ھ)

''سامرود'' (ضلع سورت) کے باشندہ ہیں، متعدد شہروں کے کبارِ علماء سے علم حاصل کیا، درس وتدریس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچایا، کتابیں جمع کرنے کا خوب شوق تھا۔ کئی تصانیف چھوڑیں جن میں دو یہ ہیں:

[۱]نیل المنیٰ في تقصیر الصلاۃ بمنیٰ

[۲]تحریم الرجعة في تحریم المتعة. (نزہۃ الخواطر ۸/۴۷ا)

(۲۶) مولانا مفتی محمد سعید صاحب راندیریؒ

(م ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) (جامعہ حسینیہ راندیر)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے شاگرد تھے ان سے فتاویٰ نویسی میں مہارت حاصل کی تھی جامعہ حسینیہ کے مفتی تھے، درس وتدریس کے ساتھ افتاء کی ذمہ داریاں بھی بحسن وخوبی انجام دیں۔

(۲۷) شیخ محمد فاضل سورتیؒ (م ۱۳۰۲)

سورت میں پیدا ہوئے، سورت اور دہلی کے علماء سے حصولِ علم کے بعد سورت میں اپنے والد صاحب کے جاں نشین مقرر ہوئے، بڑے بڑے علماء ومشائخ نے آپ سے علم حاصل کیا۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر جدید ۸/۱۷۱ا)

(۲۸) مولانا مفتی محمد حسین صاحب راندیریؒ (شیر گجرات)

(م ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء)

جامعہ حسینیہ راندیر میں دارالافتاء کا شعبہ قائم کیا اور بذات خود فتاویٰ تحریر فرماتے تھے، یہ فتاویٰ گجراتی اخبار ''ہمدرد'' میں شائع ہوتے رہتے تھے، آپ کے فتاویٰ گجراتی میں ''فتاویٰ حسینیہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، فتاویٰ کا یہ مجموعہ بے حد مقبول ہوا، جس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ (البلاغ بمبئی، جلد ا/شمارہ ۷-۸)

(۲۹) شیخ محمود بن حسام الدین گجراتیؒ

احمد آباد میں پیدا ہوئے، اپنے عصر کے علماء سے علم حاصل کیا، اپنے والد سے علم طریقت حاصل کرنے کے بعد اُن کے جانشین بنے، سورت اور حیدرآباد میں علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے علم حاصل کیا۔ احمد آباد میں انتقال ہوا۔ تصوف میں ایک کتاب تصنیف فرمائی۔

الشیخ العالم الفقیه. (نزہۃ الخواطر جدید ۱۳۷۶/۸)

(۳۰) مفتی اعظم برما حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ

(م ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء)

آپ گوناگوں خصوصیات کے ساتھ ساتھ تفقہ فی الدین کی خصوصیت کے حامل تھے، جس کے شاہد آپ کے وہ فتاویٰ ہیں جو آپ نے رنگون میں سورتی جامع مسجد میں خدمت دارالافتاء کے موقع پر تحریر فرمائے۔ فقیہ عصر مفتی اعظم

گجرات حضرت مولانا سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ رقمطراز ہیں: ''حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری نوّر اللہ مرقدہٗ وسیع النظر، عالم باعمل تھے، قرآن کریم وحدیث وفقہ پر بڑی گہری نظر تھی۔ آپ کے فتاویٰ مدلل وفقہی بصیرت کے حامل ہوتے تھے۔'' (تذکرۃ المرغوب غیر مطبوعہ: ص:۵۹)

آپ کے فتاویٰ ''مرغوب الفتاویٰ'' کے نام سے آپ کے قابل حفید مولانا مرغوب احمد صاحب زید مجدہم مقیم ڈیوزبری (برطانیہ) نے حوالجات کی تخریج کے ساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں مرتب کیے ہیں، تین جلدیں زیر طبع ہیں۔

مجیب مرغوب، محشی مرغوب، فتاویٰ کا نام مرغوب، بس اب رغبت کی آنکھیں دیکھنے کی منتظر ہیں۔

(۳۱) مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ

(م ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) (دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے، مدرسہ امینیہ سے فراغت کے بعد حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے آپ کو مدرسہ اشرفیہ راندیر (سورت) بھیج دیا، راندیر میں مدت تک افتاء وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اہل گجرات پر آپ کے علم وفضل کا بڑا اثر تھا، فقہ حنفی میں بے نظیر مہارت کے ساتھ حدیث اور اسماء رجال پر بھی آپ کی نظر بڑی گہری تھی۔ مفتی صاحبؒ کئی اہم کتابوں کے مصنف ہیں، فقہ میں امام محمد کی ''کتاب الحجۃ'' جو چار جلدوں میں ہے ان کی تصحیح وتعلیق کے ساتھ دائرۃ المعارف میں اس کی

ابتدائی دوجلدیں چھپی ہیں، یہ کتاب بڑی نایاب تھی اس کا ایک نسخہ استنبول میں موجود تھا، یہ فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں سے ہے، مفتی صاحب نے اس کے مسودہ کی تصحیح وتعلیق میں ۲۰؍سال صرف کیے ہیں، امام محمد کی ''کتاب الاٰثار'' پران کی تعلیقات گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔ (تارخ دارالعلوم دیوبند۲؍۲۵۸)

(۳۲) مولوی وصی احمد سورتیؒ

سورت میں پیدا ہوئے، کانپوراور سہارن پور کے متعدد علماء سے حصولِ علم کیا، طبیعت میں تشدد تھا۔ ''سنن نسائی'' اور''شرحِ معانی الآثار'' کا حاشیہ لکھا۔

الشيخ العالم الفقيه، كان من الفقهاء المتعصبين علىٰ من يعمل بنصوص الحديث. (نزہۃ الخواطر جدید۸؍۱۴۰۰)

(۳۳) مولانا محمد یوسف دیوان صاحب لاجپوریؒ (م ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۸ء)

علم فقہ پرمہارت تامہ حاصل تھی، اپنی خداداد صلاحیت سے فتاویٰ کے جوابات بڑے مدلل ومفصل تحریر فرماتے تھے (گلشن یوسفی:ص:۳۹)

آپ نے نورالایضاح کا اردو میں ترجمہ شروع فرمایا تھا، مگر مکمل نہ ہوسکا، کتاب الصلاۃ تک ترجمہ کیا تھا جس کی تکمیل رفیق محترم مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب زید مجدہم (مقیم برطانیہ) نے فرمائی جو ۲۰۰۶ء، ۱۴۲۷ھ میں ''سرورالنجاح ترجمہ نورالایضاح'' کے نام سے شائع ہوا۔

کتاب کی تقریظ میں فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''بزرگ

صفت، عالم باعمل تھے،شب وروز کتب بینی اوردرس وتدریس میں مشغول رہتے تھے،فقہ سے خاص مناسبت تھی‘‘(سرورالنجاح کی تقریظ:ص:۱۱)

(۳۴)حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ(م۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء)

حضرت مولاناؒ نے تدریس ڈابھیل کے دوران ایک صاحب کے چند استفسارات کے جواب میں ’’بغیة الاریب فی احکام القبلة والمحاریب‘‘ نامی رسالہ تحریر فرمایا۔

علامہ بنوریؒ نے اپنی اس تالیف کی تدوین کے وقت ہندوستان کے متعدد مشہور کتب خانوں کے نادر مخطوطات اورنایاب وکمیاب مطبوعات کا مطالعہ عرصہ تک جاری رکھا،حدیث،تفسیر،فقہ ولغت اورعلوم متفرقہ کی تقریباً ۱۰۰گراں قدر کتابوں کواپنے مذکورہ رسالہ کاماٴ خذ قرار دیا،اصولِ تعیینِ سمت قبلہ پرسیر حاصل کلام کیااوران تمام شکوک وشبہات کا عمدہ طور پر حل فرمایا جومسئلہٴ استقبال قبلہ کے متعلق اب تک لوگوں کوپیش آئے۔یہ رسالہ ۱۳۵۷ھ میں پہلی مرتبہ قاہرہ سے طبع ہوا،مجلس علمی ڈابھیل نے شائع کیا۔

پندرہویں صدی کے فقہاء

(۱) مولانا مفتی احمد اشرف راندیریؒ

(دارالعلوم اشرفیہ کے مہتمم) (م۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء)

گجرات کی اہم علمی شخصیات میں مولانا مفتی احمد اشرف صاحبؒ کا شمار ہوتا ہے، آپ بیک وقت عالم، مفتی، مصنف اور صاحب نسبت عالم دین تھے۔ رنگون (برما) اور دارالعلوم اشرفیہ میں فتاویٰ نویسی کی بہترین خدمات انجام دیں، چھوٹے بڑے کئی رسائل مختلف موضوعات پر بزبان گجراتی تحریر فرمائے اور چھپوائے۔ آپ کے فتاویٰ (گجراتی) ''فتاویٰ اشرفیہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

(۲) حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحبؒ

(م۱۴۲۵ھ ۲۰۰۴ء) کرمالی، بھروچ

فتاویٰ نویسی کی مشق مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ کی خدمت میں کی، چالیس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، ڈابھیل اور ترکیسر میں تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں۔ (دہشت گرد اور اسلامی تعلیمات:۴)

(۳) مفتی ابراہیم سنجالوی صاحبؒ (م۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء)

جامعہ ڈابھیل کے فارغ تھے، افریقہ کے سرخیل علماء میں شمار تھا، زندگی کے آخری دم تک افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے، لوگوں کو آپ کے فتاویٰ پر کافی اعتماد تھا۔ (تاریخ جامعہ ۲۳۱)

(۴)مفتی عبدالغنی صاحب کاویؒ(م۱۴۰۸ھ۱۹۸۸ء)راندیر،سورت

دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں درس و تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی گراں قدر خدمات ۳۰ سال تک انجام دیں،آپ کے یہ فتاویٰ ماہنامہ وہوراویلفیر (گجراتی) میں شائع ہوتے تھے اور مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں،آپ کے گجراتی فتاویٰ سے ایک جلد''فتاویٰ عبدالغنی'' کے نام سے مطبوع ہے۔(فضلائے جامعہ۲۲۴)

(۵)مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب راندیریؒ
(م۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء)

۵۱/سال کی طویل تدریسی خدمات جامعہ حسینیہ میں انجام دیں،اسی دوران چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک افتاء کی زریں خدمات انجام دیں۔

آپ کے فتاویٰ ہفتہ واراخبار''امید''میں شائع ہوتے تھے،فتاویٰ کا مجموعہ گجراتی زبان میں''روضۃ الفتاویٰ'' کے نام سے دوجلدوں میں منظرعام پر آکرخراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔

(۶)وقارسادات مفتیٔ گجرات حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب
لاجپوری ثم راندیریؒ(۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)

حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ گجراتی ماہنامہ پیغام اورمجاہد میں کئی سال تک شائع ہوتے رہے،قدرداں احباب کی فرمائش پران کوکتابی شکل میں گجراتی و اردوزبان میں شائع کیا گیا،اردومیں دس جلدیں اور گجراتی میں پانچ جلدیں اور

انگریزی میں تین جلدیں منصۂ شہود پر آکر مقبول عام وخاص ہیں۔ ہندوپاک کے فتاویٰ میں یہ خصوصیت صرف اور صرف ''فتاویٰ رحیمیہ'' کے حصہ میں آئی کہ وہ انگریزی، گجراتی اوراردوزبان میں زیورطبع سے آراستہ ہوئی، ہندوپاک کا شاید ہی کوئی دارالافتاء ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے خالی ہو،صاحب فتاویٰ کی حیات ہی میں اسے وہ قبولیت نصیب ہوئی کہ شاید و باید کسی اور فتاویٰ کے حصہ میں آئی ہو، بڑے بڑے علماءاور مفتیان کرام نے ''فتاویٰ رحیمیہ'' پر اپنی آراء کا اظہار فرمایا جو جلد اول کے شروع میں موجود ہیں۔ یہاں چند مؤقر مفتیان کرام کے آراء کے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

حضرت مفتی سید حسن مہدی صاحبؒ (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند):

''بہت محنت اور کاوش سے جوابات دئے گئے ہیں،خصوصاً جوابات میں نقول معتبرہ کو پیش کیا گیا ہے،بعض مختصر جوابات پر بھی نظر ڈالی جو اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں،جس کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ مجموعی حیثیت سے فتاویٰ رحیمیہ عوام ہی کے لئے نہیں بلکہ اہل علم کے لئے بھی بغیر محنت کے مفید ہے''۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ:

''ماشاءاللہ آپ نے بہت شرح وبسط اور تحقیق سے جوابات لکھے ہیں''۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ:

''حضرت کے فتاویٰ بڑے مدلل اور بڑے محققانہ اورمسلک حق کے صحیح ترجمان ہوتے ہیں''۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم:

’’فتاویٰ رحیمیہ انمول ہیروں کا ہار ہے، گلہائے رنگارنگ کا نہایت حسین گلدستہ ہے، اس میں عام مسلمانوں ہی کے لیے سامان تسلی نہیں ہے، بلکہ دریائے علم وفن کے شناوروں کے لیے بھی غیر معمولی غذا ہے، ہر فتوی علم وتحقیق کی داد طلب کرتا ہے‘‘۔ (حیات عبدالرحیم، ۱/۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳)

(۷) مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب دیوبندیؒ (م۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء)

جامعہ ڈابھیل میں تدریس کے ساتھ افتاء کی ۵؍سال خدمت انجام دی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے مفتی صاحبؒ کے بارے میں بلند الفاظ سنے تھے۔ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کے والد ماجد) کو مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کی فقہی صلاحیت اور نظر پر بڑا اعتماد تھا اور وہ ان کے فقہی جوابات سے مطمئن ہوتے تھے، مجھے ان کا فقہ وافتاء کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونا اچھا نہیں معلوم ہوتا، کہ ان کو اس فن سے خصوصی مناسبت اور امتیاز حاصل ہے۔ (پرانے چراغ ۳/۱۰۰)

مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کے بعض فتاویٰ پر امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تائیدی دستخط ثبت ہیں، مفتی صاحب کے فتاویٰ جامعہ ڈابھیل میں محفوظ ہیں۔

تمت وبالفضل عمت

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس، الصحۃ و الفراغ (صحیح بخاری)

غنیمت سمجھ زندگی کی بہار
کہ آنا نہ ہوگا یہاں بار بار

فُرصتِ زندگی

☼ تالیف ☼

سعد احمد ابن مولانا رحمۃ اللہ محدث بدرؔ

پالن پور، گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

کتاب	:	فرصت زندگی
مؤلف	:	مفتی سعید احمد ابن مولانا رحمۃ اللہ مجادری
صفحات	:	۱۱۲
سن طباعت	:	سنہ ۱۴۳۷ھ
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	

* رابطہ کے لئے *

مفتی سعید احمد مجادری، قاسمی، پالن پور گجرات	۹۹۹۸۴۹۵۳۳۵
مولانا شعیب صاحب مجادری، احمد آباد	۹۸۹۸۷۳۹۵۰۵
مکتبۂ ابوہریرہ کھروڈ، گجرات (مولانا جاوید صاحب)	۹۹۲۵۶۵۲۴۹۹
مدنی کتب خانہ پانولی (مولانا لقمان صاحب)	۹۹۰۹۶۰۵۹۷۱
الامین کتابستان دیوبند	۹۵۵۷۵۱۵۱۹۹

المحتویات

<u>وقت ضائع ہونے کی وجوہات</u>

حالی کے اشعار جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں

جتائی انہیں وقت کی قدر و قیمت * دلائی انہیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت * ہو فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمہارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گزارا
غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے * فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے * اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

کلمات بابرکت

عالم ربانی عارف باللہ جامع شریعت وطریقت شیخ الحدیث حضرت مفتی آدم صاحب (دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ)

الحمد للہ وحدہ، والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، وعلی آلہ وصحبہ امابعد : زندگی کے اوقات کی قدر واہمیت کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالی نے اپنے مقدس کلام میں مختلف اوقات کی قسمیں کھائی ہیں، اوررسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو صراحۃ اوقات کو اچھے کاموں میں مشغول رکھنے کا حکم دیا ہے۔

لہذا ہمیں اپنے اوقات کو ضائع اور بے کار نہیں کرنا چاہئے، اس سے دنیا اور آخرت کے فوائد حاصل کرنے چاہئے، اس کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے عزیزم مولوی مفتی سعید احمد صاحب مجادری سلمہ نے بہترین مضامین جمع فرمائے ہیں، احقر نے ان کو پڑھا اور بہت ہی مفید اور مؤثر پایا۔

جو شخص اپنے اوقات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ چوبیس گھنٹے کا نظام الاوقات بنالے، اس کی وجہ سے اعمال کی پابندی آسان ہوگی، اور اوقات میں خوب برکت بھی ہوگی، ہمارے اکابرین کا یہی معمول رہا ہے، اللہ تعالی اس کتاب کو لوگوں کے لئے نافع بناوے، اور مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بناوے، آمین۔ واللہ الموفق فقط والسلام

احقر آدم بھیلونی ۲۸/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ

خادم شعبۂ افتاء وحدیث جامعہ نذیریہ کاکوسی

تاثرات

حضرت مولانا محمد شعیب صاحب مجادری (دامت برکاتہم العالیہ)

استاذ جامعہ فیضان القرآن احمد آباد

حامداو مصلیا۔۔۔

جہد مسلسل، جوش عمل، مستی کردار اور حرارت وحرکت کا نام زندگی ہے، جب حرارت اور حرکت نہ رہے تو وہ ایک بے جان جسم رہ جاتا ہے، جو زندگی کے تقاضوں اور بلند مقاصد سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، دانشوروں کے یہاں سانس چلنے کا نام حیات نہیں ہے بلکہ سانس وصول کرنے کا نام ہے، خواجہ مجذوبؒ فرماتے ہیں:

میری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو بڑھاپا نہ بچپن نہ اس میں جوانی
جو کچھ ساعتیں یاد دلبر میں گذریں وہی ہیں وہی میری کل زندگانی

علامہ اقبالؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے، حرارت وحیات سے پُران کے اشعار ملاحظہ کیجئے:

ہر ایک مقام سے آگے مقام ہے تیرا حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں
رگوں میں گردش خون ہے اگر تو کیا حاصل حیات سوز جگر کے سوا کچھ اور نہیں
گراں بہا تو حفظ خودی سے ہے ورنہ گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں

زندگی کا لمحہ لمحہ ایسے لازوال بے مثال نعمائے جنت اور اسباب فرحت ولذت کا معدن ہے جس کا تصور میدان عمل میں ناممکن کر دیا گیا ہے، احاطۂ جائے عمل سے نکلنے کے بعد جب نتائج پیش کئے جائیں گے تب احساس ہوگا کہ زندگی کا ایک لمحہ دنیا بھر کے ان خزانوں سے قیمتی تھا جن کے حصول کے لئے کوئی در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے، کوئی معیاری زندگی کا ایک خیالی خاکہ بنا کر اس

کے حصول کے لئے دن رات پریشان نظر آتا ہے، اور بے شمار لوگ اس کو حاصل کرنے اور لاکھ کے دولاکھ کرنے بلکہ کروڑ سے کروڑوں کا مالک بننے کے لئے اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ اسی تگ ودو میں اپنی قیمتی زندگی کو الوداع کہہ دیتے ہیں، اور جو خزانے، جائداد اور سیاہ وسفید زندگی کی ایک سانس کی قیمت بھی نہیں چکا سکتے ان کے پیچھے پوری زندگی برباد کر دیتے ہیں۔

اسی چیز کا احساس دلانے کے لئے ایک نوجوان فاضل کی یہ بیش بہا کتاب ہے، ایسے دور میں جب عوام بلکہ کچھ خواص بھی بے توجہی اور بے فکری کے شکار ہو چلے ہیں اگر کوئی شخص اٹھ کے قلم تھام کر وقت کی اہمیت پر کلام کرتا ہے تو واقعی اس کے قلم کو چومنے کو جی چاہتا ہے۔

موصوف کے دو کام قابل ذکر ہیں، ایک تو وقت جیسے اہم موضوع کو کتاب کا عنوان بنایا، اور دوسرے یہ کہ سلسلۂ کلام میں دلچسپی کی رعایت کرتے ہوئے وقت کی اہمیت کو مختلف انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی، الفاظ وعبارت کی روانی بھی کتاب کو پرکشش اور دلچسپ بناتی ہے، کتاب کا مسودہ ہر چند کہ مجھے مطالعہ اور تأثرات کے لئے دیا گیا مگر حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس میں سے جا بجا موتی چنے ہیں، اور کئی پہلے سے معلوم باتیں حافظہ میں گویا نئے سرے سے روشن ہو گئیں، اللہ مؤلف کی محنت میں اخلاص وقبولیت کا رنگ بھر دے، اور موصوف کے قلم کو روحانیت، تازگی اور روانی عطا فرمائیں کہ جس کے ذریعہ وہ اسلام کی ترجمانی اور دین کی خدمت انجام دے، اور آپ کی تحریر کا نور چہار دانگ عالم میں پھیلے۔

محمد شعیب مجادری

محرم الحرام ۱۴۳۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا ومصلیا

آغاز

آدمیت کو داغدار بنانے والے امراض میں سے ایک شدید مرض بے کاری ہے، یہ دامن انسانیت پر ایک بدنما داغ ہے، اور بے کاری صرف یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے معاش کی فکر نہ کرے، اور کمانے کھانے کے وسائل اختیار کرنے سے گریز کرے، بلکہ بے کاری کی ایک شاخ یہ بھی ہے کہ معاشی جدوجہد سے فرصت ملنے کے بعد کسی دوسری مشغولی سے جی چُرائے، اپنی ذات کو سنوارنے اور علم وعمل میں ترقی کرنے لئے کسی طرح کی حرکت نہ کرے، فکر معاش کے متعلق اور چند اہم دینی فرائض کے متعلق جو روزانہ کا معمول ہے اس سے ذرہ بھی آگے قدم اٹھانے کی فکر نہ کی جائے، کبھی انسان کو یہ خیال نہ آئے کہ فرصت کے اوقات میں کچھ ایسے کام کر جاؤں جس سے دوسروں کو نفع حاصل ہو، یا اپنی ذات کو کمال حاصل ہو، یہ بیکاری اور پست خیالی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ بے کاری انسان کی صلاحیتوں کو خاک میں ملا دیتی ہے، فکر وعمل کی طاقتیں جو قدرت نے ہر انسان کے اندر رکھی ہیں ضائع ہو جاتی ہیں، اور لمبی مدت دنیا میں رہنے کے باوجود انسان اپنے اندر چھپے انمول جواہرات کی قیمت وصول نہیں کر پاتا، اور اللہ تعالی کی دی ہوئی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا ہے، بیکاری اور بے حسی کی راکھ قوت تسخیر کو مغلوب کر دیتی ہے، اور باطن میں مخفی عظیم طاقتیں ایک عضو معطل کی طرح مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں، جن صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خالق کائنات کا محبوب بن سکتا تھا، ملائکہ کا مخدوم بن سکتا تھا، کائنات کے ذرے ذرے کا دلربا ہو سکتا تھا، دنیا میں اپنے نام کی خوشبو پھیلا سکتا تھا، اپنے پیچھے اپنی یادوں کی زندہ علامات چھوڑ سکتا تھا، بڑوں کی آنکھوں کا تارہ اور چھوٹوں کے لئے سرمایۂ افتخار بن سکتا تھا، اور جن صلاحیتوں میں نانوتویؒ، گنگوہیؒ

اور تھانویؒ کی صف میں کھڑا کرنے کی طاقت تھی، علم وعمل، زہد وورع سے آراستہ کرنے کی قوت تھی، اور جنت کی وہ نعمتیں ان میں مخفی تھیں جن کا کسی سکندر نے بھی تصور نہیں کیا ہوگا، بے کاری و بے حسی کی راکھ کے نیچے ایسی سرد ہوگئیں گویا ان صلاحیتوں میں سے کچھ حصہ نہیں پایا تھا، اگر ان فطری طاقتوں کو نیست ونابود کر کے کوئی زندگی جیا تو کیا جیا، کسی نے لمبی عمر پائی تو کیا کمال کیا، ایسی زندگی کو کیوں کر زندگی کا نام دیا جائے، اسی لئے ابن زبیرؓ نے بڑی قوت سے کہا ہے: **أشر شيء في العالم البطالة**، سب سے بدتر چیز بیکاری ہے۔

بعض مشاغل ایسے ہوتے ہیں جو دنیوی اور اخروی فوائد سے بالکل خالی ہوتے ہیں، جن میں مشغول ہونا بھی ایک قسم کی بے کاری ہے، اگر غور کیا جائے تو ہم مشغول ہوتے بھی ہیں تو اکثر ایسے ہی کاموں میں جو بالکل لغو اور فضول ہوتے ہیں، ہمارے کان اور ہماری زبانیں ان جیسے جملوں سے بہت مانوس ہے؛ یہ کب ہوا؟ یہ کب ٹوٹا؟ وہ کب بنا؟ یہاں کون آیا؟ وہ کس نے کیا؟ فلاں کے بیٹے نے اور فلاں کے بھائی نے ایسا کیا، فلاں نے فلاں جگہ ایسا ایسا بنایا، وہ خریدا، اتنے میں بیچا، وہ مہنگا ہوگیا، یہ سستا تھا، دن رات انہیں لایعنی باتوں میں زندگی برباد ہوتی ہے۔

ایک خوبصورت اور مضبوط مکان ہے، جس کی عام قیمت پچیس لاکھ روپئے ہیں، لیکن مالک مکان کو کسی ضرورت سے اس کو فروخت کرنے کی نوبت آگئی، جلد بازی میں پچیس لاکھ کے بجائے بیس لاکھ میں مکان فروخت ہوا، تو اب یہ کہا جائے گا کہ مالک مکان کو پانچ لاکھ کا گھاٹا آیا، مالک مکان بھی اپنے ہمدردوں سے اس نقصان کی شکایت کر کے اپنا غم ہلکا کرے گا، سمجھنے کی بات یہ ہے کہ بیس لاکھ روپئے اپنی ذات میں کچھ کم نہیں ہے، اگر کسی فقیر کو ایکدم دے دیئے جائیں تو ممکن ہے وہ خوشی کو ضبط نہ کر سکے، اور دماغی توازن کھو بیٹھے، لیکن اتنی رقم حاصل ہونے پر مالک مکان کو افسوس ہے، کیوں کہ جس مکان کے عوض میں اس کو یہ رقم ملی ہے وہ اس کی پوری قیمت وصول

نہیں ہوئی، اسی کو کھوٹ اور گھاٹا کہتے ہیں، ایک ایسی ہی بھاری کھوٹ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو آگاہ کیا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ۔ (صحیح بخاری)

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت لوگ گھاٹے میں ہیں ایک تندرستی دوسری فراغت''۔

عافیت والی زندگی سے انسان اس دنیا سے سینکڑوں گنا بڑی جنت حاصل کر سکتا ہے، قرب الٰہی کے بلند مراتب حاصل کر کے مقربین میں شامل ہو سکتا ہے جن کے لئے اللہ کے یہاں خصوصی انعامات ہیں، طاعت وعبادت سے اعلیٰ منازل کی طرف پرواز کر سکتا ہے، اور اس جنت الفردوس کا وارث بن سکتا ہے جو اعلیٰ ترین مقام ہے، جس کی چھت رحمن کا عرش ہے، اگر کوئی شخص فرائض پر اکتفا کرتا ہے تو اگر چہ یہ فی نفسہ اتنی بڑی دولت ہے کہ دنیا میں اس کا تصور بھی ناممکن ہے، لیکن وقت کی قدر و قیمت کو دیکھ کر یہ انسان بھی کھوٹ میں ہے، مکان میں صرف بیس فیصد کے نقصان پر انسان بے چین ہو جاتا ہے، وقت کی ثمنیت کے لحاظ سے ہر انسان بڑے بھاری نقصان میں جا رہا ہے، اکثر لوگ پچاس فیصد سے بھی زیادہ کھوٹ میں ہے۔

وتعجب ممن باع شیئاً بدون ما * یساوی بلا علم وامرک اعجب

لانک قد بعت الحیاۃ وطیبھا * بلذہ حلم عن قلیل سیذھب

''تجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو ناواقفیت سے کسی چیز کو اس کے مساوی قیمت سے کم میں بیچ دیتا ہے، حالانکہ تیرا معاملہ اس سے زیادہ عجیب ہے، اس لئے کہ تو نے حیات جاویدہ اور اس کی پاکیزہ اور پر لطف چیزوں کو ایک ایسے خواب کے عوض بیچ دیا ہے جو عنقریب ختم ہو جائے گا''۔

آیئے عزم سفر پیدا کریں

اس رسالے میں وقت کی قدر و قیمت کے متعلق احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اقوال علماء اور

حکماء اور صوفیائے کرام کی زریں باتیں جمع کی گئی ہیں تا کہ اتنے بھاری خسارے سے ہم لوگ آگاہ ہوں، اور فلاح وصلاح کی شاہراہ پر اپنی حیات کا رخ موڑ دیں، اور نیا عزم سفر لے کر سستی و کاہلی سے ہمیشہ کے لئے ناطہ توڑ کر شوق ورغبت سے، سرور وفرحت کے ساتھ، حدی خوانی اور نغمہ سنجی سے روح کے لئے وجد اور قلب کے لئے حرارت واضطراب کا سامان کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوں، ممکن ہے کہ یہ چند صفحات ہماری کی زندگی کو زندگی بنانے میں مددگار ثابت ہوں، اور سفر اس طرح پورا ہو کہ منزل پر پہنچنے کے بعد کوئی حسرت نہ رہ جائے۔

مقدس ہستیوں کے اقوال دل کی کھیتی کے لئے بارش کا پانی ہیں جن سے دل سرسبز و شاداب ہوتا ہے، عمل کو تازگی اور ارادوں کو نئی قوت ملتی ہے، اس لئے دل ودماغ کے استحضار کے ساتھ اس طرح مطالعہ کیا جائے کہ ہر اچھی بات کو آپ کے دل میں اترنے کا موقع ملے، اور ہر حکمت کی بات کے لئے آپ کا دل فراخ اور اس سے اثر لینے کے لئے مستعد ہو، دعا کریں کہ اللہ تعالی مرتب کو اور تمام قارئین کو زندگی کو صحیح کام میں لگانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

نایاب تحفہ

ہر انسان کو اپنے رب کی طرف سے بہت ساری ایسی چیزیں انعام میں دی گئی ہیں جن کا بدل دنیا میں نہیں مل سکتا، ان میں ایک بہت بڑی نایاب چیز وقت اور زندگی ہے، یہ وہ نعمت ہے جس کو انسان اپنی پوری جائداد بلکہ دنیا کے خزانے لٹا کر بھی خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا، ضائع ہونے والا ایک گھنٹہ دنیا بھر کا سونا خرچ کرنے پر بھی واپس نہیں مل سکتا، اس کے ذریعہ ہر خیر کی طرف قدم بڑھا کر آخرت کے لامحدود اور غیر فانی انعامات حاصل کئے جاسکتے ہیں، ابو کریمہ العبدیؒ فرماتے ہیں: ابن آدم ليس لما بقي من عمرك ثمن (اے ابن آدم! تیری عمر کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے دنیا میں اس کی کوئی قیمت ہی نہیں لگا سکتا)۔

جميع المصالح تنشأ من الوقت * فمن اضاعه لم يستدركه ابدا

''تمام مصالح وقت ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں، جس نے وقت کو ضائع کردیا وہ دوبارہ کبھی بھی اس کو حاصل نہیں کرسکتا''۔

شیخ جمال الدین قاسمیؒ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپؒ قہوہ خانے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے، جو لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ لوگ لایعنی اور ٹھٹھے میں مشغول تھے، نہایت حسرت کے ساتھ اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: آہ! کم اتمنّی ان یکونَ الوَقتُ مِمّا یُباعُ لاَشْتَرِیَ مِنْ ھولاءِ جمیعًا اوُقاتھم۔ ''آہ! بارہا ایسی تمنا ہوتی ہے کہ وقت کوئی ایسی شئ ہوتی جو فروخت کی جاسکتی تو میں ان سب لوگوں سے ان کے اوقات خرید لیتا۔

حفاظتِ وقت کامیابی کی کنجی ہے

جو قوم اور جو لوگ وقت کی قدردانی کا سبق یاد کرلیتے ہیں وہ کامیابی کی شاہراہ پر منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، اور کامیابی اور سرخروئی ان کے قدم چومتی ہے، وہ دارین کی سعادتوں کو سمیٹ لیتے ہیں، وہ زندگی بھی باعزت بن کر گزارتے ہیں اور موت بھی ان کے پاس آتے ہوئے اکرام واحترام کے اصول ملحوظ رکھتی ہے، سلسلۂ روز وشب انسان کا بہترین زیور ہے جس سے انسان آراستہ اور مزین ہوسکتا ہے، لیل ونہار کی گردش ترقی کا زینہ ہے جس کے سہارے انسان اپنی ذات کو باکمال بناسکتا ہے، شاعر اسلام علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

سلسلۂ روز وشب، نقش گرِ حادثات ✻ سلسلۂ روز وشب، اصل حیات وممات

سلسلۂ روز وشب، تارِ حریر دو رنگ ✻ جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

سلسلۂ روز وشب، سازِ ازل کی فغاں ✻ جس سے دکھاتی ہے ذات زیر وبم ممکنات

تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ ✻ سلسلۂ روز وشب، صیرفی کائنات

اسی شاعر اسلام نے کیا خوب حقیقت کا نقشہ کھینچا ہے:

واقف ہو اگر لذت بیداریٔ شب سے ✶ اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پر اسرار

وقت کی اہمیت قرآن میں

اللہ تعالی نے اپنے مبارک کلام میں مختلف اوقات کی قسم کھائی ہے، اور علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی جن چیزوں کی قسم کھاتا ہے ان کی اہمیت وعظمت کو ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالی جس چیز کی قسم کھالے اس کی عظمت میں کیا شک ہوسکتا ہے، ملاحظہ فرمایئے؛

﴿والعصر﴾ (قسم ہے زمانے کی)

﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾

''فجر کی قسم اور دس راتوں کی قسم اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب جانے لگے''۔

اور بھی مختلف اوقات کی اور شب وروز کی قسم کھائی ہے جس سے وقت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے دوسری نعمتوں کے ساتھ رات اور دن کو بھی بیان فرمایا ہے، اور رات دن کو مسخر کرنے اور تابع بنانے پر اپنے بندوں پر احسان جتایا ہے، ایک جگہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ (ابراھیم)

''خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اس

سے تمہارے کھانے کے لیے پھل پیدا کئے۔اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے زیر فرمان کیا تا کہ دریا (اور سمندر) میں اس کے حکم سے چلیں، اور نہروں کو بھی تمہارے زیر فرمان کیا، اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے کام میں لگا دیا کہ دونوں ایک دستور پر چل رہے ہیں، اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا، اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا۔اور اگر خدا کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کرسکو، کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے''۔

خیر و سعادت

وقت مومن کے لئے حسنات میں اضافے کا سبب ہے، اپنے اصلی وطن کو خوب مزین کرنے اور باغات و محلات کو بڑھانے میں ممد و معاون ہے، اسی مختصر زندگی میں مومن اخروی انعامات اور لازوال نعمتوں کو اپنے نصیب میں لکھوا کر دائمی سعادت کا حقدار بن سکتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی زندگی کو ایک خیر و برکت کی چیز فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الا أنبئكم بِخَيْرِكُمْ قَالُوا نعم قَالَ خيارکم أطولكم أعمارا وَأَحْسَنُكُمْ أعمالا۔ (مسند احمد)

''میں تم میں سب سے بہتر انسان نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو تم میں زیادہ عمر والے اور اچھے اعمال والے ہیں''۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ من سعادةِ المرءِ أَنْ يطولَ عمره ويرزقهُ اللهُ الانابةَ۔ (المستدرك)

''بے شک آدمی کے لئے یہ سعادت کی بات ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالی اسے (اپنی طرف اور آخرت کی طرف) متوجہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں''۔

خیر و برکت کی چیز ضائع نہیں کی جاتی، بلکہ اس کی حفاظت کر کے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی دعا کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لا یتمنّیٰ أحدکم الموت ولا یدعُو بہ من قبل أن یاتیہ وإنہ إذا مات انقطع عملہ وإنہ لا یزید المؤمن عمرہ إلا خیراً۔ (صحیح مسلم)

''تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ ہی موت کو اس کے وقت سے پہلے پانے کی دعا کرے اسلئے کہ جب موت آجاتی ہے تو انسان کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، نیز مومن کی عمر اس کے خیر ہی میں اضافہ کرتی ہے''۔

حضرت ام الفضلؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عباسؓ بیماری کی وجہ سے موت کی تمنا کر رہے تھے اس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عباس! اے میرے چچا! موت کی تمنا نہ کرو، اس لئے کہ اگر آپ نیکوکار ہیں تو آپ کی زندگی آپ کے لئے خیر کا باعث ہے کہ وہ آپ کی نیکیوں میں اضافہ کا سبب بنے گی، اور اگر آپ گنہگار ہیں تب بھی آپ کی زندگی آپ کے لئے خیر کا باعث ہے کہ آپ اپنی برائی سے باز آسکتے ہیں، لہذا آپ موت کی تمنا نہ کیجئے۔ (مستدرک حاکم)۔

بازی لگانے کا میدان

یہ زندگی دوڑ کا میدان ہے، دوڑ کے میدان میں انسان سب لوگوں پر سبقت لے جانے کے لئے اپنی پوری طاقت لگاتا ہے تاکہ وہ آگے بڑھ کر عزت واکرام اور نیک نامی حاصل کرے، آج عمل کے میدان میں جتنی محنت و کوشش کی جائے گی حشر کے میدان میں اسی جیسا بہترین نتیجہ سامنے آئے گا، اور اکرام و اعزاز سے سرفراز ہوگا، اور اگر آج دوڑ کے میدان میں سستی اور کاہلی

سے کام لیا تو ہلاکت مقدر بن جائے گی، طبرانیؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اليوم الرِّهانُ، وغدًا السِّباقُ، والْغايةُ الجنةُ، والْهالِكُ منْ دخلَ النّارَ۔

’’آج دوڑ لگانی ہے، کل کو آگے بڑھنا ہے، جنت آخری حد ہے، اور نا کام ہونے والا وہ ہے جو جہنم میں داخل ہو گیا‘‘۔

زندگی کو غنیمت جانو

زندگی ایک قیمتی نعمت ہے اس سے انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ نعمت موت تک ہے، موت کے بعد یہ قیمتی سرمایہ چھین لیا جائے گا، اور ہمیشہ کے لئے عمل کا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا، اس لئے موت سے پہلے اس سے جتنا نفع اٹھایا جائے اور جس قدر محنت وکوشش کی جائے کم ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

اغتنم خمسا قبل خمس: شبابک قبل ھرمک وصحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک۔ ترمذی

’’پانچ کی پانچ سے پہلے قدر کرلو، اپنی جوانی کی بڑھاپے سے پہلے، صحت کی بیماری سے پہلے، غنی کی فقر سے پہلے، فرصت کی مشغولی سے پہلے، اور زندگی کی قدر کرلو موت سے پہلے‘‘۔

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے * فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے * اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

موانع سے کسی وقت اطمینان نہیں

ہر انسان بے شمار رکاوٹوں میں محصور ہے، بارہا ایسا ہوتا ہے کہ انسان بڑے اچھے

ارادے رکھتا ہے اور نیک کام کرنے کی تمنائیں رکھتا ہے لیکن کوئی ایسی رکاوٹ اچانک پیش آجاتی ہے کہ وہ اپنے ارادے پورے نہیں کرسکتا، پھر انسان کو بڑی حسرت اور بڑا افسوس رہ جاتا ہے کہ میری سستی وکاہلی کی وجہ سے ارادے ارادے ہی رہ گئے، آج ان ارادوں کی تکمیل میں مجبوریاں حائل ہوگئیں، مثلاً آدمی کبھی ایسا محتاج ہوجاتا ہے کہ اسے اپنی ضروریات کے علاوہ کچھ یاد نہیں رہتا، اسی طرح کبھی ہضم کی طاقت سے زیادہ مال مل جاتا ہے جس سے آدمی اپنی خواہشات کے پیچھے تمام شرعی حدیں پار کرجاتا ہے، کبھی بیماری انسان کو بے بس کردیتی ہے، لہذا عوارضات کے لاحق ہونے سے پہلے وقت کا بھرپور فائدہ اٹھالینا دانشمندی کا تقاضا ہے، جب رکاوٹیں پیش آجائیں گی تب وقت وصول کرنے کا موقع ختم ہوجائے گا، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَادروا بالأعمال سبعاً: هل تنتظرون إلا فقرا مُنْسِيا، أَوْ غِنى مُطْغِيا، أَوْ مرضًا مُفْسِدًا، أَوْ هرَما مفندًا، أَوْ مَوْتًا مجهِزًا أَوِ الدّجالَ فَشر غائبٍ يُنْتَظَرُ أَوِ الساعَةَ فَالساعَةُ أَدْهَى وَ أَمَرُّ۔ (شعب الایمان)

''سات چیزوں کے آنے سے پہلے اعمال کرلو (جو شخص صحت وفراغت کے زمانے میں بھی اعمال صالحہ کی طرف نہیں بڑھتا ایسے شخص کو بطور زجر وتوبیخ کے ارشاد فرمایا) کیا تمہیں ان سات چیزوں ہی کا انتظار ہے، ایسے فقر کا جو ہر چیز بھلادے یا ایسی مالداری کا جو سرکشی پر آمادہ کرے یا ایسے مرض کا جو (بدن یا دین کو) تباہ کردینے والا ہو یا ایسے بڑھاپے کا جو بدحواس کردے یا اچانک آنے والی موت کا یا دجال کا پھر تو بہت بری غیر موجود شر کا انتظار کیا جاتا ہے یا قیامت کا اور وہ تو بڑی سخت اور بہت ہی تلخ ہے، (یعنی کیا ان عوارض کا انتظار ہے کہ ابھی موقع ملنے کے باوجود اعمال سے پیچھے ہٹ رہے ہو)''۔

خُذِ الْوَقْتَ أَخْذَ اللِّصِ وَاخْتَلِسْ * فَوَائِدَهُ قَبْلَ الْمَنَايَا الدَّوَائِبِ

وَلاتَعلل بِالامَانِي فَانهَا * عَطَايَا أحادِيثِ النفُوسِ الْكَوَاذِبِ

ودُونَكَ وِردُ الْعُمرِ مَا دامَ صَافِيا * فَخُذ وتَزَودْ مِنه قَبلَ الشوائِبِ

① چور کی طرح وقت کو اچک لے، اور اس کے باقی رہنے والے فوائد کو چھین لے موت سے پہلے۔ ② اور امیدوں کے مرض میں مبتلا نہ ہو، کیوں کہ وہ جھوٹے نفوس کے خیالات کی دَین ہے۔ ③ زندگی کا وظیفہ تھام لے جب تک وہ باقی رہے، تو (اس کے فوائد) حاصل کر، اور اس سے زادِ راہ تیار کر عوارضات کے لاحق ہونے سے پہلے۔

بَادِرْ شَبابَكَ أَنْ تهرمَا * وَصِحَّةَ جِسْمِكَ أَنْ تَسْقَمَا

وَأَيامَ عَيشِكَ قَبْلَ الْمَمَاتِ * فَمَا دهرُ مَنْ عَاشَ أَنْ يَسْلمَا

وَوَقْتُ فَرَاغِكَ بَادِرْ بِهِ * لَيالي شُغْلِكَ فِي بَعْضِ مَا

وقدم فكل امرئ قادم * على بعض ما كان قد قدما

''بڑھاپا آنے سے پہلے جوانی سے جلدی فائدہ اٹھاؤ، اور بیماری سے پہلے بدن کی صحت سے کام لو، موت سے پہلے ایامِ زندگی کی قدر جانو، کیوں کہ کسی بھی زندہ شخص کی زندگی سالم رہنے والی نہیں ہے، اور فرصت کے اوقات میں دوڑ لگاؤ مشغولی کی راتوں سے پہلے، اور اپنے لئے اعمال کا ذخیرہ آگے روانہ کر و اس لئے کہ ہر شخص اپنے بھیجے ہوئے اعمال کی طرف آنے والا ہے''۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی نصیحت

عبداللہ بن عکیمؓ کہتے ہیں کہ ہم کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خطبہ دیا:

أوصِيكمْ بتقوى الله، وسابقُوا في مهلِ اجالِكمْ قَبلَ أنْ تَنقضي اجالكمْ، فيردَّكمْ إلَى أَسوءِ أعْمالكُمْ، فإنَّ أقوامًا جَعلُوا اجالَهمْ لغَيرِهمْ، وَنسُوا

اَنفُسهمْ، فأنْها کُمْ أَن تکُو نُو اأمْثالَهمْ، الو حَاالو حَا، النجَاالنجَا، إن ورَاءَ کُـمْ طَالبا حَثِيثًا، مَرُّهُسَرِيعٌ۔(حفظ العمر)

''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، تم سب دوڑو (اعمال خیر کی طرف) زندگی کی فرصت میں قبل اس کے کہ تمہاری عمر ختم ہوجائے اور تمہیں تمہارے اعمال سیئہ کی طرف لوٹا یا جائے، اس لئے کہ بعض قوموں نے اپنی زندگیاں غیروں کی فکر میں لگادیں اور خود کو بھول گئے، میں تمہیں ان کے جیسا ہونے سے روکتا ہوں، جلدی کرو جلدی کرو، پھرتی کرو پھرتی کرو، بے شک تمہارے پیچھے جلد باز طلبگار لگا ہوا ہے جس کی رفتار تیز ہے''۔

حساب کتاب

موت کے بعد حساب وکتاب اور اعمال کے وزن کا معاملہ ہر مومن کا عقیدہ ہے، اور یہ بھی کسی سے مخفی نہیں کہ وہ ایک خطرناک گھاٹی ہے، اس کو آسان بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں اعمال کا حساب کتاب ہوتا رہے، اور انسان خود اپنی نگرانی کرتا رہے، اگر زندگی بغیر کسی لگام کے گذرتی رہی تو کل بڑی عدالت میں رسوائی کا سامنا ہوگا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

حَاسبو اانفُسکُمْ قَبلَ ان تُحاسَبوا، وزِنُوا انفسَکُم قَبلَ أَن توزَنُوا، فانه اهْونُ عَليکُمْ فِي الحساب غدا اَنْ تُحاسِبوا انفسکم اليومَ، وَتزينوا للعَرضِ الاکبرِ، يومئذٍ تعرضون لا تخفى منکم خافية۔(حفظ العمر)

''اپنا محاسبہ کیا کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے، اور اپنے اعمال کا وزن کیا کرو قبل اس کے کہ کل قیامت کے دن تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے، اس لئے کہ آج اپنا محاسبہ کرنے سے کل حساب دینے میں آسانی ہوگی، اور بڑی پیشی کے لئے آراستہ ہوجاؤ، جس دن تمہاری پیشی ہوگی تمہاری کوئی بات مخفی نہ رہے گی (بلکہ زندگی بھر کے اچھے برے اور چھوٹے

بڑے اعمال سامنے آجائیں گے)''۔

آدمی اپنا محاسبہ کرتے ہوئے زندگی کے ایام شمار کرے تو حقیقت سامنے آئے گی کہ اس نے بے شمار دن غفلت و معصیت میں نکال دیئے، اوراس کے پاس اتنے سارے دنوں کا کوئی حساب نہیں ہے جو کل اللہ کے سامنے پیش کرسکے، ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتا تھا، ایک دن اس نے اپنے زندگی کے ایام شمار کئے تو بیس ہزار پانچ سو دن ہوئے ، یہ دیکھ کرایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا، جب ہوش آیا تو کہنے لگا: ہائے افسوس! میں اپنے رب کے پاس بیس ہزار پانچ سو گناہ لے کر جاؤں گا (اگر روزانہ کا صرف ایک گناہ شمار کیا جائے) پھر کہنے لگا: مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے دنیا تو آباد کی لیکن آخرت کو ویران کردیا، اب مجھے بغیر اعمال اور ثواب کے کیسے حساب و کتاب اور عذاب وعتاب کے گھر کی طرف جانے کی کیسے خواہش ہوگی۔

حضرت علیؓ کا فرمان

آج کام ہی کام ہے، عمل کا موقع ہے، اگر عمل میں کوتاہی ہوئی تو اس پر آج کوئی باز پرس نہیں ہوگی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ آزادی ہمیشہ رہے گی، ابھی سب کچھ لکھ کر محفوظ کیا جارہا ہے، حساب کا دفتر اس وقت کھلے گا جب کہ حساب کتاب سے سامنے آنے والی کمی کو مکمل کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوگا، حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابٌ وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلٌ۔(الزہد الکبیر)

''بے شک آج عمل کا موقع ہے، حساب کچھ نہیں، کل حساب ہوگا اور وقتِ عمل نہیں''۔

حضرت ابن مسعودؓ کا گرانقدر ارشاد

إنكُمْ فِي مَمَرِّ الليلِ وَالنهارِ، في آجالٍ منقوصةٍ، وأعمالٍ محفوظةٍ، والْمَوْتُ يأتِي بغتةً، فَمنْ زَرعَ خَيْرًا يُوشِكُ أَنْ يَحصُدَ رَغْبةً، ومن زرعَ

شرًّا یُوشِكُ أَنْ یَحصدَ ندامةً، وَلِكلِّ زَارِعٍ ما زَرعَ۔ (حفظ العمر)

''تم سب شب وروز کی گذرگاہ میں ہو معمولی عرصے کے لئے، اعمال محفوظ ہو رہے ہیں، اور موت اچانک آجائے گی، پس جو آج اچھائی بوئے گا وہ عنقریب اپنی خواہشات کی فصل کاٹے گا، اور جو شر کو بوئے گا وہ عنقریب حسرت وندامت کی فصل کاٹے گا''۔

حضرت ابن عمرؓ کی نصیحت

إذا أصبحتَ فَلَا تحدِّثْ نفسك بِالمسَاءِ وإذَا أمْسيتَ فلَا تحدّثْ نفسَكَ بِالصّبَاحِ وَخُذْ مِن صِحّتكَ قبْل سقمِكَ وَمِنْ حياتِكَ قبلَ موتكَ فَإنك لَا تدْري يا عبدَ اللّه مَا اسمكَ غدًا۔ (الترمذی)

''جب صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر، جب شام کرے تو صبح کا خیال دل میں مت لا، اور بیماری سے پہلے اپنی صحت میں سے حصہ لے لے، اور موت سے پہلے زندگی سے فائدہ اٹھالے، کیوں کہ اے عبداللہ! تو نہیں جانتا کہ کل تیرا نام کیا ہوگا، مردہ یا زندہ''۔

انسان مجموعۂ ایام

انسان گویا چند ایام سے مرکب ہے، ہر دن اس کا ایک حصہ اور جزو ہے، جیسے انار کی حقیقت یہی ہے کہ وہ چند میٹھے رسیلے دانوں کا مجموعہ ہے، اگر ایک ایک دانہ گرتا رہے تو ایک وقت سارے دانے گر جائیں گے، پھر وہ انار انار نہیں رہے گا، انسان بھی چند ایام کا مجموعہ ہے، روزانہ ایک ایک دن ختم ہوتا ہے ایک وقت آخری قطرہ بھی گر جائے گا اور زندگی کا چراغ بجھ جائے گا، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: **یاابن آدم! انما انت ایام، فاذا ذھب یوم ذھب بعضک۔**

''اے ابن آدم! تو چند ایام کا مجموعہ ہے جب ایک دن گزر گیا تو تیرا کچھ حصہ ختم ہو گیا''۔

حضرت رابعہ بصریہؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: **انما انت**

أيام معدُودَة، فاذَا ذهبَ يوْمك ذهبَ بعضك، ويوشك إذَا ذهب البعضُ ان يذهبَ الكلّ، وانتَ متى تَعْلمُ فاعملْ۔ ''آپ محض چند ایام کا مجموعہ ہیں، جب آپ کا ایک دن گذر گیا تو آپ کا بعض حصہ ختم ہو گیا، جب بعض حصہ چلا گیا تو قریب ہے کہ آپ کا پورا وجود ختم ہو جائے، اور جب آپ صاحب علم ہیں تو اس پر عمل شروع کر دیجئے''۔

حضرت ابوعلی الدقاقؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

کل یوم یمر یاخذ بعضی ✷ یورث القلب حسرة ثم یمضی

''ہر نکلنے والا دن میرے بعض حصے کو لے لیتا ہے، اور دل کو (زندگی سے ایک دن کم ہونے کا) رنج وملال دیتا ہے اور نکل جاتا ہے''۔

مومن کا رأس المال

کسی بھی تجارت کے لئے انسان کو سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے جس میں محنت کر کے وہ بڑے بڑے منافع حاصل کرتا ہے، آخرت کی تجارت کے لئے وقت مومن کا سرمایہ ہے، اس سرمایہ کو اگر صحیح جگہ لگا دیا تو غیر محدود منافع حاصل ہوں گے، حضرت عیسی بسطامیؒ فرماتے ہیں: إن اللّيْلَ وَالنّهَارَ رَأسُ مَالِ المُؤمِنِ، ربحهَا الجنّةُ وَخسرانُهَا النّارُ (الزهد) ''بلا شبہ شب و روز مومن کا اصل سرمایہ ہے، اس کا نفع جنت اور اس کا خسارہ جہنم ہے''۔

إنما الدنيَا إلى الجنةِ والنارِ طريقُ ✷ والليالي متجرُ الإنسانِ والايامُ سُوقُ

''بے شک دنیا جنت اور جہنم کی طرف جانے کا راستہ ہے، اور راتیں انسان کی تجارت کے اوقات ہیں اور دن بازار''۔

وقت ایک کھیت ہے

کھیت میں فصل بونے کے وقت اگر کسان سوئے گا تو جب دوسرے کھیتوں میں کھیتی

لہلہائے گی اور دوسرے کسان اپنی فصل کاٹیں گے اس وقت اس سونے والے کسان کو بہت ہی زیادہ ندامت ہوگی، یہ دنیوی زندگی بھی آخرت کی کھیتی ہے، کہا جاتا ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) اگر آج وقت میں اچھے اعمال کے بیج ڈالے گئے تو کل جنت اور اس کے بلند درجات کی شکل میں اس کا ثمرہ ظاہر ہوگا۔

غدا توفی النفوس ما کسبت ✲ ویحصد الزارعون ما زرعوا

ان احسنوا احسنوا لانفسھم ✲ وان اساؤوا فبئس ما صنعوا

''کل ہر نفس کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا، اور لوگ اپنی لگائی ہوئی فصل کاٹیں گے، اگر اچھے کام کئے ہیں تو اپنے لئے اچھا کر گئے، اور اگر برے اعمال کئے تو انہوں نے بہت برا کیا''۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: **مَن لعبَ بعُمرِہ ضیعَ ایامَ حرثِہ، و منْ ضیعَ ایامَ حَرْثہ نَدمَ ایامَ حَصَادِہ۔ (حفظ العمر)** ''جو اپنی زندگی میں لہو ولعب میں مشغول ہو جائے گا وہ اپنے کھیت بونے کے ایام کو ضائع کر دے گا، اور جو اپنے کھیت بونے کے ایام کو ضائع کرے گا وہ کھیتی کاٹنے کے ایام میں حسرت وندامت کا سامنا کرے گا''۔

إذا أنتَ لمْ تَزرَعْ وابصَرتَ حاصِدًا ندمتَ عَلی التّفْریطِ في زَمنِ البَذرِ

''جب تو کاشتکاری نہیں کرے گا اور پکی ہوئی فصل کاٹنے والے کسی کسان کو دیکھے گا تو بیج بونے کے وقت میں جو تو نے کوتاہی کی اس پر ندامت کرے گا''۔

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز ✲ جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقاں

حفاظتِ وقت میں فلاحِ دارین مضمر ہے

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

سچی بات یہ ہے کہ وقت بڑی قدر کی چیز ہے، بلکہ یوں سمجھئے کہ دین ودنیا کی

دولت یہی وقت ہے،جس نے وقت سے فائدہ اٹھایا اس کے دین کا بھی نفع ہوا اور دنیا کا بھی۔(متاع وقت اور کاروان علم)

حضرت ابراہیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں: **منْ حفظ على نفسه اوقاتَه، فلا يضيّعها بما لا يرضاه الله عز وجل فيه حفِظ الله دينَه ودنياه۔ (الزهد الكبير)** ''جو اپنی ذات پر اپنے اوقات کی حفاظت کرے گا اور اسے اللہ تعالی کو ناراض کرنے والے مواقع میں ضائع نہیں کرے گا تو اللہ اس کے دین اور دنیا کی حفاظت فرمائیں گے''۔

ہر سانس ایک خزانہ ہے

انسان کے ہر سانس میں لازوال نعمتیں مدفون ہیں، ذرا سی توجہ سے اس کے قیمتی دفینے حاصل کئے جاسکتے ہیں، کسی حکیم کا قول ہے: **وقدقيلَ: ان الانسان يتنفسُ كل يومٍ وليلة اربعًا وعشرين الفَ نفسٍ، اثناعشر تدخلُ واثناعشر تخرج، وكل نفَسٍ كخزَانةٍ، فانظرْ ماذا تجعلُ فيها۔** ''دن رات میں انسان چوبیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے، بارہ ہزار مرتبہ داخل ہوتا ہے اور بارہ ہزار مرتبہ نکلتا ہے، اور ہر سانس ایک خزانہ ہے، پس تو ذرا غور کرلے تیرا اس خزانے کے ساتھ کیا معاملہ ہے''۔

ولی کامل شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کی تو قضا ہوسکتی ہے، یعنی جب بندہ چاہے اللہ کی بارگاہ میں حاضری دے کر پچھلے گناہ معاف کراسکتا ہے مگر سانس کی قضا نہیں ہوسکتی، اس لئے جو سانس ایک دفعہ جاچکا اس کا دوبارہ لانا مشکل ہے، جب آئے گا دوسرا ہی آئے گا۔(مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حیرت انگیز واقعات ۳۲۰)

وقت ہر چیز سے قیمتی ہے

ایک حکیم نے اپنے دوستوں سے سوال کیا کہ بتاؤ دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز کیا

ہے؟ سب نے الگ الگ جواب دیا، کسی نے کہا سونا، کسی نے کہا جواہرات، کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ کہا، حکیم نے سب کے جواب کورد کر کے از خود جواب دیا کہ دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز وقت ہے، بالکل صحیح کہا کیوں کہ سونا خرچ کر کے وقت نہیں خریدا جاسکتا لیکن وقت سے سونا کمایا جاسکتا ہے عربی کا مقولہ ہے الوقت اثمن من الذهب (وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے)۔

بقية العمر عندي مالها ثمن ✵ وإن غداً ليس محسوباً من الزمن

يستدرك المرء فيها كل فائتة ✵ من الزمان ويمحو السوء بالحسن

''میری باقی زندگی کا کوئی بدل نہیں ہے، اور آئندہ کل میری زندگی میں شمار نہیں ہوتا ہے، انسانیت اور حرارت زندگی کا احساس رکھنے والا اپنی بقیہ عمر میں فوت شدہ زمانے کی کوتاہیوں کا تدارک کرتا ہے، اور سیئات سرزد ہو جانے کے بعد حسنات کی بجا آوری سے ان کو مٹا دیتا ہے''۔

ابن عقیلؒ نے خلیفہ مقتدی کے وزیر ابوشجاع کو ایک خط لکھا، اس میں یہ مضمون بھی ہے۔

''حمد وصلوۃ کے بعد! پس بلاشبہ عقلاء کے نزدیک بالاتفاق سب سے اہم پونجی وقت ہے، وہ ایک غنیمت کی چیز ہے جس سے کام کے مواقع حاصل کئے جاتے ہیں، پس اس کی قدر کرنی چاہئے کیوں کہ ذمہ داریاں زیادہ ہیں اور اوقات ختم ہونے والے۔ (قیمۃ الزمن)

تعجب کی بات

محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ کسی حکیم نے کہا ہے:

عَجِبْتُ مِمن يَحزنُ على نُقْصَانِ مَالِهِ وَلَا يَحزَنُ مِنْ فَنَاءِ عُمرِهِ، وَعجِبْتُ ممن الدنْيَا مُوَلِّية عَنهُ وَالآخِرَةُ مُقْبِلَةٌ إِلَيهِ يَشتَغلُ بالْمُدْبرَةِ، وَيعْرِضُ عَنِ الْمُقْبِلَة۔ (الزهد الكبير)

''مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو مال کے نقصان پر غمزدہ ہوتا ہے اور عمر کے فنا ہونے پر غم

نہیں کرتا، مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس سے دنیا منہ موڑ کر جارہی ہے اور آخرت اس کی طرف بڑھ رہی ہے، وہ جانے والی چیز میں مشغول ہوتا ہے اور آنے والی چیز سے اعراض کرتا ہے“۔

کتاب زندگی

زندگی ایک کتاب ہے اس کا ہر دن ایک صفحہ ہے، ہر آنے والی صبح آپ کے سامنے ایک نیا صفحہ کھولتی ہے، آپ کے اعمال اس کی تحریر ہیں، جیسا لکھو گے ایسا اس میں محفوظ ہوجائے گا، پھر دن کے مکمل ہوجانے پر وہ صفحہ بند ہوجائے گا، اس میں لکھنے کا موقع اب کبھی نہیں ملے گا، واپس اس صفحہ کو کھولنے کا کوئی امکان نہیں ہے، جو کچھ وقت پر لکھ دیا وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگیا، اور اگر اس صفحہ کو کھالی جانے دیا تو اس کی تلافی کا کوئی طریقہ نہیں ملے گا، اس طرح صفحات کھلتے جائیں گے یہاں تک کہ ملک الموت اس کتاب کو ہمیشہ کے لئے بند کردیں گے، پھر حشر کے میدان میں ہماری یہ کتاب ہمارے سامنے کھولی جائے گی، اور ایک ایک صفحہ بھرنے پر بڑے بڑے انعامات سنائے جائیں گے اس وقت جب اس میں خالی صفحات نظر آئیں گے تو پشیمانی اور شرمندگی کا کیا عالم ہوگا اس کا اندازہ اسی وقت ہوگا، کسی حکیم کا مقولہ ہے: **الایّام صَحائِف اعْمَار کم فخلدوھا بأحسن اعمالکم۔** ”ایام زندگی تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں پس ان میں اچھے اعمال تحریر کرکے محفوظ کرلو (کیوں کہ وہ ہی دفاتر محفوظ رکھے جاتے ہیں جن میں قیمتی مضامین ہوں)۔

آمدورفت کی کیفیت

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہر آنے والا دن اپنی زبان حال سے یہ کہتا ہے:

یا أیها الناسُ إِني یوم جدید و أنا علی ما یعملُ في شهید و إني لَو قدُ افلتُ شمسِي لمْ ارْجعْ إِلیکمْ إِلی یومِ القِیامةِ۔ (حفظ العمر)

”دنیا کا جو دن بھی آتا ہے وہ کلام کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے: اے لوگو! میں نیا دن

ہوں، اور مجھ میں جو کچھ بھی عمل کیا جائے گا میں اس پر گواہ رہوں گا، اور اگر آج میرا سورج غروب ہوگیا تو میں قیامت کے دن تک تمہاری طرف لوٹ کر نہیں آؤں گا''۔

اور یہ دن چوبیس گھنٹے آدمی کے پاس مہمان رہ کر جب رخصت ہوتا ہے اس وقت یا تو تعریف کرکے نکلتا ہے یا برائی کرکے نکل جاتا ہے، آپؒ نے فرمایا:

نَهَارُكَ ضَيْفُكَ فَأَحْسِنْ إِلَيْهِ فَإِنَّكَ إِنْ أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ ارْتَحَلَ بِحَمْدِكَ وَإِنْ أَسَأْتَ إِلَيْهِ ارْتَحَلَ بِذَمِّكَ وَكَذَلِكَ لَيْلُكَ۔

''تیرا دن تیرا مہمان ہے، تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر، کیوں کہ اگر تو اچھا سلوک کرے گا تو وہ تیری تعریف کرتا ہوا رخصت ہوگا، اور اگر تو اس کے ساتھ برا معاملہ کرے گا تو وہ تیری مذمت کرتے ہوئے رخصت ہوگا، یہی حالت رات کی ہے''۔

کل کا دن واپس نہیں آئے گا

آج کا دن نکلنے کے لئے کمر بستہ ہے، جب یہ ایک مرتبہ نکل جائے گا تو پھر کبھی واپس نہیں آئے گا، البتہ صحیح استعمال کی صورت میں اس کا نفع باقی رہے گا،

مضى امسُك الماضي شهيدًا معدَّلًا ❁ وأعقبهُ يومٌ عليكَ شهيدُ
فان كنتَ اقترفْتَ بالامس اساءةً ❁ فثَنِّ باحسانٍ وانت حميدُ
فيومك إن اعتبتهُ عاد نفعُه ❁ عليكَ، وماضي الامسِ ليس يعودُ
ولا ترجِ فعل الخير يوما إلى غد ❁ لعل غدًا يأتي وأنتَ فقيدُ

''گذشتہ کل نکل گیا تجھ پر ایک معتبر گواہ بن کر، اس کے پیچھے آج کا دن آیا ہے وہ بھی تجھ پر گواہ ہوگا، اگر کل تو نے کوئی برائی کی ہے تو آج نیکی کرکے قابل تعریف بن جا، کیوں کہ اگر تو آج کے دن کو مشقت میں ڈالے گا تو کل اس کا نفع مل جائے گا، اور گیا ہوا کل واپس نہیں لوٹے گا، کسی

دن آئندہ کل کے لئے کسی اچھے کام کو مؤخر نہ کر، ممکن ہے کل کا دن اس حال میں آئے کہ تو نہ ہو'۔

وقت زبانِ حال سے کہتا ہے:

ولست بمدرك ما فات مني   بلهف ولا بليت ولا لواني

''میرا وہ حصہ جو تجھ سے فوت ہو گیا تو اس کو نہیں پا سکتا'' واویلاہ، اے کاش، کاش کہ میں ایسا کرتا'' کے الفاظ سے''۔

اشعار

خُذْ مَا صَفَا لَكَ فَالْحَيَاةُ غُرُورٌ ۞ وَالْمَوْتُ آتٍ وَاللَّبِيبُ خَبِيرُ

تَعْفُو السُّطُورُ إِذَا تَقَادَمَ عَهْدُهَا ۞ وَالْخَلْقُ فِي رِقِّ الْحَيَاةِ سُطُورُ

كُلٌّ يَفِرُّ مِنَ الرَّدَى لِيَفُوتَهُ ۞ وَلَهُ إِلَى مَا فَرَّ مِنْهُ مَصِير

فَانْظُرْ لِنَفْسِكَ فَالسَّلَامَةُ نُهْزَةٌ ۞ وَزَمَانُهَا صَافُّ الجناح بطير

مرآة عيشك بالشباب صَقِيلَةٌ ۞ وَجَنَاحُ عُمْرِكَ بِالْمَشِيبِ كَسِيرُ

بَادِرْ فَإِنَّ الْوَقْتَ سَيْفٌ قَاطِعٌ ۞ وَالْعُمْرُ جَيْشٌ وَالشَّبَابُ أَمِيرُ

① تو اپنے لئے مفید چیز کو حاصل کر لے اس لئے کہ زندگی ایک دھوکہ ہے، اور موت آنے والی ہے، اس صورت حال میں عقلمند باخبر رہتا ہے۔ ② مرور ایام کے ساتھ لکیریں ختم ہو جاتی ہیں، مخلوق بھی صفحۂ زیست پر لکیریں ہیں۔ ③ ہر ایک موت سے بھاگتا ہے تا کہ اس سے بچ نکلے، لیکن جس سے بھاگتا ہے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ④ پس تو اپنے لئے فکر کر اس لئے کہ موانع اور موت سے سلامتی (یعنی تندرستی اور زندگی) اپنی فکر کرنے کا ایک مختصر موقع ہے، اور اس کا زمانہ اپنے پر پھیلائے اڑ رہا ہے (عنقریب یہ ہاتھ سے نکل جائے گا)۔ ⑤ تیری عمر کا آئینہ جوانی سے چمکدار ہے (یعنی زندگی کی چمک جوانی کی کدو کاوش پر موقوف ہے) اور تیری زندگی کا بازو بڑھاپے سے

ٹوٹا ہوا ہے (یعنی قوت وارادے کی کمی اور عوارض کی کثرت کی وجہ سے بڑھاپے میں زندگی کو وصول کرنے کا موقع نہیں رہتا)۔۞ اے مخاطب! قدم بڑھا، اس لئے کہ وقت ایک تیز تلوار ہے (اگر اس کو صحیح استعمال نہیں کیا تو وہ تجھے ہی کاٹ دے گی) اور عمر ایک لشکر ہے جس کا امیر جوانی ہے۔

زندگی بڑی مختصر ہے

دنیا میں انسان کی زندگی بہت ہی مختصر ہے، موت کے بعد دنیوی زندگی ایک دن سے بھی زیادہ مختصر معلوم ہوگی، اللہ پاک کا مبارک فرمان ہے:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰـهَا

''جب وہ اس (قیامت) کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے''۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا کہ مروی ہے کہ حضرت نوحؑ سے پوچھا گیا کہ اے نبیوں میں سب سے لمبی عمر پانے والے! آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپؑ نے فرمایا: **كدارٍ لها بابانِ دخلتُ من أحدهما وخرجتُ من الآخر۔** ''میں نے دنیا کو اس گھر کی طرح پایا جس کے دو دروازے ہوں ایک سے میں داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا''۔

کچھ لوگ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے گئے، ان میں سے کسی نے پوچھا کہ آپ پر کتنے سال گذر گئے، اس اعرابی نے کہا ایک سو پچاس سال، لوگوں نے کہا واللہ یہ تو بڑی لمبی عمر ہے، اس اعرابی نے کہا: **لَا تَقولُوا ذَاكَ فَوَاللهِ لَوِ اسْتَكْملتمُوهَا لَاسْتقْللتمُوهَا۔** ''ایسا مت کہو، واللہ! اگر تم اس عمر کو بھی پورا کر لو گے تو اسے بھی کم سمجھو گے''۔ (العمر والشیب)

ایک آدمی نے لمبی عمر پائی، جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس کے بھائی نے اس سے کہا کہ مجھے کچھ آخری نصیحت کیجئے، اس پر اس نے یہ اشعار کہے:

كَأَنَّ الْمَوْتَ يَا ابْنَ أَبِي وَأُمي * وَإِنْ طَالَتْ حَيَاتُكَ قَدْ أَتَاكَا

أَتَنعِي الْمَيتِينَ وَأَنْتَ حَيٌّ * إِذَا حَيٌّ بِمَوْتِكَ قَدْ نَعَاكَا

إِذَا اخْتَلَفَ الضُّحَى وَالْعَصْرُ * دَأْبًا تَسُوقُهُمَا الْمَنِيَّةُ أَدْرَكَاكَا

''اے میرے بھائی! یوں سمجھ گویا تیری موت آ گئی اگر چہ تیری عمر لمبی ہو، کیا تو زندہ رہ کر مرنے والوں کے موت کی خبر دیتا ہے جبکہ کوئی دوسرا زندہ شخص تیرے موت کی خبر دے چکا ہے، جب صبح اور شام مسلسل گردش میں ہیں جن کو موت ہانک رہی ہے تو وہ تجھے ضرور پالیں گے''۔

اس مختصر زندگی کے راحت و آرام کے لئے ابدی زندگی کی دائمی نعمتوں سے غافل رہنا کس قدر خسارہ کی بات ہے، اس مختصر زندگی کے لئے ہمارا یہی فیصلہ ہونا چاہئے:

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں ✲ جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا

کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم ✲ جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

وقت میں فضول حصہ نہیں ہے

بعض لوگ فارغ اوقات سے اکتاتے ہیں، اور جن اوقات میں کوئی مشغلہ نہیں ہوتا ان کو نکالنے کے لئے (ٹائم پاس کرنے کے لئے) کوئی فضول مشغلہ تلاش کرتے ہیں، لیکن یہ بہت بڑی بے وقوفی ہے، وقت کا ہر حصہ کارآمد ہے، اس کا کوئی حصہ فضول اور بیکار نہیں کہ غفلت و سستی میں یا لغو کام میں ضائع کیا جائے یا کسی دوسرے وقت کے انتظار میں موجودہ وقت کو بیکار نکال دیا جائے، ''الزہد الکبیر'' میں بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

العُمرُ قَصير، وَالوَقتُ ضيقٌ، وَالايامُ تقضى وليسَ في الوَقتِ فضلٌ۔

''عمر مختصر ہے، اور وقت تنگ ہے، اور ایام زندگی فنا ہو رہے ہیں، اور وقت کا کوئی حصہ فضول نہیں ہے''۔

وقت کا ضیاع موت سے بھی سخت ہے

علامہ ابن قیم جوزیؒ اپنی کتاب الفوائد میں لکھتے ہیں:

إِضَاعَةَ الْوَقْت أَشدمن الْمَوْت لِأَن إِضَاعَةَ الْوَقْت تقطعك عَن اللهِ وَالدَّار الْآخِرَةِ وَالْمَوْت يقطعك عَن الدُّنْيَا وَأَهْلهَا، الدُّنْيَا من أَولهَا إِلَى آخرهَا لَا تَسَاوِي غم سَاعَة فَكيف بغم الْعُمر، أعظم الرِّبْح فِي الدُّنْيَا أَن تشغل نَفسك كل وَقت بِمَا هُوَ أولى بهَا وأنفع لَهَا فِي معادها كَيفَ يكون عَاقِلا من بَاعَ الْجنَّة بِمَا فِيهَا بِشَهْوَة سَاعَة۔

''وقت کا ضائع کرنا موت سے بھی زیادہ سخت ہے، کیوں کہ وقت کا ضائع کرنا تجھے اللہ سے اور آخرت سے دور کر دے گا، اور موت تجھے دنیا اور اہل دنیا سے کاٹ دے گی، دنیا اول سے لے کر آخر تک اس لائق نہیں کہ اس کے لئے ایک گھڑی کا غم برداشت کیا جائے، پس اس کے لئے زندگی بھر کا غم کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے، دنیا میں سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ تو ہر وقت نفس کو ایسے کام میں مشغول رکھے جو اس کے لئے آخرت میں مناسب اور سود مند ثابت ہو، وہ شخص کیسے عقلمند ہو سکتا ہے جو جنت کو اس کی تمام نعمتوں سمیت ایک گھڑی کی شہوت کے بدلے میں بیچ دیتا ہے''۔

کہا جاتا ہے: من علامة المقت، إضاعة الوقت۔ ''مبغوض اور ناپسندیدہ ہونے کی ایک علامت وقت کو ضائع کرنا ہے''۔

تن پروری انسانیت کے لئے عار ہے

کیا کھانا، پینا اور سونا یہی زندگی ہے؟ ایک انسان کما کر اہل خانہ کے لئے وسائل کا انتظام کرتا ہے، گھر میں وقت پر کھانا تیار ہوتا ہے، سب مل کر شکم سیر ہو جاتے ہیں، یہی روزانہ کا نظام بنا ہوا ہے، کیا ایسے شخص نے اپنی منزل تک رسائی حاصل کر لی؟ کیا انسان محض کھانا ہضم

کرنے کی مشین کا نام ہے، نہیں ہرگز نہیں، انسان کی زندگی کا مقصد بہت بلند ہے، خوردن وخفتن تو بہائم کا طرز زندگی ہے،

نَهَارُكَ يَا مَغْرُورُ سَهْوٌ وَغَفْلَةٌ * وَلَيْلُكَ نَوْمٌ وَالرَّدَى لَكَ لَازِمُ

وَتَعْمَلُ فِيمَا سَوْفَ تَكْرَهُ غِبَّهُ * كَذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا تَعِيشُ الْبَهَائِمُ

''اے فریب خردہ انسان! تیرا دن سہو اور غفلت میں گذرتا ہے، اور رات نیند میں، اس حال میں تیرے لئے ہلاکت ضروری ہو چکی ہے، تو ایسے کاموں میں لگا ہوا ہے جن کا نتیجہ عنقریب تجھے برا لگے گا، تیرا جو یہ طرز زندگی ہے اس طرح تو دنیا میں جانور زندگی گزارا کرتے ہیں''۔

فراغت بھی عیب ہے

حضرت عمر فاروقؓ کو بیکاری پسند نہیں تھی، آپؓ فرماتے ہیں:

إني لاكره ان ارى احدكم سبهللا (فارغا) لافي عمل دنيا ولا في عمل آخرة

''میں ناپسند کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو فارغ دیکھوں، وہ نہ دنیا کے کام میں مشغول ہو اور نہ آخرت کے کام میں مشغول ہو''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنا یہی خیال ظاہر کرتے ہیں:

إني لابغضُ الرجلَ فارغًا ليسَ في شيءٍ منْ عملِ الدنيا ولا من عَملِ الاخرةِ

''میں ایسے فارغ اور بے کار آدمی کو ناپسند کرتا ہوں جو نہ دنیا کے کسی کام میں مشغول ہو اور نہ اعمال آخرت میں مصروف ہو''۔

حضرت مالک بن دینارؒ اکثر فرمایا کرتے تھے: مَنْ عَرفَ الله فهوَ في شغلٍ شاغلٍ، ويل لمنْ ذهبَ عمرُهُ بَاطِلًا۔ (العمر والشیب) ''جس نے اللہ تعالی کو پہچانا وہ کسی مفید کام میں مشغول رہتا ہے، ہلاکتی ہے اس شخص کے لئے جس کی عمر بیکار چلی جائے''۔

ایک اللہ والے اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں جارہے تھے، راستے میں ایک آدمی بیکار بیٹھا ہوا تھا آپ اس کے پاس سے بغیر سلام کئے نکل گئے، واپسی پر جب اس آدمی کے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے اسے سلام کیا، کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے جاتے ہوئے سلام نہیں کیا، اور واپس آتے ہوئے سلام کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جاتے ہوئے وہ فارغ بیٹھا تھا اور فارغ انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہوتا ہے، اور واپسی میں وہ زمین پر کچھ لکھ رہا تھا، وہ مشغلہ بھی فضول تھا لیکن مشغولی کی وجہ سے شیطان بہکانے اور وساوس ڈالنے سے عاجز تھا۔

محرم اسرار حیات

اسی عالم غفلت میں بسنے والے انسانوں میں ہمیں بہت سے لوگ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہوں اپنی زندگی کا راز پالیا، ان کی نگاہوں کے سامنے مقصد حیات آفتاب کی طرح روشن تھا، ان کی زندگی کا ایک ایک عمل مقصد حیات کی تشریح کرتا ہے، ان کے پرحکمت ارشادات راز حیات کا آئینہ سامنے کر دیتے ہیں، ان میں سے ایک ابوالدرداءؓ ہیں، آپ کا ارشاد ہے کہ اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو مجھے زندگی سے کوئی محبت نہ ہوتی، ایک گرمیوں کے روزے، قیام لیل میں اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا، اور ایسے لوگوں کی صحبت جو عمدہ کلام کو اس طرح چنتے ہیں جس طرح عمدہ پھل چھانٹے جاتے ہیں، اور یہ خلیفۂ ثانی عمر بن الخطابؓ فرمارہے ہیں کہ اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں اللہ سے مل جانے کو پسند کرتا، ایک اللہ کے راستے میں نکلنا، اپنی پیشانی کو اللہ کے سامنے سجدہ میں رکھنا، اور ایسے لوگوں کی صحبت جو عمدہ کلام کو اس طرح اچک لیتے ہیں جس طرح عمدہ پھل اچک لئے جاتے ہیں (الزہد لاحمدؒ) معضد بن یزید عجلیؒ فرماتے ہیں کہ اگر گرمیوں کا روزہ، موسم سرما کی راتوں کا قیام اور تہجد میں میں کتاب اللہ کی تلاوت کی لذت نہ ہوتی تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ میں شہد کی مکھی ہوتا (صفۃ الصفوۃ) حضرت ثابت بنانیؒ ایک مرتبہ فرمانے لگے: ہائے میرے عزیزوں! میں

کل رات روزانہ کے معمول کی طرح نماز نہیں پڑھ سکا، اور نہ میں روزہ رکھ سکا، اور نہ میں اپنے ساتھیوں کے پاس ذکر کی مجلس میں شریک ہو سکا، اے اللہ! جب تو نے مجھے ان چیزوں سے روک دیا ہے تو اب مجھے دنیا میں ایک گھڑی بھی زندہ مت رکھ، حضرت مالک بن دینارؒ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا: اے اللہ! یقیناً تو جانتا ہے کہ مجھے زندگی سے محبت پیٹ اور شرمگاہ کی شہوتوں کو پورا کرنے کے لئے نہیں تھی (بلکہ تیری بندگی اور تجھے راضی کرنے کے لئے زندگی سے محبت کرتا تھا) (منجد الخطیب) کئی اولیاء کرام کے متعلق مروی ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ قیامت آ گئی، یا ملک الموت دروازے پر کھڑے ہیں تب بھی ان کو اپنے عمل میں اضافہ کرنے کی گنجائش نہ ملے، ان کی پوری زندگی اسی مشغولیت میں نکل گئی، اور کسی نے کہا ہے اگر میں جنت وجہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تب بھی میرے عمل میں مزید کی گنجائش نہیں ہے، جس طرح ایک عام انسان کے سامنے روٹی کا نام لینے سے فوراً یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ وہ بھوک ختم کرنے کا ایک ذریعہ ہے، اس مقصد کو سامنے لانے یا ذہن کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے یاددہانی کی یا ذہن کے بیدار ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ غفلت میں، نیند کے غلبہ کے وقت، گہری فکروں میں مستغرق ہونے کی حالت میں بھی روٹی کا نام لینے سے فوراً ذہن میں مقصد کا استحضار بھی ہو جاتا ہے، اسی طرح ان حضرات کے سامنے زندگی کا نام آتے ہی بے تکلف ذہن میں اس بات کا استحضار ہو جاتا تھا کہ آخرت کی تیاری کا وقت ہے، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مزدور سے کہا جائے کہ دس گھنٹے کا موقع آپ کو دیا جاتا ہے اس میں جتنا کام ہوگا اسی قدر آپ کو عزت ومال سے نوازا جائے گا، ظاہر بات ہے وہ مزدور ان دس گھنٹوں میں بالکل آرام وراحت کی فکر نہیں کرے گا، اور نہ کسی دوسرے کام کی طرف توجہ کرے گا، بلکہ مسلسل اپنے کام میں مصروف رہے گا، بالکل اسی طرح ان اولیاء کرام نے اپنی عمر عزیز کے لمحات گزار دیئے، وہ بظاہر عام انسانوں کے ساتھ رہتے تھے، لیکن

اپنی توجہ اپنی دھن کے اعتبار سے عام انسانوں میں اوران میں بے انتہاء مسافتوں کی دوری تھی، گویا دونوں کا عالم ہی جدا تھا، وہ حضرات جس عالم میں بستے تھے وہاں الفاظ تو وہ ہی رہتے تھے معانی بدل جاتے تھے، نظر وہ ہی رہتی تھی، غرض و غایت بدل جاتی تھی، دل تو وہ ہی رہتا تھا تمنائیں بدل جاتی تھی، دماغ وہ ہی رہتا تھا خیالات بدل جاتے تھے، ان کے یہاں کامیاب تجارت کرنے والے، علوم وفنون میں ہمعصروں پر فوقیت لے جانے والے، اپنے حریف کو مسکت جواب دینے والے کو عقلمند نہیں کہا جاتا، بلکہ ان کے یہاں عقلمند کا ایک ہی معنی تھا، وہ ہے موت سے پہلے موت کے بعد کی تیاری کرنے والا، اسی طرح عافیت کا معنی ان کے یہاں ایمان واعمال کی سلامتی ہے، اگر ایمان واعمال میں کوتاہی ہے تو وہ خود کو عافیت میں نہیں سمجھتے تھے، تجارت سے ان کا ذہن اخروی تجارت کی طرف ہی منتقل ہوتا تھا، ابومسلم خولانیؒ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آج مقابلے میں فلاں شخص آگے بڑھ گیا، ابومسلمؒ نے اس سے کہا کہ نہیں سبقت کرنے والا تو میں تھا، اس شخص نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کیسے؟ آپؒ فرمایا کہ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو مجھ سے پہلے آنے والا کوئی نہیں تھا میں ہی پہلے داخل ہوا تھا، اسی طرح قوت و بہادری، خوبصورتی، میراث، کامیابی و ناکامی اور دیگر بہت سے الفاظ کے معانی متعین کرنے میں ان کے دل ودماغ کا معیار عام انسانوں سے مختلف ہوتا تھا، ''فرصت نہیں ہے'' کا معنی عام انسانوں کے نزدیک یہ ہے کہ دنیوی مشاغل کی کثرت نے دینی امور سے مشغول کردیا، لیکن ان کے یہاں اس کا کچھ اور ہی معنی مراد ہوتا ہے جس کو شاعر نے اچھی طرح واضح کیا ہے؛

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے * نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

گویا وہ علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے،

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں * گرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ہر دم رواں ہے زندگی

زندگی ایک سفر ہے، اور انسان مسافر ہے، یہ سفر ہر آن ہر لمحہ جاری رہتا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ انسان جاتا ہے تو اس کو سفر کا احساس ہوتا ہے، لیکن جب ایک وقت کو پار کرکے دوسرے وقت کی طرف جاتا ہے تو اسے احساس نہیں ہوتا کہ میں نے سفر کیا، حالانکہ کل اور آج میں بہت دور کا فاصلہ ہو گیا، کل کی جو منزل تھی اب وہ بہت پیچھے رہ گئی اور ہم بہت آگے بڑھ گئے۔

وَمَا الْمَرْءُ إِلَّا رَاكِبٌ ظَهْرَ عمرِه ☆ عَلَى سَفَرٍ يفنيه بِاليومِ وَالشَّهْرِ
يَبِيتُ وَيُضْحى كل يَومٍ وليلةٍ ☆ بَعِيدًا عَنِ الدُّنْيا قَرِيبًا إِلَى القَبْرِ

''آدمی سوار ہے اپنی زندگی کی پیٹھ پر ایک ایسے سفر کے لئے جو اسے دن اور مہینوں کی منزلوں سے فنا کی طرف لے جا رہا ہے، وہ ہر روزانہ صبح کرتا ہے اور شام کرتا ہے دنیا سے دور جاتے ہوئے اور قبر سے قریب آتے ہوئے''۔

نسير إلى الآجال في كل لحظة ☆ وأيامنا تطوى وهن مراحل
ولم أر مثل الموت حقا كأنه ☆ إذا ما تخطته الأماني باطل
وما أقبح التفريط في زمن الصبا ☆ فكيف به والشيب للرأس شاعل

''ہر لمحہ ہم موت کی طرف جا رہے ہیں، اور ہمارے دن گویا مراحل سفر ہیں جو سمٹتے جا رہے ہیں، میں نے موت جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ حق ہونے کے باوجود جب امیدیں اس سے آگے بڑھ جاتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ ایک باطل چیز ہو، سستی و کاہلی تو بچپن میں بھی بہت بری چیز ہے، پھر وہ اس وقت جب کہ سر میں سفیدی پھیلنے لگے کیسے گوارا ہو سکتی ہے!''۔

دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ہے * طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا یہ سفر ہے
اک دن یہاں تو آیا اک دن ہے تجھ کو جانا * رکنا نہیں یہاں پر جاری تیرا سفر ہے

مسافر خواہ اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور چلا جائے لیکن وطن اور اہل وعیال کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتا، اس کو ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ سفر کامیاب ہو اور جلدی سے اپنے اہل و عیال سے جاملوں، وہ جس مقصد کے لئے آیا ہے اس میں کوتاہی نہیں کرتا، دن رات میں جب بھی موقع ملتا ہے محنت وکوشش سے گریز نہیں کرتا، یہی حال ایک مسلمان کا اس دنیوی سفر میں ہوتا ہے، وہ اپنے وطن جنت کی تیاری کے لئے یہاں آیا ہے، اس لئے وہ اپنے مقصد کی تکمیل میں لگا رہتا ہے، ایک پردیس کی طرح وہ بھی دنیا میں راحت وآرام کی فکر نہیں کرتا بلکہ سفر کی ناکامی کے خطرے سے ہر وقت خوفزدہ رہتا ہے، اور جب بھی موقع ملتا ہے اپنا اصلی وطن سنوارنے میں لگ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیفیت کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے: **من خافَ ادلجَ ومن أدلجَ بلغَ المنزِل الا إنّ سلعةَ اللہ غالیةٌ الا إنّ سلعة اللہ الجنّةُ (ترمذی)** ''جو ڈرتا ہے وہ ابتدائے شب سے سفر شروع کر دیتا ہے، اور جو ابتدائے شب سے سفر شروع کرتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے، سنو! بے شک اللہ کا سامان مہنگا ہے، سنو! بے شک اللہ کا سامان جنت ہے''۔

جوانی میں عدم کے واسطے سامان کر غافل ✷ مسافر شب کو اٹھتا ہے جو جانا دور ہوتا ہے

جو یہاں رک کر سیر وسیاحت میں اور آرام وراحت میں مشغول ہو گیا، وطن کو بھول کر پردیس کی رنگ وبو میں محو ہو گیا اس کو وطن واپسی کے وقت بڑی شرمندگی ہوگی، بڑا افسوس ہوگا، ایک شخص دہلی یا بمبئی کسب معاش کے لئے گیا لیکن ایک سال رہ کر جب گھر واپس آیا تو کچھ بھی لے کر نہیں آیا، گھر والوں کی ساری امیدیں خاک میں ملا دیں، کیا ایسے شخص کو گھر واپسی کی کوئی خوشی ہو سکتی ہے، اور کیا گھر والوں کو اس سے ملنے کی خوشی ہو سکتی ہے، لیکن اس کی تلافی دوسرے سفر میں ممکن ہے جبکہ اخروی سفر تو ایسا ہے کہ ایک ہی مرتبہ موقع ملے گا، اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو دوبارہ سفر کی اجازت نہیں ملے گی۔

میرے دوستو زندگی اک سفر ہے * کہیں ٹھہر جانے کی کوشش نہ کرنا
یہ دنیا بڑی بے وفا ہے سنبھلنا * یہاں دل لگانے کی کوشش نہ کرنا

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ سفر جاری ہو، یہاں سے کوچ کا نقارہ بجایا جا چکا ہو، لیکن مسافر بے فکر بیٹھا اپنی دھن میں مست ہو۔

وما هذه الأيام إلا مراحل * يحث بها داع إلى الموت قاصد
وأعجب شيء لو تأملت أنها * منازل تطوى والمسافر قاعد

امام شافعیؒ اپنے ہاتھ میں ہمیشہ عصا رکھتے تھے، آپؒ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ ضعیف تو ہے نہیں، پھر عصا کیوں رکھتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا کہ میں عصا اس لئے رکھتا ہوں تا کہ مجھے یاد رہے کہ میں مسافر ہوں (منجد الخطیب)۔

کچھ لوگ ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کے گھر کا ساز وسامان دیکھا جو بہت ہی معمولی تھا، انہوں نے بزرگ سے عرض کیا: آپ کا گھر تو ایسا ہے گویا مسافر کا گھر ہو، آپؒ نے فرمایا: میں سفر کرنے والا نہیں ہوں بلکہ میں یہاں سے دھکے دے کر نکالا جاؤں گا۔

ایک شخص حضرت ابوذرؓ کے پاس آیا، اور کہنے لگا اے ابوذر! آپ کا سامان کہاں ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہمارا ایک گھر ہے ہم وہاں توجہ دیتے ہیں، سارا سامان بھی وہاں مہیا کیا ہے، اس نے کہا: جب تک اس مکان میں قیام رہے کچھ تو سامان ضروری ہے، آپؓ نے فرمایا: إن صاحب المنزل لا يدَعنا هاهنا (صاحب منزل ہمیں یہاں نہیں رہنے دے گا)۔ صفة الصفوة

وقت مصروفِ کار ہے

وقت میں ٹھہرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، وہ ہمیشہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے کسی کے انتظار میں رکنا اس کی عادت نہیں، وقت علامہ اقبال کی زبانی اپنا دستور بیان کرتا ہے،

نہ تھا اگر تو شریک محفل، قصور تیرا ہے یا کہ میرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

وقت برف کی طرح ہے کہ برف کو استعمال کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ خود بہ خود پگلنا شروع ہو جائے گا، اور بیکار ضائع ہو جائے گا، خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: **ان اللیل والنہار یعملان فیک فاعمل فیھما۔** (قیمۃ الزمن) ''رات اور دن تیرے اندر عمل کر رہے ہیں (یعنی تیری عمر فنا کر رہے ہیں) تو بھی ان کے اندر کچھ عمل کر لے''۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

صحبت الصوفية، فلم أستفد منهم سوى حرفين، أحدهما قولهم: الوقت سيف، فإن لم تقطعه قطعك، (وذكر الكلمة الأخرى) ونفسك إن شغلتها بالحق وإلا شغلتك بالباطل۔ (قيمة الزمن عند العلماء ۲۵)

''میں صوفیائے کرام کی صحبت میں رہا، میں نے ان سے صرف دو باتیں سیکھیں، ان میں ایک بات یہ ہے کہ وقت ایک تلوار ہے اگر تو اس کو (مفید اور کارآمد مشاغل سے) قطع نہیں کرے گا تو وہ تجھے (ناکامی اور حسرت وندامت سے اور عمر کو فنا کر کے) کاٹ دے گا، دوسری بات یہ کہ اگر نفس کو کسی اچھے کام میں مشغول کرے گا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ تجھے باطل میں مشغول کر دے گا''۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی * گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

کسی کا پڑھا پا خاموش نصیحت ہے

وقت کی رفتار کے نتائج کے لئے ذرا دیدۂ عبرت وا کیجئے، اور ایک نظر اپنے پاس کھڑے عمر رسیدہ انسان کو دیکھئے، اس کے ہاتھوں میں رعشہ طاری ہے، قدم بھی لڑکھڑا رہے ہیں، اسے فلاں دکان پر جانا ہے لیکن سہارے کا انتظار ہے، لیجئے سہارا مل گیا لیکن پھر بھی طبیعت ہاری ہوئی ہے،

بیسیوں مرتبہ سوچ کر اب قدم اٹھایا ہے، دکاندار سے کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن دکاندار سمجھ نہیں پاتا، دیکھئے اسے قدم قدم پر پریشانیاں ہیں، کیوں کہ اس کے جسم پر ضعف و امراض کی حکمرانی ہے، اب ذرا اپنے دل سے سوال کیجئے کیا اس انسان نے صحت کے دن پائے تھے؟ کیا اسے بھی کبھی قوت حاصل تھی؟ وہ اپنی ضروریات کی تکمیل پر خود قادر تھا؟ کیا اس نے بچپن و جوانی دیکھی؟ کیا اس کے پیروں میں کبھی ایسی طاقت تھی کہ وہ پچاس قدموں کی جگہ سو قدم چل کر پہنچتا تھا، سینکڑوں قدم چلنے کے بعد بھی اسے تکان کا احساس تک نہ ہوتا تھا؟ اور کیا وہ ہاتھ سے وزنی چیزیں بھی اٹھالیتا تھا؟ کیا وہ اس دور سے گذرا ہے جس دور سے ابھی ہم گذر رہے ہیں؟ اندر سے جواب آئے گا کہ ہاں یہ سب کچھ تھا اور ایسا تھا کہ اسے ضعف و امراض کی باتوں پر یقین نہ آتا تھا، اور اب یہ حال ہوا ہے کہ گذشتہ کی قوت و توانائی اور صحت ایک خواب نظر آنے لگی، وقت کی رفتار نے غیر محسوس طور سے ایک ایک نعمت اس سے چھین لی۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں جوانی کو ایسا سمجھتا ہوں جیسے کوئی چیز جیب میں تھی اور وہ گر گئی (جوانی اس طرح چلی جائے گی کہ احساس بھی نہیں ہوگا)۔

اجڑی زندگیوں میں درس عبرت

اور آگے بڑھ کر گردش زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس نے رواروی میں کتنی زندگیاں کچل ڈالی، کرۂ ارض پر آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے، کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے، زمین پر بسنے والے ہم پہلے انسان نہیں ہیں، ہم سے پہلے اربوں کھربوں انسان لمبی عمریں گزار کر گئے ہیں جنہوں نے اس دنیا میں مختلف حالات کا سامنا کیا، کبھی رنج و الم اور خوف و ہراس کی وادی میں سرگرداں رہے، کبھی فرحت و سرور کے باغات میں شاداں و رقصاں رہے، کسی نے راحت و آرام کا شیوہ اختیار کیا تو کسی نے جہد مسلسل سے اپنی آخرت سنوارنے کی فکر کی، موت نے ان کی زندگی کو

اوران کی زندگی کے تمام واقعات کواس طرح سمیٹ دیا کہ وہ سب ایک خواب بن کررہ گئے گویا وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے، کسی شاعر نے کہا ہے:

مرت السنين بالوصال وبالهناء * فكأنها من قصرها ايام

ثم انثنت ايام هجر بعدها * فكأنها من طولها اعوام

ثم انقضت تلك السنون واهلها * فكأنها وكأنهم احلام

''کچھ سال دوستوں سے وصال اور خوشگواری کے ساتھ گذرے جو اتنے مختصر لگے کہ گویا وہ چند ایام ہوں، پھر اس کے بعد جدائی کے دن آئے جو اتنے طویل معلوم ہوئے گویا کئی سال گذر گئے، پھر وہ سال اور سال والے اس طرح گذر گئے گویا وہ (سال) اور وہ (سال والے) سب خواب ہوں''۔

ضمیر کو چھونے والے شیخ سعدیؒ کے اشعار:

بسا پادشاہان سلطان نشاں ✻ بسا پہلوانان کشور ستاں

بسا تند گردان لشکر شکن ✻ بسا شیر مردانِ شمشیر زن

بسا ماہرویان شمشاد قد ✻ بسا نازنینانِ خورشید خد

بسا ماہرویان نو خاستہ ✻ بسا نوعروسانِ آراستہ

بسا نامدار و بسا کامگار ✻ بسا سروقد و بسا گلعذار

کہ کردند پیراہن عمر چاک ✻ کشیدند سر در گریبان خاک

چناں خرمن عمر شاں شد بباد ✻ کہ ہرگز کسے زاں نشانے نہ داد

ثباتے نہ دارد جہاں اے پسر ✻ بہ غفلت مبر عمر دروے بسر

''بہت سے دبدبہ والے بادشاہ، بہت سے حکومت چھین لینے والے پہلوان، بہت سے

لشکر کو شکست دینے والے سخت لوگ، بہت سے شمشیر چلانے والے بہادر، بہت سے چاند سے مکھڑے والے شمشاد جیسے قد والے، بہت سے نازوں میں پلے ہوئے آفتاب جیسے رخسار والے، بہت سے ماہتاب کی سی صورت والے نوجوان، بہت سی نئی سجی دلہنیں، بہت سے نامور اور کامیاب لوگ، بہت سے سرو جیسا سیدھا اور لمبا قد رکھنے والے پھول جیسے نرم اور خوش رنگ رخسار والے، ان تمام لوگوں نے زندگی کا پیرہن چاک کیا اور موت کی آغوش میں چلے گئے، اور مٹی کے گڑھے میں جا بسے، ان کی زندگی کا کھلیان اس طرح ہوا کی زد میں آ گیا کہ پھر کبھی کسی کو ان کا نشان تک نہ ملا، اے بیٹے! دنیا کو قرار نہیں ہے، اس میں عمر عزیز کو غفلت میں مت گنوا دینا''۔

قد نادت الدنيا على نفسها ✵ لو كان في العالم من يسمعُ
كم واثقٍ بالعمر افنيتُه ✵ وجامعٍ بددتُ ما يجمعُ

جی ہاں! رفتار زمانہ کی زد میں آ گئے، ہم بھی اس کی دسترس سے محفوظ نہیں ہے، کاش ان کی کہانی ہمارے لئے درس عبرت ثابت ہو۔

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا ✵ جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا ✵ اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

نوحہ کرنے کی نوبت نہ آجائے

سفر زندگی جب اختتام پذیر ہوگا، اور زندگی چراغِ سحر کی طرح ٹمٹما کر ہمیشہ کے لئے بجھ جانے پر آمادہ ہوگی، جب جوانی اور عمل کا موقع نکل چکا ہوگا، اس وقت انسان زندگی کی آخری سرحد پر کھڑا رہ کر اپنی پچھلی زندگی پر نظر ڈالے گا تو اسے وقت اور زندگی کی بربادی پر بڑا افسوس ہوگا، اور یہ اشعار یاد آجائیں گے:

أعَينايَ! هَلا تبكيانِ عَلى عُمرِي ✵ تَناثرَ عُمرِي مِن يَدِي ولا أدرِي

إِذَا كُنتُ قَد جَاوزْتُ سِتينَ حجةً * ولَم اتَاهّبْ لِلمَماتِ فَمَا عُذرِي

''اے میری آنکھو! تم میری عمر پر کیوں نہیں روتی ہو، میری عمر میرے ہاتھ میں سے بکھر گئی اور مجھے اس کا احساس بھی نہیں ہوا، جب میں ساٹھ سال سے تجاوز کر گیا پھر بھی میں نے مرنے کی تیاری نہیں کی تو اب میرے لئے کونسا عذر رہ گیا''۔

اور یہ اشعار بھی وردِ زبان ہوجائیں گے:

عشتُ وظل الزمان ممدود * والغصن يهتز والصبا رودُ

فأقبل الشيب في عساكره * أسود غابٍ فغابت السودُ

قد ييبس الغصن في نضارته * ومال بعد استقامةٍ عودُ

وجاءك الموت فانتظره، وذا الْ * عمر يسيرٌ والسير معدودُ

① میں نے اس حال میں زندگی بسر کی کہ زمانے کا سایہ لمبا تھا، اور زندگی کی شاخ لہلہاتی تھی، اور بادِ صبا خوشگوار تھی۔ ② پھر جب بڑھاپا آیا جس کے لشکر میں جنگل کے شیر تھے تو بالوں کی سیاہی غالب آ گئی۔ ③ جوانی کی شاخ جو کبھی ہری بھری تھی خشک ہوگئی اور جو پہلے سیدھی تھی اب جھک گئی۔ ④ موت کا وقت قریب آ گیا اب اس کا انتظار کر، عمر تھوڑی ہے اور زندگی کا سفر بھی تھوڑا رہ گیا ہے۔

کسی شاعر کے یہ اشعار بھی اپنے حسب حال معلوم ہوں گے:

أهل يعود ما مضى لي راجعا؟ * أم هل أرى نجومه طوالعا

إذا تذكرت زماناً ماضياً * جدد حزناً أنقض الأضالعا

يا حسرتي على زمانٍ قد مضى * وذهبت أيامه ضوائعا

بادر بذي الباقي وأدرك ما مضى * لعل ما يبقى يكون نافعا

① کیا میرے لئے گذرا ہوا زمانہ واپس آئے گا، کیا پھر سے زندگی کے ستارے طلوع ہوں گے۔

② جب میں گذرا ہوا زمانہ یاد کرتا ہوں تو پسلیوں کو توڑنے والا غم تازہ ہو جاتا ہے۔③ ہائے افسوس! زمانۂ گذشتہ پر اور ایسی زندگی پر جس کے ایام ضائع ہو گئے۔④ اب بقیہ زندگی میں دوڑ لگا اور ماضی کے نقصان کی تلافی کر، ممکن ہے باقی ماندہ زمانہ سودمند ثابت ہو۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک عابد شخص کی عیادت کے لئے گئے، وہ کسی چیز پر افسوس کر رہا تھا اور لمبی آہیں بھر رہا تھا، میں نے کہا یہ افسوس کس چیز پر ہے؟ اس نے کہا: مجھے دنیا میں رہنے کا افسوس نہیں ہے، مجھے افسوس ہے اس رات پر جس میں میں سو گیا اور اللہ کے سامنے کھڑا نہیں ہوا، اور اس دن پر جس میں میں نے روزہ نہیں رکھا، اور اس گھڑی پر جس میں میں نے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کی۔ (تبصرہ لابن جوزی)

ابو محمد عجلیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک شخص کے پاس گیا وہ مرض الموت میں مبتلا تھا، جب میں اس کے پاس گیا تو وہ افسوس کے ساتھ مجھ سے کہنے لگا: سَخِرَتْ بِيَ الدُّنْيَا حَتَّى ذهبت أيامي (دنیا میرے ساتھ مذاق کرتی رہی حتی کہ میری زندگی کے سارے ایام ختم ہو گئے)۔

عمر رفتہ کی قیمت

زندگی کا جو حصہ نکل گیا اس کی قیمت اس میں کئے جانے والے اعمال ہیں، اگر اچھے اعمال سے اس کا حق وصول کیا ہے تو آدمی کو اس کے نکل جانے پر کوئی افسوس نہیں ہوتا ہے، بلکہ اپنی پچھلی زندگی کی کامیابی پر دل فرحت وسرور سے لبریز ہو جاتا ہے، اور بدن کا ہر حصہ اللہ کے شکر کے احساس میں ڈوب جاتا ہے، اگر اس سے پوچھا جائے کہ عمر کا جو حصہ نکل چکا ہے اس کو معدوم سمجھا جائے، اور آج سے آپ کی زندگی کا حساب شروع کیا جائے، یا یوں کہئے کہ آپ کو نئی زندگی دی جائے تو کیا اس پر راضی ہو؟ تو وہ جواب نفی میں دے گا، کیوں ان ایام میں جواہرات مدفون ہیں، اس کی کوششوں اور محنتوں سے کتنے درخت تیار کھڑے ہیں، اس کے ماضی کی زمین گویا ایک سرسبز و

شاداب گلشن ہے جس کی فضا ہر طرح کی خوشبو سے معطر اور مناظر دلکش اور جاذب نظر ہیں، عمدہ اور لذیذ ماکولات ومشروبات کی بہتات ہے، اور اگر زندگی خواب غفلت میں نکل گئی تو آدمی اس کو اپنی زندگی کہتے ہوئے بھی شرماتا ہے، جب بھی اس کو اپنی کوتاہیاں یاد آتی ہیں تو اسے خود اپنی زندگی سے نفرت ہوتی ہے، اگر اس سے بھی اوپر والا سوال کیا جائے تو وہ اثبات میں جواب دے گا، اور اپنی پوری رضامندی بلکہ طلب کا اظہار کرے گا، کیوں کہ ماضی کا میدان پتھروں، کانٹوں بلکہ شکاری اور زہریلے جانوروں سے خوفناک اور ہلاکت خیز بن گیا ہے، خواجہ صاحبؒ کہتے ہیں:

میری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو ❀ بڑھاپا نہ بچپن نہ اس میں جوانی
جو کچھ ساعتیں یاد دلبر میں گذریں ❀ وہی ہیں وہی میری کل زندگانی

حجاج بن ابی عیینہ کہتے ہیں کہ جابر بن زیدؒ ہماری مسجد میں نماز کے لئے آیا کرتے تھے، ایک دن ہمارے پاس پرانے بوسیدہ جوتے پہن کر آئے، اور فرمانے لگے: میری عمر کے ساٹھ سال گذر چکے، اگر میں نے ان میں کوئی خیر کے کام نہیں کئے تو میرے یہ دو پرانے جوتے ان ساٹھ سالوں سے بہتر ہیں۔

اس کے برخلاف وہ زندگی جو اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری میں گذری اس کی قیمت کے متعلق ایک اللہ والے کا ارشاد ملاحظہ کیجئے: **لو بعت لحظة من إقبالك على الله بمقدار عمر نوح في ملك قارون لكنت مغبونًا في العقد.** (مفتاح الافکار) ''اگر تو اس ایک گھڑی کو جو اللہ کی یاد میں گذری فروخت کردے، اور اس کے عوض میں عمر نوحؑ (ایک ہزار سال) کے برابر زندگی اور اس کے ساتھ قارون کا خزانہ خرید لے تب بھی تو اس سودے میں کھوٹ میں رہے گا''۔

وقت کی قیمت کا صحیح اندازہ

کسی بھی چیز کی قدر و قیمت اس کے منافع اور فوائد سامنے آنے کے بعد معلوم ہوتی ہے،

موت کے بعد جب زندگی میں کئے ہوئے اعمال پر جو اجر وثواب حاصل ہوگا، اور وہ بڑے انعامات ہمیشہ کے لئے بندے کے سپرد ہوں گے تب اس دنیوی زندگی کے قیمتی لمحات کی حقیقی قیمت سامنے آئے گی، اس وقت ایک ایک لمحہ دنیا کی تمام نعمتوں سے گراں قدر معلوم ہوگا، وہ اعمال جن میں پانچ منٹ بھی صرف نہیں ہوتے دنیا بھر کے سونے چاندی اور جواہرات سے وزنی اور قیمتی نظر آئیں گے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گذرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کس صاحب کی قبر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں صاحب کی قبر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **رَكْعَتَانِ أَحَبُّ إِلى هَذَا مِنْ بَقِيَّةِ دُنْيَاكُمْ** (**المعجم الاوسط**)۔ (دو رکعتیں اس قبر والے کو تمہاری باقی دنیا سے زیادہ محبوب ہیں)۔

ایک روایت میں یہ مضمون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی قبر کے پاس سے تشریف لے گئے جس میں مردے کو دفن کئے زیادہ وقت نہیں گذرا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہلکی ہلکی دو نفل رکعتیں جن کو تم معمولی سمجھتے ہو اس قبر والے کو تمہاری باقی دنیا سے زیادہ پسند ہیں۔ (الزھد)

مروی ہے کہ ایک آدمی قبرستان گیا، وہاں دو رکعات پڑھ کر ایک قبر کے پاس پہلو کے بل لیٹ گیا اتنے میں اس کی آنکھ لگ گئی، اس نے خواب میں قبر والے کو دیکھا، وہ قبر والا کہہ رہا تھا:

إنكم تعملون ولا تعلمون ونحن نعلم ولا نعمل ولأن تكون ركعتان في صحيفتي أحب إليّ من الدنيا وما فيها۔ (العاقبة)

"تم عمل پر قادر ہو لیکن اس کی اہمیت سے ناواقف ہو، ہم جانتے ہیں لیکن عمل سے عاجز ہیں، میرے نامۂ اعمال میں دو رکعتیں ہوں یہ مجھے دنیا و مافیہا کے مل جانے سے زیادہ پسند ہیں"۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا ایک دینی بھائی انتقال کر گیا، میں نے اس کو خواب میں دیکھا، میں نے اس سے کہا کہ الحمد للہ تم نے اچھی زندگی گذاری، اس نے مجھے جواب دیا کہ (اب

میرے سامنے ساری حقیقت کھل گئی ہے) یہ جو تم نے ''الحمدللہ'' کہا یہ کلمہ میرے نزدیک اب دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (العاقبة فی ذکر الموت)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے ''اھوال القبور'' میں لکھا ہے کہ مطرف بن عبداللہ حرشیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک جنازے میں شریک ہوا، قبرستان جا کر میں ایک کونے کی طرف چلا گیا، وہاں میں نے دو رکعات پڑھیں جن کو میں نے بہت خفیف سمجھا اور وہ دو رکعات مضبوطی اور کامل ہونے میں میری پسند کے موافق نہیں تھی، میں ان کو ناقص خیال کرتا تھا، میں نماز پڑھ کر اسی جگہ سو گیا، میں نے قبر والے کو خواب میں دیکھا، اس نے مجھ سے کہا کہ تو نے دو رکعات پڑھیں اور تو نے اسے ناقص سمجھ کر اس کی کمی کوتاہی کو پسند نہیں کیا، میں نے کہا کہ ایسا ہی ہوا ہے، اس نے کہا: تعملون ولا تعلمون ونحن نعلم ولا نستطيع أن نعمل لأن أكون ركعت مثل ركعتيك أحب إلي من الدنيا بحذافيرها۔ ''تم عمل کرتے ہو لیکن اس کی اہمیت سے ناواقف ہو، اور اب ہم واقف تو ہو گئے لیکن عمل نہیں کر سکتے، میں تیری دو رکعات جیسی نماز پڑھوں یہ مجھے دنیا اور اس کی تمام انواع واقسام کی نعمتوں سے زیادہ پسند ہے''۔

ایک شخص نے خواب میں مردوں کو دیکھا جو یہ کہہ رہے تھے: ما عندكم أكثر من الغفلة وما عندنا أكثر من الحسرة۔ (تمہارے (زندوں کے) پاس غفلت سے زیادہ کوئی چیز نہیں، اور ہمارے (مردوں کے) پاس حسرت سے زیادہ کوئی چیز نہیں)۔

عبداللہ ابن مبارکؒ کسی جنازے میں تھے کہ اس وقت ایک آدمی ان سے کوئی سوال کرنے آیا، آپؒ نے اس سے کہا کہ ابھی تسبیح پڑھو، (اور اس مردے سے عبرت لو) اس جنازے میں سونے والا اب تسبیح سے روک دیا گیا۔

ایک شخص کی بیٹی طاعون میں انتقال کر گئی، اس کے باپ نے اس کو خواب میں دیکھا،

باپ نے کہا: بیٹی! آخرت کے بارے میں کچھ بتاؤ، بیٹی نے کہا: یا أبت! قدمنا علی أمر عظیم، نعلم ولا نعمل وتعملون ولا تعلمون والله لتسبیحة أو تسبیحتان أو رکعة في عملي أحب إلي من الدنیا وما فیها. (اهوال القبور) ''ابا جان! ہم عظیم الشان معاملے کی طرف آئے ہیں، ہم نے سب کچھ جان لیا، لیکن عمل نہیں کر سکتے، اور تم عمل کر سکتے ہو لیکن جانتے نہیں ہو، اللہ کی قسم! میرے اعمال میں ایک دو تسبیح کا یا ایک رکعت کا اضافہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے''۔

الزہد والرقائق میں ابن مبارکؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر پر تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک قبر کو دیکھا تو وہاں سواری سے اتر گئے اور اتر کر دو رکعات نماز پڑھی، لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ نے ابھی جو عمل کیا وہ کوئی نیا عمل معلوم ہوتا ہے، آپ ایسا نہیں کرتے تھے، آپؓ نے جواب دیا: ذَكَرْتُ أَهْلَ الْقُبُورِ، وَمَا حِيلَ بَيْنَهُمْ وَبينهُ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتقَربَ إِلى اللهِ بِهما۔ ''(قبر دیکھ کر) مجھے قبر والوں کی حالت یاد آئی کہ ان قبر والوں اور اعمال کے درمیان آڑ کر دی گئی، (آج وہ لوگ چاہتے ہوئے بھی نماز پڑھنے سے عاجز ہیں) اس لئے میں نے یہ دو رکعات پڑھ کر اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہا''۔

صفۃ الصفوۃ میں ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن قتیبہ بن فرقدؒ رات کے وقت اپنے گھوڑے پر نکلتے، اور قبرستان کی طرف جاتے، اور قبر والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے: يَا أَهْلَ الْقبور، قَدْ طُوِيَتِ الصحُفُ، وَقَدْ رُفِعَتِ الْأَعْمالُ۔ (اے قبر والو! تمہارے صحیفے لپیٹ لئے گئے، اور اعمال اٹھا لئے گئے)، پھر آپ پر گریہ طاری ہو جاتا، اور پوری رات وہاں پیروں پر کھڑے گزار کر فجر کی نماز میں شریک ہو جاتے۔

موت کے بعد حسرت رہ جائے گی

مثل مشہور ہے ''قدرِ نعمت بعد زوالِ نعمت''، یعنی جب تک نعمت رہتی ہے اس وقت اس

کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی پھر جب وہ نعمت چلی جاتی ہے تب آنکھیں کھلتی ہیں کہ ہم نے کتنی بڑی قیمتی چیز کھودی، آج زندگی ہے، اعمال صالحہ کا موقع ہے، ایک وہ دن آئے گا کہ یہ نعمت ہمیشہ کے لئے چھین لی جائے گی پھر اس وقت حسرت وافسوس کی کوئی انتہاء نہ رہے گی، ندامت سے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے، مروی ہے کہ کل قیامت کے دن انسان کی زندگی کے سال، پھر اس کے مہینے، پھر اس کے ہفتے، پھر ہفتے کے دن سامنے کئے جائیں گے، جب ان کو کسی عمل خیر سے خالی دیکھے گا تو حسرت وندامت کی تصویر بن جائے گا، پھر اگر گناہوں سے پُر دیکھے گا تو افسوس کا کیا عالم ہوگا! حسن بصریؒ فرماتے ہیں: يُعْرَضُ عَلى ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَاعَاتُ عُمرِهِ، فَكُلُّ سَاعَةٍ لَمْ يحدِثْ فِيهَا خَيرا تقطّعتْ نفسُه عليهَا حَسرَاتٍ. ''ابن آدم پر قیامت کے دن اس کی زندگی کے لمحات پیش کئے جائیں گے، پس ہر وہ گھڑی جس میں کوئی خیر کا کام نہیں کیا ہوگا اس پر اس کا دل حسرت وندامت سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا''۔

پھر انسان یہ تمنا کرے گا کہ کاش پھر سے زندگی مل جائے، تاکہ اس میں اعمال صالحہ کرکے اخروی انعامات کا حقدار بن جائے، لیکن اب زندگی کیسے میسر آسکتی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ۔ (الفجر)

''انسان اس دن متنبہ ہوجائے گا مگر اب تنبہ کا موقع کہاں رہا، کہے گا کاش میں نے اپنی زندگی (جاودانی) کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا''۔

وہ بارگاہ الٰہی میں نئی زندگی کی درخواست کرے گا جس کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ۔

''(یہ لوگ اسی طرح غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے، تا کہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں (اللہ کی طرف سے جواب ملے گا) ہرگز نہیں، یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا''۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ ۔ (فاطر)

''اے پروردگار! ہم کو نکال لے اب ہم نیک عمل کیا کریں گے ان برے اعمال کے علاوہ جو ہم پہلے کرتے تھے (اللہ کی طرف سے جواب ملے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا''۔

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۔ (السجدۃ)

''(گنہگار کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ نیک عمل کریں بیشک ہم یقین کرنے والے ہیں''۔

نیک لوگوں کو بھی حسرت رہے گی

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ أَحَدٍ يموتُ إِلَّا نَدِمَ قَالُوا وَمَا نَدَامَتُهُ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ إِنْ كَانَ محسِنًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُونَ ازْدَادَ وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُونَ نَزَع (الترمذی)

''ہر مرنے والا افسوس کرتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کس بات کا افسوس کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر نیکوکار ہوتا ہے تو اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ اس نے نیک اعمال اور زیادہ نہیں کئے، اور اگر بدکار ہوتا ہے تو افسوس کرتا ہے کہ بداعمالیوں سے باز نہیں آیا''۔

جنت کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی حسرت

یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے زندگی سے بالکل ہی فائدہ نہیں اٹھایا، اور ان کے لئے جہنم کا فیصلہ ہو گیا، رہی ان لوگوں کی بات جنہوں نے اپنا سارا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ کچھ وقت کام میں بھی لگایا، ان کو بھی حسرت رہ جائے گی کہ کاش کچھ اور کر لیتے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیسَ یَتحَسر اَھْلُ الجنۃ إلَّا علی سَاعۃٍ مرَّتْ بِھِمْ لم یَذکرُوا اللہ فِیھَا۔

''جنت والوں کو کسی چیز پر بھی حسرت نہ ہوگی سوائے اس گھڑی کے جو ان کو دنیا میں ملی لیکن اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا''۔ (شعب الایمان)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَا یَذْکُرُونَ فِیهِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَیُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، إِلَّا کَانَ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ۔

''کوئی قوم کسی بھی ایسی مجلس میں جمع ہوں جس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ بھیجیں، ان لوگوں پر وہ مجلس قیامت کے دن حسرت کا سبب بنے گی، اگرچہ وہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں''۔ (مسند احمد)

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آدمی مجلس میں بیٹھے یا بستر پر لیٹے یا راستہ چلتے ذکر اللہ سے غفلت کرے گا تو قیامت کے دن اس کی وہ حالت حسرت وندامت میں اضافہ کرے گی، اور اس کے لئے نقصان کا سبب بنے گی۔

اس وقت انسان کے سامنے آئے گا کہ مجھ سے ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' زیادہ کہنے والے مجھ سے بہت آگے بڑھ گئے، صرف ایک سکنڈ کی غفلت نے اپنے ساتھیوں سے بہت پیچھے کر دیا،

ماندم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر * یک لحظہ غافل بودم صد سالہ راہم دور شد

اگر کوئی ایک سانس بھی ضائع نہ کرے

اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پوری زندگی سجدہ میں گزار دے، اور پیدائش سے لے کر موت تک ایک لمحہ بھی غفلت نہ کرے تب بھی جب قیامت میں اعمال صالحہ کا اجر وثواب سامنے آئے گا اس وقت اسے اپنی زندگی بھر کی عبادت کم نظر آئے گی اور وہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں جانے کا ایک موقع اور مل جائے تا کہ مزید اجر وانعام حاصل کروں، حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَو أَنّ رجلًا یَخِرُّ عَلی وَجْهه مِن یَوْمِ وُلِدَ إِلَی یَوْمِ یموتُ هَرَمًا فِي مَرْضَاةِ اللهِ لحقّرَہُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (مسند احمد)

”اگر کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے پیدائش سے لے کر بوڑھا ہو کر مرنے تک چہرے کے بل سجدہ میں پڑا رہے تب بھی قیامت کے دن اس کو معمولی سمجھے گا“۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

لَوْ أَنّ عَبْدًا خرّ عَلی وَجْهِهِ مِنْ یَوْمِ وُلِدَ إِلی أَنْ یموتَ هَرَمًا في طاعةِ الله لحقّرَہُ ذَلِكَ الْیَوْمَ ولَوَدّ انّه رُدّ إِلی الدُّنْیَا کَیما یَزْدَادَ مِنَ الْأَجْرِ وَالثّوابِ۔

”اگر کوئی شخص پیدائش سے اللہ کی اطاعت میں اپنے چہرے کے بل پڑا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر مر جائے تب بھی اس دن اس کو معمولی سمجھے گا، اور تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجا جائے تا کہ مزید اجر وثواب حاصل ہو“۔ (مسند احمد)

اسلاف کی حرص

ہمارے اسلاف وقت کے بڑے قدر دان تھے، زندگی کے ایک ایک لمحے کو تول تول کر

استعمال کرتے تھے، عام انسان جس طرح سونے چاندی کی حفاظت کرتا ہے اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ حضرات اپنے وقت کی حفاظت کا اہتمام کرتے تھے، اور جس طرح درہم و دینار اور کسی بھی قیمتی چیز کے ضائع ہونے سے انسان غمزدہ ہوجاتا ہے اسی طرح ہمارے اکابر وقت کے بے کار نکل جانے پر افسوس کیا کرتے تھے، حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے:

أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ أَشَحَّ عَلٰى عُمُرِهِ مِنْهُ عَلٰى دَرَاهِمِهِ وَدَنَانِيرِهِ.

''میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے دراہم و دنانیر سے زیادہ اپنی عمر کا حریص تھا''۔ (الزہد والرقائق)

جو دن گذر گیا اس پر افسوس

عبداللہ بن مسعودؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں:

ما ندمت على شيء ندمي على يوم غربت شمسه نقص فيه أجلي ولم يزد فيه عملي. (قيمة الزمن عند العلماء)

''مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کہ اس دن پر ہوتا ہے جو میری زندگی سے کم ہوگیا اور اس میں میرے عمل میں اضافہ نہیں ہوا''۔

نہ ہو کام کچھ اور دن ہو تمام * تو ڈوبا وہ دن اور اجڑی وہ شام

عمر رفتہ پر آنسو

''ابو اسمہ مصری کہتے ہیں: کہ ابو شریح ایک مرتبہ چلتے چلتے بیٹھ گئے، اور اپنے چہرے پر چادر ڈال کر رونے لگے، ہم نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: تَفَكَّرْتُ فِي ذَهَابِ عُمُرِي، وَقِلَّةِ عَمَلِي، وَاقْتِرَابِ أَجَلِي. (مجھے یہ بات یاد آگئی کہ میری عمر چلی گئی، اور اعمال کم رہ گئے، اور موت قریب آگئی)۔

عبداللہ بن مبارکؒ جب طرسوس میں داخل ہوئے تو آپ پر گریہ طاری ہوگیا لوگوں نے پوچھا اے ابوعبدالرحمن! آپ کیوں رورہے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: بَكَيتُ عَلَى فَنَاءِ عُمرِي وَ ضَيعتِه۔ ''میں اپنی عمر کے فنا ہونے اوراس کے ضائع ہونے پر رو رہا ہوں''۔ (العمر والشیب)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے زندگی میں بہت کام کیا، اور بڑی اہم دینی خدمات کر کے اس زندگی کو محفوظ کر دیا، اگر یہ کہا جائے کہ زندگی کا حق ادا کر دیا تو بے جا نہ ہوگا، آپ اپنے اوقات میں سے ایک منٹ بھی ضائع نہیں فرماتے تھے، ہمہ وقت مشغول رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود جب آپ کی عمر کے پچھتر سال پورے ہوئے تو زندگی کی مہلت کے ضائع ہونے کے احساس سے غمزدہ ہو کر یہ اشعار کہے جو مجالس حکیم الامتؒ (ص ۱۵۳) میں تحریر فرمائے ہیں:

پنج و ہفتاد آمد از عمرِ عزیز * بے عمل بے علم بے رشد و تمیز
وائے برمن فرصت عمرِ دراز * دادہ ام در غفلت و در حرص و آز

''عمر عزیز کے ۷۵ سال ہو گئے لیکن اب تک بے عمل بے علم اور رشد و تمیز سے تہی دامن رہا، مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے لمبی عمر غفلت اور حرص و طمع میں گذاردی''۔

شیخ سعدیؒ نے بھی اپنی عمر کے ضائع ہونے پر نفس کو ملامت کی ہے، فرماتے ہیں:

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت * مزاج تو از حال طفلی نہ گشت
ہمہ با ہوا و ہوس ساختی * دمے با مصالح نہ پرداختی
مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار * مباش ایمن از بازیٔ روزگار

''تیری زندگی کے چالیس سال گذر چکے لیکن تیرے مزاج میں لڑکپن ہی رہا، ساری عمر خواہشات کی بھینٹ چڑھادی ایک دم بھی مفید کاموں میں نہیں لگا، تو ختم ہونے والی عمر پر بھروسہ مت کرنا اور گردش زمانہ سے مطمئن نہ ہونا''۔

یہ میری زندگی کا آخری دن ہے

وقت کی قدردانی کا ایک گُر یہ ہے کہ انسان ہر دن کو اپنی زندگی کا آخری دن خیال کرے، حضرت معاذہ عدویہؒ ایک نیک اور ولیہ خاتون گذری ہیں، آپؒ کے بارے میں آتا ہے کہ جب دن آتا تو فرماتیں: هذا يومي الذي أمُوتُ فيه (یہ میری زندگی کا وہ دن ہے جس میں میری موت آئے گی) پھر وہ شام تک نہ سوتیں، اور جب رات آتی تو فرماتیں: هذه ليلتي التي أمُوتُ فيها (یہ میری وہ رات ہے جس میں میرا انتقال ہوگا) پھر وہ صبح تک آرام نہ فرماتی تھیں، ٹھنڈی کے موسم میں باریک کپڑے زیب تن فرماتیں تا کہ ٹھنڈی کی وجہ سے نیند نہ آسکے۔

بڑا کارآمد نکتہ ہے، اگر انسان یہی سبق یاد کرلے کہ یہ میری زندگی کا آخری دن ہے تو یہی خیال زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے کافی ہے۔

ایام خالیہ کو وصول کر رہا ہوں

(**ایام خالیہ** (بہ معنی گذرے ہوئے دن) کا لفظ ذکر قرآن میں آیا ہے، اس سے مراد دنیوی زندگی ہے، دنیوی زندگی میں جو نیک اعمال کئے تھے ان کی بنیاد پر قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ مژدہ سنایا جائے گا: **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ** ''جو عمل تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلہ میں مزے سے کھاؤ اور پیو''۔)

حضرت نافع علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے، وہاں انہوں نے دسترخوان بچھایا، اس وقت وہاں سے ایک چرواہا گزرا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ آجاؤ، تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ، اس چرواہے نے کہا کہ میں روزہ دار ہوں، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: کیا ایسی شدید گرمی میں روزہ رکھا ہے جبکہ آپ کا کام بھی ایسی وادی میں ہے (جہاں سایہ بھی نصیب نہیں)؟ اس نے کہا: إني و الله أبادرُ الايامَ الخاليةَ (اللہ کی قسم میں

ایام خالیہ میں سبقت لے جانا چاہتا ہوں)۔

روح بن زنباع کہتے ہیں کہ میں سفر میں ایک منزل پر اترا، اور کھانا حاضر کیا گیا، اس وقت وہاں ایک چرواہا آ گیا، میں نے اس سے کہا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ، اس نے کہا میں روزہ دار ہوں، میں نے کہا: کیا ایسی گرمی کے دن روزہ؟ اس نے کہا: افادَعُ اَیامي تذهبُ باطلا (تو کیا میں اپنے زندگی کے ایام کو یوں ہی بیکار جانے دوں) اس پر میں نے یہ شعر کہا:

لقدْ ضَننْتَ بایامكَ یا رَاعِي ✲ إِذْ جادَ بها رَوحُ بنُ زِنبَاع

''اے چرواہے! تو نے اپنے ایام زندگی کے ساتھ بخل کا معاملہ کیا، جبکہ روح بن زنباع نے ان کے ساتھ سخاوت کا معاملہ کر کے ان کو ضائع کر دیا''۔

وقت کی رفتار کا احساس

عامر بن عبد قیس تابعین میں بڑے زاہد گزرے ہیں ان سے کسی نے کہا: مجھ سے کچھ بات کیجئے، آپؒ نے اس سے فرمایا: فاَمسك الشّمسَ (سورج کو روک دے تو بات کروں گا)۔

حضرت معروف کرخیؒ بھی بڑے اولیاء اللہ میں سے شمار ہوتے ہیں، لوگ آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت کے پاس کچھ زیادہ وقت تک بیٹھے رہے تو آپؒ نے فرمایا: اَما تُریدُونَ اَنْ تقومُوا؟ إن ملك الشّمسِ لا یفتر عنْ سوقهَا۔ (کیا تم لوگوں کا ارادہ اٹھنے کا نہیں ہے؟ بیشک سورج کا فرشتہ اس کو ہانکنے میں کوتاہی نہیں کر رہا ہے)۔

ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ایک راہب کے پاس رک گئے، اور ان سے عرض کیا کہ ہم آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں کیا آپ ہمیں جواب دیں گے؟ اس راہب نے فرمایا کہ پوچھو لیکن بقدر ضرورت ہی پوچھنا، زیادہ سوالات مت کرنا، اس لئے کہ گیا ہوا دن ہرگز نہیں لوٹے گا، اور عمر واپس نہیں ملے گی، اور موت بغیر کاہلی کے طلب میں لگی ہوئی ہے۔ (المدہش)

عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: النھَارُ یعْملُ عمله (دن اپنا کام کر رہا ہے)۔

اذا کنت اعلم علما یقینا ✵ بان جمیع حیاتی کساعة

فلم لا اکون ضنینا بھا ✵ واجعلھا فی صلاح وطاعة

''جب میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ میری پوری زندگی ایک لمحہ کی طرح ہے تو کیوں میں اس کے متعلق بخیل نہ بنوں، اور اس کو صلاح وطاعت میں نہ لگاؤں''۔

محمد بن واسعؒ بہت بڑے عبادت گذار متقی اور زاہد تھے، علم وعمل میں امام تھے، آپؒ سے کسی نے پوچھا کہ کس حال میں صبح کی؟ تو آپؒ نے فرمایا: ما ظنك برجل یرتحل کل یوم إلی الآخرة مرحلة۔ (تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو ہر دن آخرت کی طرف ایک منزل طے کرتا ہو (یعنی اس حال میں کیسے اطمینان مل سکتا ہے)۔ (احیاء العلوم)

عوض یک دو نفس قبر کی شبہائے دراز

حضرت حسان بن سنان کی بیوی کہتی ہے کہ آپ رات کو میرے پاس آتے اور بستر پر میرے ساتھ سو جاتے، اور جس طرح عورت اپنے بچے کو سلانے کے لئے خود بھی سونے کی شکل بناتی ہے اسی طرح آپ بھی مجھے سلانے کے لئے سو جاتے، جب آپ کو یقین ہو جاتا کہ میں سو گئی ہوں تو آہستہ سے اٹھ جاتے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دیتے، میں نے آپ سے کہا کہ اے ابو عبداللہ! کب تک اپنے نفس کو عذاب دیتے رہو گے، اپنے نفس پر نرمی کیجئے، تو آپ نے فرمایا: اسکتي ویحك فیوشك أن أرقد رقدة لا أقوم منها زمانا. (تو خاموش ہو جا، تجھ پر افسوس ہے، میں عنقریب ایسی نیند سوؤں گا کہ ایک زمانے تک اس سے نہیں اٹھوں گا)۔

حضرت رابعہ بصریہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ پوری رات نماز پڑھتی رہتی تھیں،

جب صبح صادق ہو جاتی تو تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاتیں تاکہ صبح صادق اچھی طرح روشن ہو جائے، پھر جب صبح روشن ہو جاتی تو ایکدم اٹھ جاتیں، اور اپنے نفس سے خطاب کر کے فرماتیں: یا نفسُ کمْ تنامِین؟ وإلی کمْ لا تقومین؟ یوشكُ أن تنامي نومةً لا تقُومین منهَا إلا لصَرخةِ یومِ النّشورِ۔ (اے نفس! تو کتنا سوئے گا، اور کب تک کھڑا نہیں ہوگا، قریب ہے کہ تو ایسی نیند سو جائے جس سے قیامت کی صور سے پہلے اٹھنا نصیب نہیں ہوگا)۔

ضروریات میں وقت لگانے میں بخل

جو وقت کی قدر جان لیتا ہے اس سے تو یہ بعید ہے کہ فضولیات اور بیکار کاموں میں وقت ضائع کرے، مگر کتنے اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جو ضروریات میں بھی وقت کو کم از کم استعمال کرنے کی کوشش کرتے تھے، اپنی تمام خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر صرف اسی قدر طبعی ضروریات میں مشغول ہوتے تھے جس سے زندگی باقی رہے، ان ہی بلند ہمت جواں مرد لوگوں میں ایک حضرت داود طائیؒ ہیں، آپ پانی میں ستو ملا کر پی لیا کرتے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو روٹی کھانے کی خواہش نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا: بینَ مضغِ الخبزِ وشربِ الفتیتِ قراءةُ خمسین ایةً۔ (روٹی چبانے اور ستو پینے کے درمیان میں پچاس آیتوں کا فرق ہے)۔

سبحان اللہ! یہی تو ہے وقت کی صحیح قدر و قیمت کی پہچان، جس نے ایسے باریک حساب کی طرف بھی ذہن متوجہ کیا، یہ تو آپ کی حالت تھی کہ آپ نے اپنی طبعی ضرورت میں سے پچاس آیتوں کا وقت بچالیا، اور ہمارا یہ حال ہے کہ عبادت کے اوقات میں سے پچاس لقموں کا وقت بچانے کی فکر لگی رہتی ہے۔

ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمن اصفہانیؒ کی علمی پیاس اور حفاظت اوقات کے اہتمام کے متعلق جو باتیں منقول ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ زیادہ

کھانے سے پرہیز کیا کرتے تھے، تا کہ زیادہ پانی پینے کی ضرورت نہ پڑے تا کہ بار بار پیشاب کے لئے نہ جانا پڑے اور وقت ضائع نہ ہو۔ (الدرر الکامنۃ)

امام نوویؒ بڑی سادگی کے ساتھ زندگی گذارتے تھے، کھانے پینے اور پہننے میں ضرورت پر اکتفاء کرتے تھے، آپؒ نے شادی بھی نہیں کی تھی، دنیوی مشاغل سے خود کو فارغ کر کے تمام اوقات دینی کاموں میں صرف فرماتے تھے۔

ابوالحسن بن عطارؒ کہتے ہیں کہ مجھے میرے استاذ امام نوویؒ کے بارے میں بتایا گیا کہ آپؒ کوئی وقت ضائع نہیں کرتے تھے، نہ دن میں اور نہ رات میں، بلکہ ہر وقت علمی مشغلہ رہتا تھا حتی کہ راستہ میں بھی تکرار کرتے ہوئے یا مطالعہ کرتے ہوئے چلتے تھے، اور پورے دن میں صرف ایک مرتبہ عشاء کے بعد کھاتے تھے، اور ایک مرتبہ صبح سحری کے وقت پانی پیتے تھے، اور میوے اور پھل کھانے سے پرہیز کرتے تھے، آپ کہا کرتے تھے کہ مجھے ان کے کھانے سے ڈر ہے کہ کہیں میرے جسم میں رطوبت بڑھ نہ جائے جس کی وجہ سے نیند زیادہ آنے لگے۔ (قیمۃ الزمن)

ابن عقیلؒ کہتے ہیں: **انا اقصر بغاية جهدي أوقات أكلي حتى أختار سف الكعك وتحسيه بالماء على الخبز لأجل ما بينهما من تفاوت المضغ۔** ''میں حتی الوسع اپنے کھانے کے اوقات میں کمی کرنے کی کوشش کرتا ہوں، یہاں تک کہ میں روٹی کا چورہ پانی میں ملا کر پی لینے کو روٹی کھانے کے مقابلے میں پسند کرتا ہوں، کیوں کہ دونوں کے درمیان چبانے کا فرق ہے''۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی جو مطالعہ گاہ تھی اس کے تین دروازے تھے، آپؒ کے والد نے تینوں دروازوں پر جوتے رکھوائے تھے، تا کہ اگر ضرورت کے لئے باہر جانا پڑے تو جوتے کے لئے ایک آدھا منٹ بھی ضائع نہ ہو۔

حضرت شیخ زکریا صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں کسی عزیز کو لکھتے ہیں ''میں آپ سے سچ

کہتا ہوں کہ میں چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار کھاتا ہوں، کیوں کہ میرے پاس وقت نہیں''اور اپنی حالت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

بسا اوقات رات دن میں ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ سونا نصیب نہیں ہوتا تھا، اور بلا مبالغہ کئی مرتبہ بلکہ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ روٹی کھانا یاد نہ رہا، عصر کے وقت جب ضعف معلوم ہوتا تھا تو اس وقت یاد آتا کہ دوپہر کی روٹی نہیں کھائی، اور رات کو کھانے کا معمول تو اس سے پہلے ہی چھوٹ گیا تھا، تیس پینتیس گھنٹے روٹی کھائے ہوئے گزر جاتے ہیں۔(تحفۂ وقت ۱۴۳)

ضروریات میں جو وقت صرف ہوا اس پر بھی ندامت

عثمان بن عیسیٰؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے تھے، لیکن غروب آفتاب کے وقت روزہ افطار کرنے میں ذکر لسانی بند کرنا پڑتا اس پر فرماتے ہیں: إِذَا كانَ وَقت غروبِ الشمسِ أَحْسستُ بِروحي كَانهَا تَخرجُ لاشْتِغاله في تلك السَّاعَةِ بِالافْطَار عَنِ الذكر۔ (جب غروب آفتاب کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت افطار میں مشغولی ذکر میں رکاوٹ بنتی ہے جس کی وجہ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری روح نکل رہی ہے)۔

امام فخر الدین رازیؒ جنہوں نے اسلامی کتب خانے میں بڑی قیمتی کتابوں کا اضافہ کیا ہے فرماتے ہیں: وَالله انني أتاسف فِي الفَوات عَن الِاشْتِغَال بِالْعلمِ فِي وَقت الْأكل فَان الْوَقْت وَالزمان عَزِيز۔ (واللہ! بے شک مجھے کھانے کے وقت علمی مشغولیت کے فوت ہوجانے پر افسوس ہوتا ہے، اس لئے وقت اور زمانہ بڑا اعزیز اور گراں قدر ہے)۔(عیون الانباء)

فن نحو کے بڑے امام خلیل احمد نحویؒ فرماتے ہیں: اثقلُ ساعاتٍ عليَّ ساعة آكل فيها (مجھ پر تمام اوقات میں سب سے زیادہ مشکل وقت وہ ہوتا ہے جب میں کھانا کھاتا ہوں)۔

ضروریات کے ساتھ بھی مشغولی

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے دادا مجد الدین ابن تیمیہؒ کو اپنے اوقات کی اتنی قدر تھی کہ جب قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء میں جاتے تو جتنی دیر بیت الخلاء میں رہتے اتنی دیر کے لئے بھی وقت کا ضائع ہونا آپ کو گوارا نہیں تھا، اور بیت الخلاء میں بیٹھ کر تو کوئی کام نہیں کیا جا سکتا اس لئے آپ نے وقت کی حفاظت کے لئے یہ صورت نکالی تھی کہ آپ کسی شاگرد سے فرما دیتے: اقرأ فِي هذَا الكتاب، وارفع صوتك حَتى أسمع. (اس کتاب میں دیکھ کر پڑھتے رہنا، اور بلند آواز سے پڑھنا تاکہ میں سن سکوں)۔ (ذیل طبقات الحنابلۃ لابن رجبؒ)

عبید بن یعیشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھایا میں حدیث لکھتا رہتا اور میری بہن لقمے بنا کر کھلاتی رہتی تھی، یہ معمول تیس سال تک رہا۔

امام ثعلب نحویؒ کا یہ حال تھا کہ آپ کو اگر کوئی کھانے کی دعوت دیتا تو اس شرط پر دعوت قبول کرتے تھے کہ آپ کے یہاں مطالعہ کرنے کے لئے مجھ کو جگہ دینی پڑے گی، اور جتنی دیر تمہارا کھانا تیار ہوگا میں مطالعہ کرتا رہوں گا۔ آپ کی وفات بھی اسی علمی مشغولی کی وجہ سے ہوئی، آپ راستہ چلتے ہوئے کتاب کے مطالعے میں مشغول تھے کہ ایک گھوڑے نے آپ کو ٹھوکر ماری، یہ حادثہ آپ کی موت کا سبب بنا۔ (قیمۃ الزمن عند العلماء)

حاکم شہیدؒ صاحبِ مستدرک ان کے پاس لوگ ملنے کے لئے آتے تھے تو وہ اپنی لکھائی جاری رکھتے تھے، اور اس سے کہتے تھے کہ بھئی آپ بات کرتے رہو میں آپ کی بات بھی سنتا رہوں گا، اس طرح ایک وقت میں دو کام کیا کرتے تھے۔ (خطبات فقیرؒ)

ابو حاتم رازیؒ کے صاحب زادے عبد الرحمن رازیؒ فرماتے ہیں: کبھی ایسا ہوتا کہ والد صاحب کھانا کھا رہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں، وہ راستہ چل رہے ہیں اور میں ان سے

پڑھ رہا ہوں، وہ حاجت کے لئے خلا میں داخل ہورہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں۔آپؒ فرماتے ہیں کہ ہم مصر میں طالب علمی کے زمانے میں ایک مرتبہ سات ماہ رہے، دن پورا کا پورا شیوخِ احادیث کی مجلس میں تقسیم تھا، دن کو پڑھتے اور رات لکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک شیخ کے علیل ہونے کی وجہ سے تھوڑا سا وقت ملا تو مچھلی خرید کر لائے لیکن پکانے سے پہلے دوسری مجلس کا وقت ہوگیا، ہم مجلس میں شریک ہوگئے، پھر تین دن تک اسے پکانے کا موقع نہیں ملا، آخر تین دن کے بعد کچی ہی کھالی۔(طلباء کے لئے تربیتی واقعات ۴۷)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی حالت

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے بارے ''میرے والد میرے شیخ ص ۱۵۱''میں لکھتے ہیں:

> حضرت والد صاحب کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا، اور آپ ہر وقت اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتے تھے، اور حتی الامکان کوئی لمحہ فضول جانے نہیں دیتے تھے، آپ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ آپ کے وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے۔
>
> ایک روز ہم لوگوں کو وقت کی قدر پہچاننے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہے تو بظاہر نا قابل ذکر سی بات، لیکن تمہیں نصیحت دلانے کے لئے کہتا ہوں کہ مجھے بے کار وقت گزارنا انتہائی شاق معلوم ہوتا ہے، انتہاء یہ کہ جب میں قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء جاتا ہوں تو وہاں بھی خالی وقت گزارنا مشکل ہوتا ہے، چنانچہ جتنی دیر بیٹھنا ہوتا ہے، اتنے اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا اگر لوٹا میلا کچیلا ہوتا ہے تو اسے دھولیتا ہوں۔

حضرت مفتی اعظمؒ ایک مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں: اس دور میں سہل پسندی اور کاہلی سے کام لے کر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کردیتے ہیں، یاد رکھو! ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے، اس

کو یوں ہی نہ گزارو۔ (طلباء کے لئے تربیتی واقعات ۴۶)

فراغت کو گناہ سمجھنا

ابن عقیلؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ایک گھڑی بھی ضائع نہیں فرماتے تھے، آپؒ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا جائز نہیں سمجھتا ہوں، یہاں تک کہ جب علمی مذاکروں اور مناظروں سے زبان کو فراغت مل جاتی ہے اور آنکھوں کو مطالعہ سے فرصت ملتی ہے تو اس راحت و آرام کے وقت میں لیٹے لیٹے دماغ کو تفکر و تدبر میں مشغول کر دیتا ہوں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میں جب اٹھتا ہوں تو کوئی نہ کوئی بات لکھنے کے لئے میرے ذہن میں ہوتی ہے، آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب میں بیس سال کا تھا اس وقت میرے اندر جو علم کی پیاس محسوس کرتا تھا آج اسّی کی دہائی میں اس سے بھی زیادہ علم کی حرص محسوس کرتا ہوں، آپؒ کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ عقلاء کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی چیز وقت ہے۔ (قیمۃ الزمن)

فراغت سے تکلیف کا احساس

سحیم کا بیان ہے کہ میں عامر بن عبداللہ کے پاس جا کر بیٹھ گیا آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے، نماز پوری کر کے میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: أَرِحْني بحاجتِك فاني ابادرُ (تم جس مقصد سے آئے ہو وہ جلدی بیان کرو اور مجھے راحت دو، کیوں کہ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں) میں نے کہا کہ کس چیز سے آپ سبقت لے جانا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: ملكَ الموتِ رحِمكَ اللهُ (اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں ملک الموت سے) میں آپ کے پاس سے اٹھ گیا اور آپ پھر سے نماز میں مشغول ہو گئے۔

عبادت کر کے بھی حسرت

انسان کے دل میں جس چیز کی جتنی قدر و قیمت ہوتی ہے اسی قدر وہ اس کا حریص ہوتا

ہے،اور جس قدر بھی حاصل ہو جائے اسے کم سمجھتا ہے،اور ہمیشہ اس کو یہی حسرت رہتی ہے کہ اگر میں اور زیادہ محنت کرتا تو اور زیادہ حاصل کرتا، دنیا کے شیدائی مال و دولت کی کسی بھی مقدار پر قناعت نہیں کرتے ، بلکہ جتنا بھی حاصل ہو جائے مزید حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں،اور اپنے سے زیادہ دولت مند انسان کو نشانہ بنا کر سوچتے ہیں کہ ابھی تو مجھے اس کے برابر مالدار بننا ہے، کئی انسان ایسے دیکھے ہیں کہ اگر وہ معاش کی فکر بالکل چھوڑ دے اور اپنی زندگی دینی کاموں کے لئے وقف کر دے تب بھی پوری زندگی آرام سے اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں، بلکہ ان کی جمائی ہوئی تجارت ان کی اولاد کے لئے بھی کافی ہو سکتی ہے،لیکن اس کے باوجود ہمیشہ تجارت میں ترقی اور اضافے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں، ہمیشہ اسی منصوبے میں دماغ دوڑ تا رہتا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے شیدائی ہیں اس کی قدر و منزلت نے دل و دماغ پر قبضہ جمایا ہے۔

ٹھیک یہی حالت انسان کی وقت کے متعلق بھی ہو جاتی ہے جب وقت کی قدر و قیمت اس کے دل میں جانشیں ہو جاتی ہے،تو پھر اس کو عبادت میں صرف کرنے کے باوجود اپنی حالت پر ندامت کرتا ہے کہ میں نے محنت میں کوتاہی کر لی ،کاش میں مزید محنت کرتا تو اور آگے بڑھتا، پھر یہی احساس انسان کو ایک پل بھی غافل ہونے نہیں دیتا۔

حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یزیدؒ سے زیادہ جاگنے والا اور لمبا قیام کرنے والا نہیں دیکھا، آپؒ اتنا روتے تھے کہ آنسوں بہنے کی جگہ نشانات پڑ گئے تھے، آپؒ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ رونے سے نہیں اکتاتے؟ آپؒ نے فرمایا: میں تو چاہتا ہوں کہ اتنا روؤں کہ آنسوں کی جگہ خون بہنے لگے، پھر اتنا روؤں کہ خون کی جگہ پیپ بہنے لگے، اشعث بن سوار کہتے ہیں کہ حضرت یزید رقاشیؒ نے چالیس سال روزے رکھے، اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی آپؒ فرمایا کرتے تھے: سَبقَني العابدُونَ و قُطعَ بي وَالهفَاه (ہائے افسوس! عبادت گزار مجھ سے

آگے بڑھ گئے، اور میں پیچھے رہ گیا)، آپؒ حسرت کے ساتھ اپنے نفس سے خطاب کر کے کہتے تھے: اے یزید تجھ پر افسوس ہے، کون ہے جو موت کے بعد تیری طرف سے نماز پڑھے گا؟ کون ہے جو موت کے بعد تیری طرف سے روزہ رکھے گا؟ کون ہے جو موت کے بعد تیری طرف سے تیرے رب کو راضی کرے گا؟ (صفۃ الصفوہ، العاقبہ)

حضرت ثابت بنانیؒ ہر رات تین سو رکعات پڑھا کرتے تھے، پھر بھی جب صبح ہوتی تو یہ فرماتے تھے: مَضى العَابدُونَ وانقطعَ بي والهفاه ''عابدین تو راستہ پار کر گئے اور میں پیچھے رہ گیا، بڑا افسوس ہے''۔

حضرت رحلہ عابدہؒ کی عجیب بات

حضرت رحلہ عابدہؒ کے پاس چند علماء گئے تا کہ ان کو نفس پر نرمی کرنے کے متعلق سمجھائے، جب انہوں نے ان سے نرمی کی درخواست کی تو آپؒ نے فرمایا:

مالي وللرِفقِ بهَا، إنماهيَ ايامُ المبادرةِ، فمنْ فاتهُ اليومَ شـيءٌ لـمْ يدركـهُ غدًا، واللهِ يا إخوتاه لا صلِين للهِ ما اَقلّتْني جوارحي، ولاصومنّ لهُ اَيامَ حيـاتي، وَلأبكين لهُ ما حملتِ الماءَ عيني۔

''میرا نفس پر نرمی سے کیا تعلق؟ یہ تو آگے بڑھنے کے دن ہیں، آج اگر کسی سے کوئی عمل فوت ہو گیا وہ کل اس کی کمی کو پورا نہیں کر سکے گا، برادران من! واللہ جب تک میرے اعضاء مجھے اٹھائے رکھیں گے ضرور بالضرور میں اللہ کے لئے نماز پڑھتی رہوں گی، اور میری زندگی کے دنوں میں اسی ذات کے لئے ضرور بالضرور روزے رکھوں گی، اور جب تک میری آنکھوں میں آنسوؤں کا ذخیرہ رہے گا اسی پاک ذات کے لئے روتی رہوں گی''۔

پھر آپ نے ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے

غلام کو کسی بات کا حکم کرے، پھر یہ چاہے کہ وہ اس میں کوتاہی کرے (بلکہ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ میرا حکم اچھی طرح پورا کرے اسی طرح اللہ تعالی کو بھی یہی پسند ہے کہ میرے بندے میرے احکامات کی بجا آوری میں اور میری عبادت میں چستی سے کام لیں)۔

مشغولی کی نرالی مثال

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ ہمیشہ اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میرے معمولات میں سے کوئی معمول کسی عذر سے چھوٹ جاتا ہے تو میں بعد میں اس معمول کو پورا نہیں کر سکتا ہوں (معمولات کی کثرت کی وجہ سے فوت شدہ معمول کو پورا کرنے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا تھا)۔

یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ شب و روز میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہوتا ہو، واقعی اپنا نصیب تو ان حضرات ہی نے چمکایا، دنیا سے وہ چلے گئے اور ان کے وہ معاصرین بھی جنہوں نے عیش و عشرت اور لہو و لعب کے لئے اپنی زندگی کو قربان کر دیا، لیکن کل قیامت میں دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فرق ہوگا، یہ فرحت و سرور کی انتہاء کو پہنچے ہوں گے اور وہ حسرت و ندامت سے خود اپنے وجود سے نفرت کرتے ہوں گے۔

حضرت عثمان بن عیسی باقلانیؒ اور وقت کی قدر

ابو محمد بن محمد العباسیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک دن میرے ماموں کے ساتھ عثمان بن عیسی باقلانیؒ کی صحبت میں رہا، وہ مسجد سے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے اس حال میں ہم ان سے ملے، آپ اس وقت تسبیح پڑھ رہے تھے، میرے ماموں نے ان سے کہا کہ آپ میرے لئے دعا فرما دیجئے، آپ نے فرمایا کہ ابو عبداللہ! آپ نے مجھے مشغول کر دیا، آپ بھی اس کام میں مشغول ہو جاؤ جو آپ میرے اندر گمان کر رہے ہو، اور آپ میرے لئے دعا کرو، پھر میں نے حضرت سے

عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا فرما دیجئے، تو آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اللہ آپ کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں، میں نے مزید دعا کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا: **الزمانُ یَذھب وَالصحائفُ تُختمُ۔** (زمانہ نکلتا جا رہا ہے، اور اعمال ناموں پر مہر لگائی جا رہی ہے)۔

اس سے زیادہ فرصت نہیں

حضرت مولانا قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتیؒ کو تحصیل علم میں اتنا انہماک تھا کہ زمانۂ طالب علمی میں اگر کوئی ہم عمر یا عزیز دہلی ملاقات کے لئے جاتا تو اس سے السلام علیکم یا سرسری ملاقات کے بعد صاف طور پر فرما دیتے کہ اس سے زیادہ فرصت نہیں، جب اللہ تعالی بامراد ملائے گا اس وقت ملیں گے۔ (طلباء کے لئے تربیتی واقعات ۴۴)

مجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ

حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ جب شاہ عبد الغنیؒ کے پاس پڑھتے تھے اس وقت جہاں کھانا مقرر تھا وہاں آتے جاتے راستہ میں ایک مجذوب ہوا کرتے، ایک دن کہا کہ میں تجھے سونا بنانے کا نسخہ بتاتا ہوں، کسی وقت میرے پاس آ جانا، آپؒ نے حاضری کا وعدہ فرمایا مگر پڑھنے لکھنے میں انہماک کی وجہ سے بعد میں یاد ہی نہیں رہا، دوسرے دن مجذوب نے پھر یاد دہانی کی، آپؒ نے کہا پڑھنے سے فرصت نہیں، جمعہ کے دن کوئی وقت نکال کر آؤں گا، جمعہ آیا تو مطالعہ میں مشغولیت کی وجہ سے یاد نہیں رہا، مجذوب پھر ملے، کہا کہ تم حسب وعدہ نہیں آئے، آپؒ نے بھولنے کا عذر کیا اور آئندہ جمعہ کا وعدہ کیا، لیکن مطالعہ میں مصروفیت کی وجہ سے جمعہ کے دن یاد ہی نہیں رہتا تھا، اسی طرح کئی جمعے گزر گئے، آخر ایک جمعہ کو مجذوب خود آپؒ کے پاس آئے، اور سونا بنانے کا طریقہ سکھایا، اور سونا بنا کر بھی دکھایا، اور وہ سونا آپؒ کو دے کر کہنے لگے، یہ بیچ کر اپنے کام میں لانا، لیکن آپؒ کو کتاب کے مطالعہ سے اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ وہ سونا بازار جا کر بیچتے، پھر

ایک دن مجذوب نے خود جا کر وہ سونا بیچا اور اس کی رقم لا کر آپؒ کو دی۔(ایضا ۵۲ تغیر کے ساتھ)

حضرت تھانویؒ کی گھڑی پر نظر

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

حضرتؒ کو وقت کی بڑی قدر تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالی نے ان کی فطرت ہی میں وقت کی اہمیت کو مضمر کر دیا تھا، وقت کے ایک ایک لمحے کو صحیح اور برمحل استعمال کرنے کا اس قدر اہتمام تھا کہ ہر وقت ان کی نظر گھڑی پر رہتی تھی، اور نہایت ہی سہولت اور بے تکلفی سے نظام الاوقات کے تحت ہر کام کو انجام دیتے تھے۔(متاع وقت ۹۵)

حضرت تھانویؒ مرض الموت میں تھے، طبیبوں نے آپ کو بات کرنے سے منع کر دیا تھا، اس وقت بھی آپؒ بعض اصحاب کو باری باری بلاتے اور ان کو کوئی کام یا کوئی ذمہ داری سپرد فرماتے، آپ سے عرض کیا گیا کہ طبیبوں کے منع کرنے پر بھی آپ لوگوں سے باتیں کرتے رہتے ہیں، آپؒ نے فرمایا بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہو، اگر کسی کی خدمت کے اندر عمر گذر جائے تو یہ خدا کی نعمت ہے۔

حضرتؒ خود فرماتے ہیں کہ مجھے انضباط اوقات کا بچپن ہی سے بہت اہتمام ہے، جو اس وقت سے لے کر اب تک بدستور موجود ہے، میں ایک لمحہ بھی بیکار رہنا برداشت نہیں کرتا۔

حضرت میاں جی نور محمدؒ اور وقت کی قدر

حضرت میاں جی نور محمدؒ جھنجانوی کا یہ حال تھا کہ جب بازار میں کوئی چیز خریدنے جاتے تو ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی ہوتی، اور چیز خریدنے کے بعد خود پیسے گن کر دکاندار کو نہیں دیتے تھے، بلکہ پیسوں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دیتے، اور اس سے کہتے کہ تم خود اس میں سے پیسے نکال لو، اس لئے کہ اگر میں نکالوں گا اور اس کو گنوں گا تو وقت لگے گا، اتنی دیر میں سبحان اللہ کئی مرتبہ کہہ لوں گا۔

حضرت فقیہ الامت اور وقت کی قدر

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں بھی حفاظت اوقات کا بڑا اہتمام تھا، حتی کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، چوبیس گھنٹے کی زندگی مشین کی طرح متحرک رہتی تھی۔ کوئی وقت بھی بیکار نہیں جاتا تھا۔

ایک مرتبہ مغرب کے بعد ایک طالب علم حاضر خدمت ہوئے، حضرت اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے، وہ سلام کر کے خاموش گردن جھکا کر بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا نور اللہ! کیا خاموش بیٹھے ہو؟ عرض کیا جی نہیں حضرت! قرآن شریف پڑھ رہا ہوں تو فرمایا ہاں! وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ (ماہنامہ دار العلوم، رجب ۱۴۲۷ھ)

اسلاف کی محنت

سلف صالحین کے واقعات سے کتابوں کے صفحات مزین ہیں، انہوں نے عبادت میں اور اللہ کو راضی کرنے والے اعمال میں ایسی محنتیں کیں کہ آج ہم اس کی تمنا بھی نہیں کر سکتے، حضرت سعید بن مسیبؒ نے پچاس سال عشاء کے وضوء سے فجر پڑھی، اور دن میں مسلسل روزے رکھتے تھے، عامر بن عبد قیسؒ پورا دن نماز میں اور درس دینے میں نکال دیتے تھے، حضرت عمیر بن ہانی ہر روز ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے، حضرت کرزؒ ایک دن میں تین قرآن ختم کرتے تھے، منصور بن معتمرؒ نے چالیس سال تک روزے رکھے، دن میں روزہ رکھتے، اور رات میں نوافل میں مشغول ہوتے، ابوبکر بن عیاشؒ نے اپنی زندگی میں اٹھارہ ہزار سے زائد قرآن ختم کئے ہیں، اسلاف میں کتنے علماء ایسے ہیں جو تصانیف کی اتنی بڑی تعداد چھوڑ کر گئے ہیں کہ عقلیں حیران ہیں، وہ حضرات جو علمی ورثہ چھوڑ کر گئے ہیں ہم اپنی زندگی میں آسانی سے مکمل پڑھ بھی نہیں سکتے، علاقہ پالن پور گجرات کے تبلیغی ذمہ دار مرحوم یوسف بھائیؒ (چنگواڑا والے) کے متعلق ایک معتبر معتمد عالم دین

اور ولئ کامل نے کہا تھا کہ مرحوم تقریباً پچاس سال کی عمر میں اتنا کام کر گئے کہ عام آدمی اس کو دوسو سال میں کرسکتا ہے علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری اپنی طالب علمی کے زمانے میں صرف روٹی لیتے تھے، سالن نہ لیتے تھے، روٹی جیب میں رکھ لیتے تھے، جب موقع ہوتا کھالیتے اور فرماتے روٹی سالن کے ساتھ کھانے میں مطالعہ کا نقصان ہوتا ہے، قاری صدیق صاحبؒ باندوی کے یہاں بھی اوقات کا بڑا اہتمام تھا، ہروقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتے تھے۔

غیروں کی قدردانی

مغربی ممالک میں وقت کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، اور اس کو کام میں لگانے کی پوری کوشش کرتے ہیں، اور وقت کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں، اسی وجہ سے وہ اپنے میدان میں بہت ہی زیادہ ترقی کر گئے، اگرچہ روحانیت سے بے پرواہی، مذہب سے دوری اور خدا بیزاری نے سکون وچین کا نام ونشان ختم کردیا ہے اور بہت سی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو جنم دیا ہے لیکن اس بات کا اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ انہوں نے مادہ کو اپنی محنت کا محور بنا کر اس کی مخفی طاقتوں اور صلاحیتوں کو ظاہر کیا، یقیناً وہ اپنے میدان میں بہت دور پہنچ چکے ہیں، یہ سب وقت کی حفاظت اور اس کو کام میں لگانے کا کرشمہ ہے، ان کے یہاں وقت کو صحیح استعمال کرنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی تعلیم کے لئے مستقل کورس ہے جس میں پیسے دے کر لوگ داخلہ لیتے ہیں۔

انہوں نے وقت کی قیمت کا یہاں تک احساس کیا کہ خود تو اپنے اوقات کی حفاظت کی، لیکن دوسری طرف اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے دوسری اقوام کے اوقات کو ضائع کرنے اور فضول کاموں میں برباد کرنے کو ضروری سمجھا، اور دیگر اقوام کے اوقات ضائع کرنے کے منصوبے بنا کر اپنے مقاصد میں کامیابی کو یقینی بنانے کی فکر کی، تحفۂ وقت کے مصنف لکھتے ہیں:

ہم خواہ اس بات کو تسلیم کریں یا نہ کریں، لیکن یہ ایک پختہ حقیقت اور ٹھوس سچائی ہے

کہ موجودہ دور میں نوجوانوں کے اوقات ضائع کرنے میں ساٹھ فیصد حصہ عالمی یہودی اور عیسائی سازشوں کا ہے، ہمارے دشمن یہود و نصاری نے وقت کی اہمیت کا خوب اندازہ لگایا، اور اسے اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرنے، اور باقی امتوں کو اس اہمیت سے بیگانہ اور دور رکھنے کے لئے سازشیں کیں۔

یہودیوں کی ''پروٹوکول'' نامی ایک کتاب ہے جس میں انہوں نے مستقبل میں عالمی استعمار کی منصوبہ بندی کی ہے، پورے عالم اور تمام اقوام عالم پر غلبہ حاصل کرنے اور دنیا کو اپنا غلام بنانے کے لئے جو منصوبہ تیار کیا گیا ہے اس میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ لوگوں کو کھیل تماشے اور دیگر تفریحی پروگرام میں اور فضولیات میں مشغول کر دیا جائے، جب لوگ فضولیات میں مشغول ہوکر اپنے اوقات کو ضائع کرنے میں لگ جائیں اس وقت ہم اپنے مقصد کی طرف بڑھتے رہیں، اور جب وہ بیدار ہوں گے اس وقت ہم بہت آگے نکل چکے ہوں گے۔ (ماخوذ از تحفۂ وقت ۱۶۶)

فرصت زندگی کی قدر کیجئے

اپنے ضمیر کو حرکت دیجئے، اپنی آنکھیں کھولئے، غفلت کی چادر چاک کیجئے، عقل وخرد بیدار کیجئے، اپنے پروں کو پھڑ پھڑائیے، پرواز کا عزم وحوصلہ پیدا کیجئے، دیکھئے! زندگی کا پانی گھٹ رہا ہے، ہر دن تیزی سے نکل رہا ہے، موت گھات میں بیٹھی ہے، ادھر ادھر کہیں چھپی ہوئی ہے، موقع پاتے ہی حملہ کے لئے تیار ہے، اس سے پہلے جو بھی موقع مل گیا اس سے نفع اٹھا لیجئے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جو وقت کو ضائع کرتا ہے اسے وقت ضائع کر دیتا ہے، جو زمانۂ حال کو برباد کرے گا مستقبل اس کے بربادی کے فیصلہ کر دے گا، زندگی کا ایک ایک لمحہ انمول ہے، شعر:

نگہداشت فرصت کہ عالم دمے است * دمے پیش عالم بہ از عالمے است

حقیقت شناس انسان اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو کام میں لگاتا ہے۔

نہ کر عمر کی اک بھی ضائع گھڑی * کہ ٹوٹی لڑی جب کہ چھوٹی کڑی
گنوائے گا عاقل نہ بے کار دن * کہ انسان کی ہے زندگی چار دن

ہمیں آج زندگی کی فرصت میسر ہے، جس طرح انسان سونے چاندی اور جواہرات کا استعمال کرتا ہے اسی طرح زندگی کے لمحات بھی استعمال کیجئے، کسی چیز کو خریدنے کے لئے انسان سو روپئے کی جگہ دوسو روپئے خرچ نہیں کر دیتا، بلکہ دس روپئے بھی زائد دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، ہزاروں کی قیمت کی کوئی چیز خرید لیتا ہے لیکن اس میں بھی سو روپئے بچانے کی فکر کرتا ہے، اور بیچنے والے شخص سے سو روپئے کم قیمت لگانے کی ضد کرتا رہتا ہے، آپ وقت کو اسی طرح استعمال کیجئے، جو کام آپ کے دس منٹ مانگ رہا ہو اس کو دس منٹ ہی دیجئے، دس منٹ کا کام بیس منٹ میں پورا کرنے سے وقت کا نقصان ہو جائے گا، پھر بچا ہوا وقت کسی مفید و کار آمد مشغولی میں لگایئے۔

فقط ذوق پرواز ہے زندگی

زندگی جہد مسلسل اور جستجوئے منزل کا نام ہے، تقاضائے خود افزائی اور احساس سود وزیاں سے عبارت ہے، سوز جگر، آرزوئے نشوونما اور مستیٔ کردار ہی زندگی کی حقیقت ہے، حرارت و حرکت زندگی کی علامت ہے، علامہ اقبال کا سحر آفرین اور مست کر دینے والا کلام ملاحظہ کیجئے:

فریب نظر ہے سکون وثبات ۞ تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود ۞ کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی ۞ فقط ذوق پرواز ہے زندگی
سفر زندگی کے لئے برگ وساز ۞ سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

اگر ذوق سفر اور سوز جگر نہیں تو محض رگوں میں گردش خوں سے کیا حاصل؟

ہر ایک مقام سے آگے مقام ہے تیرا ۞ حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

رگوں میں گردش خون ہے اگر تو کیا حاصل ❋ حیات سوز جگر کے سوا کچھ اور نہیں
گراں بہا تو حفظ خودی سے ہے ورنہ ❋ گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں

عربی اشعار

اصحاب ذوق کی خدمت میں ترغیبی اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

فدع الصبا فلقد عداك زمانه ❋ وازهد فعمرك مر منه الأطيب
ذهب الشباب فما له من عودة ❋ وأتى المشيب فأين منه المهرب
دع عنك ما قد كان في زمن الصبا ❋ واذكر ذنوبك وابكها يا مذنب
واذكر مناقشة الحساب فإنه ❋ لا بد يحصي ما جنيت ويكتب
لم ينسه الملكان حين نسيته ❋ بل أثبتاه وأنت لاه تلعب
والروح فيك وديعة أودعتها ❋ ستردها بالرغم منك وتسلب
وغرور دنياك التي تسعى لها ❋ دار حقيقتها متاع يذهب
والليل فاعلم والنهار كلاهما ❋ أنفاسنا فيها تعد وتحسب
وجميع ما خلفته وجمعته ❋ حقا يقينا بعد موتك ينهب
تبا لدار لا يدوم نعيمها ❋ ومشيدها عما قليل يخرب
لا تأمن الدهر الخؤون فإنه ❋ ما زال قدما للرجال يؤدب
وعواقب الأيام في غصاتها ❋ مضض يذل له الأعز الأنجب
فعليك تقوى الله فالزمها تفز ❋ إن التقي هو البهي الأهيب
واعمل بطاعته تنل منه الرضا ❋ إن المطيع له لديه مقرب
فلقد نصحتك إن قبلت نصيحتي ❋ فالنصح أغلى ما يباع ويوهب

بقدرِ ہمت اہداف کا تعین

''زندگی کی قدر'' یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی میں بہت ہی گنجائش اور وسعت ہے، جن افراد پر وہ صادق آتا ہے ان میں باہم اتنا تفاوت ہے جتنا زمین وآسمان میں، اور اتنی دوری ہے جتنی مشرق ومغرب میں، اصطلاحی زبان میں کلی مشکک ہی کہہ دیجئے، جیسے سفیدی ایک حقیقت ہے لیکن اس کے افراد میں واضح فرق ہوتا ہے، جیسے ایک کیلو سونا بھی سونا ہے، اور ایک ٹن سونا بھی سونا ہے، لیکن دونوں کی مالیت میں فرق کسی سے مخفی نہیں ہے، یا یوں سمجھئے کہ لوہا بھی ایک دھات ہے، سونا بھی ایک دھات ہے لیکن اگر کسی کے سامنے دونوں چیزیں رکھی جائے اور کسی ایک کے لینے کا اختیار دیا جائے تو کیا وہ یہ کہہ کر لوہے پر قناعت کرے گا کہ یہ بھی تو ایک دھات ہے، پنچگانہ فرائض کا باجماعت اور سنن ونوافل کے ساتھ اہتمام کرنا، ان کے بعد تسبیحات کی پابندی کرنا، دن میں ایک پارہ تلاوت کرنا، اور صبح وشام کی تسبیحات مکمل کرنا، یہ مجموعہ بھی ''زندگی کی قدر'' میں شامل ہے، اور ''زندگی کی قدر'' میں یہ بھی شامل ہے کہ مذکورہ بالا عبادتوں کے ساتھ تہجد، اوابین، اشراق اور چاشت کا اہتمام کرنا، دن میں تین پارے تلاوت کرنا، تعلیم وتعلم میں، تربیت وتزکیہ میں بھی کچھ وقت لگانا، اور ''زندگی کی قدر'' کا ایک فرد یہ بھی ہے کہ پورے دن دل ودماغ میں عبادت، آخرت کی فکر اور رضائے الٰہی کی طلب کے خیالات گردش کرتے ہوں، ایک عمل سے فارغ ہو کر دوسرا عمل شروع کر دیا، نماز سے فراغت پا کر تلاوت، اس سے فارغ ہو کر اذکار، ان کو مکمل کر کے قرآن و حدیث اور شریعت وسنت کی تحصیل اور فہم میں مشغول ہو گیا، رات کو ذرا لمبا ہوا تو اس لئے کہ اخیر رات میں اچھی طرح عبادت ہو، اللہ کے سامنے قیام میں شوق وذوق باقی رہے، کھانا کھایا تو اسی لئے کہ عبادت وبندگی کے حقوق کی ادائیگی ممکن ہو، یہ تمام صورتیں ''زندگی کی قدر'' میں شامل ہیں۔

جب لوگوں میں ''زندگی کی قدر'' کا جذبہ بیدار ہوتا ہے یا بیدار کیا جاتا ہے اس وقت اپنی

منزل متعین کرنے میں ہمت کا بڑا دخل ہوتا ہے، ہمت پست ہوتی ہے تو معمولی اعمال کی بجا آوری سے دل کو سکون مل جاتا ہے، اور جو اس سے کچھ بلند ہے وہ اپنی بلندی کے حساب سے اعمال میں اضافہ کرتا ہے، اور اس حد تک پہنچنے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے، کسی کو چند نوافل اور کچھ حصہ تلاوت کا متعین کر کے قرار آ گیا، کسی کو تہجد پڑھ کر سکون مل گیا، تو کوئی دن بھر کے نوافل اور مسنون اوراد کی بجا آوری پر مسرور ہو گیا، لیکن یہ محدود ہمتوں کا حال ہے، جو محدود اعمال پر قناعت کر لیتی ہیں، جب ان کے سامنے آخرت کی تیاری کی یا جنت کی طرف دوڑ لگانے کی بات آتی ہے تو ان کا ضمیر حرکت میں نہیں آتا، ان کے اندر سے جواب آتا ہے کہ الحمدللہ ہم اس سے غافل نہیں ہے، ایسے لوگوں کو جنت کے بلند درجات اور قرب الٰہی کے اعلیٰ مقامات کی طرف مسابقت کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، ان بلند مقامات کے الطاف وانوارات، عجائب وبرکات کا تذکرہ انہیں اس راستے پر نہیں ڈالتا جس سے منزل تک رسائی حاصل ہو، وہ صرف تمناؤں اور سرسری دعاؤں سے ہی ان تذکروں کا حق ادا کر دیتے ہیں، یہ سب اس لئے کہ ہمت میں کوتاہی ہے، ان کی ہمت میں وہ وسعت و طاقت اور بلندی نہیں ہے جس سے آفاق گیری کے ولولے پیدا ہو، اور ایک بہت بڑا ہدف طے کر کے اس کی طرف دوڑ لگانے کی کوشش ہو۔

عالی ہمتی اور بلند حوصلگی جس کو نصیب ہو جاتی ہے اس میں گویا جذبات کا ایک ایسا بحر متلاطم پنہا ہوتا ہے جو ہر چیز پر چھا جانے لئے بے قرار ہو، وہ جس منزل پر پہنچتا ہے **ھل من مزید** کا نعرہ لگاتا ہے، کسی بلند سے بلند منزل تک پہنچنے کے باوجود اس کا ضمیر اس کو جھنجھوڑ کر کہتا ہے

خودی کی یہ ہے منزل اولیں ✽ مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں
بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر ✽ طلسم زمان و مکاں توڑ کر

یہ وہ نہیں جو ایک دو قطرے پی کر نشے میں آجاتی ہے، چند اعمال پر نظر جانے لگتی ہے، بلکہ اس کی

شان یہ ہوتی ہے کہ سمندر پی کر بھی پیاس نہیں بجھتی، بے قراری کا یہ عالم کہ پورے دن کی مشغولی بھی اس کی بے چینی کو تسکین کا سامان فراہم نہیں کر سکتی۔

''زندگی کی قدر'' کے لئے ہم جس منزل کا انتخاب کریں اس میں اپنی علوّ ہمت کا ثبوت دیں، کیوں کہ معمولی منزل پر قناعت کرنا، چند قطروں سے مست ہو جانا، تھوڑے بہت اعمال پر مطمئن ہو جانا اپنی موجودہ حالت پر قرار آ جانا جواں مردوں کے لئے عار ہے۔

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر ⁂ چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ⁂ تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا ⁂ کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

بہترین نمونہ

ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مناسب کونسا نمونہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند ہمتی اور اللہ تعالی کی تعلیم دیکھئے، اللہ تعالی نے اپنے پیارے رسول کو حکم فرمایا:

فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب۔

''پس جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کیجئے، اور اپنے رب کی طرف رغبت کیجئے''۔

دعوت و تبلیغ کے فرائض اور رسالت کی ذمہ داریاں کچھ کم نہ تھیں، پورے دن کی فکری اور عملی قوتیں بندگان خدا کو راہ راست پر لانے اور ان کو شریعت کے مزاج و مذاق سے واقف کرنے اور تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں پیش آنے والے موانع کو رفع دفع کرنے کے لئے لگتی تھیں، ایک بالکل جاہل بلکہ انسانیت سے بھی عاری قوم کو ایک سماوی دین کا علمبردار بنانا اور دیگر قوموں کے لئے ایک مکمل اور معیاری نمونہ تیار کرنا جس مشقت اور مجاہدے کا متقاضی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس قدر مشقت اور تکان کے باوجود اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ

دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریوں سے فارغ ہوکر آرام کا خیال خاطر میں نہ لائیے، بلکہ آپ باقی اوقات میں دوسری عبادات میں مشغول ہوکر اپنے آپ کو تھکائیں، اور کب تک اور کتنا تھکانا ہے اس کی کوئی حد نہیں بتائی ہے بلکہ فرمایا کہ اپنا ہدف قرب الٰہی کو بنائیے، اور جس طرح قرب الٰہی کے درجات کی کہیں انتہا نہیں آپ کے جد وجہد اور محنت ومشقت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہونی چاہئے، بلکہ ہر منزل پر پہنچ کر اگلی منزل تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں لگنا چاہئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کو اتنا تھکاتے اور اتنا طویل قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک متورم ہوجاتے، کبھی آرام فرمانے کے لئے بستر پر تشریف لے جاتے، لیکن پھر بے قرار ہوکر اٹھ جاتے اور مصلی پر اپنے رب کے سامنے راز ونیاز میں مشغول ہوجاتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ اس قدر کیوں مشقت اٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تعالی نے آپ کی مغفرت کا اعلان فرمادیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کو بھی چاہئے کہ آپ کی سیرت کو اختیار کرتے ہوئے فرصت کے اوقات میں عبادت اور آخرت کی تیاری میں خود کو تھکائیں، تھکانے کا مطلب یہ ہے کہ چند اعمال پر قناعت نہ کریں، بلکہ جب تک تھکن کا احساس نہ ہو وہاں تک بلند مراتبِ قرب کی طرف رغبت کرنے سے عاجز نہیں ہونا چاہئے۔

مسارعت ومسابقت

زندگی میدان عمل ہے، اس میں اللہ کی طرف دوڑ لگانی چاہئے، قرب الٰہی کے مراتب لامحدود ہیں، اور زندگی محدود اور مختصر ہے، اس مختصر زندگی میں جس نے تیز رفتاری سے مسافت قطع کی وہ اعلی مراتب تک ترقی کرے گا، جنت کی نعمتوں کے لئے اور اس کے بلند درجات کے لئے جس قدر بھی حرص کی جائے کم ہے، اللہ تعالی اپنے بندوں کو ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ آل عمران: ۱۳۳

اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ الحدید: ۲۱

تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو، اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے (یعنی اس سے کم کی نفی ہے زیادہ کی نفی نہیں)۔

جنت کی طرف دوڑ لگانے والے، امورِ آخرت میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنے والے اللہ کے پیارے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ الواقعة

''اور جو سبقت لے جانے والے ہیں وہ تو ہیں ہی سبقت لے جانے والے، وہی ہیں جو اللہ کے خاص مقرب بندے ہیں، وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے، ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا، اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے''۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ المؤمنون ٦١

''یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی اُن کے لئے آگے نکلنے والے ہیں''۔

قرآن کریم نے جنت کے درجات اور ان کی عمدہ نعمتوں کا ذکر کھول کھول کر بیان کیا ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ انسان اس کی طرف دوڑ لگائے، اس کی طرف سبقت کرے، بے شک و

شبہ جنت ہی اس لائق ہے کہ اس کے لئے دوڑ لگائی جائے، اس کی طرف آگے بڑھنے کی حرص کی جائے، اللہ تعالی نے جنت کی نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾

''اور اسی میں حرص کرنے والوں کو حرص ورغبت کرنی چاہئے''

پس نیک اعمال کی طرف دوڑنا، اللہ کی خوشنودی والے کاموں کی طرف لپکنا اور ان میں رغبت کرنا اپنی زندگی کا مقصود بنا دینا چاہئے، اللہ تعالی کے حکم ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور سستی وکاہلی اور غفلت وخدافرموشی سے اپنا دامن زندگی کو بچپانا چاہئے، حضرت تھانویؒ ایک وعظ میں فرماتے ہیں: صاحبو! وطن جارہے ہو اور اتنی سست رفتار کہ بیٹھ بیٹھ کر چل رہے ہو، صاحبو! سستی نہ کرو، تیزی کے ساتھ چلو، تمہارا اصلی وطن آگے ہے، تم دنیا میں کہاں پھنسے رہ گئے اس کے ساتھ کیوں دل لگایا۔ (انفاسِ عیسیٰ)

اسلام کا حسن

آدمی کے اسلام کو حسن وکمال تک پہنچانے والی ایک چیز لایعنی کو ترک کرنا ہے، جب کوئی بندہ لغو اعمال وافعال، افکار وخیالات اور بے فائدہ حرکات سے اعراض کرتا ہے تب ہی وہ کامل مومن شمار ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **من حسن اسلام المرأ ترکه مالا يعنيه۔** (مشکوۃ) ''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس میں اس کو (دینی یا دنیوی) کوئی فائدہ نہیں ہے''۔ اللہ تعالی نے کامیاب مومن کی صفات میں فرمایا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (المؤمنون)

''بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے، جو نماز میں عجز ونیاز کرتے ہیں، اور جو بیہودہ

باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں“۔

لغویات میں وہ تمام اعمال واقوال اور خیالات وتفکرات شامل ہیں جن میں نہ کوئی دینی فائدہ ہو اور نہ دنیوی، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لغو اس کام کو اور ایسی بات کو کہتے ہیں کہ اگر وہ کام نہ کیا جائے یا وہ بات نہ کہی جائے تو کوئی گناہ نہ ہو، اور اس کو فی الحال یا مستقبل میں کوئی نقصان نہ ہو، جیسے کسی نے سفر کیا، اور سفر کے بعد دوستوں کی مجلس میں بیٹھ کر سفر میں جو کچھ دیکھا حسین پہاڑ، دلکش نہریں، کھانے پینے اور پہننے کی نئی چیزیں بیان کرنے لگا، تو یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر یہ بیان نہ کی جاتیں تب بھی کوئی نقصان ہونے والا نہیں تھا، اس لئے یہ لغو کام ہے، اور وقت کی بربادی ہے، اگر اس وقت کو تسبیح یا کسی ذکر میں صرف کرتا تو جنت میں لمبے اونچے درخت اور خوبصورت صاف شفاف محلات تیار ہوتے۔ (ماخوذ از مرقاۃ)

اگر فرصت سے اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے تو لایعنی مشاغل کے بہ جائے کوئی کارآمد مشغلہ تلاش کرنا چاہئے، سب سے بہترین مشغلہ عبادت ہے جو کہ انسان کا مقصد حیات ہے، حضرت عمار بن یاسرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے: **كفى بالعبادةِ شغلًا (المقاصد الحسنة)** ”مشغولی کے لئے عبادت کافی ہے“۔

بدنما داغ

جہاں مقاصد جلیلہ کی طرف توجہ کرنا انسانیت کے لئے ایک کمال ہے کیوں کہ وہ بلند ہمتی کا نتیجہ ہوتا ہے، وہیں معمولی مقاصد میں کھو جانا آدمیت کے لئے ایک بدنما داغ ہے، کیوں کہ جو طبیعت پستی مائل ہوتی ہے اسے بلند مقاصد کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا، اس کے متعلق حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں دوٹوک الفاظ میں مذمت ملتی ہے، فرماتے ہیں:

اگر کسی آدمی کے اندر حقیقی کمالات پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ خود بہ خود فضولیات اور عبث

سے بیگانہ ہو جاتا ہے، اس کو رسمیات کے اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی، اور میں تو جس کو بناؤ سنگار اور چٹک مٹک کرتا ہوا دیکھتا ہوں فوراً ذہن میں یہی آتا ہے کہ یہ شخص کمالات سے کورا ہے، جب ہی تو عبث اور فضول کی طرف متوجہ ہے، اور اکثر تجربہ سے یہی ثابت بھی ہوتا ہے، اہل کمال کو اس ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اور ایک مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں:

میں جب کسی کو دیکھتا ہوں کہ لباس و پوشاک میں تکلف کا پابند ہے تو دو چیزوں پر استدلال کرتا ہوں، ایک یہ کہ یہ نکمّا آدمی ہے، دوسرے یہ کہ بہت پست حوصلہ ہے، کیوں کہ اگر یہ کام کا ہوتا اور کسی بڑے مقصد کی طرف اس کی نظر ہوتی تو اس میں وقت ضائع نہ کرتا۔

آپؒ کے ملفوظات میں یہ بھی ہے:

سادگی علو اور عظمت کی دلیل ہے، میں جب کسی کو بنا ٹھنا دیکھتا ہوں تو سمجھ جاتا ہوں کہ نہایت پست خیال شخص ہے، اگر بلند ہمت ہوتا تو اس کو فرصت ہی نہ ملتی۔۔ جو لوگ ہر وقت مزین اور آراستہ رہتے ہیں اکثر ان میں عقل اور بیداری نہیں ہوتی، کیوں کہ توجہ ایک ہی طرف ہوتی ہے، یا تو جسم کو آراستہ کرلو یا قلب کو آراستہ کرلو۔ (آداب المعاشرۃ ۲۵۹)

کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا کرنے والی نوائے اقبالؒ سنئے؛

ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول * غنچہ سا غافل تیرے دامن میں شبنم کب تلک

جب تیرے بازو میں ستاروں تک پرواز کرنے کی طاقت ہے تو شاخسار میں کیوں الجھ گیا،

میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک * تیرے بازو میں ہے پروازِ شاہین قہستانی

عجیب بات ہے کہ لوہا تو موجود ہے لیکن تیرے مقناطیس میں کشش نہیں؛

تیرا اے قیس کیوں کر ہو گیا سوزِ دروں ٹھنڈا * کہ لیلا میں تو اب تک ہے وہی اندازِ لیلائی

ہمارا معاشرہ اور وقت

یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جنہوں نے اپنی زندگی کو ٹھکانے لگا دیا، ایک نظر ہم اپنے حال پر کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا معاملہ وقت کے ساتھ بڑا افسوس ناک ہے، عام طور پر اس کے ساتھ لوگوں کا معاملہ بڑی ناقدری کا ہے، چوبیس گھنٹے میں کتنے گھنٹے ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم بے کار نکال دیتے ہیں، سال میں کتنے دن بے سود نکل جاتے ہیں، بازاروں اور ہوٹلوں پر مجلس جما کر بیٹھنا ہمارے معاشرے کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے، آج کل چیزوں کی مہنگائی کا بڑا شکوہ کیا جاتا ہے، لیکن وقت جو انمول چیز ہے اس کو اس قدر سستا سمجھ لیا ہے جیسے کوئی چند ٹکوں کی چیز ہو، ہمارے یہاں دس روپئے کے برابر بھی وقت کی قدر نہیں ہے، دس روپئے ضائع ہونے پر دل میں اتنا خیال تو آتا ہے کہ میرا کچھ نقصان ہوگیا اگر چہ اس کو معمولی سمجھ کر اس کا زیادہ غم نہ کرے، لیکن وقت جیسی انمول چیز ضائع ہونے پر نقصان کا احساس بھی دل پر نہیں گزرتا، ابن جوزیؒ کے کلام میں کس قدر سچائی ہے! آپؒ لکھتے ہیں: اکثر لوگ وقت کو بیکار کاموں میں ضائع کرتے ہیں، میں نے عام طور پر دیکھا ہے کہ لوگ عجیب طریقے سے وقت کو نکال دیتے ہیں، اگر رات کو دیر تک بیدار رہتے ہیں تو ایسی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں جن کا کوئی حاصل نہیں، اور صبح دیر تک سوتے ہی رہتے ہیں، اور دن کے باقی حصوں میں سیر گاہوں اور بازاروں اور نہروں پر نظر آتے ہیں۔ (قیمۃ الزمن)

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا * کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حد تو یہ ہے وقت کو نکالنے کے لئے بے فائدہ مشاغل کو تلاش کیا جاتا ہے، بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اپنے فارغ اوقات میں اچھے کاموں کی تلاش میں رہتے ہوں، اور اگر کبھی وقت ضائع ہوگیا تو دل نے ملامت کرتا ہو، ایسے لوگوں کو اگر تلاش کیا جائے تو سینکڑوں میں بھی ایک ملنا مشکل ہے، ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ کبریت احمر کی طرح نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

وقت ضائع ہونے کی وجوہات

ایمان ویقین کی کمزوری

آخرت کے وعدوں پر جیسا ہونا چاہئے ویسا یقین نہیں ہوتا ہے، جس طرح دنیا کے کسی کام پر دنیوی نفع سامنے ہوتا ہے اور اس کے ملنے کا یقین ہوتا ہے ایسا یقین اور استحضار دینی کاموں میں نہیں ہوتا، یہ یقین کی کمزوری وقت کو آخرت کی تیاری میں لگانے اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے مانع بنتی ہے، کسی انسان کو وعدوں کا پورا یقین ہو اور یہ جان لے کہ ایک سکنڈ میں ایک بہت بڑا درخت لگ جاتا ہے اور پورے دن میں اور پورے مہینے میں تو جنت کے بہت زیادہ اور بہت بڑے انعامات حاصل کئے جاسکتے ہیں اس کے لئے ایک ایک سکنڈ کی قیمت دنیا کے دراہم ودنانیر سے بڑھ جائے گی، پھر دنیا کے بجائے اخرت کے کاموں میں لگنا پسند کرے گا، حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: **یا بنی! العمل لا یستطاع الا بالیقین ومن یضعف یقینه یضعف عمله** ۔(اے بیٹے! یقین ہی سے عمل پر قوت ملتی ہے، اور جس کا یقین کمزور ہوتا ہے اس کا عمل بھی کمزور ہوجاتا ہے)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

ان الناس لم یؤتوا فی هذه الدنیا خیرا من الیقین والعافیة فسلوهما الله تعالی۔

''بیشک لوگوں کو اس دنیا میں یقین اور عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی، پس اللہ تعالی سے یقین اور عافیت مانگا کرو''۔(مسند احمد)

عافیت کے بغیر دنیا کا کام نہیں ہوسکتا، اور یقین کے بغیر آخرت کا کام نہیں ہوسکتا، مذکورہ حدیث پر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: **صدق رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بالیقین طلبت الجنة، وبالیقین هرب من النار وبالیقین اوتیت الفرائض وبالیقین صبر علی الحق** (بیهقی) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا، یقین ہی کی وجہ سے جنت طلب کی جاتی ہے، یقین

ہی کی وجہ سے جہنم سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یقین ہی کی وجہ سے فرائض ادا کئے جاتے ہیں، اور یقین ہی کی وجہ سے حق پر صبر کیا جاتا ہے“۔

حضرت حسن بصریؒ کا یہ بھی فرمان ہے: ما ایقن عبد بالجنة والنار حق یقینهما الا خشع ووجل، وذل واستقام، واقتصر حتی یأتیه الموت۔ (الیقین) ”جب بندہ جنت وجہنم کا ایسا یقین کرتا ہے جیسا کہ یقین کا حق ہے تو وہ خشیت وتقوی سے مزین، تواضع کا پیکر، استقامت کا پہاڑ اور قناعت کا عادی بن جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کو موت آجاتی ہے“۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا * تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

بے فکری

وقت کی بربادی کا ایک سبب بے فکری کا مرض ہے، وقت کیا چیز ہے، اس کی کیا قیمت ہے، اس میں کتنے بڑے فوائد مخفی ہیں، ان باتوں کو سوچنے کی نوبت ہی نہ آئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وقت غفلت کی رَو میں بہہ جائے گا، جب تک ذہن نفع ونقصان سے بے پرواہ ہوگا اور لذت نشو ونما اور تقاضائے خود افزائی سے محروم ہوگا اس وقت تک کچھ حاصل ہونے کی امید بے کار ہے، جب دماغ اپنے منافع کے حصول کے لئے مستعد نہ ہو تو ترغیب وترہیب کی عبارتیں اور حکمت بھری باتیں بے اثر ثابت ہوتی ہیں، اندر کا تقاضا نہ ہو تو کلی پھول نہیں بن سکتی:

کلی زورِ نفس سے بھی وہاں گل ہو نہیں سکتی * جہاں ہر شے ہو محروم تقاضائے خود افزائی

بے فکری کا نتیجہ ذلت وپستی، حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں، یہ آدمی کو نکما بنا دیتی ہے، آدمی کی عظمت ورفعت پر بے فکری ایک بدنما داغ ہے، اس کے اعلی مقاصد کی راہ میں سنگ گراں ہے۔

لمبی امیدیں

لمبی زندگی کی امید، یا زندگی میں لمبی امیدیں دونوں اوقات کے ضائع ہونے کا سبب

ہیں، جب دل میں نیک عمل کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو نفس یہ بہانہ کرتا ہے کہ ابھی زندگی باقی ہے، ابھی آرام کر، بعد میں خوب محنت کر کے زندگی کا حق ادا کر دینا، اور زندگی میں لمبی امیدیں بھی مقصد سے ہٹا کر فضول کاموں میں لگا دیتی ہیں، اور کبھی انسان نیک ارادوں سے بھی محروم ہو جاتا ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں: طُولُ الأملِ یُنْسِي الآخِرۃَ۔ ''لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں''۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: لَا یَزَالُ العبدُ مَقرونًا بِالتواني مَا دامَ مُقیما علی وعدِ الاماني (الزھد الکبیر) ''بندہ اس وقت تک سستی میں مبتلا رہتا ہے جب تک اس کا قیام امیدوں پر رہتا ہے''۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے: مَا أطالَ عبدٌ الأملَ إلا أساءَ العَملَ۔ ''جو بندہ لمبی امیدیں کرتا ہے وہ اپنے اعمال کو خراب کر دیتا ہے''۔

محمد بن ابی توبہ کہتے ہیں کہ حضرت معروف کرخیؒ نے نماز کھڑی کی اور امامت کے لئے مجھے آگے کیا، میں نے عرض کیا کہ یہ نماز تو میں پڑھا لوں گا لیکن پھر کسی نماز میں امام نہیں بنوں گا، اس پر حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا: وَأَنتَ تحدّث نَفسكَ أَن تصَلّي صَلاۃ أُخْری؟ نَعوذُ بِاللہ مِن طُولِ الأَملِ فَانه یمنعُ خَیرَ العَملِ۔ ''تو کیا آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ آپ دوسری نماز پڑھیں گے؟ (کیا معلوم اس سے پہلے موت آ جائے) ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں لمبی امیدوں سے، اس لئے کہ یہ نیک اعمال میں رکاوٹ بنتی ہیں''۔

درد کا درماں

کفی بالموت واعظا، یعنی موت کے بعد کسی واعظ کی ضرورت نہیں، اگر انسان موت کے احوال پر غور کرے کہ موت کے لئے نہ کوئی زمانہ متعین ہے اور نہ کوئی حالت اس کے لئے خاص ہے، وہ بچپن میں بھی آ سکتی ہے اور عنفوانِ شباب میں بھی پکڑ سکتی ہے، اور جس طرح وہ بیماروں کو پکڑتی ہے تندرست کو بھی اپنے چنگل میں لے سکتی ہے، تو لمبی امیدوں کے لئے دل میں کوئی گنجائش

باقی نہیں رہے، عربی شاعر اس مضمون کو اس طرح گنگناتا ہے:

تزود من التقوی فانک لا تدری اذا جن لیل ھل تعیش الی فجر

فکم من صحیح مات من غیر علۃ وکم من علیل عاش حینا من الدھر

وکم من صبی یرتجی طول عمرہ وقد نسجت اکفانہ وھو لا یدری

وکم من عروس زینوھا لزوجھا وقد قبضت روحاھما لیلۃ القدر

''تقوی کو سفر آخرت کے لئے زادراہ بنا لیجئے، کیوں کہ آپ کو کیا خبر کہ رات کے چھا جانے کے بعد صبح تک آپ کی زندگی رہے گی یا نہیں، کتنے صحیح سالم لوگ بغیر کسی بیماری کے لقمۂ اجل بن گئے، اور کتنے بیمار مدت دراز تک زندہ رہے، کتنے بچے ایسے ہیں جن کے عمروں کی درازی کی امید کی جاتی ہے جبکہ ان کا کفن تیار ہو چکا ہوتا ہے اور انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا، کتنی دلہنیں ایسی ہیں جن کو ان کے شوہروں کے لئے آراستہ کیا گیا جبکہ لیلۃ القدر میں ان کی موت کا فیصلہ ہو چکا تھا''۔

حضرت عون بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: **ما انزلَ الموتُ کنهَ منزِلته منْ عدَّ غدًا مِنْ أجلهِ، وَکمْ مستقبلٍ یَوما لا یَستکملُهُ، وَکَمْ مُؤَمّلٍ لِغدٍ لا یدْرکهُ، لو رَأیتمُ الاجلَ ومسِیرهُ، لابغضتمُ الاملَ وَغرورَهُ۔** ''جو شخص آنے والے کل کو اپنی زندگی میں شمار کرتا ہے وہ موت کے حقیقی مقام کو نظرانداز کر رہا ہے، آج کے دن کو پانے والے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اس کو مکمل نہیں کر سکے، اور آئندہ کل کو پانے کی امید رکھنے والے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اس کو نہ پا سکے، اگر تم موت اور اس کی رفتار کو دیکھ لو تو امیدوں سے اور اس کے دھوکے سے تم خود نفرت کرنے لگو''۔

پس جب موت نہ کسی عمر کی پابند ہے اور نہ کوئی حالت اس کی آمد کے لئے ضروری ہے، وہ ہر حال میں ہر وقت آ سکتی ہے تو کسی عمل کو بعد میں کرنے کے ارادہ سے مؤخر کرنا دانشمندی کے خلاف ہے، آدمی کو سوچنا چاہئے کہ یہ میری زندگی کا آخری دن ہے، حضرت ابن عمرؓ کا قول پہلے

گذر چکا ہے کہ تو صبح کرے تو شام کا خیال دل میں مت لا، اور شام کرے تو صبح کا تصور چھوڑ دے۔

اعمل لدنيالـ كأنـك تعيش ابـدا * واعمل لآخرتـك كأنـك تمـوت غـدا

''دنیا کے لئے اس طرح عمل کر جیسے تو ہمیشہ زندہ رہے گا، اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح عمل کر گویا کل ہی تجھے موت آئے گی''۔

کسی حکیم نے کہا ہے کہ امیدوں کا بندہ نہ بن، کیوں کہ امیدیں مفلس لوگوں کا سرمایہ ہیں، اور کسی دانا کا قول ہے: امیدوں سے بچوں، کیوں کہ امید احمقوں کی وادی ہے جہاں وہ اترتے ہیں، واللہ! امیدوں میں نہ تو دنیا کی بھلائی ہے نہ آخرت کی، شاعر کہتا ہے:

ولاأُؤخـر شـغل اليـوم عـن كسـلٍ * إلـى غـد إن يـوم العـاجزين غـد

''میں آج کے کام کو سستی وکاہلی کی وجہ سے کل تک مؤخر نہیں کر سکتا، کیوں کہ ''کل'' تھکے ہارے اور عاجز لوگوں کا دن ہے''۔

يـا عـامرًا الخـراب الـدّار مجتهـدا * بِـالله هـل لخـراب العمـر عمـرانُ

دع التكاسـل فـي الْخـيرات تطلبهـا * فليـس يسْـعد بـالخيرات كسـلانُ

لاتغـترر بشـباب نـاعم خضـل * فكـم تقـدم قبـل الشـيب شـبّانُ

سوف کا فریب

سوف (بعد میں کروں گا) بہت بڑا دھوکہ اور نفس وشیطان کا پھندا ہے جس میں آسانی سے لوگوں کو پھنسا دیتا ہے، ابن جوزی ؒ نقل کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ملی ہے: انّ اکْبر جُنودِ إبلِيسَ سوفَ ''سوف ابلیس کے لشکروں میں سب سے بڑا لشکر ہے''، وعدۂ فردا کے پانی سے احساسِ زیاں کی سوزش کو ختم کر دیتا ہے، جب درد کا احساس نہ رہا تو علاج کیسے ہوگا، اسی کی آڑ میں آدمی اپنی شکست کو چھپاتا ہے، انسان کی بہت سی ناکامیوں، حماقتوں اور غفلتوں کا ذمہ دار

''کل'' کا لفظ ہے، ابھی تو جوانی ہے، ابھی زندگی باقی ہے، ان خیالات سے شیطان نے ایسی ضرب لگائی کہ پھر اٹھنے کی نوبت ہی نہ آئی اور وقت موعود آ پہنچا، اسی لئے بعض علماء نے خصوصیت کے ساتھ دشمن کے اس حربے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ہے: احْذَرُوا سَوْفَ (سوف سے بچ کر رہنا)۔

قبیلۂ عبد قیس کا ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ ہمیں کچھ آخری نصیحت کیجئے، اس نے کہا: أَنْذَرْتُكُمْ سَوْفَ (میں تم کو ''سوف'' سے ڈراتا ہوں)۔

ابن جوزیؒ نے کسی عمل کو کل پر ٹالنے کی مثال دی ہے جیسے کوئی شخص ایک تن آور درخت کاٹنے کے لئے گیا، لیکن زیادہ محنت دیکھ کر اس نے اس کام کو ایک سال تک ٹال دیا، اور یہ سوچ کر چلا گیا کہ میں ایک سال کے بعد آکر اس کو کاٹوں گا، لیکن ایک سال کے بعد یہ درخت اور زیادہ مضبوط ہوگا، اور وہ شخص ایک سال کے بعد حال کی بہ نسبت کمزور ہو جائے گا، پھر اس وقت مشقت زیادہ ہوگی، بہت سے لوگ کام کو مستقبل پر ٹال کر ذمہ داریوں سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن وہ لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ کام کو ٹالنے سے مشقت بڑھتی ہے۔

تن آسانی

تن آسانی بھی انسان کی زندگی کی بربادی کا ایک سبب ہے، محنت سے پیچھے ہٹنا، جدوجہد کرنے سے جی چرانا اور آرام وراحت کے مواقع تلاش کرتے رہنا ایسی صفت ہے جو ہلاکت کے لئے کافی ہے، بدن کی راحت میں لگا رہنے والا انسان کسی بھی بڑے کارنامے کو انجام نہیں دے سکتا ایسا انسان کسی بھی اچھے کام اور بہترین عمل پر سوتے رہنے اور بیٹھے رہنے کو ترجیح دیتا ہے، اس کو سختیٔ منزل سے اور راستے کی صعوبتوں سے وحشت ہوتی ہے، اقبالؒ کا نوحہ سنئے:

جو سختیٔ منزل کو سامان سفر سمجھے ✵ اے وائے تن آسانی! ناپید ہے وہ راہی

تن آسانی انسان کو حیوانیت کی سرحد سے ملا دیتی ہے، حیوانات کو سوائے کھانے پینے اور

سونے کے اور کچھ کام نہیں ہوتا، ان کی ساری محنت حال ہی کے لئے ہے، وہ مستقبل کی کامیابی کو سوچ کر کسی طرح کا قدم نہیں اٹھاتے، یہ انسان کی خاصیت ہے کہ وہ مستقبل کی کامیابی کے لئے زمانۂ حال کے راحت وآرام کو ترک کر کے کام میں مصروف رہتا ہے، شعر:

یاخادم الجسم کم تسعی لخدمته ✷ وتطلب الربح بما فیه خسران

علیك بالنفس فاستکمل فضائلها ✷ فانت بالنفس لا بالجسم انسان

''اے بدن کے پیچھے محنت کرنے والے! کب تک اس کی خدمت میں لگا رہے گا، اور نقصان کی جگہ سے نفع کی توقع رکھے گا، تو اپنے نفس کی طرف توجہ کر اور اس کے اچھے صفات کو کمال تک پہنچا، کیوں کہ تو نے نفس کی وجہ سے انسانیت کا رتبہ پایا ہے جسم کی وجہ سے نہیں''۔

محنت کرنے والا بدن بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَربع من أعطیهن فقد أعطي خیر الدُّنیَا وَ الْآخِرَةِ، قَلْبٌ شَاکِرٌ وَلِسَانٌ ذَاکِرٌ وَبَدَنٌ عَلَی الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِیهِ خَوْنًا فِي نَفسهَا وَ لَا مَاله۔ (مشکوۃ)

''چار چیزیں جس کو مل گئیں اس کو دنیا وآخرت کی تمام خیر مل گئی، شکر گزار دل، ذکر کرنے والی زبان، احکامات شرعیہ اور مصائب کو نبیہ پر صبر کرنے والا بدن، اور ایسی بیوی جو اپنی ذات میں اور شوہر کے مال میں خیانت کا موقع تلاش نہ کرے''۔

انسان کے لئے تن آسانی اور راحت طلبی راہزن طریق ہے؛

رہزنِ ہمت ہوا ذوق تن آسانی تیرا ✷ بحر تھا صحرا تو، گلشن میں مثلِ جو ہوا

یہ طے شدہ بات ہے کہ دنیا میں آرام اسی کو ملتا ہے جس میں دو بڑے عیب ہوں، بے عقلی اور بے حسی، دنیا میں دانشمند اور حساس آدمی کو کبھی سکون نہیں ملتا، وہ ہمیشہ کمال کی طرف بڑھنے اور خود کو عیوب ونقائص سے اور اپنی زندگی کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ہر وقت فکر مند رہتا

ہے، گویا آرام وراحت اور ظاہری و باطنی کمالات ان دونوں میں تضاد ہے، پس دنیا میں جو آرام کا طالب ہو اسے اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ خلل کہاں واقع ہوا ہے۔

جس قدر بلندیاں مطلوب ہوتی ہیں اسی قدر قربانیاں شرط ہیں، حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا رَأَيتُ مِثلَ النارِ نَامَ هَارِبُهَا وَ لَا مِثْلَ الْجَنةِ نَامَ طَالِبُهَا۔ (ترمذی) ''میں نے نہیں دیکھی جہنم جیسی کوئی چیز جس سے بھاگنے والا سو گیا ہو، اور نہ جنت جیسی کوئی چیز جس کا طلب گار سو گیا ہو''۔

بقدر الكد تكتسب المعالی ✲ من طلب العلی سهر الليالی
من رام العلی من غير كد ✲ اضاع العمر فی طلب المحال

''بلندیاں بقدر محنت حاصل ہوتی ہیں، بلند مقامات کا طالب راتوں کو جاگتا ہے، جس نے بغیر محنت کے مقام بلند کی خواہش کی اس نے محال چیز کی طلب میں عمر ضائع کر دی''

یہی قانون فطرت ہے کہ قربانی و محنت کے بعد کسی چیز کا جمال و کمال آشکارہ ہوتا ہے، لوہے کو گھسا جاتا ہے تب اس میں چمک پیدا ہوتی ہے، کسی بھی دھات کو آگ میں گرم کر کے اس کو خوبصورت شکل میں ڈھالا جاتا ہے، دانہ جب زمین میں ڈالا جاتا ہے تب اس سے کھیتی لہلہاتی ہے، اور باغات تیار ہوتے ہیں، ہر چیز قربانی دینے کے بعد قیمتی بنتی ہے، پس؛

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے * کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

جو زندگی کے میدان میں دوڑ لگانے کی کوشش کرتا ہے وہ خالق و مخلوق کا پیارا ہوتا ہے،

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے * جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

محنت و کوشش سے پہلو تہی دامنِ حیات پر شکست کا داغ ہے:

گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی * اگر شکست نہیں تو اور کیا ہے شکست

عشرتِ امروز

انسان کی طبیعت لذت حاضرہ کی طرف مائل ہوتی ہے، وہ موجودہ لذت وسرور کی خاطر بعد میں ملنے والے بڑے منافع بھی کھودیتا ہے، کتنی کھانے کی چیزیں نقصان دہ ہے لیکن وقتی لذت کی خاطر انسان ان کو کھاتا ہے اور مستقبل کا نقصان برداشت کرنے پر تیار ہوجاتا ہے، یہی طبیعت انسان کو آخرت کے اعمال میں لگنے سے مانع بنتی ہے، اللہ تعالی نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾

’’ہرگز نہیں، پر تم چاہتے اس کو جو جلد آئے، اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے‘‘۔

﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا﴾

’’یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو، اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو‘‘

ان آیات میں اللہ نے انسانوں کی اس خصلت کی برائی بیان کی ہے کہ وہ جلدی ملنے والے نفع کو ترجیح دیتے ہیں اور بعد میں ملنے والے نفع کو نظر انداز کردیتے ہیں، چاہے وہ جلد ملنے والے نفع سے بدرجہا بہتر ہی کیوں نہ ہو، اسی لئے اللہ نے اس کو عجول (بڑا جلد باز) فرمایا، کہیں فرمایا کہ اس کی پیدائش ہی گویا جلد بازی سے ہوئی ہے، علامہ اقبالؒ نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش وسرور　✵　نہ کھینچ نقشۂ کیفیتِ شرابِ طہور
فراقِ حور میں ہو غم سے ہمکنار نہ تو　✵　پری کو شیشۂ الفاظ میں اتار نہ تو
مجھے فریفتۂ ساقیِ جمیل نہ کر　✵　بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سلسبیل نہ کر
مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں　✵　شباب کے لئے موزوں ترا پیام نہیں
شباب آہ! کہاں تک امیدوار رہے　✵　وہ عیش عیش نہیں جس کا انتظار رہے
وہ حسن کیا کہ جو محتاجِ چشمِ بینا ہو　✵　نمود کے لئے منت پذیرِ فردا ہو

عجیب چیز ہے احساس زندگانی کا
عقیدہ عشرت امروز ہے جوانی کا

موت کے بعد کے وہ فوائد جو آج کی کدوکاوش پر موعود ہیں اگر ذہن میں مستحضر رکھ کر نفس کو اس کی لالچ دی جائے، اور دل کو اس طرح سمجھایا جائے کہ اگر چہ ان نعمتوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے قدرے انتظار کی ضرورت ہے، لیکن ان کا حصول یقینی ہے، اور حاصل ہو جانے کے بعد پھر ان میں کمی یا زوال یا فنا کا کوئی خطرہ نہیں، اور زمانہ کے گذرنے سے اس سے دل میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہوگی، نعمتوں میں ترقی ہی ہوتی رہے گی اور ایسا عیش اور ایسی فرحت نصیب ہوگی جس میں کسی طرح کا غم یا خوف ملا ہوا نہیں ہوگا، خدا کی ناراضگی کا ڈر نہیں ہوگا، اس طرح سوچنے سے لازمی طور پر دل میں رغبت پیدا ہوگی، اور آخرت کی تیاری کے لئے قدم اٹھانے کی ہمت ہوگی، اس کے ساتھ دنیوی نعمتوں کا انجام پیش نظر رکھا جائے، یہ خیال کرے کہ دنیوی نعمتوں میں اگر چہ فوری طور پر تھوڑی دیر کے لئے لذت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ لذت بہت ہی جلد ختم ہونے والی ہے، کچھ وقت گذرنے کے بعد لذت کا ایسا نام ونشان ختم ہو جاتا ہے کہ گویا کبھی ہم نے اس نعمت سے فائدہ اٹھایا ہی نہیں، نیز دنیا کی لذت وسرور میں غم وخوف کی آمیزش ہوتی ہے، اس کی صفائی میں بھی کدورت ہوتی ہے، اس کی عزت بھی ذلت کے خطرات سے خالی نہیں ہوتی، قرآن کریم کی ان آیات میں غور کریں جن میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو دنیوی زندگی کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے مثالیں بیان فرمائی ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا أَتٰهَا أَمْرُنَا لَيْلًا

اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ یونس٢٤

''دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے برسایا، پھر اس پانی سے زمین کے نباتات جس کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے، یہاں تک کہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی، اور آراستہ ہو گئی، اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں، ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا، تو ہم نے اس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں، جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کے لیے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں''۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ التوبة:٣٨

''مومنو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے) زمین پر گرے جاتے ہو (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت (کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو، دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں''۔

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ القصص٦٠

''اور جو چیز تم کو دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے، اور جو خدا کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، کیا تم سمجھتے نہیں''۔

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ

الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ العنكبوت٦٤

''اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشہ ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے۔کاش یہ (لوگ) سمجھتے''۔

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾ الكهف:٤٦

''مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی زینت ہیں،اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے پروردگار کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں''۔

جب دنیوی زندگی کی یہ حقیقت ہے تو اس کی فانی لذتوں کے بہ جائے وقت کو کسی دائمی نعمت کے حصول کے لئے استعمال کرنا چاہئے،ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:انسان کو چاہئے کہ اس بات میں غور کرے کہ ایک روزہ دار شام کے وقت افطار کے لئے بیٹھا،اس کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی کھانے بیٹھا جو روزہ دار نہیں تھا،وہ دونوں اس وقت سیر ہو کر کھاتے ہیں،روزہ دار کے روزے کی تھکن بھی گئی اور روزہ نہ رکھنے والے کی راحت بھی گئی،لیکن ثواب میں دونوں کا حال بہت الگ ہو گیا،روزہ دار بڑے ثواب کا حقدار ہو گیا اور روزہ نہ رکھنے والا اس ثواب سے محروم رہا۔

ایک ابوبکر صدیقؓ بھی گذرے ہیں اور ایک ابوجہل ملعون بھی گذرا ہے،ایک کی زندگی عمل اور آزمائشوں سے پُر ہے اور دوسرے کی زندگی ہر طرح کی مذہبی قیود سے آزاد ہے، خواہشات کی پیروی ہی اس کی زندگی کا عمل ہے،لیکن موت نے ابوبکر صدیقؓ کے مصائب کا خاتمہ کر دیا اور ان کو ہمیشہ کے لئے کامیابی کا پروانہ مل گیا،دوسری طرف موت نے ابوجہل کے آرام کا خاتمہ کر دیا،اب اسے ہمیشہ کے لئے ناقابل برداشت عذاب کا سامنا ہے،دنیا میں جو اسے راحت وآرام اور آزادی کی طلب تھی اور جو اسے ملی،موت کے بعد اس سے کئی گنا بڑھ کر تکالیف وآلام

سے دو چار ہوا، پس اس بات کا دھیان رکھا جائے کہ آج کی لذت کل کی تکلیف کو جنم دے گی، آج کا آرام کل کے آلام کا مقدمہ ہے، اور آج کی محنت کل کی راحت کا سبب بنے گی۔

جنت کی لذت تمام تکلیفوں کو بھلا دے گی، دنیا میں کئے ہوئے مجاہدات کے سارے آثار مٹ جائیں گے، اصل ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد ایسا معلوم ہوگا جیسے کبھی کوئی مجاہدہ کیا ہی نہیں تھا، دنیا میں سب سے زیادہ مصائب میں زندگی گذارنے والا اور پوری زندگی آنسو بہا کر نکالنے والا جنت میں پہنچ کر اپنی دنیوی تکلیفوں کا انکار کر دے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُؤْتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً، ثُمَّ يُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَاللهِ! يَا رَبِّ وَيُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا، مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَاللهِ! يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ، وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ (رواہ مسلم)

’’قیامت کے دن جہنم والوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا والوں میں سب سے زیادہ خوشحال تھا، پھر اس کو جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہے؟ کیا تیرے پاس کبھی کوئی نعمت آئی ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! واللہ میں نے کوئی بھلائی نہیں دیکھی، اور اہل جنت میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ پریشان رہا ہوگا، پھر اسے ایک مرتبہ جنت میں غوطہ دے کر پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا کبھی تو نے کوئی پریشانی دیکھی ہے؟ کیا کبھی تجھ پر شدید حالات آئے ہیں؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! واللہ میں نے کوئی پریشانی نہیں دیکھی، اور نہ کبھی مجھ پر سخت حالات آئے‘‘۔

ماضی اور مستقبل کی فکر

انسان سے کوتاہی ہو ہی جاتی ہے لیکن انسانی ضمیر زندگی کو اصل مقصد کی طرف رواں دواں کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے، کبھی کسی کتاب یا خطاب سے دل نرم ہو جاتا ہے اور اپنی آئندہ کی زندگی کو درست کرنے کا عزم کرتا ہے، ایسے وقت میں کبھی انسان اپنی پچھلی کوتاہیوں کو دیکھتا ہے تو حسرت وندامت کی کیفیت اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ مایوسی کے عالم میں چلا جاتا ہے، یہ مایوسی عمل سے فارغ کر دیتی ہے، اور کبھی مستقبل کی فکر بھی انسان کو مستغرق کر دیتی ہے، وہ اسی فکر میں محو رہتا ہے کہ میں آئندہ بھی راہ راست پر رہوں گا یا نہیں، میری توبہ کو دوام ملے گا یا نہیں، میں نے جو خیر کی طرف قدم بڑھایا ہے یہ بڑھتا رہے گا یا پیچھے ہٹ جائے گا، الغرض کبھی ماضی اور مستقبل کی فکر بھی انسان کو تفکرات وخیالات میں مشغول کر کے عمل سے دور کر دیتی ہے۔

اکابرین نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ ماضی کی کوتاہیوں پر سچے دل سے توبہ کر لے، پھر بار بار ان کا خیال نہ لائے، اور مستقبل کی سلامتی کے لئے اللہ سے دعا کرتا رہے، اس کے علاوہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ لگے، بلکہ زمانۂ حال کو سنوارنے کی فکر کرے، صوفیائے کرام نے کہا ہے کہ ماضی اور مستقبل بھی حجاب ہیں، اس کی فکر میں انسان اصل کام سے محروم رہ جاتا ہے، انسان کو حال کی فکر کرنی چاہئے، ہمارے اختیار میں فقط حال کا زمانہ ہے، اگر ماضی و مستقبل کی فکر میں لگا رہا تو حال کا زمانہ بھی بیکار جائے گا، بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ کل مر گیا، آئندہ کل پیدا نہیں ہوا، اور آج کا دن دوڑ میں لگا ہے، پس اسی کی فکر کرنی چاہئے، شعر:

نہ تو کل کے افسوس میں آج رو — کہ کل رونے بیٹھے گا آج کو

حوادث

انسانی زندگی کا سفر ایک ناہموار راستہ پر ہوتا ہے، نشیب وفراز سفر حیات کا لازمی جز ہے،

انسان اپنی زندگی میں بار ہا ہموم وغموم کے بھنور میں پھنستا ہے، اور بار ہا مصائب وآلام کا شکار ہوتا ہے، بہت سے انسانوں کے لئے ناگوار حالات سدراہ بن جاتے ہیں، وہ آنے والی پریشانیوں سے ذہنی طور پر تھک جاتے ہیں، اور کسی عمل کی طرف توجہ کرنا ہی نہیں چاہتے، یا اگر عمل کی طرف توجہ ہوتی ہے تو خیال کر لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ٹلنے کے بعد اعمال میں مشغول ہو جاؤں گا، اور پھر مصیبت ٹلنے کے انتظار میں اعمال سے چھٹی کر لیتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ مصائب وحالات سے انسان کو کسی وقت بھی اطمینان نہیں ہوسکتا ہے، ایک کے بعد ایک مصیبت آتی رہتی ہے، پس ان حالات میں اعمال سے چھٹی کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ انسان اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دے، اس لئے ضروری ہے کہ ہموم وغموم اور مصیبت وتکلیف کے وقت بھی ہمت کر کے خود کو اعمال میں لگائے رکھنے کا عادی بنائے، اور ذہنی انتشار پر قابو پا کر خود کو اعمال کی طرف متوجہ رکھے، بادِ مخالف تو عقاب کی پرواز کو بلند کر دیتی ہے، حالات ومصائب سے انسان میں پختگی آتی ہے، اور اس کے اندر استقامت اور استقلال کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے،

حادثاتِ غم سے ہے انساں کی فطرت کو کمال　　غازہ ہے آئینۂ دل کے لئے گردِ ملال

غم غفلت زدہ طبیعت کو ہوش میں لانے کا ایک سبب ہے،

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطف خواب سے * ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے

طائر دل کے لئے غم شہپر پرواز ہے * راز ہے انسان کا دل غم انکشاف راز ہے

غم نہیں غم، روح کا ایک نغمۂ خاموش ہے

جو سرود بربط عالم سے ہم آغوش ہے

جو انسان مصائب اور غموں کے اوقات میں مناسب حالات کے انتظار میں رہا وہ نفس کی

جال میں پھنس گیا، کیوں کہ نفس ارادوں پر مطمئن کر دیتا ہے، پھر ہم نیک کام کا صرف ارادہ کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ میں اچھی حالت میں ہوں، اور زندگی کا حق وصول کر رہا ہوں۔

نتیجہ میں جلد بازی

راہ عمل پر ایک بہت بڑا خطرہ جلد بازی ہے، یہ صفت آدمی کو اعمال و کردار میں سرگرم ہونے کے بعد عمل سے دور کر دیتی ہے، ہوتا یہ ہے کہ آدمی کسی عمل کو شروع کر کے اس کے نتائج اور فوائد کے حصول میں جلد بازی سے کام لیتا ہے، اس کی یہ حرص ہوتی ہے کہ اس عمل پر جو منافع اور عمدہ نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ کم سے کم مدت میں مجھے حاصل ہو جائے، اور ان نتائج کے مرتب ہونے لئے جتنی مدت درکار ہوتی ہے اتنی مدت صبر و انتظار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نا امید ہو کر بیٹھ جاتا ہے، اور عمل سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر آدمی کو دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، اول یہ کہ عمل انسان کی قدرت میں ہے، نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں، اور اللہ کا وعدہ ہے کہ آدمی کو اس کی محنتوں کا پھل اس کی نیتوں کے مطابق ضرور ملے گا، پس اپنا عمل اور اپنی نیت صحیح کر لیں، نتیجہ کی اللہ سے دعا اور امید کرنی چاہئے، اگر دنیا میں ہمارا مجوزہ نتیجہ حاصل نہیں ہوا تب بھی آخرت میں ثواب تو مل ہی جائے گا، بلکہ دنیا میں اس کا بدل نہ ملنے پر آخرت کا اجر بڑھ جائے گا، اور مومن کی نگاہ میں اس سے بڑا کوئی فائدہ ہی نہیں، دوسری بات یہ کہ اگر مقصود آخرت میں کوئی خاص مقام و مرتبہ یا کوئی بڑی فضیلت یا ولایت تقرب اور صلاح و تقوی میں کوئی اونچا مقام یا کوئی دینی خدمت ہے، اور جد و جہد کے باوجود وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا تو فکر کی بات نہیں، کیوں کہ اچھی نیت کے ساتھ عمل میں لگا رہنے والا شخص قیامت کے دن اپنی نیت کی وجہ سے انہیں کاملین کی جماعت میں شامل ہوگا، اور یہ بات دین میں بدیہیات کا درجہ رکھتی ہے جس کے لئے حوالہ یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔

کمال کی حرص

کمال کی حرص بھی بسا اوقات عمل سے مانع بنتی ہے، آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں اسی وقت عمل کا آغاز کروں گا جب میرے لئے عمل کو تمام نقائص سے بچاتے ہوئے کمال تک پہنچانے کی گنجائش ہوگی، پس اگر طبیعت میں سستی ہے، یا اسباب پورے مہیا نہیں ہیں، یا ذہن منتشر ہے، یا اور کوئی ایسی رکاوٹ ہے جس کے ہوتے ہوئے آدمی عمل میں لگ تو سکتا ہے لیکن اس عمل کو بہ حسن و خوبی انجام تک نہیں پہنچا سکتا، ایسے موقع پر وہ شخص عمل کے لئے آمادہ نہیں ہوتا جو ہمیشہ کمال کی حرص کرتا ہے، ایسے لوگ کبھی اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''جی میں یا تو کام میں لگتا ہی نہیں، اور جب لگتا ہوں تو اس کو اچھے طریقے سے انجام دیتا ہوں''، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں اسی وقت سفر کرتا ہوں جب سواری بہت تیز رفتار ہو، اور اگر سست رفتار ہو تو میں سفر روک دیتا ہوں، بتائیے! یہ مسافر اپنا نقصان کر رہا ہے یا نہیں، پھر جس کو اکثر سست رفتار سواری ملے، اور تیز رفتار کبھی کبھی مل جائے اس کے لئے یہ اصول کس قدر ضرر رساں ہوگا، اگر نفس پر قابو نہ کیا جائے تو یہ سواری سست رفتار ہی ثابت ہوگا، پس کامل کی حرص میں ناقص کو ترک کرنا جہالت ہے یا فریب نفس۔

منصوبہ بندی کا فقدان

مقاصد واہداف کا کوئی تعین نہ ہو، اور ترجیح وترتیب اور تقدیم وتاخیر کے متعلق کوئی منصوبہ ذہن میں نہ ہو تو وقت برباد ہوتا ہے، ایک ڈبے میں کچھ چیزیں بے ترتیب ڈال دی جائیں تو اس میں خلا رہ جائے گا، اور اگر ترتیب سے رکھی جائیں تو خلا کم از کم رہے گا اور چیزیں زیادہ مقدار میں رہیں گی، اس کی حسی مثال سمجھئے کہ جو شخص اپنی چیزیں گھر میں بے ترتیب اِدھر اُدھر رکھ دیتا ہے، جب اس کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو گھر کا نقشہ قابل دید ہو جاتا ہے، بیوی تجوری دیکھ رہی ہے، بیٹی الماری میں محوِ جستجو ہے، اور جناب بھی اِدھر اُدھر پریشان ہو رہے ہیں، یہ ہے وقت کی بربادی۔

ضیاعِ وقت کے مواقع

موبائیل

آج کل جن چیزوں نے ہمارا وقت برباد کیا ہے ان میں سے ایک ''موبائیل'' ہے، اس کا نشہ ہم میں سے اکثر لوگوں پر ایسا چڑھ گیا ہے کہ کسی دن اس کے استعمال کے بغیر سکون نہیں ملتا، دن میں ذرا بھی اپنے کام سے فرصت ملی موبائیل ہاتھ میں آجاتا ہے، پھر انٹرنیٹ میں، یا دوستوں کے ساتھ باہمی پیغام رسانی میں ایسے منہمک ہوجاتے ہیں کہ گھنٹے نکل جاتے ہیں لیکن نہ موبائیل سے جی بھرتا ہے اور نہ وقت کی رفتار کا احساس ہوتا ہے، نہ ان میں کوئی ضروری بات ہوتی ہے اور نہ کوئی اہمیت کا حامل پیغام ہوتا ہے، کئی لوگ رات کو نیند آنے تک موبائیل میں مشغول رہتے ہیں، اور صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے موبائیل ہاتھ میں آتا ہے، کئی لوگ اپنے ساتھیوں کو نیا مسیج بھیجنے کے شوق میں انٹرنیٹ پر تلاش کرنے میں یا خود کوئی کاریگری دکھانے اور کوئی عجوبہ تیار کرنے میں بہت سا وقت برباد کرتے ہیں، کبھی خوبصورت عنوان سے بھی اس میں وقت کی بربادی ہوتی ہے، مثلا پڑھا لکھا طبقہ فضول مباحثہ کو علمی تحقیقات کا عنوان دے کر اس میں ایسا مشغول ہوتا ہے گویا وہ کوئی اہم اور ضروری مسئلہ کی تحقیق میں لگا ہو، ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ جن مسائل کا کوئی فائدہ نہ ہو ان میں لمبی لمبی بحثیں ہورہی ہیں، ہر ایک اپنی فتح کا پرچم لہرانے کی فکر میں موضوع سے ایسا چپک جاتا ہے کہ اس کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، یہ شیطان کا کھلواڑ نہیں تو اور کیا ہے! کتنے دن اور کتنی راتیں اور عمر عزیز کے کتنے انمول لمحات موبائیل کی بھینٹ چڑھ گئے۔

صرف وقت کا ضائع ہونا ہی موبائیل کا نقصان نہیں ہے، بلکہ اس نے اسلامی قدروں پر جو کاری ضرب لگائی ہے، اور اسلامی اخلاق و کردار، ایمانی جذبات وخیالات اور دینی ذہنیت میں جو انقلاب اور بگاڑ برپا کیا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، ایک تصویر کشی ہی کو لے لیجئے، آج سے

تقریبا بیس سال پہلے چھوٹے بچوں کے دلوں میں تصویر کی اتنی نفرت بیٹھی ہوئی تھی کہ جب اسکول میں نصاب کی کتابیں ملتیں تو پہلے دن مسلم بچوں کا یہ کام ہوتا تھا کہ پوری کتاب میں ذی روح کی تصاویر تلاش کرکر کے ان کی آنکھیں یا پورا چہرہ قلم یا پنسل سے مسخ کر دیتے، بازار سے جو چیز خرید کر گھر لائی جاتی اس پر بھی ذی روح کی تصویر برداشت نہ کی جاتی، اس پر نظر پڑتے ہی بچہ اپنا پہلا فرض یہ سمجھتا تھا کہ اس تصویر کا سر کاٹ دیا جائے، لیکن آج کا ماحول دیکھئے کہ سو میں نوّے موبائیل تصاویر سے بھرے نظر آئیں گے، ذرہ بچے کو کودتے ہوئے دیکھا کیمرہ کھل گیا، کسی نئی جگہ پہنچ گئے اپنی اور دوستوں کی تصاویر سے موبائیل بوجھل ہو گیا، اس کے علاوہ بھی دنیا بھر کے لوگوں کی تصاویر سے موبائیل کو سجا رکھا ہے، مسینجر میں اپنے پروفائل پر اپنی یا بیٹے کی تصویر رکھی ہوئی ہے، سوال یہ ہے کہ تصاویر سے شریعت نے جو نفرت پیدا کی تھی وہ کہاں گئی؟ کس وادی میں کھوگئی؟ ہاں وہ اس موبائیل کے سیلاب میں بہہ گئی، عورتوں کی تصاویر میں دوہرا گناہ ہے، عورتوں کی تصاویر دیکھنا پہلے بھی گناہ تھا اب بھی گنا ہے، پہلے بھی یہ گناہ لوگوں سے ہوتا ہوگا، اب بھی ہو رہا ہے، لیکن پہلے دیکھنے والا لوگوں کی نظروں سے چھپ کر دیکھتا تھا، اگر کوئی مطلع ہو گیا تو اس پر بڑا شاق گذرتا تھا، اور شرم محسوس کرتا تھا، مطلع ہونے والا بھی دیکھنے والے کی اس حرکت سے نفرت کرتا تھا، لیکن آج لطیفوں، خبروں اور تماشوں کے بہانے بھری محفل میں عورتوں کی تصاویر اور متحرک تصاویر دیکھی جاتی ہیں، گویا اہم خبروں کے لئے عورتوں کی تصویر دیکھنے میں کوئی قباحت ہی نہ ہو، بھری مجلس میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوتا جس کے اندر ایمانی حیاء جوش میں آئے، اور وہ خود بھی دیکھنے سے شرمائے اور دوسروں کو بھی شرم دلائے، گویا شرم وحیا کی چیزوں میں اس فعل کا شمار ہی نہ ہو، ان محفلوں کی شرم وحیاء پر کس نے جھاڑو پھیر دیا، مجلسوں کو بے حیائی کی اس حد تک کس نے لا کھڑا کیا؟ اس کا ذمہ دار بھی موبائیل ہے، اللہ امت کو اس کے شر و رفتن سے محفوظ رکھے۔

مجلس سازی

ہمارے معاشرے میں وقت کی تباہی کا ایک اہم سبب مجلس سازی ہے، دوستوں کی مجلسوں میں ہمارا بہت وقت ضائع ہوتا ہے، مجلسوں میں بیٹھنے کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ ان میں شرکت کئے بغیر دن ادھورا لگتا ہے، اتنی پابندی سے ان فالتو مجالس میں شریک ہوتے ہیں گویا اس کے بغیر کوئی دنیوی یا دینی نقصان ہونے کا اندیشہ ہو، اتنی پابندی سے کسی دینی مجلس میں شریک ہونا بھی نصیب نہیں ہوتا، مجلس میں شرکت کر کے سکون محسوس ہوتا ہے، اور گھر اور مسجد میں کڑھن سی محسوس ہوتی ہے، ابن جوزیؒ اپنے زمانے کے لوگوں کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ زندگی کی معنویت سے بے خبر ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ تعالی نے مال دے کر طلب معاش سے بے فکر کر دیا ہے، وہ لوگ دن میں بازار میں بیٹھ کر لوگوں کو دیکھتے رہتے ہیں، پس وہ کتنے منکرات و آفات میں مبتلا ہوتا ہے، اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کھیل میں منہمک ہو جاتے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو سلاطین اور حکمرانوں کے واقعات و حالات اور گرانی اور ارزانی وغیرہ کے مذاکرے میں وقت گزاری (ٹائم پاس) کرتے رہتے ہیں، یہ سب دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ اللہ نے زندگی کی قدر و قیمت سے ہر کسی کو آگاہ نہیں کیا۔ (قیمۃ الزمن)

پھر ان مجلسوں میں مذاق مستی، ایران تران کی باتیں، غیبت اور بہتان کے سوا کچھ نہیں ہوتا، گویا غیبت اور بہتان ان مجالس کی روح ہے، جھوٹ اور بے حیائی کی باتیں ان محفلوں کی زینت ہیں، زبان قابو سے باہر نکل جاتی ہے، جو کچھ دل میں آیا نکال دیا، جو چاہا بول دیا، ہمارے ایمان کی گرفت بھی اس وقت کمزور ہو جاتی ہے، کسی بات پر بھی ہمارا کمزور ایمان ہم کو ملامت نہیں کرتا، ضمیر پشیمان نہیں ہوتا، نہ دوستوں میں سے کوئی کسی منکر بات کو سن کر روکنے کی کوشش کرتا ہے،

بلکہ ان مجلسوں کا گویا دستور ہی یہی ہے کہ ہاں میں ہاں اور ہنسی میں ہنسی ملاتے جاؤ۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اب تو مجلس میں شرکت نہ کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی شخص اپنے گھر میں رہتا ہے اور بازاروں اور فضول محفلوں میں شریک نہیں ہوتا تو اس کو تنبیہ کی جاتی ہے، اور اس ''گناہ سے توبہ'' کرنے کی تلقین کی جاتی ہے، دوستی اور قدیم تعلقات کا حق ادا کرتے ہوئے بڑی ہمدردی سے کہتے ہیں کہ جناب! پورا دن گھر میں ہی رہتے ہو کیا، کبھی باہر بھی نکلا کرو، گھر سے نہ نکلنے والے کو کمزور اور غبی اور زمانے کے حالات اور وقت کے تقاضے سے بے خبر خیال کیا جاتا ہے۔

غفلت کی نیند

جو لوگ معاش کی فکر سے بے نیاز ہیں، یا معمولی کام کے بعد فرصت ہی فرصت ہے ان لوگوں میں سے ایک بڑی تعداد نے فارغ اوقات کے لئے نیند کا انتخاب کیا ہے، جیسے ہی کام سے فرصت ہوئی بستر اور چارپائی دماغ میں رقص کرنے لگتی ہے، جس صبح کو اللہ نے امت مسلمہ کے لئے بابرکت بنایا ہے اس میں یہ عالمِ خواب کا سفر کرتے ہیں، یہ زندگی برباد کرنے والا قدم ہے، -خاکم بدہن- ائمۂ کرام میں بھی یہ غفلت نظر آتی ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ جن کو اللہ نے خدمت دین کا موقع دیا اور بڑے مقام سے نوازا وہ اس غفلت میں مبتلا ہیں، صبح سے دوپہر تک سوتے رہنا خون کے آنسو رُلانے والی بات ہے، میری اس تلخ نوائی کو تنقید وتحقیر مت سمجھنا، اگر میں نے خود کو پاک اور بڑا تصور کرتے ہوئے لکھا ہے تو مجھ سے بڑا بدبخت کوئی نہیں، یہ سراسر خیر خواہی ہے، ہمیں انبیاء کرام، صحابہ اور اولیاء کی زندگی پیش نظر رکھنی چاہئے، ان کی توصیف میں قرآن کا بیان ہے:

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ۔ ''وہ لوگ رات کو کم سوتے تھے''۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ ''اُن کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہیں''۔ فكفى بهم قدوة۔

حفاظت وقت کے وسائل

* فکر وتدبر : سب سے پہلے اپنے دماغ کو بیدار کرنا ضروری ہے، آدمی کی فکر عملی صلاحیتوں کے لئے مہمیز ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے بارہا قرآن کریم میں تفکر وتدبر کی دعوت دی ہے، جب دماغ سوجاتا ہے تو عملی قوتیں بھی شل ہوجاتی ہیں، اللہ نے عقل اسی لئے دی ہے کہ انسان نفع نقصان میں تمیز کرے، اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر کامیاب بنائے، غور وفکر کی عادت ایک ایسا باطنی نگہبان ہے جو اضاعت اوقات سے بچاتا ہے۔

* عزم وارادہ: قوت ارادی بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، انسان جس چیز کو ٹھان لیتا ہے اس کو انجام تک پہنچا کر رہتا ہے، اگر ہمارے اوقات ضائع ہورہے ہیں تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ابھی تک ہم نے اوقات کی حفاظت کا عزم اور ارادہ ہی نہیں کیا، نفس وشیطان کے خلاف فاتح بننے کا راز قوت ارادی میں پوشیدہ ہے، دنیا میں ہلچل مچادینے اور انقلاب لانے والے افراد کا بنیادی جوہر ان کی قوت ارادی تھی، اسی طاقت کو بروئے کار لاکر انسان نے ناممکن نظر آنے والے کام کو ممکن کر دکھایا، پس تو بھی ''عزائم کو سینوں میں بیدار کردے''۔

* قلت اختلاط: لوگوں سے اختلاط اور ملنا جلنا کم کردینا بھی حفاظت وقت کے لئے ضروری ہے، گھر میں اور خلوت میں رہنے کی عادت بنائی جائے، حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ نجات کا کیا راستہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

املکُ علیکَ لسانکَ ولُیسعکَ بیتکَ وابکِ علی خطیئتکَ۔

''اپنی زبان قابو میں رکھو، اور چاہئے کہ تمہارا گھر تمہیں گنجائش دے (یعنی اپنے گھر کو لازم پکڑو، بغیر ضرورت کے باہر مت نکلو) اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو''۔ (ترمذی)

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں: نعم صومعة الرجل المسلم بیته، یکف فیه نفسه

وبصره وفرجه، وایاکم والمجالس فی السوق فانها تلغی وتلهی۔ (الزهد الکبیر)
''مومن کے لئے اس کا گھر کیا ہی اچھا عبادت خانہ ہے، جس میں وہ اپنے نفس اور آنکھ اور شرمگاہ کو گناہوں سے روکتا ہے، تم لوگ بازار میں مجلسیں لگانے سے پرہیز کیا کرو، کیوں کہ یہ مجالس لغویات اور غفلت میں ڈال دیتی ہیں''۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: **هَذَا زَمَانُ السُّكُوتِ وَلُزُومِ الْبُيُوتِ۔** ''یہ خاموش رہنے اور گھروں کو لازم پکڑنے کا دور ہے''۔ دو آدمی حضرت ابوسنانؒ کے پاس آئے تو آپؒ نے فرمایا کہ تم دونوں الگ کیوں نہیں ہوتے ہوں، تم دونوں کو الگ ہوجانا چاہئے اس لئے کہ تم دونوں ساتھ ہوتے ہو تو باتیں کرتے ہو اور جب الگ ہوجاتے ہو تو اللہ کو یاد کرتے ہو۔ (الزهد الکبیر)

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ اپنے اصحاب کو یہ وصیت کیا کرتے تھے: **إذا خرجتم من عندي فتفرقوا، لعل أحدكم يقرأ القرآن في طريقه ومتى اجتمعتم تحدثتم۔** ''جب تم میرے پاس سے نکلو تو الگ الگ ہو جاؤ، شاید اس طرح راستے میں قرآن پڑھنے کی نوبت آجائے، اور جب مل کر جاؤ گے تو راستے میں باتیں کرو گے''۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ اکثر گھر میں رہا کرتے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو گھر میں اکیلے رہنے سے وحشت نہیں ہوتی؟ تو آپؒ نے فرمایا: **کیف استوحش وانا مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابه۔** ''مجھے کیسے وحشت ہوسکتی ہے جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ ہوتا ہوں'' (آپؒ حدیث میں مشغول رہتے تھے)۔ (الزهد الکبیر)

* **لغویات سے پرہیز کرنے والوں کی صحبت:** صحبت سے صفات منتقل ہوتی ہیں، پس اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا، اور ہر وقت کام میں لگے رہنے کو پسند کرتا ہے تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے، اور اس شخص کو اپنا دوست بنانا چاہئے، اس

سے بہت جلد تبدیلی شروع ہوجائے گی، اور غیر محسوس طریقے سے وقت کی قدردانی کی صفت ہمارے اندر بھی منتقل ہوگی، کسی بھی اچھی صفت کو پیدا کرنے کے لئے سب سے آسان اور سب سے زیادہ کامیاب راستہ یہی ہے کہ ان صفات والوں کی صحبت اختیار کی جائے۔

* اولیاء اللہ کے حالات کا مطالعہ: اولیاء اللہ کے حالات زندگی سے بھی ہمت اور ارادے میں قوت پیدا ہوتی ہے، اور دل میں حرارت اور حرکت محسوس ہوتی ہے، دل میں عمل کا تقاضا پیدا ہوتا ہے، اور آدمی اپنے گردوپیش کے ماحول سے اوپر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے اولیاء اللہ کے حالات کا مطالعہ بھی بے حد نافع ہے۔

اور اگر کوئی ایک وقت نکال کر گھر میں چند افراد مل کر اس کی تعلیم کیا کریں تو اس سے اور زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس طرح تعلیم کرنے سے دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے، اور اس کے برکات زیادہ محسوس ہوتے ہیں، بزرگوں کے ارشادات میں بھی اس کی اہمیت ملتی ہے، یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اکابر کے یہاں خانقاہوں میں کتابوں کی تعلیم کا رواج ہے۔

لیکن خیال رہے کہ ایسے اولیاء کے حالات کا مطالعہ کیا جائے جو شریعت وسنت کے پابند تھے، ان کی ہر بات سے شریعت کی عظمت ظاہر ہوتی ہو، نیز ان کے کشف وکرامات سے زیادہ ان کے مجاہدات اور اتباع شریعت کے واقعات کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

* وقت برباد کرنے والے افراد اور ماحول سے دوری: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بعض جگہ اپنے عمل کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا ہے، مثلاً مدرسہ، مسجد یا دارالمطالعہ میں کتاب کا مطالعہ یا اور کوئی کام خوبی سے ہوتا ہے، لیکن اپنے گھر پر وہ کام خوبی سے نہیں ہوتا، ذہن منتشر ہوجاتا ہے، یا کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس جانے سے یا ان کے ہمارے پاس آنے سے کام میں حرج ہوتا ہے، ایسے موقع پر انسان کو غور کرکے اپنے لئے اچھے مقام کا انتخاب کرنا

چاہئے، اور وقت برباد کرنے والوں سے دور رہنا چاہئے، اگر وہ خود ہمارے پاس آئیں تو اس وقت اخلاق ومروت دکھانے کے بہ جائے صاف کہہ دینا چاہئے کہ ابھی میں آپ سے نہیں مل سکتا، یہ کہہ کر اپنے کام میں مصروف ہوجانا چاہئے، ہمارے بہت سے اکابرؒ اسی طریقہ پر گامزن تھے۔

* قیود سے آزادی اور سادگی: اپنے آپ کو سادہ زندگی گذارنے کا عادی بنایئے، آدمی کا رہن سہن جتنا سادہ ہوگا، اور دل اشیاء کی محبتوں اور لمبی تمناؤں سے آزاد ہوگا اسی قدر اس میں طاقت پرواز پیدا ہوگی، ورنہ جس کی زندگی تکلفات کے احاطے میں محصور ہوجاتی ہے اور جس کی پسند کا دائرہ وسیع ہوتا ہے کہ میرے کپڑے ایسے ہوں، میرا گھر ایسا ہو، اس میں ایسی ایسی چیزیں ہوں، میرا کھانا ایسا ہو، میری سواری ایسی ہو، وہ انہیں تقاضوں کو پورا کرنے میں مقصد سے غافل ہوجاتا ہے یا عاجز ہوجاتا ہے۔

* اہداف کا تعین: وقت کو کام میں لگانے کے لئے اپنا نصب العین اور طریقۂ کار متعین کرنا ضروری ہے، یعنی میری منزل کیا ہے، اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے مجھے کونسا راستہ اختیار کرنا ہے، اس طرح مقاصد ووسائل کا تعیّن بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے، اس کے بغیر اکثر داعیہ پیدا نہیں ہوتا، اور اگر ہوگیا تب بھی کوئی دلچسپ اور مفید مشغلہ نہ ملنے سے وہ داعیہ ختم ہوجاتا ہے۔

چند اہم اعمال جو اعلی مقاصد کے لئے وسائل ہیں یہ ہیں، قرآن کی تلاوت، حدیث حفظ کرنا، معتمد علماء کے بیانات سننا، کوئی مضمون لکھنا، کسی موضوع پر مواد جمع کرنا، کتاب کا مطالعہ بہترین مشغلہ ہے، اور نیک نیتی کے ساتھ اہم ترین عبادت ہے، ایک بہترین ساتھی ہے، اس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، فکر وتدبر کو نئی راہیں ملتی ہیں، سوچنے کے نئے انداز ملتے ہیں، قلب کو تازگی ملتی ہے، نیا جذبہ اور نیا حوصلہ ملتا ہے، قلب کو سخت ہونے سے بچاتا ہے، نیک کاموں میں رغبت اور برے کاموں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

* **نظام الاوقات**: وقت کی حفاظت کے لئے نظام الاوقات اکابر کا مجرب نسخہ ہے، نظام الاوقات سے وقت بیکار نہیں جاتا، اور اللہ کی طرف سے اس میں برکت ہوتی ہے، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ عمر بھر کے تجربہ کی ایک بات بتاتا ہوں کہ اپنے نظام الاوقات کی پابندی کرو، وقت بڑا گراں قدر سرمایہ ہے، اگر وقت پر کام کرنے کی عادت پڑ گئی اور اس پر مداومت حاصل کر لی تو پھر وقت تمہارا خادم بن جائے گا، حضرت اپنے معمولات وقت پر ادا کرنے کی ایک مثال تھے، حتی کہ ایک مرتبہ آپ کو تلاوت میں مشغول دیکھ کر ایک طالب علم اپنی گھڑی اس بنیاد پر درست کرنے لگا اور وقت ملانے لگا کہ آپؒ روزانہ ٹھیک اسی وقت تلاوت کرتے تھے۔ (سوانح وتعلیمات حضرت عارفیؒ ۲۱۸)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے اکابر کو بھی نظم اوقات اور معمولات کی پابندی کا بہت ہی پابند پایا، میرے والد صاحب کا تو خاص معمول تھا کہ اپنے مخصوص شاگردوں سے سب سے پہلے کام جو لیتے وہ یہ تھا کہ نظام الاوقات ان سے ہی بنوا کر اس میں مطالعہ، کھانا، سبق سب آجاوے اس کو ملاحظہ فرما کر اگر اصلاح کی کوئی ضرورت سمجھتے تو اصلاح کر کے اس کے حوالے فرما دیتے، اور پھر اس پر پابندی کی تاکید فرماتے، اور نگرانی بھی فرماتے تھے، اس کے بعد حضرت شیخؒ نے اکابر کے چند واقعات نظام الاوقات اور اس کی پابندی کے تحریر فرمائے ہیں، اس میں یہ بھی لکھا ہے: حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ میرے اوقات ایسے گھرے ہوئے اور بندھے ہوئے ہیں کہ پانچ منٹ کا بھی حرج ہو جاتا ہے تو دن بھر کے کاموں کا سلسلہ گڑبڑ ہو جاتا ہے، پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: حضرت حکیم الامتؒ نے صحیح فرمایا انضباط اوقات سے جتنا کام عمدہ اور اچھا ہو سکتا ہے بغیر انضباط کے نہیں ہوتا، پھر اس کے بعد حضرت شیخؒ نے خود اپنے مریدین اور شاگردوں سے اس کی تاکید کی تفصیل تحریر فرمائی ہے۔

نظام الاوقات کا مطلب ہے دن بھر کے معمولات کے لئے اوقات طے کرنا، مثلاً صبح صادق سے ۴۰ یا ۵۰ منٹ پہلے اٹھ جاؤں گا، یا جماعتِ فجر سے ۳۰ یا ۴۰ منٹ پہلے اٹھ جاؤں گا، پھر نماز کے بعد تلاوت قرآن کروں گا، پھر ضروریات سے فراغت کے بعد اتنے بجے معاشی ذمہ داری میں مصروف ہو جاؤں گا، نماز ظہر سے ۳۰ منٹ پہلے نماز کی تیاری شروع کروں گا، نماز کے بعد کوئی ذمہ داری ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ایک گھنٹہ کتاب کا مطالعہ کروں گا یا معمولات پورے کروں گا، پھر عصر تک خانگی ضروریات کی تکمیل کروں گا، عصر کے بعد تسبیحات سے فارغ ہو کر اہل خانہ کو وقت دوں گا، مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو کر عشاء سے پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤں گا، عشاء کے بعد معمولات وضروریات سے فارغ ہو کر سو جاؤں گا، یہ پورے دن کے نظام الاوقات کی ایک مثال ہے، اس طرح ہر شخص اپنے حساب سے اپنا نظام الاوقات طے کر سکتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں سونے اٹھنے کا نظام ہی بگڑ چکا ہے، رات کو دیر تک محفلیں لگتی ہیں، رات کو بہت دیر سے سونا اور صبح بہت دیر سے اٹھنا معمول بن گیا ہے، اس طرح آدمی رات میں فضول گوئی اور غیبت میں ملوث ہوتا ہے اور صبح کی برکتوں سے بھی محروم رہ جاتا ہے، اور بعض مرتبہ تو اس کی نحوست سے فجر کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے، یہ ماحول اسلام کے مزاج سے بالکل مختلف ہے، اس لئے اپنے نظام الاوقات میں اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔

نظام الاوقات کو لکھنا چاہئے، صرف ذہن میں طے کر لینے سے نہ اس کی اہمیت دل میں آتی ہے اور نہ یاد رہتا ہے، اور لکھا ہوا دیکھنے سے ایک تقاضا بھی پیدا ہوتا ہے، اور تحریر یاد دہانی کا کام بھی دیتی ہے، نظام الاوقات طے کرنے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے، اور یہ بات خاص طور سے ذہن نشین کر لی جائے کہ نظام الاوقات میں کامیابی ایک دم نہیں ملتی، آدمی نظام الاوقات بناتا ہے لیکن اس کے مطابق کام نہیں ہو پاتا، پختہ ارادہ کرتا ہے لیکن کسی

عذر سے یا کاہلی سے وقت پر وہ عمل نہیں ہوتا، اس سے ہرگز ناامید ہوکر ہمت نہیں ہارنی چاہئے، کیوں کہ ہر نئے مرحلے میں انسان پہلے ٹھوکر کھاتا ہے اور ہر میدان میں پہلے گرتا ہے پھر کامیاب ہوتا ہے، پس آدمی کو چاہئے کہ بارہا نظام کے خلاف ہوجانے پر بھی مایوس نہ ہو اور کوشش کرتا رہے، اور چیونٹی سے سبق لے کہ وہ بارہا گرنے کے بعد بھی اپنا ارادہ نہیں بدلتی اور مایوس نہیں ہوتی یہاں تک کہ دیوار پر چڑھ کر رہتی ہے، ایک معتد بہ مدت تک کوشش کرنے کے بعد استقامت نصیب ہوجاتی ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ صادق و مخلص کو ان ناکامیوں میں بھی قیمتی جواہر ہاتھ لگتے ہیں۔

ہیں عقدہ کشا یہ خارِ صحرا ✵ کم کر گلۂ برہنہ پائی

* کسی کو اپنا معاون بنائیے: ایک مسافر کے لئے رفیقِ سفر بہت اہمیت رکھتا ہے، نیکیوں کی طرف اور اعلیٰ مدارج کی طرف قدم اٹھانے اور تعمیرِ حیات کا قصد کرنے والے کے لئے ایک معاون ترقی اور کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے، بہتر تو یہ ہے کہ دونوں ساتھی معمولات و وظائف میں مشترک رہیں، اور مسابقت کی کوشش کریں، کیوں کہ مسابقت و مسارعت ولولہ و شوق کا سبب ہے، اسلاف میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ دوست آپس میں نیکیوں میں مقابلہ کرتے تھے، لیکن آج اس کا کہیں نام و نشان نہیں، اگر مسابقت کے لئے کوئی ساتھی میسر نہ ہو تو اپنے کسی بے تکلف دوست کو اپنا محاسِب بنا دیجئے جو آپ کے معمولات و وظائف کا محاسبہ کرتا رہے، اور کوتاہی پر آپ کو متنبہ کرے، وہ محاسب بے تکلف دوست ہو کہ آپ کی کوتاہیاں اس کے سامنے آنے سے آپ کو شرمندگی نہ ہو، آپ کا خیر خواہ ہو، اس کی خیر خواہی پر یقین ہو، تاکہ تنبیہ کے وقت کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو، آپ کی ترقی سے اس کو دلچسپی ہو، محض خانہ پُری کرنے والا مددگار ثابت نہیں ہوتا، اور آپ کی ناگواری پر بھی آپ کا مکمل محاسبہ کرنے والا ہو، اگر مزاج دیکھ کر محاسبہ کیا گیا تو اس کو دوام نہیں مل سکتا، کیوں کہ کیفیات کو بقا نہیں، اگر کوئی ایسا معاون مل جائے تو اس کو اپنے درد کا مسیحا تصور کیجئے۔

عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ کی نصیحت پلے باندھ لیجئے

حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ نے اپنی ایک مجلس فرمایا:

یہ تمام عمر کا تجربہ ہے اور اتنی عمر کو پہنچنے کے بعد کہتا ہوں کہ ایک چیز جو بڑی قابل قدر، اور اس کی قدر جان لینا اور پہچان لینا یہی خلاصہ ہے شریعت وطریقت اور سنت کا وہ ہے ''وقت'' جو گرانمایہ چیز ہے، جس نے وقت کی قدر کر لی اس نے سب کچھ حاصل کر لیا، ہمارے پاس جو عمر ہے وہ بہہ رہی ہے پانی کی طرح، ہر لمحہ قیمتی سے قیمتی ہے، اور برق رفتاری سے گزرتی چلی جا رہی ہے۔

یقین رکھو سرمایہ حیات وہی لمحات ہیں جو اللہ کی یاد میں گزر جائیں، اللہ کے ذکر میں گزر جائیں، دنیا کی دولت ہیچ ہے ان لمحات زندگی کے مقابلے میں جس میں اللہ کا بندہ اللہ کے سامنے بیٹھ جائے، اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس کا ایک بندۂ عاجز اور اس کے نبی ﷺ کا امتی چند لمحے کے لئے بھی بیٹھ جائے تو بس اس کے لئے سرمایہ ہے، اور ایمان کا حاصل ہے، تو بھائی وقت کی قدر کرو، وقت بڑی قدر کی چیز ہے۔ (سوانح وتعلیمات حضرت عارفیؒ ۲۱۸)

حضرت شیخ ؒ کے مختصر جملے دستور زندگی بنا دیجئے

اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے، اس کی قدر پہچانی چاہئے، حدیث میں آتا ہے ''**فلیتزود العبد من نفسه لنفسه ومن حیاته لموته ومن شبابه لکبره ومن دنیاه لآخرته**'' بندے کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے اور زندگی میں موت سے پہلے، اور جوانی میں اپنے بڑھاپے سے پہلے، اور اس دنیا میں آخرت سے پہلے زادراہ تیار کر لے۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ ۲۵۷)

اے مہربان رب! اپنے لطف وکرم سے ہم سب کو زندگی کی قدردانی کرنے، اور آخرت کے گھر کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین۔